ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ

ڈاکٹر روبینہ ترین

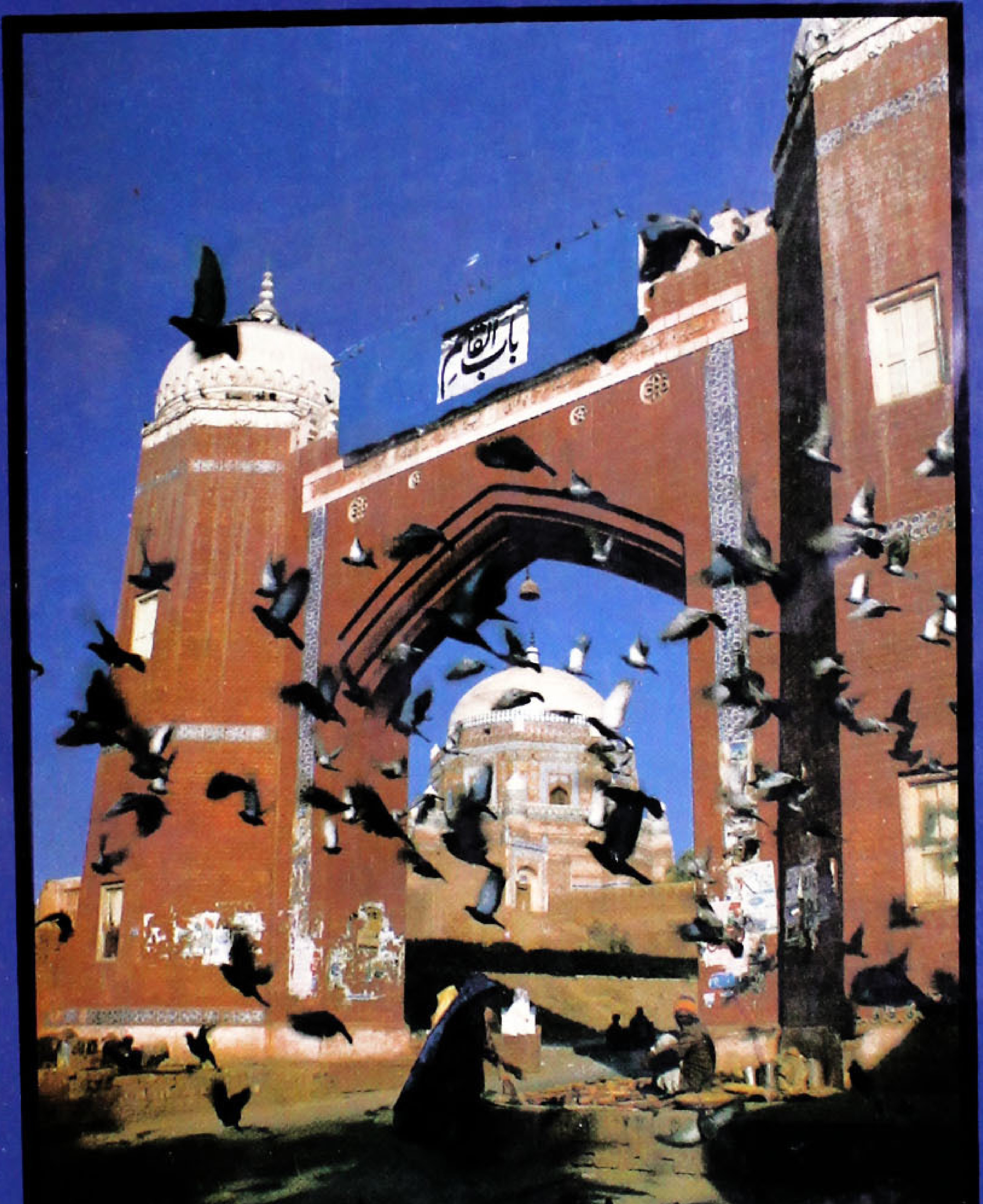

3806

Marfat.com

38276

مُلتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صُوفیائے کرام کا حِصّہ

ڈاکٹر رُوبینہ ترین

ادارہ تالیف و ترجمہ

بہاء الدین زکریا یُونیورسٹی ، مُلتان

باہتمام : بیکن بکس ⊙ گلگشت ، مُلتان

Marfat.com

3806

87053

جملہ حقوق بحقِ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

طبع اول —— ۱۹۸۹ء

تعداد —— ۵۰۰

مطبع : —— شرکت پرنٹنگ پریس

۴۳۔ نسبت روڈ۔ لاہور

قیمت —— ۲۰۰ روپے

Marfat.com

ذخیرہ

انتساب

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے نام

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

پہلا باب ملتان ۱۷

ا۔ ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ ۱۹

ملتان کے قدیم نام اور اُن کا جائزہ ۲۵

عربوں اور اہلِ ہند کے روابط قبل از اسلام ۲۹

عرب و ہند تعلقات عہدِ رسالت میں ۳۱

ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز ۳۴

محمد بن قاسم کی آمد ۳۸

محمود غزنوی کا حملہ ۴۴

صوفیاء اور بزرگوں کا ورود سرزمین پاک و ہند میں ۴۶

ب ۔ ملتان کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں ۴۸

ملتان اہم تہذیبی مرکز ۴۸

یونانی اور چینی سیاح ۴۹

چچ نامہ کی روایت ۵۰

عرب سیاحوں کے بیانات ۵۱

یورپی سیاحوں کے حوالے ۶۰

موہن لال کاشمیری کا بیان ۶۸

ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی اور تہذیبی زندگی کا مجموعی جائزہ ۷۰

ج ۔ سرزمینِ ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل ۷۴

زبان کی تشکیل کا عمل ما قبل از اسلام ۷۶

Marfat.com

مسلمانوں کی آمد اور اثرات زبان پر ۷۸
زبانِ اُردو کی تشکیل کا عمل ۸۱
کتابیات ۸۸
باب دوم - دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال ۹۲
مُلتان اور بنو سامہ ۹۳
ملتان اور قرامطہ ۹۴
صوفیاء کا دَور مُلتان میں ۹۷
دسویں صدی ہجری تک کے صُوفیاء کا احوال ۹۸
کتابیات ۲۴۵
باب سوم - مُلتان کے صُوفیاء ۲۵۳
دسویں صدی ہجری کے بعد کے صُوفیاء اکرام - پس منظر ۲۵۴
صُوفیائے کرام کا احوال ۲۵۸
صُوفیاء کی تعلیمات ۳۷۷
زبان کے تال میل میں صُوفیاء کا حِصّہ ۳۷۸
اُردو زبان و ادب کی ترویج میں صوفیاء کرام کی خِدمات ۳۸۱
مُلتان کے صوفیاء - تہذیب اور زبان و ادب پر ان کے اثرات ۳۸۴
خواجہ غُلام فرید ۳۹۲
کتابیات ۴۷۶
باب چہارم - مُلتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حِصّہ - مجموعی جائزہ - ۴۸۳
ا - مُلتان کے فنونِ لطیفہ و عقیدہ پر صُوفیائے کے اثرات کا جائزہ ۴۸۴
ب - مُلتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صُوفیاء کے اثرات ۵۱۸
حرفِ آخر ۵۶۰
کتابیات ۵۶۲

Marfat.com

ادارہ تالیف و ترجمہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

پیش لفظ

جامعات میں ہونے والی تحقیق، تدریس اور پروان چڑھنے والے خیالات معاشرے کی اجتماعی شخصیت کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ان کی قدر و قیمت کا تعین بھی ان کے فکری اور تہذیبی اثرات سے ہی ہوتا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی نے اپنی کم عمری اور قلیل وسائل کے باوجود ملک کی جامعات میں اپنا ایک مقام حاصل کر لیا ہے، جس کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اپنی یونیورسٹی کو مدینۃ الاولیاء ملتان کی صدیوں پرانی علمی روایت سے وابستہ و منسلک رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

سرزمین ملتان میں رشد و ہدایت کا جو سلسلہ صوفیائے کرام نے شروع کیا تھا اس نے نہ صرف ملتان بلکہ برصغیر کے لوگوں کی مذہبی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی زندگی میں عظیم انقلاب سے ہمکنار کیا۔ ماضی کے ایسے سرمائے کو کھنگالنا، ان مثبت اقدار کے احیاء کے لئے ضروری ہے جو نئی نسل کی داخلی شخصیت کو شکست و ریخت سے محفوظ کر سکیں اور ساتھ ہی ساتھ پورے معاشرے کے جسدِ اجتماعی میں سرایت کر جانے والی تشکیک کا مداوا ہو سکے، ہم نے کوشش کی کہ ان بزرگانِ دین کی ان بابرکت کاوشوں کو سامنے لایا جائے جس پر ابھی بہت سا تحقیقی کام ہونا باقی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے شعبۂ اردو میں ۱۹۸۲ء میں ایک ریسرچ پراجیکٹ بعنوان "سرزمین ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ" تیار کیا گیا۔ اس کی ریسرچ سکالر روبینہ ترین تھیں اور اس پراجیکٹ کے نگران جناب ڈاکٹر اے بی اشرف چیئرمین، شعبۂ اردو تھے، یہ ریسرچ پراجیکٹ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اسلام آباد نے منظور کیا، تین حصوں پر مشتمل تھا اور اس کی تکمیل تین برسوں میں ہوئی۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی کو ملتان کے دو نامور عالموں کا بھی تعاون حاصل ہوا۔ ایک علّامہ عتیق فکری مرحوم (اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے) اور دوسرے ڈاکٹر مہر عبدالحق (جنہیں خدائے بزرگ و برتر عمرِ خضر عطا کریں)۔

Marfat.com

بزرگان دین کے بارے میں تحقیق کا راستہ بڑی احتیاط سے طے کرنا پڑتا ہے، ایک طرف تو ان کے ملفوظات اور علمی سرچشموں تک آج کے ہر طالب علم کی رسائی آسان نہیں، دوسرے عربی اور فارسی کی مطلوبہ استعداد رکھنے والے ایسے طالب علموں کی تعداد میں بھی کمی ہو رہی ہے جو علم الکلام، فلسفہ، تاریخ اور دیگر معاشرتی علوم سے واقفیت کے ساتھ ساتھ تحقیق کے جدید طریق کار سے بھی آشنا ہوں، تیسرے یہ کہ اب تک ان بزرگان دین کے بعض پہلوؤں پر تو بطور خاص اور تواتر و تسلسل کے ساتھ نگاہ ڈالی گئی مگر کچھ پہلوؤں (تہذیبی، ثقافتی، نفسیاتی، لسانی اور ادبی) پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، جب کہ اس تحقیقی منصوبے میں نظر انداز ہونے والے گوشوں میں سے بعض گوشے اجاگر کرنے کو ہدف بنایا گیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ارباب فکر و نظر ہماری اس تصنیف کو نہ صرف بہ نظر استحسان دیکھیں گے بلکہ ہمیں اس تصنیف اور آئندہ تصانیف کے بارے میں مفید مشورے بھی دیں گے۔

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان نے اس نوعیت کے دوسرے مقالوں کی اشاعت کے انتظام کے لئے "اردو تالیف و ترجمہ" کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کر دیا ہے، جو ایسے منصوبوں کی اہمیت کے پیش نظر انہیں بھی کتابی شکل دینے کے لئے پوری توجہ دے رہا ہے۔ امید ہے کہ یونیورسٹی اپنے ان تحقیقی و تصنیفی کارناموں سے ملتان کے صدیوں پر محیط علم و دانش کے موتیوں کی شیرازہ بندی کرنے اور تلاش و جستجو کی منزلیں طے کرنے اور فکر و نظر کے نئے معیار قائم کرنے میں اپنا فعال کردار ادا کرے گی اور اس شہر بے مثال کے علمی تشخص، تہذیبی مقام اور علم دوستی کی روایات کو متعارف کرانے کا ایک معتبر حوالہ بنے گی۔

مجھے امید ہے کہ اہل فکر و دانش یونیورسٹی کے ایسے علمی کاموں پر ضرور نقد و نظر فرمائیں گے اور اپنے گراں قدر مشوروں سے بھی نوازیں گے۔ یقیناً ایسے مشورے اور حوصلہ افزائی کے کلمات ہماری ہمت بڑھائیں گے اور معیاری تصانیف و تخلیق میں ہماری جدوجہد کو بامعنی اور بارآور کریں گے اور ہمارے ان مقاصد میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے جو ہم جامعہ بہاءالدین زکریا کو مستقبل کی ایک بہترین یونیورسٹی بنانے کے لئے رکھتے ہیں اور اس کی تعمیر جدید شعور اور قدیم رفیع الشان روایات پر رکھنا چاہتے ہیں

(پروفیسر ڈاکٹر محمد نذیر رومانی)
وائس چانسلر
بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Marfat.com

دیباچہ

(از مصنّف)

بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ایک بہت بڑی تاریخی اور تہذیبی صداقت کا بلیغ اشارہ کیا تھا، جب انہوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان تو اسی روز قائم ہوگیا تھا جس روز برصغیر میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ قبول اسلام دستِ تیغ پر نہیں، کسی خدا رسیدہ بزرگ کے دستِ حق پرست پر ہوا تھا۔ چنانچہ حقیقتاً قیامِ پاکستان کا جواز ان صوفیائے کرام نے فراہم کیا جو برصغیر کے طول و عرض میں اپنے معتقدات اور معاملات کی شمعِ روشن لے کر پھرے اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی تبلیغ محبت اور عقیدت کے ساتھ کی۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان ایسی نظریاتی ریاست کے معتقدات اور معاملات کے تہذیبی ڈھانچے کا بنیادی محرک کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات ہیں جو ایک طرف تو قرآن و حدیث اور سنت کے جوہرِ ملکوتی کی امین ہیں تو دوسری طرف اجتماعی سطح پر دکھ میں شرکت کی قوت اور زندگی کرنے کے باحوصلہ رویّوں کے تعین میں ممد ثابت ہوئیں۔ اس لئے پاکستان کی فکری، تہذیبی اور ادبی تاریخ کا محور صوفیائے کرام کی شخصیات اور تعلیمات ہیں اور پاکستانی قوم کی فکری و نظری یکجائی اور احساس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس مقدس سرچشمے اور ماخذ کے اثرات کو متعین کیا جائے جو صوفیائے کرام کا مرہونِ منت ہے۔

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی خود ایک بہت بڑے صوفی بزرگ کے نامِ نامی سے منسوب ہے اور پھر ملتان ایک طرف تو سندھ اور پنجاب کا تہذیبی سنگم ہے تو دوسری طرف بے پناہ تاریخی فکری اور ادبی صلاحیتوں کا گہوارہ اور مرکز بھی رہا ہے۔ اس لئے میں نے جب اس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ کیا تو میرے پیشِ نظر محض سعادت کا حصول ہی نہیں تھا بلکہ ٹھوس تہذیبی، تاریخی اور ادبی خدمت کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔

Marfat.com

ملتان اور گردونواح میں بے شمار صوفیائے کرام کے مقابر اور مزارات ہیں جو بلا مبالغہ لاکھوں نہیں کروڑوں بندگانِ خدا کے لئے رشد و ہدایت اور فکر و نظر کے مراکز ہیں۔ ان بندگان گرامی کے روحانی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان بزرگوں نے شاگردوں کو دینی تعلیم اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کے مشن کے لئے فکری، نظری اور عملی تربیت بھی دی۔ عملی تربیت کے سلسلے میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ان بزرگان کرام نے مبلغان گرامی کو فن تعمیر، کاشی گری۔ نقاشی، خطاطی، کوزہ گری، قالین بافی، جلد سازی جیسے فنون مفیدہ بھی سکھائے اور شہ سواری، پہلوانی، کشتی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی عملی تعلیم بھی دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات سے معاشرے کی باطنی تربیت اور ترفع کے لئے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ اس لئے ان تمام عظیم ماخذات اور محرکات کی تحقیق کسی ایک علاقے کے لئے نہیں بلکہ ملکی اور قومی سطح پر افادیت کی حامل ہے۔ میرے پیش نظر یہی مقاصد تھے جن کے تحت میں نے اس منصوبے پر کام کرنے کا عزم کیا کام مشکل بھی تھا اور حوصلہ شکن بھی لیکن عزم و استقامت کے جذبے بھی مجھا نہیں صوفیا کی زندگی کی ریاضت سے حاصل ہوئے اور میں نے سفر کا آغاز کر دیا۔ میری خوش نصیبی کہ موجودہ وائس چانسلر جناب محمد نذیر رومانی کو یہ منصوبہ پسند آیا اور انہوں نے نہ صرف زبانی حوصلہ افزائی کی بلکہ میرے لئے اس پراجیکٹ کی منظوری کا ذمہ بھی لیا اور بہ نفس نفیس پراجیکٹ کی تیاری میں مدد بھی فرمائی پھر اس پراجیکٹ کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر پی، ایچ، ڈی کے لئے رجسٹر کرانے کا صائب مشورہ بھی انہوں نے خود دیا اور اس طرح میں نے اس موضوع کو پی، ایچ، ڈی کے لئے بھی منتخب کر لیا اور کام شروع کر دیا۔

تصوف کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو کتب اور مضامین میری نظر سے گذرے ہیں ان میں سے ماسوائے چند ایک کے باقی سب کے سب تحقیقی نقطہ نظر سے تشنہ اور ناکافی ہیں۔ حوالہ جات موجود نہیں ہیں۔ کشف و کرامات کے واقعات پر زیادہ زور دیا گیا ہے بعید از عقل اور اس موضوع پر ماورائے شعور چیزوں کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ سنین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس موضوع پر زیادہ تر چیزیں ان لوگوں کی تصنیف یا تالیف کردہ ہیں جو کم علم ہیں اور محض عقیدت کے طور پر یا سعادت حاصل کرنے کیلئے لکھنے پر آمادہ ہوتے بعض لوگوں نے ذاتی مفاد پرستی کی خاطر اور بعض نے اس سلسلے کے سجادہ نشینوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان بزرگوں کے مافوق الفطرت اور محیر العقول کارناموں پر مبالغہ آمیز طریقے سے لکھا

Marfat.com

گویا ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالے اور سند کے نہ آئے عام طور پر یہ سعی بھی کی گئی ہے کہ اصل کتاب کے حوالے دیئے جائیں اور ثانوی حوالوں سے اجتناب کیا جائے لیکن ملتان میں لائبریریوں کی قلت ہے اور کتب نایاب ہیں اس لئے جہاں کہیں ناگزیر تھا یا زیادہ نقص کا خطرہ نہ تھا ثانوی حوالے اختیار کرنے پڑے لیکن ان کتب کے باقاعدہ حوالے بھی درج کر دیئے گئے تاکہ ایمانداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

میری نہیں سرزمین ملتان کی خوش نصیبی ہے کہ ہمیں جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق جناب علامہ عتیق فکری (مرحوم)، جناب مرزا ابن حنیف جناب حبیب فائق اور جناب اسد نظامی جیسے علما اہل فکر اور نایاب کتابوں کے حامل بزرگوں کی رہنمائی، شفقت اور اخلاص نصیب ہے۔ میرا یہ مقالہ نہ تو تکمیل کی منزل تک پہنچتا اور نہ ہی وقیع بنتا اگر مجھے ان بزرگوں سے قلمی اور نایاب کتب دستیاب نہ ہوتیں میں نے قلمی کتابوں کے حوالوں میں ان شخصیتوں کا ذکر کر دیا ہے جن سے مجھے یہ نسخے حاصل ہوئے۔ ان بزرگوں کے ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی بہت سی نایاب کتب مجھے مہیا کیں میں ان سب بزرگوں اور شفیق بھائی ڈاکٹر طاہر تونسوی کی بے حد شکر گزار ہوں۔

میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق جیسے عالم کی رہنمائی حاصل ہوئی ڈاکٹر صاحب کا دم ملتان اور اہل ملتان کے لئے ہی نہیں پورے ملک کے لئے باعث برکت اور لائق صد افتخار ہے وہ نہایت وقیع اور بیش بہا کتابوں کے مصنف، مفسر قرآن، محقق، نقاد، دانشور اور شاعر ہیں مجھے اعتراف ہے کہ ان رہنمائی کے بغیر میرا یہ مقالہ اہم اور معیاری نہ بنتا۔

جناب علامہ عتیق فکری (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) نے مقالے کے خاکے کی تیاری سے لے کر اس کی تکمیل تک نہ صرف مفید اور اہم مشورے دیئے بلکہ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میری ہر ممکن مدد کی اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ جناب مرزا ابن حنیف نے ملتان کی قدامت اور سیاحوں کے بیانات کے سلسلے میں بڑی مدد کی، جناب حبیب فائق نے اپنی نایاب کتب بڑی فیاضی سے میرے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے جناب اسد نظامی جیسے بزرگ سے متعارف کرایا جن کے پاس کم و بیش ڈیڑھ ہزار قلمی نسخے اور ہزاروں کی تعداد میں نایاب کتب موجود ہیں۔ اس قلندر منش اور درویش

Marfat.com

صفت انسان کی فیاضی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود زحمت اٹھا کر ہمیں نایاب قلمی کتابیں پہنچاتے رہے اور بعض نے ان نایاب نسخوں کو استفادے کے لئے ہمارے پاس رہنے دیا۔ ادھر ایسے خضر صفت لوگ موجود ہیں تو دوسری طرف وہ دولت مند اور امراء بھی ہیں جو محض نام و نمود کی خاطر کتب خانے قائم کرتے ہیں ان کتابوں کو الماریوں میں مقفل کر کے ان کو محض سجاوٹ کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ میں نے بہت سے سجادہ نشینوں، نام نہاد دانشوروں اور تنگ دل امراء کو نہ صرف خطوں کے ذریعے اپیل کی بلکہ اپنے بہت سے عزیزوں کی معرفت ان تک رسائی بھی حاصل کی لیکن سوائے زبانی جمع خرچ کے اور ٹرخانے کے انہوں نے کوئی چیز مہیا نہ کی یہاں تک کہ وہ متولّی اور سجادہ نشین جو بزرگوں کی مسند فضیلت پر بیٹھے ان کی نیک نامی کی کمائی کھا رہے ہیں خود اپنے بزرگوں کی تعلیمات اور آستانہ کے ریکارڈ اور تاریخ کی ترتیب کیلئے کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہوتے اس لئے آفرین ہے ان بزرگوں پر جن کے اسمائے گرامی اوپر درج کئے گئے ہیں کہ جو فقیری کے باوجود فیاض ہیں، دریا دل ہیں اور وسیع النظرف ہیں۔ جو اپنی ساری کمائی ان کتابوں کے حصول پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے نزدیک دوسرے لوگوں کو شعور عطا کر سکتی ہے یوں وہ اپنی جھونپڑیوں اور بال بچوں کو دھندلکوں میں رکھتے ہیں، لیکن دوسروں کے ذہن و دماغ کو اجالے اور ان کے فکر و شعور کو نور عرفان سے منور کر دیتے ہیں انہیں درویشوں اور صوفی منش انسانوں کے ذریعے مجھے وہ ماٰخذ حاصل ہوتے ہیں جو بڑی بڑی لائبریریوں اور عجائب گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں۔ صوفیا کے ملفوظات، ان کے کلام اور علم و ادب کے اوریجنل ماٰخذ (SOURCES) تک رسائی ان بزرگوں کی عنایت اور شفقت کی بدولت ہے۔ ان قلمی نسخوں کی تفصیل آگے چل کر الگ سے درج کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو خضر کی عمر عطا کرے کہ ان کی بدولت زوال آمادہ معاشرے کا بھرم قائم ہے۔ جناب ڈاکٹر انوار احمد اور جناب ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کے صائب مشوروں کے لئے شکر گزار ہوں۔ جناب کریم ملک اور جناب جبّار صاحب نے اس مقالے کی طباعت کے لئے سعی کی ان کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

مقالے کی موجودہ صورت یہ ہے کہ اس کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) باب اوّل —— ملتان۔ پس منظر

(۲) باب دوم —— ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری سے پہلے)

(۳) باب سوم —— ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری کے بعد)

(۴) باب چہارم —— ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ

Marfat.com

پہلا باب ملتان کے بارے میں ہے۔ اس باب میں تین حصّے قائم کئے گئے ہیں۔ پہلے حصّے میں ملتان کی قدامت، اہمیت اور سیاسی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے عرب ہند تعلقات، ان کی نوعیت پھر محمد بن قاسم کے تحت مسلمانوں کا حملہ اور اس کے اثرات، محمود غزنوی کے حملے اور اثرات کا ذکر کرنے کے بعد صوفیائے کرام کی برصغیر میں آمد کا احوال ہے۔

اس باب کے دوسرے حصّے میں ملتان کی مذہبی، معاشرتی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ، یونانی، چینی، عربی اور یورپی سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ ان بیانات کی تحقیق و جستجو کے لئے اصل کتابوں تک رسائی حاصل کی گئی۔ خوش قسمتی سے عرب سیاحوں کے سفرناموں اور تاریخوں کے اردو ترجمے کئے جا چکے ہیں اس لئے اس سلسلے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی اور تراجم کے ذریعے ان کے بیانات کی تفہیم ہمارے لئے مشکل نہ رہی۔ مترجم حضرات نے اچھا کیا ہے کہ اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ اصل عبارتیں بھی دے دی ہیں جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی۔

تیسرے حصّے میں سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کے عمل کا تجزیہ مختلف ماہرین کی تحریروں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ لسانی تشکیل کا عمل صدیوں جاری رہا ہے۔ ملتان میں یہ عمل غیرملکی حملہ آوروں کی وجہ سے مسلسل اور مربوط انداز میں جاری رہا، مسلمانوں کی آمد سے اس علاقے کے لوگوں پر نہ صرف سیاسی، سماجی اور تہذیبی سطح کے اثرات مرتب ہوئے بلکہ زبان کی تشکیل اور تبدیلی میں لسانی اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں چنانچہ بہت سے ماہرین فن نے ملتان کو اُردو زبان کی تشکیل کا پہلا گہوارہ قرار دیا ہے۔ اس حصّے میں انہی حقائق کا ذکر ہے۔

دوسرا باب ملتان کے ان صوفیا پر مشتمل ہے جن کا تعلق دسویں صدی ہجری تک سے ہے۔ اس باب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں اس دور میں ملتان کی مذہبی، تہذیبی، معاشرتی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ملتان پر بنو سامہ کی حکومت تھی اور بعد میں کافی عرصہ قرامطیوں کا قبضہ رہا۔ قرامطہ فرقہ اور اس کے عقائد کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے۔ دوسرے حصّے میں صوفیائے کرام کے ملتان میں ورود اور ان کی مذہبی، تہذیبی، معاشرتی، لسانی اور ادبی خدمات کا فرداً فرداً ذکر کیا گیا ہے۔ ان صوفیا میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے ملتان تشریف لاتے اور ساری عمر رشد و ہدایت میں

Marfat.com

گزار کر یہیں وفات پائی۔ کچھ وہ ہیں جو تعلیم و ہدایت کا فریضہ انجام دے کر واپس چلے گئے اور کچھ ایسے صوفیار ہیں جنہوں نے اسی سرزمین سے جنم لیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اس باب میں دیوان چاولی مشائخ، حضرت شاہ یوسف گردیز، خواجہ معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی، بہاء الدین زکریا ملتانی، بابا فرید گنج شکر، مخدوم عبدالرشید حقانی، شاہ شمس سبزواری صدرالدین عارف، شیخ رکن الدین عالم، شیخ حسام الدین ملتانی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، جلال الدین سرخ بخاری، صدرالدین راجو قتال، شیخ حسام الدین متقی ملتانی، امیر خسرو اور حسن سجزی کا احوال الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ ملتان کے کئی ایک صوفیار کا ذکر (پیر در بر شاہ، شیخ حسین کاہر، حضرت شاہ دانا شہید، حضرت سلطان ایوب قتال، شیخ محمد اسماعیل اور حضرت شاہ علی محمد) مجموعی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ ان صوفیار کے احوال میں زیادہ تر ان کی لسانی و ادبی اور تہذیبی خدمات کو سامنے رکھا گیا ہے۔

تیسرا باب سرزمین ملتان کے ان صوفیا پر مشتمل ہے جو دسویں صدی ہجری کے بعد کے زمانے کے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔ اس باب کے شروع میں پس منظر کے طور پر اس دور کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان تونسوی حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید کے احوال و آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان صوفیار کی تہذیبی خدمات، فنون لطیفہ و مفیدہ میں ان کی دلچسپی، اثرات اور لسانی و ادبی کارناموں کا جائزہ تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ان صوفیار کے ملفوظات کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے اور قلمی نسخوں کی مدد سے ان کے ادبی کارناموں کی تفصیل بھی سامنے لائی گئی ہے۔ حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری پر اتنی تفصیل سے ابھی تک نہیں لکھا گیا ہے۔ حضرت غلام حسن شہید کی اردو شاعری کی دریافت اور اس پر تبصرہ پہلی بار سامنے آرہا ہے۔ اس لحاظ سے اس مقالے میں واقعی نئی تحقیق سامنے آئے گی۔

چوتھا اور آخری باب دراصل پورے مقالے کا نچوڑ ہے۔ جس میں صوفیائے کرام کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بھی تین حصے بنائے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں ملتان کے

Marfat.com

فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، ان فنون میں فن تعمیر (ملتان کی مساجد اور خانقاہوں کے حوالے سے) فن کوزہ گری، قالین اور پارچہ بافی، فن خطاطی طب کا فن عرس اور میلے، فن موسیقی اور سماع کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان سب کا جائزہ صوفیاء کے اثرات اور ملتان میں ان کی ترویج و ترقی کے حوالے سے لیا گیا ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات کے جائزے پر مشتمل ہے۔

ملتان میں خانقاہوں اور مدرسوں کا قیام اور ان کی بدولت عظیم تعلیمی و تدریسی نظام کا نفاذ در اصل صوفیائے کرام کا مرہون منت رہا ہے۔ اسی طرح ملتان میں فلسفے کی ایک عظیم روایت زمانہ قدیم سے قائم دکھائی دیتی ہے۔ اس روایت میں بھی صوفیاء کا حصہ اور ان کی خدمات کسی لحاظ سے کم نہیں۔ اس باب کے تیسرے اور آخری حصے میں ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان کی عمومی حالت کا ذکر کیا گیا ہے پھر مسلمانوں کی آمد کے اثرات، صوفیائے کرام کا ورود اور ان کی تعلیمات، زبانوں کے اختلاط میں صوفیاء کا حصہ، اردو زبان و ادب کی ترویج صوفیائے کرام کی خدمات کا جائزہ عمومی سطح پر لینے کے بعد ملتان کے صوفیاء کے تہذیب و زبان پر اثرات اور شعر و ادب کی ایک عظیم روایت کی تشکیل میں ان کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملتانی مزاج پر صوفیانہ مسلک کے اثرات، موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال اور عصر حاضر میں اس کے احیاء کی ضرورت کا ذکر کیا ہے اور حرف آخر کے عنوان سے اس مقالے کا جواز پیش کیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اپنے موضوع، مواد اور اسلوب کے لحاظ سے یہ مقالہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اصل ماخذات کے حصول کے بعد ان پر روایتی انداز میں تبصرہ نہ کروں اور نہ دوسروں کی تحریروں پر اکتفا کروں بلکہ اپنے مطالعے اور رائے کو اہمیت دوں۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری سے پہلے صوفیاء کے سلسلے میں بالعموم اور دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کے سلسلے میں بالخصوص آپ کو اور حبل کام ملے گا۔ حضرت بہاء الحق زکریا حضرت بابا فرید، حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت حافظ جمال، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ فرید کے احوال و افکار اور شعر و ادب میں ان کی خدمات کے جائزے میں آپ کو انفرادیت اور تازگی کا احساس

Marfat.com

ہو گا۔ میں دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس مقالے کی بعض چیزیں پہلی بار سامنے آرہی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی دیوان کی دریافت اور ان کی فارسی شاعری کا جائزہ۔

(۲) حضرت غلام حسن شہید کی اردو شاعری کے نمونوں کی دریافت اور ان پہ تبصرہ (انکی فارسی شاعری پر تبصرہ بھی ایک نئی چیز ہے)

(۳) حضرت حافظ جمال اللہ کی شاعری پر تبصرہ۔

(۴) حضرت خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری کا اس قدر تفصیلی جائزہ شاید ہی پہلے کسی نے لیا ہو۔

(۵) فقیر محمد عارف اور شاہ بخش عاصی ملتانی کو بطور شاعر پہلی بار اس مقالے میں متعارف کرایا گیا ہے۔

(۶) اس قدر قلمی نسخوں کی دستیابی اور ان کے حوالوں کا اندراج۔

(۷) اس موضوع پر وقیع مواد کی فراہمی اور ان کو یکجا کرنے کا مشکل لیکن اہم کام۔

میری یہ ادنیٰ کاوش کہاں تک ماہرینِ فن اور اہلِ علم کی نگاہ میں بار پاتی ہے مجھے اس کا انتظار ہے۔ صنفِ نازک میں شمار ہونے کے حوالے سے اپنی نارسائی کا جواز غالب کے اس شعر میں پیش کرتی ہوں کہ

مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

روبینہ ترین

Marfat.com

باب اوّل

مُلتان

الف ۔ مُلتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

ب ۔ مُلتان کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ
سیّاحوں کے بیانات کی روشنی میں

ج ۔ سرزمین مُلتان میں لسانی تشکیلات کا عمل

Marfat.com

Marfat.com

(الف) ملتان کی قدامت واہمیت اور سیاسی تاریخ

ملتان کی قدامت واہمیت

راوی، چناب، جہلم کی موّاج لہروں میں گھرا ہوا ملتان کا زرخیز علاقہ اپنی قدامت اور تاریخی حیثیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اپنی سرسبزی وشادابی، زراعت اور فراواں دولت کی وجہ سے ہر حملہ آور کے لئے کشش کا باعث بنا رہا۔ ہر سیّاح اور جغرافیہ نویس نے، چاہے وہ عرب و ہند سے تعلق رکھتا تھا یا یورپ کی سرزمین سے، اپنی تصنیف یا تالیف میں اس علاقے کا ذکر ضرور کیا ہے۔ ان کے بیانات سے ملتان کی قدامت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ملتان کی قدامت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ "رگ وید" جیسی قدیم مذہبی کتاب کا کچھ حصہ ملتان کے آس پاس کے علاقوں میں تصنیف ہوا۔ "رگ وید" ملتان کی وسیع وادیوں میں تیرہ سو سال قبل از مسیح سے لے کر قبل مسیح آٹھ سو سال تک میں مکمل ہوئی اور یہی زمانہ تھا جب آریا مشرقی سندھ کے علاقے سے ہوتے ہوئے اپنے آخری دور میں سرسوتی یعنی بھنڈا کے علاقہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہیں "رگ وید" کا کچھ حصہ تصنیف ہوا۔ علامہ عتیق فکری کی تحقیق کے مطابق،

> "اس کا تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصہ پنجند، علی پور، ملتان، اور ساہیوال یعنی ہڑپہ کے علاقہ میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں جھنگ، شورکوٹ بھی شامل ہے ــــ کیونکہ ایک ہزار قبل مسیح شورکوٹ کے قبیلہ بھارت سے آریا کی ایک زمانہ تک جنگ رہی تھی اور شورکوٹ کی سیوی حکومت کے بچے کھچے

Marfat.com

آثار سکندر کے وقت تک موجود تھے جو ختم ہو کر چندر گپت کی حکومت میں شامل ہو گئے۔" (۱)

رگ وید نہ تو ایک شخص کی لکھی ہوئی ہے اور نہ ایک ہی وقت میں لکھی گئی ہے۔ صدیوں کے مذہبی، تہذیبی اور تاریخی سرمائے کو محفوظ رکھنے والی رگ وید، کئی رشیوں نے مختلف اوقات میں لکھی۔ یہ بھجنوں، اشلوکوں پر مبنی ہے جو آریاؤں کے صدیوں کے ذہنی و فکری ارتقار کا نتیجہ تھا۔ سنسکرت کالج کلکتہ کے پرنسپل اور ہندی فلسفے کے سکالر ایس، آر، این گپتا کے مطابق۔

"رگ وید کے بھجن نہ تو شخص واحد کی محنت کا ثمرہ ہیں نہ وہ کسی ایک خاص زمانے سے متعلق ہیں، غالباً مختلف زمانوں میں مختلف رشیوں نے ان کو لکھا ہے اور یہ بھی اغلب ہے کہ بعض تو آریوں کے ہندوستان آنے سے قبل ہی مرتب ہو چکے تھے، یہ روایتاً پہنچے ہیں اور بعد کی نسلوں کے شعراء کے جدید اضافے ہونے لگے اور جب مجموعہ بہت بڑھ گیا تو غالباً اس کو موجودہ صورت کی ہیئت میں ترتیب دیا گیا، یا اور کسی قدیم صورت میں ترتیب دیا گیا ہوگا جو موجودہ ہیئت اور ترتیب کا ماخذ ہوں۔ اس لئے ہندوستان میں آنے سے قبل یا بعد میں یہ وید مختلف زمانوں میں آریا قوم کی تہذیب کا آئینہ رہے ہیں۔ یہ یکتا یادگار اس طویل غائب شدہ زمانے کی ہے۔ جس کی جمالیاتی قدر بہت اہم ہے اور جس میں اصلی شاعری کی زبردست جھلک ہے۔" (۲)

آریا جب کھیتی باڑی کے لئے زمین کی تلاش میں ملتان کے وسیع علاقے میں پہنچے تو انہوں نے دریاؤں کے آس پاس آبادیاں قائم کر لیں۔ رگ وید میں دیوتاؤں کے لئے بھجنوں کے علاوہ ان ندیوں کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے کنارے وہ آباد تھے۔ چنانچہ ان

۱۔ بحوالہ نقش ملتان جلد اول مصنف علامہ عتیق فکری، صہ ۴۲ مطبوعہ فکری اکیڈمی بشرکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان۔

۲۔ بحوالہ " تاریخ ہندی فلسفہ" جلد اوّل از ایس، آر، این گپتا، صہ ۲۱۔۲۰ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار حیدر آباد دکن، ۱۹۴۵ء

Marfat.com

کی شاعری میں خاص طور پر سندھ ندی کا ذکر ملتا ہے جس کی روانی سے وہ اپنی شاعری کی روانی اور فصاحت کو تشبیہ دیتے تھے۔ چنانچہ سندھ ندی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

" چمکنے والی، درخشاں، عالی شان، نہ فتح ہونے والی ہے، سب ندیوں سے زیادہ اس میں پانی ہے، خوب صورت ابلق گھوڑی کی طرح حسین ہے۔ اس کا پانی گھاٹ سے ادھر چڑھ جاتا ہے (۳)

آریاؤں نے مشرقی سندھ اور ملتان کی وسیع سرزمین کا رگ وید میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعد میں انہوں نے گنگا جمنا کی طرف رہائش اختیار کر لی تھی لیکن اپنی تحریروں میں جو رسم الخط اور انداز اپنایا اس میں مشرقی سندھ اور ملتان کی سرزمین کا اثر ہے۔ بقول علامہ عتیق فکری،

" ہمیں رگ وید میں نہ تو بنارس، نہ لکھنؤ، نہ بہار، نہ متھرا کا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ بھٹنڈہ جو زمانہ قدیم میں ملتان کی سلطنت کے تحت تھا۔ اس کی ندی سرسوتی جو ایک زمانہ ہوا ختم ہو چکی ہے کا نام ملتا ہے یا پھر مشرقی سندھ اور ملتان کے علاقے کا ذکر ملتا ہے!" (۴)

معروف ماہر آثارِ قدیمہ مرزا ابن حنیف اپنی تصنیف " سات دریاؤں کی سرزمین " میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ رگ وید کی پہلی کتاب کے ۱۳۲ ویں گیت میں جن دو شہروں " ویل استھان " اور " مہاویل استھا " کا ذکر ہے وہ دراصل ملتان ہی کا قدیم نام ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

" اس گیت سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان دونوں شہروں ویل استھان کا اور مہاویل استھا کو آریا پہلے ہی مسمار کر چکے تھے۔ سوال ہے کہ یہ آخر کون سے شہر ہو سکتے ہیں؟ ملتان کا ایک نام " مول استھان "

۳۔ " ویدک ہند " از میڈم زیڈ نے راگوزن صہ ۲۰۳، اردو ترجمہ مولوی حمید احمد انصاری مطبوعہ دارالترجمہ سرکار حیدر آباد دکن ۱۹۲۱ء

۴۔ بحوالہ " نقش ملتان " جلد اوّل، صہ ۱۰۹۔

Marfat.com

(ملی استھان) بھی رہا ہے۔ چنانچہ کیا کسی طرح یہ ممکن ہے کہ رگ وید کا دیل استھان کا (ویلاستھان کا) یا مہادیل استھان، تین سوا تین ہزار برس بیشتر ملتان ہی ہو اور ملتان ہی کا نام اس وقت ویل استھان ہو؟ میرے نزدیک ایسا ممکن تو ہے کہ " ویل استھان" کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج تغیر و تبدل کے سبب " مول استھان" بن گیا ہو۔ ایک صورت اور بھی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ رگ وید کے دور میں ملتان کا نام مول استھان (مل استھان) ہو۔ آریائی شاعر نے اپنی نظم میں مول استھان یا اس سے بالکل ملتا جلتا ہی کوئی ایسا نام باندھا جو صرف میم (م) سے شروع ہوتا ہو، مگر جب مدتوں بعد اس گیت کو ضبط تحریر میں لایا گیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تلفظ بھی تبدیل ہو جانے سے لوگوں کی زبانوں پر اس کا نام ویل استھان کا چڑھ گیا ہو اور لکھا گیا ہو۔ بہرکیف میرے خیال میں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ " ویل استھان" کا مول استھان اور مولستان بنا ہو یا مول استھان کو آریاؤں نے ویل استھان کا نام دیا ہو اور یہی لکھا بھی ہو۔ اگر میری یہ قیاس آرائی درست ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ سکندر کے حملے سے بھی ہزار بارہ سو سال قبل ملتان کا نام ویل استھان، مہاویل استھان، مول استھان یا پھر ان سے ملتا جلتا ہی کوئی نام ہو گا۔" (۱)

رگ وید کے متعلقہ حصے کا انگریزی ترجمہ رالف ٹی۔ ایچ گرفتھ نے اپنی کتاب "The Hymns of the Rigveda" میں یوں کیا ہے۔

" اے مگھون! ان طاقت ور دلیر جادوگرنیوں کو مار بھگا۔ انہیں تنگ گڑھے میں، گہرے اور تنگ گڑھے میں پھینک دے۔" (۲)

گرفتھ نے کوئی ایک صدی قبل (۱۸۸۹ء) رگ وید کا دو جلدوں میں مکمل

۱۔ "سات دریاؤں کی سرزمین" تین پراسرار خطے اور ملتان، از ابن حنیف پبلشر کاروان ادب ملتان۔

۲۔ بار اوّل، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶۔

87053

Marfat.com

ترجمہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ویدی زبان کے بارے میں معلومات بہت کم تھیں، اور ترجمہ کی جملہ اور ضروری سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں ـــــ چنانچہ گرفتھ نے "دیل استھان کا اور مہادیل استھان" ـــــ کا اپنی معلومات کی حد تک لفظی ترجمہ کر دیا۔ یعنی اس نے "دیل استھان" ـــــ کا ترجمہ "تنگ گڑھا" اور "مہادیل استھان" ـــــ کا ترجمہ "گہرا اور تنگ گڑھا" کیا۔ حالانکہ خود رگ وید کے مذکورہ گیت کی رو سے بھی یہ دونوں شہر تھے اور اس گیت کی رو سے تباہ ہو چکے تھے۔ (رگ وید میں متعدد تباہ شدہ شہروں اور بڑی بڑی تباہ شدہ آبادیوں کے ٹیلوں کا ذکر ملتا ہے) ـــــ چنانچہ بعد میں برجٹ اور ریمنڈ الچن نے اپنی کتاب "The Rise and fall of civilization in India & Pakistan . ـــــ میں انہی سطروں کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یوں ہے۔

" اے مگھون (اندر) تباہ شدہ شہر دیل استھان اور تباہ شدہ شہر مہادیل استھا میں جادوگرنیوں کے غول کو تباہ کر دے۔" (1)

اِن ناموں کے بارے میں یہ قیاس درست ہو یا نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ تہذیب انسانی کے حامل قدیم ترین شہروں میں ایک ملتان ہے۔ آر سی ٹمپل کے مطابق "(جس وقت) زمین و آسمان کی مدت ۲۸۵،۶،۰۰۰ برس تھی اس وقت سے ملتان آباد ہے اور چاروں دوروں سے گزر چکا ہے۔ پہلے دور میں اس کا نام راہنس پور تھا۔" (۲)

1"The Rise and fall of civilization in India & Pakistan" Page 308 by BRIDGET AND RAYMOND ALCHIN.

* The Hymns of the Rigveda, Translated by RALPH T.H.GRIFFITH 2 Volumes. First Edition 1889, Fifth print 1971 - VARANASI - INDIA.

۲۔ حکایات پنجاب (حصہ سوم) مرتبہ آر سی ٹمپل ترجمہ میاں میاں عبدالرشید ص ۲۶۲ مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۶۲ء۔

Marfat.com

ملتان کی قدامت کا اندازہ لگاتے ہوئے مرزا ابن حنیف مزید لکھتے ہیں کہ

"ملتان کی قدامت اور اہمیت کے سلسلے میں ایک بات اور ذہن میں رہنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ نہ صرف سکندر اعظم بلکہ عروج یافتہ ہڑپائی دور (۲۵۰۰ ق م تا ۲۰۰۰ ق م) میں بھی ملتان میں قلعہ اور فصیل موجود تھی۔ ہڑپائی دور میں بالفرض نہ سہی تو کم از کم سکندر کے زمانے میں تو ملتان میں سے عظیم الشان اور مضبوط و مستحکم قلعہ بہرحال موجود تھا۔ چنانچہ سوا دو ہزار سال قبل ملتان میں قلعہ کی موجودگی سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اتنا بڑا مرکزی اور اہم شہر بننے میں کتنا عرصہ صرف ہوا ہوگا کہ جہاں قلعہ بھی بن سکے۔ ظاہر ہے کہ شہر کا یہ تدریجی ارتقاء چند برسوں میں تو ہونے سے رہا ہزاروں سال ہی لگے ہوں گے۔" (۱)

کرم الٰہی بدر کے بیان کے مطابق

"جب آریا لوگ یہاں آئے تو انہوں نے دریائے سندھ کی مناسبت سے اس تمام علاقے کو سندھ کہنا شروع کر دیا جو دریائے سندھ سے سیراب ہوتا تھا۔ لورالائی سے روپڑ تک اور سوات سے راجپوتانہ تک آریوں کی اصطلاح میں سندھ ہی سندھ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ملتان کو مرکز مان کر پرکار بحیرہ عرب تک کھولی جائے تو جتنا علاقہ اس کے اندر ہوگا اس کی طبعی اور لسانی وحدت ہوگی اور یہی آریوں کا سندھ تھا۔" (۲)

پھر آگے چل کر کرم الٰہی بدر اپنی بات کے ثبوت میں فاؤچر (Foucher) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ

"فاؤچر صاحب بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ ہم ملتان کی قدامت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ چھ ہزار سال ق م میں کیشپ پورہ کے نام سے موجود تھا۔

۱۔ بحوالہ "سات دریاؤں کی سرزمین، تین پراسرار خطے اور ملتان" صـ ۲۲۱۔

۲۔ تاریخ ملتان "(۵ ہزار قبل مسیح سے دور حاضر تک) مصنف کرم الٰہی بدر، بار اول ۱۹۷۸ء امتزاج پبلی کیشنز، لاہور، صـ ۵۸۔

Marfat.com

اور تیسری صدی ق م میں جب آریوں کے قافلے وادی سندھ میں اترے تو ملتان بری اور آبی دونوں راستوں کے لحاظ سے وادی سندھ کے ممتاز شہروں ہڑپہ اور موئنجو داڑو کو ملانے والا مرکزی شہر تھا۔" (1)

۲- ملتان کے قدیم نام اور اُن کا جائزہ

دورِ قدیم میں ایک نہایت اہم اور مرکزی شہر ہونے کی حیثیت سے ملتان ہمیشہ حملہ آوروں کی زد میں رہتا تھا۔ اس لئے یہ شہر بار بار اُجڑتا اور بستا رہا اور اس کے حکمران بھی بدلتے رہے اور اسی بناء پر مختلف زمانوں میں اس کے نام بھی بدلتے رہے۔ ملتان کے مختلف ناموں اور وجہ تسمیہ کا جائزہ لیں تو سابقہ صفحات میں آنے والے ناموں کے علاوہ بہت سے اور نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ملتان کے قدیم ناموں میں قدیم ترین نام "کیسپ پورہ" یا کشپ پورہ ہے۔ یونانی مؤرخوں ہیروڈوٹس HERODOTOS ۴۸۴ تا ۴۲۵ ق م اور ہکاٹائیوس HECATAESUS (۵۰۰ ق م) نے قدیم زمانے میں ملتان کے نام کو کیسپ پور یا کیسپے ٹورس اور ٹیو.می KLAUDIOS PTOLEMAIOS (دوسری صدی عیسوی) نے کیسپیرا کہہ کر پکارا ہے۔ قدیم سنسکرتی لٹریچر میں اس کا نام "کیسپ پورہ" آیا ہے۔ یہ بھاگ پورہ، سبا پور اور ہنس پور کے ساتھ آیا ہے (۲) ہندو دیومالائی کہانیوں کے مطابق ملتان "مہارشی کیسپ[۳]" نے آباد کیا جس کی وجہ سے

1- "تاریخ ملتان" (پانچ ہزار قبل مسیح سے دورِ حاضر تک) مصنف کرم الٰہی بدر، ص ۸۸، مطبوعہ امتزاج پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل ۱۹۷۸ء

۲- مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں (الف) تاریخ ملتان از کرم الٰہی بدر، ص ۲۰ تا ۲۵

(ب) سات دریاؤں کی سرزمین، ص ۲۳۷۔

۳- کیسپ ویدی دور کے سات عظیم ترین رشیوں میں سے ایک تھا۔ بحوالہ سات دریاؤں کی سرزمین، ص ۲۳۷۔

Marfat.com

اس کا نام کیسپ پورہ یا کشپ[۱] پورہ پڑ گیا۔

ملتان کا ایک نام " پرہلاد پورہ " بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ ہندوؤں کی قدیم ترین مقدس پران کتابوں میں درج کی گئی ہے (۲) یہ نام بھگت پرہلاد کے نام پر پڑا تھا۔ بھگت پرہلاد کا مندر اب تک قلعے کے مشرق کی طرف حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مزار کے پاس موجود ہے

بھاگوت پران کی رو سے ملتان راجہ کرشن کے بیٹے شامپ کے نام سے "شامپ پور" بھی کہلوایا کیونکہ شامپ نے ملتان کو آباد کیا تھا۔ شامپ کو کسی رشی کی بددعا کی وجہ سے کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی۔ عرصہ تک علاج کرواتا رہا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ ایک عرصہ تک متروں کے درختوں کے سائے میں لیٹا رہا۔ اس طرح اسے صحت حاصل ہوئی اس خوشی میں اس نے ملتان شہر کو جو عرصے غیر آباد چلا آ رہا تھا آباد کیا۔ یوں ملتان اس کے نام پر "شامپ پور" یا " شام پور" کہلایا۔ (۳)

ملتان کے ناموں میں ایک " سنب پورہ " بھی آتا ہے جس کے متعلق مقدس پران میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک جنگ میں رانی حنب وطن نے کرشن جی کے ساتھ وفاداری دکھائی۔ کرشن جی کے رتھ کا لوہا ٹوٹ گیا تو رانی نے اس کی جگہ اپنا بازو دے دیا۔ چنانچہ کرشن جی نے کامیابی کے بعد ملتان شہر رانی کے بیٹے سنب کو بخش دیا۔ جس نے ملتان کو جدید طرز سے آراستہ کیا۔

۱۔ سید نور علی ضامن لکھتے ہیں " چھٹی صدی قبل از مسیح کے دارا اوّل کے فرستادہ مشہور جہاز ران سکائی لیکس کی دریائے سندھ کی تفتیشی سیاحت کا علاقہ پیکسٹیکا شہر کیسی پیٹرس Casy Patrus سے آغاز کرنے کا ذکر ہے۔ پندرھویں صدی کے البیرونی نے اس کو KASYAPARURA کاشی اپا پورا بنا دیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے یونانی میں تلفظ ڈھالا تھا۔ البیرونی نے اصل مقامی تلفظ کہہ ڈالا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ وہ شہر ملتان تھا۔ غالباً اس کا قول درست ہے۔" (ملاحظہ فرمائیں تذکرہ شرح سکندر نامہ ایرین یونانی) مطبوعہ ادارہ تحقیق و تذکرہ احمد پور شرقیہ ۱۹۶۶ء، صہ ۲۹

۲۔ ملاحظہ فرمائیے بھاگوت پران (ساتواں اسکند) کوہ نور پریس لاہور ۶۸۔ ۱۸۶۷ء صہ ۱۱۰ تا ۱۱۲ (علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

۳۔ بھاگوت پران صہ ۲۴۵

Marfat.com

اسی وجہ سے ملتان کا نام سنب پورہ پڑ گیا۔ (۱)

ملتان کا ایک نام " مترون " بھی تھا۔ مترون کے معنی " سورج دیوتا کا شہر"(۲) ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملتان کا نام " مترون " سورج دیوتا مترہ کی وجہ سے رواج پا گیا تھا۔ ملتان کا نام ادستانہ، بھی مترون، کی طرح راجہ سنب کے زمانے میں مشہور ہوا ادستانہ کے معنی " ادیتہ کا شہر"(۳) کے ہوتے ہیں۔ سورج کنڈ یعنی " سورج کا تالاب" ملتان میں آج بھی موجود ہے۔ ملتان کے مختلف ناموں کا جائزہ لیتے ہوئے مرزا ابن حنیف قیاس ظاہر کرتے ہیں کہ

" کسی زمانے میں اس کا ایک نام ملوھہ یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام بھی رہا ہو گا اور عین ممکن ہے کہ اسی کے نام پر اس عظیم شہر کے زیر اثر علاقے یعنی وسطی پنجاب کو ملوھہ کہا جاتا ہو جیسا کہ ایک وقت میں بابل شہر کے نام پر اس کے زیر اثر عراق کے ایک مخصوص و بڑے حصے کو ملک بابل بھی کہا گیا۔"(۴)

ان ناموں کے علاوہ مختلف ادوار میں ملتان کے یہ نام بھی رہے ہیں ہنس پورہ، بھاگ پورہ، مولوسان پولا،

۱۔ بحوالہ بھاگوت پران (اٹھہ سنواں ان ادھیائے) صہ ۲۴۶، مطبوعہ کوہ نور پریس لاہور ۶۸-۱۸۶۷ء (سنسکرت سے برج بھاشا میں ترجمہ از منشی ہرنرائن باعانت پنڈت بہادر سنگھ)

۲۔ مرزا ابن حنیف کے مطابق ابتدائی ویدی دور میں شمسی دیوتاؤں کی تعداد چھ تھی جس میں سے ایک کا نام " مترا " تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے " سات دریاؤں کی سرزمین" صہ ۲۳۸۔

۳۔ مرزا ابن حنیف کے مطابق " ادیتا " کے معنی سورج دیوتا کے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے " سات دریاؤں کی سرزمین" صہ ۲۳۸ - ۲۳۹ (ملتان کے تین مختلف نام یعنی سنب پورہ، مترون اور ادستانہ تینوں ایک ہی راجہ سنب کے دور میں مشہور ہوئے۔ یہ نام مختلف واقعات کی بناء پر مشہور ہوئے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔)

۴۔ " سات دریاؤں کی سرزمین" صہ ۲۲۵۔

Marfat.com

میسان(۱)، مالستھان پورہ، مولتارن، مولتان(۲) اور پھر آخر میں ملتان۔ دراصل ان ناموں کے سلسلے میں مختلف حوالوں میں جو دیومالائی کہانیاں اور مافوق الفطرت واقعات درج ہیں ان کو تاریخی واقعیت کی حیثیت تو نہیں دی جا سکتی تاہم ان سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ "ملتان" وادی سندھ کا قدیم ترین شہر ہے اور اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب انسانی تہذیب و معاشرت اور اعتقادات میں دیوی دیوتاؤں اور دیومالا کا بڑا دخل تھا۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی " ناقابل تردید مسلمہ " بن کر سامنے آتی ہے کہ ملتان ایک بڑے وسیع اور عریض آزاد اور خود مختار علاقے کا مرکز تھا۔ اور ملتان کے لفظ سے ایک خاص شہر کے علاوہ ایک بہت بڑی اقلیم ولایت، ملک راجدھانی، سلطنت حکومت بلکہ خاص جغرافیائی وحدت مراد لی جاتی تھی۔

ملتان کا قدیم قلعہ (ابن قاسم باغ) بھی ملتان کی قدامت کا ایک ثبوت ہے اگرچہ مرور زمانہ کے تحت اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں کیونکہ یہ ہر حملہ آور کا نشانہ بنتا رہا ہے اس کی حیثیت ہر حاکم کے لئے صدر مقام کی تھی اس لئے یہ بار بار تباہ ہوا۔ اور پھر نئی تبدیلیوں کے ساتھ آباد ہوتا رہا۔ اس قلعہ کی غاروں سے برآمد ہونے والی مٹی کی ٹھیکریوں پر جو حروف کندہ تھے ان کا رسم الخط موہن جو ڈرو اور ہڑپہ کی تہذیبوں کا ہم عصر ہے۔ علامہ عتیق فکری کی تحقیق کے مطابق

> " قلعہ قدیم سے نکلا ہوا رسم الخط موہن جو دوڑو اور ہڑپہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے اور یوں ملتان اور اس کے گردونواح کی تہذیب قبل مسیح ۲۵۰۰ ء کے لگ بھگ متعین ہو جاتی ہے۔ پھر جو ظروف اور اشیاء برآمد ہوئی تھیں اس سے بھی قدامت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ

۱۔ منشی عبدالرحمٰن خاں کے مطابق ملتان کا سب سے پہلا نام میسان تھا، ملاحظہ فرمائیے " آئینہ ملتان " صـ ۲۶، مکتبہ اشرف المعارف ملتان، اشاعت اوّل۔

۲۔ مجھے جناب حبیب فائق کی لائبریری سے ایسا کارڈ دستیاب ہوا، جس پر مولتان (MOOLTAN) کی مہر ثبت ہے۔ یہ کارڈ ۲۲ مارچ ۱۸۹۶ء کا ہے اور اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر بھی لگی ہے (اس کی فوٹوسٹیٹ اس مقالے کے آخر میں منسلک ہے۔)

Marfat.com

کام ابھی ابتدائی صورت کا حامل ہے لیکن جب اس ابتدائی کام کی کڑیاں رگ وید میں تلاش کرنے سے مل جائیں تو پھر یقین ہو جاتا ہے کہ اگر قبل مسیح ۱۵۰۰ سال ملتان کا وسیع علاقہ آریا اور ڈراویڈیں بھیل اور کولاریوں[۱] کی رزم گاہ تھا۔ اور موہن جو دوڑو بھی اس رزم گاہ کی ایک مکمل اور مثبت کڑی ہے تو پھر ملتان کے قلعہ اور اس کی قدامت کے مزید ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔"(۲)

۳۔ عربوں اور اہلِ ہند کے روابط قبل از اسلام

سندھ اور ملتان کے بارے میں تمام تاریخوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ ہمیشہ سے راست باز، صاف دل، صلح پسند، محنتی، ذہین اور پختہ عقائد رکھنے والے سیدھے سادے خدا پرست لوگ تھے۔ مذہب کا عمل دخل ان کے ہر شعبۂ زلیست میں رہا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں اسلام کی باقاعدہ روشنی تو ابن قاسم کے حملے کے بعد پھیلی اور ان ہی علاقوں کے طفیل ہندوستان کے دوسرے حصوں تک پہنچی لیکن اس نور کی کرنیں اس تاریخی حملے سے پہلے بھی اس خطۂ ارض کو منور کر رہی تھیں اور اس کی زیادہ تر وجہ عرب اور ہند کے تعلقات تھے جو زمانہ قدیم سے چلے آتے تھے۔ یہ تعلقات قبل از اسلام بھی موجود تھے اور عہد اسلام کے بعد بھی نہ صرف قائم رہے بلکہ اور زیادہ استوار ہو گئے۔ کرم الٰہی بدر کے بیان کے مطابق،

"اسلام کی آمد سے صدیوں پیشتر عرب تجارتی سامان لے کر ہندوستان آتے تھے اور یہاں سے دور دراز ممالک تک جاتے تھے۔ تاریخی طور پر عربوں کے روابط سرزمین ہندوستان سے بہت قدیم ہیں۔"(۳)

ہنٹر کے بیان کے مطابق

۱۔ کلیار نام کی قوم اب بھی نواح ملتان میں آباد ہے۔

۲۔ "نقش ملتان" جلد اوّل صہ ۴۴، ۴۵

۳۔ "تاریخ ملتان" صہ ۷۱۔

Marfat.com

" ہندوستان اور مغربی ممالک یعنی عرب، فلسطین اور مصر کے درمیان تجارتی روابط کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے۔ سلیمان بادشاہ نے اپنا سونا، (Ophir) جو موجودہ Bey pur ہے سے حاصل کیا۔ اسی طرح چاندی، ہاتھی دانت، بوزنے اور مور بھی حاصل کئے۔"(۱)

زمانہ قدیم سے عرب و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات کی بنا پر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جو تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں

" ان میں ہندوستان سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، مانخور، جوز بوا، قرنفل (لونگ) قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے۔ سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت، موتی، بلور، سنباذج، ملی اور سنجان (سندان) سے فلفل (مرچ) کلہ سے، رصاص قلعی جنوب سے بقم اور وادی یعنی تاڑی اور سندھ سے قسط بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔"(۲)

ان چیزوں کے علاوہ جو چیزیں ہندوستان سے عرب جاتی تھیں ان کی تفصیل اطہر مبارکپوری اس طرح دیتے ہیں۔

" ہندی تلواریں، سندھ سے سندھی کپڑے، سندھی مرغی، پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسبت سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے، ہند سے عود ہندی، بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس، کھنبائت اور سندان سے نقال کنبایتہ یعنی کھنبائت کے جوتے اور نارجیل، تھانہ سے عمدہ کپڑے اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب جایا کرتی تھیں۔"(۳)

۱۔ History of British India by hunter Vol-I Page 25.

۲۔ "عرب و ہند عہد رسالت میں" صہ ۲۷، ۲۹۔

۳۔۔۔ ایضاً ۔۔۔ صہ ۲۷، ۲۹۔

Marfat.com

۴ - عرب و ہند تعلقات عہدِ رسالت میں

عرب میں ہندوستان کا مال یوں تو پورے عرب میں جاتا تھا لیکن ابلہ، صحار، عدن اور جار میں خاص طور پر تجارتی منڈیاں قائم تھیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں غیر ملکیوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان میں رومی، ایرانی، حبشی اور ہندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں عرب و ہند کے تجارتی تعلقات عہد رسالت میں بھی اسی طرح قائم رہے جیسے پہلے تھے۔

تجارتی تعلقات کی بدولت ہندوستان سے درآمد شدہ اشیاء کا استعمال عربوں میں عام تھا۔ یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہندوستان کی کئی چیزوں کو استعمال کیا اور اپنی پسند کا اظہار بھی فرمایا۔ علامہ اطہر مبارک پوری کا بیان ہے کہ:

> "عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے، کافور، زنجبیل (ادرک) عود ہندی، عود مشک قرنفل (لونگ) فلفل (مرچ) ہندی نیزے، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ اور قرآن و حدیث میں بھی ان کے نام موجود ہیں۔" (۱)

حضورؐ نے ہندوستان کی جن چیزوں کو پسند فرمایا اور انہیں استعمال کیا ان کا مختصر جائزہ اس طرح ہے۔

مشک —— حضورؐ کی پسندیدہ چیزوں میں خوشبو بھی شامل ہے۔ آپ جب کہیں سے گزرتے تو اپنی خوشبو سے پہچانے جاتے تھے۔ خوشبوؤں میں مشک آپ کی پسندیدہ خوشبو تھی۔

عود اور کافور —— حضورؐ کو عود اور کافور کی ملی جلی خوشبو پسند تھی۔ اور انگیٹھی میں عود کے ساتھ کافور بھی سلگاتے تھے۔

لونگ، مشک اور عود کا ہار —— قدیم زمانے میں عرب میں لونگ کے دانوں اور عود کے ٹکڑوں سے ہار بنایا جاتا تھا۔ جسے سخاب کہتے تھے۔ یہ ہار خوشبو کے ساتھ ساتھ

۱۔ عرب و ہند عہد رسالت میں، صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۴۔

Marfat.com

زینت کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔

زنجبیل (ادرک) ـــــ جسے جنت کی لذتوں میں سے ایک کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہندوستان سے عرب جاتا تھا، کست ہندی کی لکڑی سے علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ حضورؐ نے بھی اسے دوا کے طور پہ استعمال کرنے کی بار بار تاکید کی ہے حضورؐ نے اس سے سات بیماریوں میں شفا کی خبر دی ہے۔ (۱)

ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں عام تھا، حضورؐ جس تخت پر آرام فرماتے تھے اس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ اس کے علاوہ ہندی نیزے، ہندی تلوار، سندھی کپڑے، کرتہ لنگی کا استعمال، ہندی طرز کی مو تراشی وغیرہ کے متعلق بھی عہد رسالت میں تذکرہ ملتا ہے۔ کرتہ لنگی کا استعمال تو ملتان اور سندھ میں آج بھی عام ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا رواج ملتان اور سندھ کے لوگوں کی وجہ سے عرب میں ہوا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ تجارتی لین دین کے سلسلے میں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس لئے ہندوستان کے لوگوں سے عرب والے پوری طرح واقف تھے۔ یہانتک کہ حضورؐ ان کے حلیے، شکل و شباہت اور رنگ سے اچھی طرح مانوس تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے وفات سے چند ماہ قبل ہندوستان کے آدمیوں کا ایک موقع پر ذکر فرمایا تھا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا

"من هؤلاء القوم؟ كأنهم رجال الهند" (۲)

ترجمہ: یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں۔

حضورؐ کی احادیث میں نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان کی اشیاء اور اہل ہند کا ذکر مختلف انداز میں ملتا ہے۔ عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے مگر بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق

۱۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "عرب و ہند عہد رسالت میں" صد ۱۶۳ - ۱۶۴

۲۔ سیرۃ النبیؐ کامل از ابن ہشام جلد نمبر ۲، ترجمہ عبدالجلیل صدیقی، صد ۵۹۴، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت اول ۱۹۶۲ء

Marfat.com

کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا

عربوں نے اپنے ملک میں بسنے والے ہندوستانیوں کو " زط "[1] (یہی لفظ مقامی تلفظ کے تحت جٹ بن گیا۔ جس کے معنی شتربان کے ہیں۔ " ز " کی آواز " ج " سے بدل جاتی ہے۔ مولانا سلیمان ندوی زط کو جٹ کا حصہ سمجھتے ہیں۔) اساورہ سیابجہ، احامرہ میذ[2] بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا۔ کسی دوسرے ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام ولقب سے یاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تعداد وہاں بہت زیادہ ہے اور ان کا وہاں کی معاشی، معاشرتی زندگی میں گہرا دخل ہے۔ چونکہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک ذہنی یک جہتی تھی — اس لئے ہندوستانی باشندے بڑی آسانی سے عربوں کے ساتھ گھل مل گئے۔ اہل ہند اور عربوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی۔ عربوں اور ہندوؤں کے بت خانے بھی مشترکہ تھے جن کی پوجا کے لئے ہندوستانی عرب جاتے اور عرب کے لوگ ہندوستان آتے تھے۔ ہندوستان کے جن بتوں کی یاترا کے لئے ہندوستان آتے تھے ان میں ملتان کا بت بھی شامل تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملے سے بھی پہلے عربوں کے قدم ملتان کی سرزمین پر پڑ چکے تھے۔ عربوں کی آمد کا ایک مقصد کسی نہ کسی اعتبار سے مذہبی بھی ہوتا تھا یعنی وہ بت کی یاترا کے لئے آتے تھے اور محمد بن قاسم کے

1۔ ہندوستان کی مختلف قومیں ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مشہور تھیں۔ یہ لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے ان میں سے زط (جاٹ) اور مید قوم کے علاقے ملتان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اصطخری کے مطابق وبلد السند ھو المنصورة وادا ضی الزط ، وماوالاھا الی الملتان (ترجمہ " سندھ کا ملک منصورہ اور زط کی بستیوں اور اطراف و جوانب سمیت ملتان تک پھیلا ہوا ہے "۔ بحوالہ " عرب وہند تعلقات عہد رسالت میں " صہ ۶۳ -

۲- مید قوم کا کام جہازوں اور کشتیوں کو لوٹنا تھا۔ اس قوم کی بستیاں بقول اطہر مبارک پوری ،

" دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے "

(بحوالہ " عرب وہند عہد رسالت میں " صہ ۵۹)

Marfat.com

ساتھ آنے کا مقصد بھی کسی حد تک یہی تھا کہ اسلام کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد سرزمین ہند میں اسلام کی اشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا ـــــ نہ صرف مذہبی اشاعت کا بلکہ اسلامی علوم کو بھی فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ اس حملے کے بعد عرب مسلمانوں نے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کی اور ان کے مذہبی، سیاسی، تمدنی، تہذیبی، لسانی اور علمی اثرات خود بخود یہاں پر بسنے والی اقوام میں پھیلنے لگے۔

۵- ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز

تجارتی لین دین اور روابط کا سلسلہ تو اسلام سے پہلے بھی قائم تھا جس کی تفصیل سابقہ صفحات میں آچکی ہے۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔ ۱۵ ہجری (۶۳۶ء) میں حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابی عاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا۔ عثمان نے ایک بحری بیڑا تیار کر کے ہندوستان پر حملے کے لئے روانہ کیا۔ یہ جہاز اتفاق سے بندرگاہ تھانہ (جو گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر ہے) پہنچا عرب یہاں سے بہت سا مالِ غنیمت لے کر عمان پہنچے[1]۔ حضرت عمرؓ کو جب اس حملے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے ناپسند فرماتے ہوئے عثمان ثقفی کو لکھا کہ

1- (i) اعجاز الحق قدوسی کے مطابق یہ مسلمانوں کا ہندوستان پر پہلا بحری حملہ تھا (بحوالہ تاریخ سندھ) حصہ اول صہ ۶۰) مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول جون ۱۹۷۱ء

(ii) ایلیٹ کی "تاریخ ہندوستان" میں لکھا ہے۔

"The first Muslim fleet appeared in Indian Waters in 636 A.D. during the Caliphate of Umar when Usman Sakfi the Governor of Bahrain and Uman, sent an army across the sea to TanaI. (The History of India" Vol,I by Elliot, H.M.Sir, Page 115-116. Islamic Book Service, 1976, Lahore).

Marfat.com

"اے ثقفی! تونے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا۔" (۱)

لیکن عثمان ثقفی نے اپنے بھائی مغیرہ ابن عاص کو پھر ایک بیڑے کا افسر بنا کر بھیجا۔ اس دفعہ انہوں نے سندھ کے مشہور ساحل دیبل پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس بحرین گئے۔(۲)" یہ سندھ پر عربوں کا پہلا حملہ تھا۔ ہندوستان پر عربوں کے اصل حملے خشکی کی جانب سے ہوئے جہاں وہ ایران کو فتح کرتے ہوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچے۔ اس طرح سندھ تک ان کی سرحدیں اسلامی نومفتوحہ علاقوں کے ساتھ مل گئیں۔

محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ہوئے، ۲۵ھ میں انہوں نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو سیستان روانہ کیا جہاں سے وہ کابل پر حملہ آور ہوا جو اس عہد میں سیستان کا حصہ تھا۔ سیستان تو حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہو چکا تھا، کابل اب فتح ہوا لیکن عربوں کے جاتے ہی کابل پھر خود مختار ہو گیا۔ ۲۹ھ میں عبداللہ بن عمیر لیثی سیستان کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے کابل میں سرکشوں پر قابو پایا۔ دوسری طرف عبیداللہ بن عمر مکران کے حاکم مقرر ہوئے جو فتوحات کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحد تک پہنچے۔ تیسری طرف عبدالرحمٰن بن عبیس کرمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ انہوں نے کرمان میں باغیوں پر قابو پا کر امن و امان قائم کیا۔ ان علاقوں میں باغیوں کی مسلسل شورش کی وجہ سے ابن عامر خود سیستان پہنچے اور سیستان میں ربیع بن زیاد حرثی کو اور کرمان میں مجاشع بن مسعود کو حاکم مقرر کیا۔ ان لوگوں نے آکر یہاں باغیوں پر قابو پا کر امن و امان کی صورت بحال کی۔ اگرچہ سرکشوں کی بار بار بغاوت کی وجہ سے حاکموں کے دل پر میل آگئی تھی مگر مذہبی احکام کی وجہ سے قتل و غارت سے اجتناب کیا گیا۔ صرف ان کے سرغنوں اور فسادیوں

۱۔ اس کی اصل عبارت فتوح البلدان، صہ ۴۲۰ میں یوں درج ہے: "فکتب الیہ عمر یا اخا ثقیف حملت دوداً علیٰ عود، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لاخذن من قومک مثلھم۔"

۲۔ چچ نامہ، صہ ۷۲-۷۳، اور تحفۃ الکرام، صہ ۳۱ میں درج ہے کہ مغیرہ دیبل میں شہید ہوئے لیکن فتوح البلدان، صہ ۴۳۲، اور تعلیقات چچ نامہ سندھی، صہ ۴۱۶، کے مطابق مغیرہ فاتح کی حیثیت سے واپس آئے تھے۔

Marfat.com

کو جلا وطن کیا گیا۔ (۱)

۴۳ھ[2] میں حضرت امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن سوار جبدی کو سواحل ہند کے سرکش لوگوں کو سزا دینے کے لئے چار ہزار کا لشکر دے کر مکران بھیجا انہوں نے قیقان کے سرکشوں کو شکست دی اور مال غنیمت لے کر امیر معاویہ کے دربار پہنچے۔ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ اپنی فوج لے کر ہند کی طرف بڑھے[3]، مہلب کابل اور پشاور کی گھاٹیوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ زمانہ قدیم کی طرح یہ علاقے اس وقت بھی وادیٔ سندھ میں شامل تھے یہ سب کچھ تباہ کرتے ہوئے واپسی میں ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں کو پامال کرڈالا شہر قندابیل کے پاس غنیم سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی۔ مال غنیمت لے کر ملکِ قیقان آئے تو ترکوں سے لڑائی ہوئی اور ترکوں کو شکست دی۔ پھر سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی جیسے عالم فاضل شخص نے مکران اور سندھ میں امن قائم کر کے خود انتظام سنبھالا۔

۴۷ھ میں چچ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی چندر سندھ کا حکمران بنا۔ وہ بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ ۴۸ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی اور ارور (الور) کے تخت پر چچ کا چھوٹا بیٹا راجہ داہر بیٹھا۔ راجہ داہر کے دربار میں کچھ عرب محمد بن حارث علافی کے ماتحت اسلامی ملکوں سے بغاوت کر کے بھاگ آئے تھے اور

۱۔ اس زمانے میں بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا بلکہ مکران اور سیستان ہی سندھ سے ملے ہوئے تھے اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور خود صحابہؓ رسول کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا۔

(بحوالہ "تاریخ سندھ" از ابوظفر ندوی، صہ ۳۱ - ۳۲)

۲۔ ابوظفر ندوی نے تاریخ سندھ صہ ۳۴ پر یعقوبی جلد اوّل صہ ۲۶۸، لیڈن کے حوالے سے ۴۲ھ بتایا ہے جبکہ اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ کے صہ ۷۶، اور علامہ عتیق فکری کی "نقش ملتان" صہ ۲۵۱ کے مطابق ۴۴ھ ہے۔

۳۔ ان کی یہ روانگی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ عربوں میں وہ پہلے شخص ہیں جو ہند کے اس دروازے سے داخل ہوئے جس سے آج تک قدیم قومیں آتی رہی ہیں، یہ درہ خیبر تھا۔

(بحوالہ تاریخ سندھ، از ابوظفر ندوی، صہ ۳۵، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۴۷ء)

Marfat.com

اور یہیں امن کی زندگی بسر کر رہے تھے[۱]۔ محمد بن حارث علافی نے راجہ داہر کو بہت سی جنگوں میں مفید مشورے دیئے۔ جس کی بدولت راجہ کبھی داخلی مشکلات میں گرفتار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ۹۲ھ/۷۱۰ء میں ۴۲ برس حکومت کرنے کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھوں اس کا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ راجہ داہر نے محمد بن حارث علافی اور اس کے خاندان کو بڑے اچھے طریقے سے رکھا۔ خصوصاً محمد بن حارث علافی کو راجہ کے دربار میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق

"وہ راجہ کا معتمد خاص تھا۔ حتیٰ کہ سکوں پر ایک طرف راجہ داہر کا نام کندہ ہوتا تھا اور دوسری طرف محمد بن حارث علافی کا۔ تاہم جب محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہوا تو محمد بن حارث نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف صف آرا ہونے سے انکار کر دیا۔"[۲] (۳)

۱۔ محمد بن حارث علافی کے خاندان کے سندھ میں رہنے کی وجہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی جب عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سعید بن عسلان کلبی کو مکران کا علاقہ سپرد کیا۔ سعید نے وہاں کے ایک شخص سفہوی بن لام الحمامی سے اپنی مدد کے لئے کہا اور اس کے انکار کرنے پر ناراض ہو کر اسے قتل کر ڈالا۔ یہ شخص محمد بن حارث علافی کا رشتہ دار تھا۔ علافی نے موقع ملتے ہی سعید کو قتل کر ڈالا۔ حجاج نے سعید کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے علافی خاندان کے ایک سردار سلیمان کو قتل کر کے اس کا سر سعید کے خاندان کو بھجوایا اور مجاعہ بن سعر تمیمی کو بڑے لشکر کے ساتھ علافیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی محمد بن حارث اور اس کے ساتھی بھاگ کر سندھ چلے گئے جہاں راجہ داہر نے انہیں پناہ دی اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (۱) "چچ نامہ" از علی بن حامد بن ابوبکر کوفی مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، پہلا ایڈیشن اپریل ۱۹۶۳ء، صہ ۱۱۲ تا ۱۱۷، (۲) تحفۃ الکرام، صہ ۲۲ تا ۲۶۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "چچ نامہ" صہ ۲۲۲ تا ۲۲۳۔

۳۔ بحوالہ۔ خطہ پاک۔ اوچ، صہ ۱۹۲، مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اول ۱۹۶۷ء۔

Marfat.com

۶- محمد بن قاسم کی آمد

اس تفصیل سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان بہت عرصے سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ عربوں کا کوئی نہ کوئی لشکر مختلف ادوار میں ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقے پر حملہ آور ہوتا رہا جس میں سندھ کا علاقہ خاص طور پر شامل ہے۔ سندھ کا ملک نسبتاً عراق سے نزدیک تھا اور ایرانی سرحد بھی سندھ سے ملتی تھی۔ اسلامی فتوحات کی حدود ایران کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔ دوسری طرف سندھ کا راجہ داہر چاہتا تھا کہ ایرانی علاقہ مسلمانوں کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں وہ ایرانی شرپسندوں کو بھی اپنے علاقے میں پناہ دیتا تھا خصوصاً سمندری قزاقوں کو مسلمانوں نے ابھی تک سندھ کی فتح کی جانب باقاعدہ توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن ایک فوری وجہ ایسی بنی کہ جس کی بناء پر سندھ کی فتح ناگزیر ہوئی اور یوں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے قدم سرزمین ملتان تک بھی پہنچے۔ سراندیپ کے راجہ نے جزیرہ یواقیت سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں دوستی کی غرض سے آٹھ جہاز تحائف کے بھیجے جن میں انواع واقسام کے موتی وجواہر، حبشی غلام کنیزیں اور دوسری نادر چیزیں شامل تھیں۔ ان جہازوں میں کچھ مسلمان عورتیں بھی تھیں جو کعبہ شریف کی زیارت کے لئے جا رہی تھیں۔ جہاز جب ملک قازروں کے نزدیک پہنچے تو مخالف طوفانی ہواؤں کی وجہ سے جہازوں کا رخ دیبل کے ساحل کی طرف ہو گیا جہاں انہیں قزاقوں کے ایک گروہ نے جن کا تعلق مید قوم سے تھا، لوٹ لیا۔ انہوں نے مردوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر ایک عورت نے چلا کر کہا اَغِثْنِي يَاحَجَّاجْ[1] ـــ یہ عورت یربوعیہ خاندان[2] کی تھی۔ کچھ مسافروں نے جو کسی طرح بچ بچا کر حجاج تک پہنچے، سارا حال سنایا اور اس عورت کی فریاد کے بارے میں بھی بتایا جسے سنتے ہی حجاج نے بے اختیار لبیک، لبیک، کہا اور

۱- بحوالہ تحفۃ الکرام، ص ۷۲، از میر علی شیر قانع ٹھٹوی مترجم اختر رضوی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی، اشاعت اول ۱۹۵۹ء

۲- چچ نامہ میں اس عورت کو قبیلہ عزیزی کی بتایا ہے جبکہ فتوح البلدان میں بلاذری نے ص ۴۳۵، پر اسے یربوعیہ خاندان کی بتایا ہے اور اعجاز الحق قدوسی نے بھی تاریخ سندھ ص ۸۲، پر بلاذری کی تائید کی ہے۔

Marfat.com

اس نے فوراً ایک خط راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے ملک کے لوگ جو تمہارے علاقے میں قید کر لئے گئے ہیں، اُن کو باعزت طریقے سے واپس کر و اور جو مال و اسباب لوٹا ہے اس نقصان کا تاوان ادا کرو۔ راجہ داہر نے اس کے جواب میں بڑی لاپرواہی سے لکھ بھیجا کہ یہ کام سمندری قزاقوں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں چلتا —— حجاج نے یہ جواب دیکھ کر ولید بن عبدالملک کو تمام حالات لکھ کر سندھ پر حملے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حجاج نے چند دن کے بعد دوسری عرض داشت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ امیرالمؤمنین نے کثیر اخراجات کی وجہ سے حملے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جتنا خرچ ہوگا اس سے دوگنی رقم خزانے میں جمع کروا دوں گا۔ جس پر ولید نے یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ اس میں کوئی نقصان نہیں[۱]۔ اجازت حاصل ہوتے ہی حجاج نے محمد بن قاسم کو اس مہم پر بھیجا۔ راجہ داہر ۱۰ رمضان ۹۳ھ / ۷۱۱ء میں لڑتا ہوا مارا گیا اور سندھ عربوں کے قبضے میں آگیا۔

۷۔ ابن قاسم کے ہاتھوں فتح ملتان

۹۵ھ میں محمد بن قاسم سندھ کے مختلف علاقوں کو فتح کرتا ہوا اسکہ تک پہنچا جو ملتان کے قریب تھا۔ سترہ دن تک سکہ والے مسلمانوں سے لڑتے رہے۔ آخر کار مایوس ہو کر حاکم سکہ رات کی تاریکی میں ملتان کی طرف چلا گیا اور عربوں نے سکہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم دریائے راوی (موجودہ راوی، چناب، جہلم) پار اترا جو ملتان اور سکہ کے درمیان تھا۔ فوج ٹھیک ملتان کے سامنے گھاٹ پر اتری۔ تھوڑی دیر بعد ملتان کی فوج والیٔ سکہ کے زیر کمان حملہ آور ہوئی۔ والیٔ سکہ، سکہ میں اپنی شکست کا بدلہ یہاں لینا چاہتا تھا اس لئے بڑا زبردست حملہ کیا۔ شام تک جنگ ہوتی رہی اس دوران عربوں کا ایک بہادر افسر زائدہ بن عمیرہ الطائی شہید ہو گیا۔ اس کی شہادت سے مسلمانوں میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ ہر مسلمان سرفروشی کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ ان کے حملے کی شدت سے گھبرا کر ملتانی لشکر قلعہ بند ہو گیا اور فصیل سے تیر، پتھر وغیرہ برسانے لگا عربوں

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (۱) چچ نامہ، صہ ۱۱۸ تا ۱۲۱ (۲) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی صہ ۸۰ تا ۸۵ (۳) نقش ملتان، صہ ۲۵۳ تا ۲۵۵۔

Marfat.com

نے یہ دیکھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بیس روز تک محاصرہ جاری رہا تو عربی فوج پریشان ہو گئی کیونکہ وہ اپنے مراکز اروڑ، نیرون اور برہمن آباد سے دور تھے۔ سامان رسد ختم ہو گیا تھا اور آس پاس کے علاقے نامانوس تھے۔ علاقہ ریگستانی تھا اس لئے پانی کی کمی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ باربرداری والے گدھے ذبح کر کے کھانے لگے۔ آخر ایک سندھی نے ایسے نالے⁽¹⁾ کا پتہ بتایا جہاں سے پانی ایک جھیل میں جمع ہوتا تھا۔ اس جھیل سے ملتان والے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لوگ اس کو نلاح یعنی نالہ کہتے تھے۔ مسلمانوں نے اس کے پانی کا رخ بدل دیا۔ ملتانی پیاسے مرنے لگے۔ مجبوراً قلعے سے باہر نکل کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت راجہ داہر کے بھائی چندر کا لڑکا گورسنگھ ملتان کا حاکم تھا۔ جب اس کو فتح کی کوئی امید نظر نہ آئی تو وہ رات کی تاریکی میں راجہ کشمیر سے مدد لینے کشمیر چلا گیا ملتانی فوج اس کی غیر حاضری میں بھی لڑتی رہی۔ محاصرہ طویل ہوتا گیا تو عربوں میں بےچینی پھیلنے لگی۔ وہ قلعے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اس کا ایک ایک کونہ دیکھنے لگے کہ کہیں سے کوئی رخنہ نظر آئے تو قلعے میں گھس کر بھرپور حملہ کریں تاکہ خود کو فاقوں سے نجات دلا سکیں۔ اتفاق سے ایک دن ایک شخص قلعہ سے نکلا، عربوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے پناہ مانگی تو اسے اس شرط پر پناہ دی گئی کہ قلعے کے اندر کا حال بتلائے اور قلعے کے کمزور حصے کی نشاندہی کرے۔ اس شخص نے بتایا کہ شمالی جانب دریا کے کنارے کی طرف ایک جگہ کمزور ہے۔ محمد بن قاسم نے منجنیقوں کا رخ اس طرف کر کے تین دن مسلسل اس قدر پتھر برسائے کہ دیوار ٹوٹ گئی اور اندر جانے کا راستہ بن گیا۔

ملتانی فوج نے جب دیکھا کہ دیوار ٹوٹنے والی ہے تو انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر ایک دم حملہ کر دیا۔ عربی فوج اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ملتانی مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور بدحواسی کے عالم میں قلعے کی طرف واپس اس طرح بھاگے کہ قلعے کا دروازہ بند کرنا بھی بھول گئے۔ اس طرح عربی فوج

۱۔ بلاذری اسے تالاب کہتا ہے، اس کا بیان ہے کہ "یہ ایک تالاب تھا جس میں نہر بسمد کا پانی جمع ہوتا تھا۔ ملتان والوں کی زبان میں اس کے لئے جو لفظ تھا عربی میں اس کو "نلاح" کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کو بند کر دیا۔ فتوح البلدان (جزو دوم) صہ ۱۹، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، ۱۹۴۰ء)

فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہو گئی۔ امن پسند شہری محفوظ رہے اور مسلح فوجی سپاہی جنہوں نے مقابلہ کیا تھا ان میں سے تقریباً چھ ہزار مارے گئے[1]۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا وہ تمام سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔

حجاج بن یوسف سے فتح سندھ کی اجازت لیتے وقت محمد بن قاسم نے وعدہ کیا تھا کہ جس قدر رقم جنگ میں خرچ ہو گی میں خزانہ میں اس سے دوگنی رقم جمع کراؤں گا۔ اب تک تمام فتوحات میں مالِ غنیمت میں سے وہ ایک معقول رقم خزانے میں جمع کراتا رہا تھا اور بقایا رقم بڑی فیاضی سے سپاہ میں تقسیم کر دیتا تھا یہاں تک کہ خود اس کو کچھ نہیں ملتا تھا فتح ملتان کے بعد محمد بن قاسم اس فکر میں تھا کہ اپنا وعدہ کس طرح پورا کرے کہ ایک دن ایک برہمن کی نشاندہی پر ایک حوض سے دو سو من سونا اور سونے کی کترن سے بھرے ہوئے چالیس مٹکے ملے۔ اس خزانے کی مالیت تقریباً بارہ کروڑ تھی[2]

محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو اس خزانے کا پانچواں حصہ بھجوا کر انتظامی امور کی طرف توجہ کی۔ جزیہ اور خراج کی تشخیص کی۔ لوگوں کو اطمینان دلایا کہ وہ امن سے رہیں۔ محمد بن قاسم نے ملتان کے خاص اور منتخب لوگوں سے پختہ عہد لے کر جامع مسجد اور مینار تعمیر کرلئے۔ امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کر کے ارد گرد کے قلعوں میں بھی اپنے خاص آدمی مقرر کئے جن میں خریم بن عبدالملک تیمی کو برہم پور کے قلعے پر جو دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے متعین کیا۔ عکرمہ بن ریحان شامی کو ملتان کے نواح کا حاکم بنایا۔ احمد بن خزیمہ بن عقبہ مدنی کو اشہار اور کرور کا قلعہ سپرد کیا اور کچھ عرصہ خود ملتان میں اپنی فوج کے ساتھ آرام کی غرض سے ٹھہرا اور پھر پچاس ہزار کے قریب فوج، اسلحہ اور سامان جنگ

۱۔ بلاذری نے فتوح البلدان جزو دوم (ترجمہ از سید ابوالخیر مودودی صہ ۱۹۱) میں کہا ہے کہ یہ چھ ہزار پجاری تھے جن کی جان بخشی کی گئی اور ان کو غلام بنا لیا گیا۔ جبکہ چچ نامہ صہ ۲۴۲، اور تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی کے صہ ۱۱۴ کے بیان کے مطابق یہ چھ ہزار پجاری نہیں بلکہ فوجی سپاہی تھے۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حوض دو نیزوں کے برابر لمبا، دو نیزوں کے برابر چوڑا اور گہرا تھا۔ دو نیزوں کے لئے عربی کا لفظ ہے "مُلْتَان" گویا ملتان واقعی "مُلْتَان" ثابت ہوا۔

Marfat.com

کی تیاری کی تاکہ اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کر سکے (۱)

۸ - ملتان محمد بن قاسم کے بعد

یوں ملتان محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوتے ہی پہلی صدی ہجری میں عربوں کے قبضہ میں آگیا اور غزنوی دور تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ لیکن ۱۱۱ ھ میں یہ سندھ سے الگ ہوگیا۔ لسانی اعتبار سے یہ سن اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے بعد یہاں ملتانی زبان سندھی زبان سے علیحدہ ہو کر آزادانہ طور پر ارتقاء پانے لگی (۲)

ملتان پر پہلے ۱۳۲ ھ تک بنی امیہ کا قبضہ رہا۔ پھر ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی ملتان بنو عباس کی حکومت کے تحت آگیا۔ اس کے بعد صورتِ حال کچھ اس طرح رہی کہ اگر مرکز میں خلیفہ طاقتور رہے تو ارد گرد کے سارے علاقے اس کے ماتحت ورنہ ہر کوئی اپنی الگ حکومت بنانے کے چکروں میں پڑ جاتا۔ ملتان بھی کچھ ایسی ہی صورتحال سے دوچار رہا۔ کبھی یہ مرکزی حکومت کے تحت ہوتا اور کبھی یہاں کے حاکم خود مختار حکومت قائم کر لیتے۔

ملتان پر بنو سامہ نے بھی حکومت کی تھی جو خالص عربی النسل تھے جن کا سلسلہ قریش کے لوئی بن غالب سے جا ملتا ہے جو قریش کے اجداد میں سے تھا۔ لوئی کی اولاد میں سے ایک کا نام سامہ تھا۔ اسی کی اولاد بنو سامہ کہلائی۔ یہی لوگ " بنو منبہ " کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں تقریباً ۲۹۰ ھ میں ان کی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ ۲۸۰ ھ میں ابن رُستہ ملتان آیا تھا اور ملتان میں سامی حکومت کا تذکرہ سب سے پہلے اسی نے الاعلاق النفیسہ میں کیا۔ اس کے مطابق

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (۱) "تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی صـ ۱۱۲ تا ۱۱۷۔

(۲) چچ نامہ صـ ۲۴۶ تا ۲۴۷۔

(۳) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی صـ ۲۱۷ تا ۲۱۸۔

۲۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، صـ ۹۷، ۹۸، اردو اکادمی بہاولپور، بار اول ۱۹۶۷ء

Marfat.com

"ملتان میں ایک قوم ہے جو اپنے آپ کو سامہ بن لوئی کی اولاد سے بتاتی ہے ان کو وہاں بنو منبہ کہا جاتا ہے ، یہی لوگ ہندوستان میں ملتان پر حکمران ہیں ، یہ امیر المؤمنین کے لئے دعا کرتے ہیں۔" (۱)

مشہور سیاح مسعودی (جو ۳۰۰ ھ میں ملتان آیا) لکھتا ہے۔

"ان الملك فی ولد سامه بن لوئ من غالب ، وهو ذوجيوش ومنعة وثغو من ثغور المسلمين الكبار۔" (۲)

ترجمہ : اس ملک میں سامہ بن لوئ بن غالب کی حکومت ہے اور یہ ملک مسلمانوں کی وسیع سرحدوں والے ممالک میں نہایت اہم ہے جس کی فوج کثیر اور ناقابلِ شکست ہے۔

بنو سامہ کی حکومت کافی عرصہ تک رہی۔ ۳۷۲ ھ میں ملتان کا حاکم جلم بن شیبان تھا جو اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملتان پر کب بنو سامہ کی حکومت ختم ہوئی اور کب اسماعیلی یہاں کے حکمران بنے۔ اسماعیلی شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ بنو سامہ سُنی العقیدہ تھے۔ جلم بن شیبان کو اسماعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر، متوفی ۳۸۶ ھ) نے ۳۷۲ ھ میں فوجی مدد کے ساتھ سندھ بھیجا تھا۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس راستے سے سندھ گیا اور نہ ہی ملتان پر اس کا کوئی حملہ ثابت ہوتا ہے۔ ابوظفر ندوی کے مطابق

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر کوئی حملہ باہر سے نہیں کیا، بلکہ اندرون شہر بغاوت کرا کے خود مددگار بنا اور پھر سردار ہو گیا۔" (۳)

جلم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کر کے سب سے پہلے فاطمی خلیفہ کا سکہ اور ان کا نام کا خطبہ

۱۔ بحوالہ الاعلاق النفیسہ ، صہ ۱۳۵ ، مطبع لیڈن سنہ اشاعت ۱۸۹۲ء ۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔" وبالملتان قوم يدعون انهم من ولد سامه بن لوئ يقال لهم بنو منبة وهم الملوك على الهند فيها وهو يدعون لامير المؤمنين۔"

۲۔ بحوالہ مروج الذہب ومعادن الجوہر از مسعودی ، الجزء الاول صہ ۱۸۹ ۔ مطبوعہ بیروت الطبع الاولیٰ بیروت ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء (جناب علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

۳۔ بحوالہ تاریخ سندھ" صہ ۲۵۶ ۔

Marfat.com

جاری کروایا۔ اس نے اس قدیم مندر کو بھی توڑ دیا جو فتح ملتان سے لے کر اب تک صحیح حالت میں تھا اور یہاں کے حکمرانوں کے لئے سیاسی و مالی فوائد کا باعث تھا۔ اس مندر کی جگہ ایک جامع مسجد بنوائی اور محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کروا ڈالا۔ جلم بن شیبان نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے کافی جدوجہد کی اور مقامی ہندو راجاؤں سے معاہدے کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط بنایا۔

جلم بن شیبان کے بعد شیخ حمید ملتان کا حاکم بنا وہ بھی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اس کے زمانے میں یعنی ۳۸۱ ھ میں غزنہ کے ترک حاکم امیر ناصر الدین سبکتگین نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد ۳۸۱ ھ یا ۳۸۲ ھ میں ملتان کو فتح کرنے کے لئے اس طرف پیش قدمی کی۔ شیخ حمید جانتا تھا کہ وہ اکیلا ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اردگرد سے بھی امداد کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے اس نے صلح کرنے میں عافیت سمجھی۔ مصنف فرشتہ کے مطابق

"جب الپتگین فوت اور سبکتگین اس کا قائم مقام ہوا شیخ حمید نے پرخاش میں صلاح اور فلاح نہ دیکھی اور پیغام دیا کہ ہمارے اور تمہارے اسلام کی شرکت کے سبب سے نہایت یک جہتی ہے سزاوار مراحم خداوندی وہ ہے کہ اس گروہ کو اپنے وابستگوں سے تصور فرما کر عساکر منصورہ کو مامور کریں کہ ممالک ہند کے تاراج کے وقت اس جماعت خیر خواہ کے احوال میں تعرض اور مزاحمت نہ پہنچاویں۔ سبکتگین نے بقضائے وقت اس کے ملتمس کو قبول کیا اور جیپال کی فتح کے بعد بہمہ، دہی تمام پیش آیا اور ملتان کی جاگیر اس کے نام مقرر کی" (۱)

۹۔ محمود غزنوی کا حملہ

۳۸۷ ھ میں امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ ملتان کی سرحد سے متصل ایک مضبوط قلعہ بھاٹیہ کے (موجودہ بھیرہ) مقام پر تھا جو لاہور کے تابع تھا۔ اس کا حاکم بجے رائے اپنے آپ کو خود مختار سمجھ کر لاہور کے حاکم کی پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ ایک مرتبہ غزنہ کے حکام سے سرحدی معاملے پر بدتمیزی سے پیش آیا تو سلطان محمود غزنوی اس کو سبق سکھانے کے لئے ۳۹۵ ھ میں ملتان کے راستے بھاٹیہ

Marfat.com

پہنچا۔ بجے رائے مقابلہ نہ کر سکا تو اس نے مایوس ہوکر خودکشی کرلی۔ اس دوران ملتان کے حاکم شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ اس لئے محمود غزنوی اس سے ناراض ہوگیا۔ اس وقت ملتان کا حاکم شیخ حمید کا پوتا شیخ ابوالفتوح داؤد بن نصر تھا جس نے اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ترکوں کے خلاف کارروائیاں شروع کردیں۔ چنانچہ محمود غزنوی ۳۹۶ھ میں تازہ دم فوج لے کر درۂ بولان کی بجائے درۂ خیبر کے دُور دراز علاقے سے ملتان کی طرف اس لئے روانہ ہوا کہ حاکم ملتان کو حملے کی اطلاع نہ مل سکے۔ راستے میں لاہور کے راجہ آنندپال نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن مقابلہ نہ کرسکا اور شکست کھاکر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود غزنوی بھٹنڈا کے راستے سے ملتان پہنچا۔ داؤد نے دیکھا کہ آنندپال جیسا طاقتور حکمران محمود غزنوی کا مقابلہ نہیں کرسکا تو قلعہ بند ہوگیا۔ محمود غزنوی نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ چھ سات روز کے محاصرے کے بعد شہر کے چند معزز لوگوں نے دونوں کے درمیان صلح کرادی اور معاہدہ دو لاکھ درہم سالانہ خراج پر طے ہوا۔ اس کے علاوہ اعجازالحق قدوسی کے خیال میں ،

"غالباً اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ ملتان کا ایک حصہ جو دریائے سندھ سے متصل تھا۔ وہ سلطان کو دے دیا جائے۔"[۱]

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آنندپال نے قومی جنگ کے نام پر ہندوستان کے تقریباً تمام راجاؤں سے مدد حاصل کی اور بڑا لشکر تیار کرکے محمود غزنوی کے مقابلہ کے لئے پشاور پہنچا۔ ملتان کے امیر شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ ۳۹۹ھ میں محمود بھی اپنی فوج لے کر آگیا۔ چالیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے رہیں لیکن جب محمود نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے تو اس نے دونوں طرف خندقیں کھدواکر مقابلہ شروع کیا اور زبردست معرکے کے بعد ہندوستانی فوج کو شکست دی۔ محمود غزنوی کو ملتان کے حاکم کے منافقانہ رویئے پر بہت غصہ آیا۔ اسے مزہ چکھانے کے لئے ۴۰۱ھ میں غوریوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد وہ تیزی سے ملتان کی طرف آیا۔ ملتان والوں کو تیاری کا موقع نہ مل سکا اس لئے وہ قلعہ بند ہوگئے۔ مگر محمود غزنوی نے زبردست حملہ کرکے ملتان کو فتح کیا۔ بڑے پیمانے

۱۔ ترجمہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اوّل ص ۱۵، نولکشور پریس لکھنؤ (لانگھے خاں لائبریری)

Marfat.com

پر گرفتاریاں اور قتل وغارت ہوا۔ شیخ داؤد بن نصر بن حمید بھی گرفتار ہوا جسے غزنے لے جایا گیا اور وہیں قلعہ غورک میں قید کے دوران اس کا انتقال ہوا۔ (۱) اب صوبہ ملتان پر مکمل طور پر محمود غزنوی نے قبضہ کر لیا۔ جلم بن شیبان نے اپنے دور میں ملتان میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کروا کر ایک نئی مسجد تعمیر کی تھی۔ محمود غزنوی نے اس مسجد کو بند کروا کر محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔

۱۰۔ صوفیا اور بزرگوں کا ورود سرزمینِ پاک و ہند میں

اس ساری تفصیل سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ سرزمین ملتان کی قدامت، اہمیت، مرکزیت اور سیاسی و تاریخی عظمت مسلمہ ہے۔ یہ سرزمین موہن جوڈارو، ہڑپہ اور بابل و نینوا کی تہذیب کی ہم عصر رہی ہے۔ دوسری تہذیبیں مٹ گئیں لیکن ملتان قرن ہا قرن سے قائم رہا۔ مختلف ادوار میں اس کے مختلف نام رہے۔ مختلف قومیں مختلف اوقات میں یہاں حملہ آور ہوتی رہیں۔ دوسری قوموں کے ساتھ اور بالخصوص عربوں کے ساتھ اس کے روابط اور تعلقات ہمیشہ قائم رہے۔ قبل از اسلام یہ روابط تجارتی بھی تھے اور مذہبی بھی۔ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد ملتان میں باقاعدہ طور پر اسلام کی روشنی پھیلی۔ اس حملہ کے بعد یہاں اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کے چراغ روشن ہوئے محمود غزنوی کی فتح ملتان تک عرب مسلمانوں کی حکومت یہاں کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ ہی بے شمار صوفیاء، بزرگ ہستیاں، مذہبی شخصیتیں اور علم و فضل کے حامل لوگ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے۔ ان میں "کشف المحجوب" کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان علی ہجویری غزنی سے روانہ ہو کر مسلمان ممالک کا سفر کرتے ہوئے آخر لاہور پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ شیخ اسماعیل بخاری اور شیخ فریدالدین عطار بھی برصغیر میں آئے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی کے شاگرد رشید شیخ جلال الدین تبریزی بنگال پہنچے۔ عبدالکریم الجیلی مصنف انسان کامل نے بھی برصغیر کا سفر اختیار کیا۔

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے ترجمہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اوّل، صہ ۴۰۔ ۴۱ مطبوعہ نولکشور، ۱۹۰۴ء

Marfat.com

اسی طرح سید محمود گیسو دراز، پیر صدر الدین، سید یوسف الدین برصغیر میں سکونت پذیر ہوئے۔

سرزمینِ ملتان تو سب زمینوں سے بڑھ کر بزرگوں اور صوفیوں کے لئے ایک عظیم مرکز بنی رہی۔ اسی لئے اسے مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ملتان میں کئی برس تک قیام فرمایا۔ مقامی زبان میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد بغرض اشاعت اسلام اجمیر جاکر مستقل قیام فرمایا۔ سید جلال الدین بخاری اُچ تشریف میں اور بابا فرید الدین گنج شکر پاک پتن میں قیام پذیر ہوئے۔ قطب الدین بختیار کاکی ملتان تشریف لائے، قیام فرمایا اور تبلیغ کے بعد دہلی کو کوچ کر گئے۔ جلال الدین سرخ پوش نے اُچ میں اور غوث بہاء الحق زکریا نے ملتان میں سکونت اختیار کی۔

اس شہرِ بے مثال میں حضرت امیر خسرو اور صوفی شاعر عراقی کی آمد بھی ہوئی۔ ان کے شعر و نغمہ سے اس کی فضائیں گونجیں۔ حضرت خواجہ فرید کی روح پرور شاعری نے اس سرزمین میں معرفت کے بیج بوئے۔ انسانیت کو مساوات، اخوت، امن، عشق اور آشتی کا پیغام دیا۔ البیرونی جیسے محقق اور مؤرخ نے ملتان میں قیام کر کے نہ صرف کتاب الہند جیسی اہم کتاب تصنیف کی بلکہ ہندی علوم کی بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی عربی زبان میں کئے ان تمام بزرگانِ دین، علماء، مفکرین اور صوفیاء کی بدولت اسلامی فلسفے کے علاوہ تصوف بھی پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیل گیا۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم اگلے باب میں پیش کریں گے۔ فی الحال اس باب کے دوسرے حصے میں ہم ملتان کے بارے میں سیاحوں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں — جن سے ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا عکس ہمارے سامنے آئے گا۔

Marfat.com

(ب) ملتان کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ، سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں

(۱) ملتان اہم تہذیبی مرکز

سرزمین ملتان اپنی تہذیبی اور تمدنی اقدار کے اعتبار سے دنیا کا اہم مرکز رہا ہے۔ یہ شہر نہ صرف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا بلکہ علم و ادب، ثقافت، جملہ فنونِ لطیفہ و مفیدہ اور روحانی اقدار کے لحاظ سے بھی دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس شہر کو مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس سرزمین کو تقدس اور طہارت سے ہمکنار کرنے والے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام ہیں جنہوں نے اس سرزمین میں تخم معرفت بوئے اور لوگوں کی زندگیوں کو اپنے فیضانِ نظر سے انقلاب آشنا کیا۔ یہ انقلاب روحانیت اور اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار کا علمبردار تھا۔

ارض ملتان انسانی زندگی کی ایک عظیم بستی کی صورت میں کب معرض وجود میں آئی؟ انسانی تخیل اور تصور اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے لیکن یہ بھی ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ بابل، نینوا اور موہن جو ڈارو کا ہم عصر یہ شہر اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثے اور تقدس و عرفان کے لحاظ سے دنیا کا ایک قدیم ترین شہر ہے۔ تاریخ کی گواہی اور مؤرخین و محققین کے بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر تین ہزار سال قبل از مسیح بھی آباد تھا (۱)۔ ملتان کے کاخ و کو، قلعہ کہنہ اور قدیم طرزِ تعمیر کی عمارتوں کے نیچے صدیوں اور قرنوں کی تہذیب دبی ہوئی موجود ہے جس کی ابتدا کا پتہ لگانا تو ممکن نہیں تاہم اس کی عظمت پارینہ کے کچھ

۱۔ معروف محقق اور ماہر آثار قدیمہ ابن حنیف لکھتے ہیں ـــــ "ملتان کے موعودہ مقام پر پہلی بستی کم از کم ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کے لگ بھگ ـــــ بسائی گئی تھی۔ ی"

(بحوالہ "سات دریاؤں کی سرزمین"۔ مطبوعہ کاروانِ ادب، بار اوّل ۱۹۸۰ء، ص ۲۱۹)

اسی طرح ملتان کے مشہور محقق اور مؤرخ علامہ عتیق فکری کا بیان ہے کہ "ملتان کے علاقے کی قدامت ... ہم قبل مسیح تک چلی جاتی ہے۔" ("نقش ملتان" مطبوعہ فکری اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۸۲ء، ص ۴۱)

Marfat.com

قصے تو تاریخوں میں بند ہیں اور کچھ قدیم دستاویزات ہیں، لیکن اس کا ایک بڑا ماخذ وہ سفرنامے بھی ہیں جو چوتھی صدی، ق م سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک کے ان سیاحوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات پر مبنی حالات قلم بند کئے ہیں۔ مختلف سیاحوں کے بیانات سے ملتان کی تہذیبی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور ہم ان تفصیلات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو تاریخ میں بھی موجود نہیں ہیں۔ ان سیاحوں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا اس کو کبھی اجمال سے اور کبھی تفصیل کے ساتھ اپنے سفرناموں میں درج کیا۔ یہ سیاح دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں یونانی، چینی، عربی، فرانسیسی اور برطانوی سیاح قابل ذکر ہیں۔ ہم زمانی لحاظ سے ان سیاحوں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۲) یونانی اور چینی سیاح

تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے سکندر اعظم مقدونی اپنی فوج کے ساتھ سرزمین ملتان پر حملہ آور ہوا۔ یہاں کے نواحی قبائل کے ساتھ برسر پیکار رہا۔ یہیں اس نے وہ مہلک تیر کھایا جس سے بعد میں اس کی موت واقع ہوئی ـــــ ڈاکٹر رفیق مغل کے بیان کے مطابق سکندر اعظم کی فوج کے ساتھ ایک مؤرخ ایریان ـــــ (Arrian) بھی تھا جس نے اپنی کتاب Anabasis میں یونانی حملے کی پوری تفصیل درج کی ہے۔ اس نے ملتان میں بسنے والی قوم کو "ملوئی" یا "ملی" کے نام سے پکارا ہے اور اس قوم کی بہادری اور جرأت مندی کی بے حد تعریف کی ہے۔

چینی سیاح ہیون سانگ (HIUENTSANG) جو بدھ مت کا پیروکار تھا اکتوبر ۶۴۱ء میں ملتان پہنچا تھا، اس نے ملتان شہر کا نام "میولوسان پولو" بیان کیا ہے اس نے اس شہر کی تمدنی، علمی اور ادبی، اقتصادی، مذہبی اور روحانی زندگی کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔ میں یہ تفصیل ڈاکٹر محمد رفیق مغل کے الفاظ میں درج کرتی ہوں۔

"اس علاقے کا دارالخلافہ (ملتان) تیس "لی" (تقریباً پانچ میل) کے علاقے پر محیط ہے۔ یہ شہر بڑا گنجان آباد ہے یہاں کے لوگ بہت امیر ہیں اور یہ علاقہ چکا (CHIKA) سلطنت کے ماتحت ہے۔ یہاں کی مٹی بہت

Marfat.com

زرخیز ہے، آب و ہوا خوشگوار ہے۔ لوگ بہت سادہ اور ایمان دار ہیں۔ علم و ادب، باہمی عزت اور نیک اقدار سے محبت رکھتے ہیں۔ بیشتر لوگ روحوں کے لئے قربانی دیتے ہیں۔ اور بہت کم گوتم بدھ کے اصولوں پر قائم ہیں یہاں پر بدھ مت کی دس خانقاہیں ہیں۔ یہ زیادہ تر شکستہ حالت میں ہیں کچھ مذہبی پیشوا ہیں جو مطالعہ تو کرتے ہیں مگر اس میں کمال حاصل کرنے کی خواہش نہیں رکھتے۔ یہاں پر ہندوؤں کے آٹھ مندر ہیں جن میں مختلف ذات کے لوگوں کے نمائندے رہتے ہیں۔ ایک مندر جو کہ "سورج دیوتا" کا ہے بہت عالیشان ہے اور گوناں گوں آرائش سے مزین ہے۔ سورج دیوتا کا بت پیلے سونے کا بنا ہوا ہے اور اسے نادر جواہرات سے سجایا گیا ہے ـــــ عورتیں اس مندر میں سورج دیوتا کی تعریف میں مشعلیں روشن کر کے گاتی بجاتی ہیں اور پھول اور عطر دیوتا کی نذر کرتی ہیں۔ یہ رسم بہت قدیم ہے۔ بادشاہ اور امراء کے اہل خاندان قیمتی جواہرات اور پتھروں پر مشتمل تحائف دیوتا کو پیش کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ قریب ہی ایک جگہ پر کھانے پینے کا انتظام ہے جہاں غرباء کے لئے کھانا اور پانی تقسیم کیا جاتا ہے اور بیماروں کے لئے دوائیں دی جاتی ہیں۔ بہت سے علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ دعا مانگتے آتے ہیں۔ مندر کے چاروں طرف تالاب ہے جس میں خوب صورت پھول اُگے ہوتے ہیں"۔

۳- چچ نامہ کی روایت

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا باقاعدہ ورود محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ہوا۔ محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ملتان پہنچا۔ ملتان میں مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل ملتان قلعہ بند ہو کر لڑے۔ دو ماہ تک فصیلوں سے منجنیقوں اور غدرک (ایک آلہ حرب) کے ذریعے پتھر اور تیر برسائے ـــ آخر ملتان فتح ہوا۔ چچ نامہ میں اس حملے کی جو تفصیلات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ " ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی۔ فتح مکمل ہوئی تو شہر کے رئیس

Marfat.com

اور سربراہوں نے جمع ہو کر ساٹھ ہزار درم وزن کی چاندی تقسیم کی۔ ہر سوار کو خاص طور پر چار سو درم وزن کی چاندی ملی ــــ اس کے علاوہ ایک بُت سے بے شمار خزانہ ہاتھ لگا۔

چچ نامہ میں لکھا ہے کہ ایک برہمن محمد بن قاسم کے پاس آیا اور کہا

"اے عادل امیر! یہ وہی بُت ہے کہ جو ملتان کے راجہ جوبن نے بنوایا تھا، اور جو مال دفن کر کے فوت ہو گیا تھا۔"

محمد بن قاسم وزیروں اور نائبوں کے ساتھ اس بُت خانے میں آیا۔ یہاں اس نے سونے کا ایک بُت دیکھا جس کی آنکھوں میں سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے ــــ محمد بن قاسم کے حکم سے جب اس بُت کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے دو سو تیس من سونا اور سونے کی کترن سے بھرے ہوئے چالیس مٹکے برآمد ہوئے۔ کل تیرہ ہزار دو سو من سونا دفینے سے نکلا وہ سونا اور بہت سے بُت خزانے میں لائے گئے، اس کے علاوہ وہ موتی اور جواہرات جو کہ ملتان کی لوٹ میں ہاتھ آئے تھے وہ اور بہت سے دوسرے خزانے اور دفینے بھی قبضے میں کیے گئے۔

۴۔ عرب سیّاحوں کے بیانات

مال و دولت کی بہتات کی وجہ سے ملتان کو فرج بین الذہب (سونے کی سرحد) کہا جاتا تھا۔ عرب سیّاح خرداذبہ (المتوفی ۳۰۰ھ ۹۱۲ء) اپنی مشہور کتاب "السالک والممالک" میں لکھتے ہیں۔

"سجستان کے شہر زرنج سے ملتان دو مہینہ کی راہ ہے اور ملتان کو فرج بیت الذہب (سنہری سرحد) کہتے ہیں کیونکہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے یہاں ایک گھر کے اندر ۴۰ بھار سونا پایا تھا اور بھار ۳۳۳۱ من کا ہوتا ہے اسی بنا پر ملتان کو فرج بیت الذہب کہتے ہیں۔"

تیسری صدی ہجری کا ایک عرب سیّاح اور تاجر ابو زید حسن سیرانی (الکتاب الثانی من سلسلۃ التواریخ میں) ملتان کے مشہور بُت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"منصورہ کے قریب ملتان میں جو مشہور بُت ہے، اس کی زیارت (یاترا) کے لئے لوگ کئی کئی مہینہ کا سفر طے کر کے آتے ہیں اور اپنے ساتھ مشہور عود

Marfat.com

ہندی قامرونی لاتے ہیں، قامرون ایک شہر ہے جہاں عمدہ قسم کا عود پیدا ہوتا ہے۔ لوگ اسے بُت پر دھونی کے لئے لاتے ہیں اور مہنتوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ بعض اقسام کے ایک من عود کی قیمت دو سو دینار ہوتی ہے اس کی بعض قسمیں اتنی نرم ہوتی ہیں کہ اگر ان پر انگوٹھی سے مہر لگائی جاتی تو اس کی چھاپ آجاتی ہے۔ تاجران خادموں سے عود کو خریدتے ہیں

عرب مورّخ اور جغرافیہ دان احمد بن یحییٰ بن جعفر بلاذری (المتوفی ۲۷۹ھ بمطابق ۸۹۲ء) کی معروف کتاب "فتوح البلدان" ہے جو اسلامی فتوحات کے سلسلے کی تاریخ ہے اور اس میں سندھ پر مسلمانوں کے حملے کی تفصیل موجود ہے۔ البلاذری کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان میں بُت پرستی کا بڑا رواج تھا اور یہاں ایسے بت موجود تھے جن کی زیارت کے لئے دُور دراز کے علاقوں سے لوگ آتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو بیشمار دولت ملی۔ البلاذری لکھتے ہیں کہ

"یہاں سونے کی کثیر مقدار ہاتھ آئی، بُدخانے میں دس گز سے آٹھ گز کا ایک حجرہ تھا جس میں بُد کے چڑھاوے جمع کئے جاتے۔ حجرہ چاروں طرف سے بند تھا، چھت میں ایک بڑا سا روزن تھا جس سے چڑھاوے اس میں ڈالے جاتے تھے۔ اس حجرے کی وجہ سے ملتان کو "فرج بیت الذہب" کہنے لگے۔ فرج کے معنی سرحد کے بھی ہیں۔

ملتان کا بُد ایک ایسا بُد تھا جس کے لئے اموال ہدیہ کئے جاتے اور اس پر نذریں چڑھائی جاتیں۔ سندھ والے اس کی بڑی عظمت کرتے۔ زیارت کو آتے اور ڈاڑھیاں اور سر منڈا کے اس کا طواف کرتے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ یہ بُت ایوب علیہ السلام کا مجسمہ ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"کہتے ہیں حجاج نے مہم کے مصارف اور غنائم کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ ۶ کروڑ خرچ ہوئے اور بارہ کروڑ حاصل ہوئے۔ کہا ہم نے اپنے خون کا بدلہ پالیا جو کچھ خرچ کیا۔ اس پر چھ کروڑ درہم مزید ہاتھ آئے اور داہر کا سر ملا۔"

Marfat.com

ابو عبداللہ ابن فقیہ ہمدانی بھی تیسری صدی کے آخر کا انشاء پرداز اور جغرافیہ دان تھا۔ اس کی تصنیف کا نام "کتاب البلدان" ہے۔ اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ اس علاقے میں آیا تھا تو بحرِ ہند ملتان کو عبور کرتا ہوا گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ

"یہ سمندر قلزم سے وادی قری ہوتا ہوا بربر، عمان، دیبل اور ملتان کو عبور کرتا ہوا چین میں چنیہ پہاڑ تک چلا آیا ہے۔"

اس نے ملتان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔

ابن فقیہ کا ہم عصر احمد بن عمر بن رستہ اگرچہ خود ہندوستان میں نہیں آیا تھا مگر اس نے اپنی معروف تصنیف "الاعلاق النفسیہ" (سنہ تصنیف ۲۹۰ ھ) میں ملتان کے بارے میں بہت سی دلچسپ معلومات درج کی ہیں۔ مثلاً اس کے بیان کے مطابق ملتان میں بسنے والی قوم سامہ بن لوئی کی ایک شاخ بنو امیہ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ یہی قوم ہندوستان کے اس حصّے پر حکمران تھی اور خلیفہ (بغداد) کے نام کا خطبہ پڑھتی تھی۔ ابن رستہ نے ملتان کے بُت کا بھی ذکر کیا ہے جس کی لمبائی ۲۰ گز سے زائد تھی، وہ آدمی کی شکل و صورت تھا اور اس کے چار چہرے تھے۔ اس لئے جس طرف بھی آدمی رخ کرتے وہ ان کے سامنے رہتا۔ اس کی پشت نہیں تھی۔ یہ بُت دو ہزار سال پہلے کی تعمیر تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ بُت آسمان سے اترا تھا اور انہیں اس کی بندگی کا حکم دیا گیا تھا۔ لوگ سال ہا سال کی مسافت طے کر کے اس کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ یہاں آکر اپنا سر منڈاتے تھے اور بائیں جانب سے سات بار طواف کرتے تھے، اس کے سامنے روتے تھے، گڑگڑاتے اور زمین پر لوٹتے۔ کچھ لوگ تو اپنی آنکھیں نکال کر اس کی آستین میں رکھ دیتے۔ بعض لوگ اپنی جان اس بُت کی نذر کر دیتے۔ طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک لمبی لکڑی کے سرے کو انتہائی تیز اور نوکیلا بنا کر اسے زمین میں گاڑ دیتے پھر اس کے اوپر چڑھ جاتے تھے اور لکڑی کا تیز اور نوکیلا سرا اپنے پیٹ میں اس طرح چبھوتے کہ وہ پشت کے راستہ باہر نکل آتا۔

علی بن حسین ابوالحسن المسعودی (المتوفی ۳۴۶ ھ / ۹۵۷ء) ایک بلند مرتبہ جغرافیہ دان، مؤرخ، اور سیاح گزرا ہے۔ اس کی دو کتابیں "مروج الذہب و معادن الجوہر" اور "التنبیہ والاشراف" ــــ بہت مشہور ہیں۔ مروج الذہب و معادن الجوہر میں ہندوستان کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مسعودی کی یہ تصنیف ۳۳۲ ھ / ۹۴۳ء کے بعد لکھی گئی تھی۔ اس میں ملتان

Marfat.com

کے بارے میں بھی کچھ معلومات درج ہیں۔ اس نے بھی ملتان کو "سونے کی سرحد" کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے مطابق ملتان کا حکمران قبیلہ قریش کی ایک شاخ اسامہ بن لوی بن غالب کے خاندان سے متعلق تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ دریائے سندھ ملتان کے بعد منصورہ سے گزرتا ہوا دیبل کے قریب سمندر میں گرتا تھا۔ اس دریا میں گھڑیال رہتے تھے اور مسعودی کے مطابق جس پانی میں گھڑیال ہوں وہ بڑا شیریں ہوتا ہے۔ مسعودی نے ملتان کو مسلمانوں کی ایک اہم سرحد قرار دیا ہے جس کے چاروں طرف ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں آباد ہیں۔ پھر اس نے اس مشہور بت خانے کا ذکر بھی کیا ہے جس کی یاترا کے لئے ہندوستان بھر سے لوگ خوشبویات لے کر آتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی ہندو راجہ ملتان پر حملہ آور ہوتا اور مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر پاتے تو وہ اس بت خانے کو توڑ دینے کی دھمکی دیتے۔ اس دھمکی پر ہندوؤں کی فوجیں واپس چلی جاتیں۔ اس نے ملتان کی بنی ہوئی ہاتھی دانت کی چوڑیوں، کھلونوں اور تانبے کے برتنوں کی بہت تعریف کی ہے[1] مسعودی کا ۳۰۰ھ کے بعد ملتان جانا ہوا تھا۔ ۳۳۱ھ میں یعنی مسعودی کے تقریباً تیس سال بعد ابن ہوقل سندھ آیا۔ ملتان کے بارے میں اس کا بیان ہے کہ

> "ملتان ایک بڑا شہر ہے جس میں فصیل بھی ہے۔ وہاں لوگ (ہندو) اسی طرح حج کرنے جاتے ہیں جیسا کہ ہم مکّہ میں، وہاں اسلامی سلطنت ہے اور غیر مسلم ان کے ماتحت ہیں۔ وہاں ایک بڑا قبہ ہے۔ اور اس کے نزدیک مسلمانوں کی جامع مسجد ہے۔ عام طور پر لوگ شریعت کے تابع ہیں اور دینی امور پر عمل کرتے ہیں۔" (۲)

ابراہیم بن محمد ابو اسحاق اصطخری ۳۴۰ھ/۹۵۱ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کی دو کتابیں "کتاب الاقالیم" اور "مسالک الممالک" مشہور ہیں۔ مسالک الممالک میں سندھ اور ہندوستان

۱۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر (عربی) ص ۱۸۹۔۱۹۰ (الجزء اوّل) مطبوعہ بیروت، الطبع الاولیٰ، بیروت ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء (علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا)

۲۔ بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا سید ابوظفر ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۱۲۔

Marfat.com

کا ذکر موجود ہے۔ سندھ کے ضمن میں ملتان کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اصطخری نے بھی ملتان کو "فرج بیت الذہب" کہہ کر پکارا ہے اور ملتان کے بُت خانے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس نے بُت کے بارے میں کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جو دوسروں نے نہیں لکھیں مثلاً یہ کہ یہ مورتی انسانی شکل کی ہے اور اینٹ اور گچ کی بنی ہوئی ایک کرسی پر پالتھی مارے بیٹھی ہے۔ اس کا سارا جسم سنجاب کے چمڑے کی طرح ایک سرخ چمڑے سے منڈھا ہوا ہے اور صرف اسکی آنکھیں نظر آتی ہیں، دونوں آنکھیں جواہرات کی ہیں، سر پر سونے کا ایک تاج ہے۔ آگے چل کر اصطخری لکھتا ہے کہ

> "ملتان محفوظ اور مستحکم شہر پناہ سے گھرا ہوا ہے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ ملتان کے باہر ڈیڑھ میل پر بہت سی عمارتیں ہیں جن کو جندا ور کہا جاتا ہے۔ یہ امیر کی چھاؤنی ہے۔ اس کے مطابق اہل ملتان لنگی اور کرتہ استعمال کرتے تھے۔ منصورہ ملتان اور ان کے مضافات کے باشندوں کی زبان سندھی اور عربی تھی"[1]

ایک اور عرب سیاح محمد بن احمد شمس الدین ابو عبداللہ بشاری مقدسی کی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم" میں ہندوستان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں لکھی گئی تھی۔ بشاری مقدسی کے مطابق ملتان میں پھل بہت سستے تھے۔ روٹی فی درہم ۳۰ من اور مصری فی درہم ۳ من ملتی تھی۔ مکان ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور کئی کئی منزلہ تھے۔ شراب اور زنا کا رواج بالکل نہ تھا اور جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا تھا وہ سخت سزا کا مستوجب ٹھہرتا، یہاں تک کہ قتل بھی کیا جاتا۔ اہل ملتان خرید و فروخت اور لین دین میں جھوٹ سے کام نہ لیتے تھے اور نہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ مسافروں سے محبت سے پیش آتے۔ وہ دریا کا عمدہ پانی پیتے تھے۔ بشاری مقدسی نے ملتان کو آسودہ شہر قرار دیا۔ یہ تجارت کا مرکز تھا اور یہاں نعمتوں کی فراوانی تھی۔ بادشاہ عادل اور منصف مزاج تھے۔ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے بازار میں نہ آسکتی تھیں اور نہ کوئی عورتوں سے بات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "ہندوستان عربوں کی نظر میں" صہ ۲۶۸ تا ۲۷۸۔

Marfat.com

چیت کر سکتا تھا۔

بشاری مقدسی کے مطابق ملتان کا پانی عمدہ اور زندگی راحت سے پُر تھی۔ لوگ خوشحال بامروّت عالی ظرف، تندرست اور توانا تھے۔ لوگوں کا رنگ گندمی اور سیاہ تھا۔ زبان عموماً فارسی تھی۔ البتہ ملتان کی زمین سنگلاخ، مکانات تنگ اور ہوا گرم خشک تھی۔ بشاری مقدسی نے ملتان کے بُت خانے کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے لیکن یہ تفصیلات کم وبیش وہی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے[1]۔

ایک اور مسلمان سیاح اور مؤرخ ابن حوقل دوبار ملتان آیا۔ دوسری بار ۹۷۹ء میں وہ یہاں مقیم رہا۔ اس نے بھی اپنا سفر نامہ لکھا ہے جو مولانا سید ابوظفر ندوی کے بیان کے مطابق ۳۶۷ھ میں تیار ہوا[2]۔ ملتان کی تاریخ اور حالات کے بارے میں ابن حوقل کے اکثر بیانات اصطخری کے مندرجات پر منحصر ہیں۔ حوقل کے بیان کے مطابق شہر کا نام ملتان کے معروف بُت کے نام پر رکھا گیا تھا جبکہ البیرونی کے نزدیک ملتان کا نام "مول استھان" تھا۔ جو بعد میں ملتان بن گیا۔ ملتان کی کرنسی کے بارے میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ یہاں پہلے تجارت کے لئے طاطری سکّہ رائج تھا، یہ سماڑا کے راجہ کا تھا جو مختلف وزن کا ہوتا تھا کبھی $1\frac{2}{3}$ درہم، کبھی $1\frac{1}{8}$ درہم عراقی کے برابر اور کبھی ۵ درہم عراقی کے برابر۔ جب اسماعیلیوں کا ملتان پر قبضہ ہوا تو ایک اور سکّہ رائج ہوا جس کو "قاہریہ" کہتے تھے۔ یہ مصر کے فاطمی ائمہ کے نام سے قاہرہ میں بنایا جاتا تھا جو عراق کے ۵ درہم کے برابر ہوتا[3]۔ ملتان کی مصنوعات کے بارے میں ابن حوقل کہتا ہے ـــــ ملتان سے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ڈبیہ چھری، چاقو، صندوقچے اور ہتھیاروں کے دستے تیار ہو کر بڑی تعداد میں غیر ممالک کو جاتے تھے۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں بھی بنتی تھیں جنہیں ہندو عورتیں استعمال کرتی تھیں۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے، ابن حوقل کے مطابق چوتھی صدی کے وسط تک ملتان اور منصورہ کے لوگ یہاں کی ملکی زبان سین ہب

۱۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" ترجمہ بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" صـ ۳۸۸ تا ۴۰۰۔

۲۔ تاریخ سندھ از مولانا ابوظفر ندوی، صـ ۲۲۳۔

۳۔ سفرنامہ ابن حوقل، صـ ۲۲۶، مطبع لیدن

Marfat.com

(سندھی) اور عربی میں گفتگو کرتے تھے۔"[1]

ابو ریحان البیرونی[2]، عالمی شہرت یافتہ سیاح، مورخ اور جغرافیہ دان تصور ہوتا ہے وہ ۱۰۱۱ء میں ملتان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیف "کتاب الہند"[3] بے حد معروف ہے۔ البیرونی نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ملتان کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ البیرونی لکھتا ہے،

"مشہور بتوں میں ایک آفتاب کے نام کا بت ملتان کا تھا اور اس نسبت سے اس کا نام آدت رکھا گیا تھا۔ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا اور بکری کی طرح سرخ رنگ کی کھال میں منڈھا ہوا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں میں دو یاقوت سرخ جڑے ہوئے تھے۔ ہندو کہتے ہیں کہ وہ سب سے پچھلے کرتا جگ میں بنایا گیا تھا فرض کرو کہ وہ اس جگ کے آخر میں بنا تو اس وقت سے ہم لوگوں کے زمانہ تک ۲,۱۶,۴۳۲ یعنی دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس سال ہوتے ہیں۔"[4]

البیرونی نے ملتان کے معروف مندر کے ذکر کے علاوہ محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق جب ابن قاسم نے ملتان فتح کیا تو سورج مندر کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جب قرامطیوں نے ملتان پر قبضہ جمایا تو انہوں نے نہ صرف اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، نہ صرف پجاریوں کو قتل کرایا بلکہ محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بھی بند کرا دیا اور اس کی جگہ ایک علیحدہ مسجد بنوائی۔ پھر محمود غزنوی نے ۱۰۰۵ء میں قرامطیوں کا قلع قمع کیا اور محمد بن قاسم کی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔[5] البیرونی نے

۱۔ سفرنامہ ابن حوقل بغدادی، صہ ۲۲۶۔ لیدن

۲۔ البیرونی برسوں ملتان میں رہا۔ یہیں اس نے ہندی علوم پر مشتمل کئی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا اور یہیں اس نے اپنی نہایت اہم کتاب "کتاب الہند" لکھی (بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" از علامہ عتیق فکری، امروز ملتان نمبر، صہ ۵)

۳۔ کتاب الہند ۴۲۳ھ میں مکمل ہوئی (بحوالہ ابوریحان البیرونی، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۶۵ء صہ ۱۰۱)

۴۔ بحوالہ "ابوریحان البیرونی" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۵ء صہ ۱۴۴۔

۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "ابوریحان البیرونی" صہ ۱۴۴۔

Marfat.com

ملتان کے کئی قدیم نام بھی درج کیے ہیں۔ البیرونی نے ملتان کے ایک مقدس تالاب کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک ایسا تالاب ہے جس میں نہانا ہندو اپنی پوجا کا حصہ سمجھتے ہیں۔"¹

ایک اور مسلمان جغرافیہ دان سیاح اور مؤرخ الادریسی نے ۱۱۰۳ء میں اپنی کتاب "نزہت المشتاق فی افتخار الافق" میں ملتان کا ذکر کیا ہے۔ اس نے سورج دیوتا کے بت کا حال خاص طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۲۶۲ء سے متعلق ایک اور مسلمان مؤرخ اور سیاح زکریا قزوینی نے ملتان کے بارے میں کچھ باتیں درج کی ہیں۔ یہ بھی کم و بیش اسی قسم کی ہیں جن کی تفصیل اس سے پہلے سیاحوں نے پیش کی ہیں۔ قزوینی کی کتاب کا نام " اسرار البلاد و اخبار العبد" ہے جس میں اس نے ملتان کے باشندوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان اور کافروں پر مشتمل ہیں، لیکن حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔

ابن بطوطہ کا شمار دنیا کے معروف ترین سیاحوں میں ہوتا ہے۔ رئیس احمد جعفری نے "سفرنامہ ابن بطوطہ" کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس سفرنامے کی دوسری جلد میں ملتان کا ذکر کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ ابن بطوطہ کے مطابق ملتان میں داخل ہونے سے پہلے دس کوس کے فاصلے پر ایک دریا عبور کرنا پڑتا ہے جو تنگ لیکن عمیق ہے اور بغیر کشتیوں کے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں دریا پار کرنے والوں کی تلاشی بھی ہوتی تھی۔ تاجروں سے ایک چوتھائی مال بطور محصول لیا جاتا تھا۔ ایک گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ ابن بطوطہ جب اُچ سے ملتان آیا تو اسے تلاشی کی بڑی فکر تھی۔ لیکن ملتان کے حاکم قطب الملک کی ہدایت کے مطابق اس کی تلاشی نہ لی گئی۔ ابن بطوطہ جب حاکم سے ملنے گیا تو اس نے ایک غلام ایک

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے

"Al-Beruni's India" by Dr.EDWARD SACHAU

Part-II Page.195

مطبوعہ شیخ مبارک علی، بار دوم ۱۹۶۲ء

Marfat.com

گھوڑا اور کشمش اور بادام کے تحفے پیش کیے۔ ابن بطوطہ کے مطابق ملتان میں کشمش اور بادام نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے یہ تحفہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔

ابن بطوطہ نے ملتان میں گھوڑسواری اور فنِ تیراندازی کی بے حد تعریف کی ہے اس کے مطابق اگر کوئی اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو پہلے گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک چھوٹے سے نقارے پر نیزہ لگاتا اور پھر ایک چھوٹی سی دیوار پر لٹکی ہوئی انگوٹھی کو نیزے کی انی میں پرو کر انگوٹھی لے جاتا۔ جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اسی قدر اس کے عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ نے دو ماہ تک ملتان میں قیام کیا۔ یہاں کے آدابِ طعام، دسترخوان کی وسعت اور رنگارنگ کھانوں کی بڑی دلچسپ تفصیل ابن بطوطہ نے درج کی ہے۔ وہ لکھتا ہے

"اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے۔ پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی، چپاتیاں ہوتی ہیں۔ بکری کو بھون لیتے ہیں اور اس کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے ہیں۔ پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے ہیں جس کے بیچ میں حلوا صابونیہ بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر ایک ٹکیہ کے اوپر ایک میٹھی روٹی ر کھتے تھے جس کو خشتی کہتے ہیں اور اس کو آٹے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں۔ پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو سموسہ کہتے ہیں اور وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے۔ اس میں بادام اور جائفل اور پستہ اور پیاز اور گرم مصالحہ ڈال کر پتلی چپاتیوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں۔ ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار سموسے رکھتے ہیں۔ پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اس کے اوپر گھی ہوتا ہے۔ پھر لقیمات القاضی لاتے ہیں۔ اس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر قابہ لاتے ہیں۔ حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوع کی طرح نیچے جھکاتے ہیں۔ جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی اور سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں۔ جب

Marfat.com

شربت پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ اس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں۔ کھانا ختم ہونے پر فقاع کے پیالے آتے ہیں اور جب فقاع پی چکتے ہیں تو پان سپاری آتا ہے۔ جب پان چھالیہ لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ جب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اسی طرح پھر کرتے ہیں اور پھر دسترخوان سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں"۔(۱)

۵۔ یورپی سیاحوں کے حوالے

اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں سات انگریزوں نے یکے بعد دیگرے شمالی اور جنوبی ہندوستان کی سیاحت کی۔ ان سیاحوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ریلف فچ	Ralph Fitch	1583 - 91
۲۔ جان ملڈن ہال	John Milden Hall	1599-1606
۳۔ ولیم ہاکنس	William Hawkins	1608 - 13
۴۔ ولیم فنچ	William Finch	1608 - 11
۵۔ نکولاس وِدانگٹن	Nicholas Withington	1612 - 16
۶۔ تھامس کوریات	Thamas Coryat	1612 - 17
۷۔ ایڈورڈ ٹیری	Edward Terry	1616 - 19

ولیم فوسٹر نے ان سیاحوں کے طویل بیانات اپنی تصنیف،

"Early Travels in India" (۱۵۸۳ - ۱۶۱۹)

میں مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے ولیم ہاکنس، ولیم فنچ، تھامس کوریات اور ایڈورڈ ٹیری نے ملتان کا ذکر کسی نہ کسی لحاظ سے کیا ہے۔ اگرچہ ان سیاحوں نے ملتان کے بارے میں کوئی زیادہ تفصیل پیش نہیں کی۔ تاہم اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ ولیم فنچ کے مطابق

۱۔ "سفرنامہ ابن بطوطہ" حصہ دوم، مترجم رئیس احمد جعفری، صہ ۴۹۸ تا ۴۹۹، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع چہارم، اپریل ۱۹۶۸ء۔

Marfat.com

جب لاہور ایک چھوٹی سی بستی تھا۔ ملتان ترقی یافتہ شہر تھا۔[۱] تھامس کوریات ملتان کو مولتان کہتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اسے دو روز کا سفر کرنا پڑا تب وہ ملتان پہنچا۔ مولتان میں اسے کافر کہہ کر پکارا گیا جس پر اسے غصہ آیا اور اس نے ایک سو مسلمانوں کے ہجوم کے سامنے اطالوی زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ اس کی زبان سوائے ایک کے، جو اُن کا سردار تھا، کوئی نہ سمجھ سکا اس ایک نے دوسروں کو کچھ مفہوم سمجھایا۔ اس تقریر میں کوریات نے مسلمانوں کے مذہب ان کے رسولؐ اور قرآن حکیم کے بارے میں نازیبا اور گستاخانہ کلمات کہے۔ لیکن اسے کچھ نہ کہا گیا کیونکہ خود اس کے اعتراف کے مطابق مغل سلطنت میں عیسائیوں کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی۔[۲] اسی طرح ایڈورڈ ٹیری ملتان کو اس دور کے عظیم اور بڑے شہروں میں شمار کرتا ہے جس کی حدیں جنوب میں کابل اور قندھار سے ملتی تھیں اور مغرب میں ایران سے۔[۳]

۲۲ مئی ۱۶۱۴ء کو دو یورپی سیاح کروتھر اور اسٹیل بھی ملتان آئے۔ ان دونوں سیاحوں نے اسے ایک قدیم اور عظیم شہر کہہ کر پکارا ہے۔ البتہ ان کے مطابق یہاں کے لوگ غریب تھے۔ اس وجہ سے مختلف قافلوں کو کئی کئی دن تک روک لیتے تھے تاکہ شہر والوں کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔[۴] شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں بھی ایک فرانسیسی سیاح جین بپٹائیس ٹیورنیئر (Jean Baptice Tavernier) اصفہان اور قندھار سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا۔ اس کا سفرنامہ

۱۔ ملاحظہ فرمایئے "Early Travels in India" دوسرا ایڈیشن البیرونی، لاہور، ۱۹۷۸ء، صفحہ ۱۶۱۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "Early Travels in India" دوسرا ایڈیشن۔ البیرونی، لاہور ۱۹۷۸ء، صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۵۔

۳ ---------- ایضاً ---------- صفحہ ۲۹۱

۴۔ بحوالہ "ملتان غیر ملکی سیاحوں اور مؤرخین کی نظر میں" از ڈاکٹر رفیق مغل، امروز ملتان نمبر

Marfat.com

فرانسیسی زبان میں ۱۶۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ وی بال ـــــ
(V.Ball) نے کیا ہے۔ ٹیورنیئر لکھتا ہے

"ملتان ایک ایسا شہر ہے جہاں بڑی تعداد میں کپڑا بنتا ہے۔ یہ سارا کپڑا دریا کا منہ ریت سے بند ہونے سے پہلے ٹھٹھہ کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ اب جبکہ وہ راستہ بڑی کشتیوں کے لئے بند ہو چکا ہے تو یہ (کپڑا) اور لاہور میں بنی ہوئی چیزوں کا کچھ حصہ آگرہ اور آگرہ سے سورت بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ مال کی نقل و حمل بہت مہنگی ہے اس لئے صرف چند تاجر ملتان یا لاہور میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔ بہت سے کاریگر کام چھوڑ چکے ہیں۔ اس لئے ان صوبوں میں بادشاہ کی آمدنی کم ہو گئی ہے۔ ملتان ایسی جگہ ہے جہاں ایران میں تجارت کرنے والے بنیے آکر بسے ہیں اور یہودیوں جیسا کاروبار کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ سود خوری میں یہودیوں سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ ان کا ایک خاص قانون ہے جو انہیں مخصوص ایام میں پرندے کھانے کی اجازت دیتا ہے اور اس قانون کے تحت دو تین بھائی مل کر ایک بیوی رکھ سکتے ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کا باپ بڑا بھائی سمجھا جاتا ہے۔" (۱)

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ایک اور فرانسیسی سیاح (Thevenot) تھیوناٹ ۱۶۶۶ء میں ملتان آیا۔ اس کا سفرنامہ ۱۶۸۷ء میں چھپا۔ ملتان کے بارے میں اس نے یہ لکھا ہے

"ملتان کو کئی دریا سیراب کر کے زرخیز بناتے ہیں۔ مرکزی شہر جو ملتان کہلاتا

1- "Travels in India" by Jean Baptice Travernier (Vol.I) Translated from the original French Edition of 1676.by V.Ball -- Page 90-91 Alberuni Lahore. Reprinted 1976.

Marfat.com

ہے۔اب تک تجارت کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔کیونکہ یہ دریائے سندھ سے دور نہیں ہے لیکن اب دریا کی گزرگاہ کئی جگہوں سے خراب ہو جانے اور کئی مقامات پر دہانوں میں ریت بھر جانے کی وجہ سے جہاز دور تک نہیں جا سکتے خشکی کے راستے اخراجات زیادہ اٹھنے کی وجہ سے آمدورفت بہت گھٹ گئی ہے۔بہرحال یہ صوبہ روئی بکثرت پیدا کرتا ہے جس سے بہت زیادہ کپڑا بنایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ یہاں چینی، افیون، گندھک اور اونٹ بھی بکثرت ملتے ہیں۔انہیں غزنی اور قندھار کے راستے فارس بھیجا جاتا ہے یا لاہور کے راستے ہندوستان کے مختلف مقامات پر لے جایا جاتا ہے۔اب تک یہ سامان دریائے سندھ کے راستے ٹھٹھہ تک جاتا تھا جہاں کئی ملکوں سے آئے ہوئے تاجر انہیں خریدتے۔لیکن اگر انہیں زیادہ منافع کی توقع ہوتی تو خشکی کے راستے سورت تک لے جانا پڑتا ہے۔

کئی ایک جغرافیہ دانوں نے ملتان شہر کو سندھ کے ساتھ ملایا ہے لیکن یہ خود ایک صوبہ ہے ——— ملتان کے کمانڈرز اور افسر مسلمان ہیں ——— لیکن یہاں بہت سے بنیے بھی ہیں ——— ہندو بنیوں کی تجارت یہودیوں جیسی ہے۔مگر یہ بنیے یہودیوں سے زیادہ مکار ہیں۔وہ ایک پیسہ بھی بنانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ان تاجروں کا شمار ہندوستان کے امیر طبقے میں ہوتا ہے اور میں جہاں بھی گیا ان کو ایسے ہی پایا۔یہ لوگ عام طور پر اپنی بیویوں پر حاسدانہ نظر رکھتے ہیں۔یہ عورتیں مردوں کی نسبت صاف رنگت کی ہیں۔مگر پھر بھی گندمی رنگ ہے اور روغن و غازہ کی بہت شوقین ہیں ملتان میں کھتری بھی رہتے ہیں۔یہ شہر ان کی اصل جائے سکونت ہے اور یہیں سے دوسرے علاقوں میں پھیلے ہیں ——— ہندو بنیوں اور کھتریوں کا ایک بہت مشہور مندر ملتان میں ہے۔یہاں ہندو دوسرے شہروں کی نسبت ملتان میں زیارت کے لئے زیادہ آتے ہیں مجھے اس بت کا نام معلوم نہیں جس کی پوجا کی جاتی ہے۔اس کا چہرہ سیاہ ہے اور اس کا لباس سرخ چمڑے کا ہے

Marfat.com

آنکھوں کی جگہ دو ہیرے جڑے ہیں۔ یہاں کا امیر یا گورنر مندر پر چڑھاوے کی ساری رقم وصول کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ملتان شہر ایک چھوٹا سا دارالخلافہ ہے لیکن خوب صورت اور مضبوط ہے —— مغل حکمران اس صوبے سے ایک کروڑ پچھتر لاکھ لیرا وصول کرتے تھے"۔[۱]

مونسٹیورٹ الفنسٹن (Mounsttuart Elphinston) ۱۱ر دسمبر ۱۸۰۸ء میں کابل جاتے ہوئے ملتان رکا۔ ملتان کے گورنر نواب سرفراز خان سدوزئی سے اس کی ملاقات ہوئی لیکن اسے شہر میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ الفنسٹن کا سفر نامہ ۱۸۴۲ء میں لندن میں شائع ہوا۔ وہ ملتان کے بارے میں لکھتا ہے۔

"یہ شہر ساڑھے چار مربع میل کے علاقے پر محیط ہے۔ اس کے گرد چالیس اور پچاس فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی ہے جس پر مخصوص فاصلے پر برج بنے ہوئے ہیں۔ ایک اونچی جگہ پر قلعہ بھی ہے جس میں کئی عمدہ مقابر ہیں ان میں سے دو کے گنبد بڑے شاندار ہیں اور روغنی اینٹوں اور رنگوں سے سجے ہوئے ہیں۔ مقابر شہر کے چاروں اطراف سے خاصے فاصلے سے نظر آتے ہیں۔ ملتان ریشم کی مصنوعات کی وجہ سے مشہور ہے اور ایک قسم کے خاص قالین کی وجہ سے بھی لیکن یہ ایرانی قالین کے ہم پلّہ نہیں ہیں۔ شہر کے نواح میں علاقہ بہت خوش منظر اور زرخیز ہے۔ عموماً کنوؤں سے آبپاشی کی جاتی ہے۔ لوگ بہاولپور والوں جیسے ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہاں پر ایرانی خدوخال کے مرد زیادہ نظر آتے ہیں جو زیادہ تر شہسوار ہیں —— مٹی زرخیز ہے مگر زیادہ تر گاؤں اُجڑ چکے ہیں اور جہاں جاہی کاشت ہو رہی ہے وہاں بھی انحطاط پذیر ہیں گندم، جو، کپاس، شلغم، گاجریں اور نیل پیدا ہوتا ہے۔ درخت زیادہ تر نیم، کھجور اور پیپل کے ہیں —— سارے علاقہ میں ہر قسم کا شکار ملتا ہے ہمارے قیام کے دوران موسم بہت اچھا تھا —— رات کو کہر پڑتی تھی

۱۔ بحوالہ گزیٹیر پنجاب، جلد دوم، ص ۱۲۹۔

Marfat.com

لیکن دن قدرے گرم تھے۔"(۱)

چارلس میسن کا سفرنامہ "Narrative of Various Journeys in Balochistan, Afghanistan & the Punjab" کے نام سے پہلی بار ۱۸۴۲ء میں لندن میں شائع ہوا۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ چارلس میسن اپنے سفر کے دوران ۱۸۲۷ء میں دو مرتبہ ملتان آیا اور کئی روز تک قیام کیا۔ اس نے ملتان شہر کے بارے میں دلچسپ تفصیل درج کی ہے وہ لکھتا ہے،

"دور سے تو یہ شہر بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن قریب آکر اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ یہ تین میل کے دائرے میں پھیلا ہوا ہے اور فصیل بند ہے اس کے بازار بڑے بڑے لیکن تکلیف دہ حد تک تنگ ہیں اور ان میں وہ گہما گہمی بھی نہیں ہے جس کی توقع کسی بڑے مشہور تجارتی شہر سے کی جاتی ہے۔ قلعہ بہت زیادہ مضبوط تو نہیں لیکن غیر معمولی توجہ سے بنایا گیا ہے اور غیر یورپی انجینئروں کے بنائے گئے قلعوں کی نسبت زیادہ سلیقے سے بنایا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے اینٹوں کی خندق بنائی گئی ہے۔ اس کے دروازے کی حفاظت ایک کھماؤ پل کے ذریعے کی گئی ہے"(۲)

میسن کے مطابق اگرچہ سکھوں کے ملتان پر قبضے کے بعد تجارت میں کمی آگئی تاہم بازاروں کی رونق اور اشیائے صرف کی مناسب بہم رسانی باقی ہے۔ روپے پیسے کا لین دین کرنے اور سوتی اور ریشمی کپڑا بنانے والے بے شمار لوگ موجود تھے۔ ملتان کی شالیں اور لنگیاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور یہاں کی کڑھائی کا کام بہاولپور کے کام سے مقابلہ کرتا ہے

۱۔ امروز ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

2- "Narrative of various Journeys in Balochistan, Afghanistan and the Punjab" Oxford Press 1974. Page 394.

Marfat.com

افغانستان اور سندھ کے مغربی خطوں کے ساتھ اس کی تجارت جاری ہے۔

آگے چل کر میسن ملتان کی قبروں، مقبروں، مساجد اور خانقاہوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتا ہے۔ وہ اس روایت کا ذکر بھی کرتا ہے کہ سرزمین ملتان میں ایک لاکھ ولی دفن ہیں ملتان کے باغات کی تعریف اس نے کھل کر کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

" ملتان میں باغات کی کثرت ہے۔ ان میں پھل دار درخت مثلاً آم، مالٹا، لیموں اور سنگترہ عام ہیں۔ کھجوروں اور سبزیوں کی خوب پیداوار ہوتی ہے۔ دریائے راوی اگرچہ تین میل کے فاصلے پر ہے لیکن طغیانی کے زمانے میں اس کا پانی شہر تک آجاتا ہے۔ دریا پر کشتیوں کی بندرگاہ سی بنائی گئی ہے جہاں سے دریائے سندھ اور انجام کار سمندر تک راستہ جاتا ہے "(۱)

میسن کے اندازے کے مطابق اس وقت ملتان میں آٹھ یا نو ہزار مکان موجود تھے اور اس کی آبادی چالیس پینتالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔(۲)

جرمن سیاح بیرن چارلس ہوگل (Baron Charles Hugel) (۱۸۷۰ - ۱۷۹۶ء) میں پنجاب اور کشمیر کی سیاحت پر ۳۶ - ۱۸۳۵ء میں آیا۔ اس نے اپنے تاثرات ایک کتاب کی صورت میں لکھے جس کو میجر ٹی بی جروس T.B.Jervis نے ۱۸۴۴ء میں انگریزی میں منتقل کیا۔ چارلس ہوگل نے اپنے سفرنامے کو ایک تاریخی چیز بنا دیا ہے۔ اس نے ملتان شہر اور قلعے کی تعریف کی ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے ہاتھوں نواب مظفر خاں اور اس کے بیٹوں کی شہادت اور قلعہ کی تسخیر کا حال

۱، ۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے

"Narrative of various Journeys in Balochistan Afghanistan & the Punjab". Oxford Press 1974. Page 394 to 398.

Marfat.com

بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔[1]

یورپی سیاح لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنس ۱۵ جون ۱۸۳۱ء کو ملتان میں داخل ہوا اس نے ۲۱ جون تک یہاں قیام کیا۔ اس کا سفرنامہ "Travels into Bokhara" ۱۸۳۴ء میں تین جلدوں میں لندن سے شائع ہوا۔ اس سفرنامے کی تیسری جلد میں ملتان کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے۔ برنس کے مطابق وہ ۱۵ جون ۱۸۳۱ء کو ملتان پہنچا۔ اُسے دور سے مقبروں کے گنبد دکھائی دیئے۔ وہ شام کے وقت حضوری باغ میں اترے جو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اس باغ کے گرد کچی دیوار تھی، راستے کشادہ تھے۔ پھل دار درخت ہر طرف سایہ کئے ہوئے تھے۔ مقامی حکام نے برنس کا شاندار طریقے سے استقبال کیا۔ پچیس سو روپے، مٹھائی سے بھرے ایک سو ٹوکرے اور کافی مقدار میں پھل پیش کیا۔ برنس اہلِ ملتان کی مہمان نوازی اور فیاضی سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ ملتان پہنچ کر اسے بہت خوشی ہوئی

برنس کے بیان کے مطابق ملتان اس وقت تین میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا شہر کے گرد ایک بوسیدہ دیوار تھی اور شمال میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس شہر کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ایک تہائی ہندو تھے اور باقی مسلمان۔ مکانات پکی اینٹوں کے تھے جن کی چھتیں چوکور تھیں۔ یعنی مکانات چھ چھ منزلہ تھے جو تنگ گلیوں کو اور تاریک بنا رہے تھے۔ باشندے زیادہ تر کپڑا بننے اور رنگنے کا کام کرتے تھے۔ ریشمی پارچہ جات میں "کھیس" زیادہ مشہور تھے جو ہر رنگ میں دستیاب تھے اور ان کی قیمت ۲۰ سے ۱۲۰ روپے تک تھی۔ برنس کے مطابق یہ کھیس بہاولپور کی بنی ہوئی لنگیوں کی نسبت ذرا کم نفیس تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ملتان پر قبضے کے بعد اس صنعت کی اور ترقی ہوئی۔ کیونکہ مہاراجہ نے نہ صرف اس صنعت کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنے دربار میں کسی اور

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

"Travels in Kashmir & the Punjab.

مطبوعہ وسین، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۷۳ تا ۳۷۸۔

Marfat.com

کپڑے کے استعمال کی اجازت نہ دی۔ اس طرح اس کے استعمال میں بے حد اضافہ ہوا۔ یہ کھیس خراسان اور ہندوستان میں برآمد کئے جاتے تھے۔ برنس نے ملتان کی تجارت کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کے مطابق یہاں شکار پور کے ۲۰ صراف، روپے کا لین دین کرتے تھے۔ ملتان کے مزارات سجے ہوئے تھے۔ برنس نے خانقاہ غوث بہاء الحق، شاہ رکن عالم اور بھگت پرہلاد کے مندر کا ذکر کرنے کے بعد قلعے کی تفصیلات بطورِ خاص درج کی ہیں۔ برنس ملتان کو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں شمار کرتا ہے۔ اس نے ملتان کی قدامت پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ ملتان کی آب و ہوا کے بارے میں برنس لکھتا ہے کہ ملتان کا موسم سندھ کے علاقوں سے مختلف ہے۔ بوندا باندی اور بارش ہر موسم میں ہوتی رہتی ہے۔ پھر بھی گرد و غبار ناقابلِ برداشت ہے۔ طوفان باد و باراں عام ہیں اور کوہ سلیمان سے آتے ہیں۔ برنس نے یہ شعر بھی درج کیا ہے

چہار چیز ہست تحفۂ ملتان

گرد و گرما، گدا و گورستان

برنس نے اس شعر کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ برنس نے ملتان کی زراعت، یہاں کے کھیتوں اور نہروں کی خوب تعریف کی ہے۔"(۱)

۶۔ موہن لال کاشمیری کا بیان

ہری رام گپتا نے موہن لال کاشمیری کی حیات اور کارناموں پر ایک کتاب مرتب کی جو لاہور سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی (۲)۔ اس میں موہن لال کاشمیری (۱۸۱۲ء تا ۱۸۷۷ء) کے کابل

۱۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

"Travels into Bokhara" Oxford University Press Karachi 1975, Page 109 to 121

۲۔ اس کتاب کا ترجمہ محمد عبدالرشید نے کیا ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اصل کتاب کے ساتھ ساتھ مجھے یہ ترجمہ جناب مرزا ابن حنیف کے پاس دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

Marfat.com

میں دو سال کے قیام اور اس سلسلے میں اس کے سفر کی داستان بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ موہن لال کاشمیری ملتان بھی آیا اور اس نے جو تفصیلات ملتان کے بارے میں درج کی ہیں وہ بڑی دلچسپ ہیں۔ موہن لال ۱۶ دسمبر ۱۸۳۵ء کو ملتان پہنچا، شہر سے دو میل باہر اسے روک دیا گیا۔ اس وقت ملتان پر دیوان ساون مل کی حکومت تھی۔ دیوان کی اجازت کے بغیر اس کو شہر میں داخلے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی اور دیوان ساون مل دورے پر گیا ہوا تھا۔ ۲۰ دسمبر کو اسے اجازت ملی اور اس کے قیام کا بندوبست دولت گیٹ کے باہر ایک مکان میں کیا گیا جہاں وہ ۳۱ جنوری ۱۸۳۶ء تک رہائش پذیر رہا۔ اس کے بیان کے مطابق ملتان میں نیل کی کاشت کثرت سے کی جاتی تھی۔ ہر رنگ کا ریشم تیار کیا جاتا تھا۔ ریشم کی تیاری کے لئے شہر میں ۱۵۰ کارخانے تھے جن میں ہر سال چالیس ہزار گز ریشمی کپڑا اور دو لاکھ گز ریشم اور سوت ملا کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ اپنے ملتان میں قیام کے دوران موہن لال کے شکارپوری اور لوہانی سوداگروں سے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان سوداگروں نے ۳۰ جنوری کو موہن لال کے اعزاز میں طعام اور رقص کی محفل ترتیب دی۔ موہن لال کے مطابق ملتان کی رقاصائیں دہلی کی رقاصاؤں کے مقابلے میں زیادہ محنت کرتیں جبکہ انہیں دہلی والیوں کے مقابلے میں معاوضہ صرف تیسرا حصہ ملتا، لیکن وہ مغل دارالحکومت کی بہنوں کے مقابلے میں اپنی حرکات و سکنات، لباس اور زیورات کے معاملہ میں کم درجے کی تھیں۔[1]

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے،

"Travels in the Punjab Afghanistan, Turkistan to Balkh Bokhara & Harat by Mohan Lal, Al-Beruni, Lahore. Printed-1979. Page 389-400.

Marfat.com

۷۔ ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، اور تہذیبی زندگی کا مجموعی جائزہ

سیّاحوں کے ان بیانات کی روشنی میں جب ہم بحیثیتِ مجموعی ملتان کی مذہبی، معاشرتی اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے لوگوں پر شروع ہی سے مذہب کی گرفت بہت مضبوط رہی۔ مذہب کا عمل دخل زندگی کے ہر شعبے میں بہت زیادہ تھا۔ لوگ مذہبی شعائر کی سخت پابندی کرتے تھے۔ مذہبی عمارتیں بنانے کا رواج شروع سے عام تھا۔ مزاروں اور عبادت گاہوں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ نادر جواہرات اور سونے چاندی کے استعمال سے ان کی آرائش کی جاتی تھی۔ بتوں کی پوجا، چڑھاوے نذرو نذرانے دینے کا بڑا رواج تھا۔ لوگ عقیدت کے تحت اپنا سر منڈواتے، طواف کرتے کبھی اپنی آنکھوں کا نذرانہ پیش کرتے۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں کے سامنے اپنی جان تک کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لوگوں میں خداخوفی عام تھی۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے کھانے پینے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ بیماروں کے لئے دعاؤں کے علاوہ دواؤں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ لوگ عام طور سے نیکی کے کام کرنے کی طرف مائل رہتے۔ پردے کی پابندی عام تھی، عورتیں حیا والی تھیں۔ اور بناؤ سنگھار کر کے کھلے عام نہیں آتی تھیں۔ غیر عورتوں سے بات چیت کرنا بھی ممنوع تھا۔ بدکاری، شراب، زنا اور دیگر معاشرتی برائیوں کے لئے سخت تعزیرات مقرر تھیں۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی اسے قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔

سیّاحوں کے بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سرزمین ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی۔ سونا، چاندی منوں کے حساب سے ہوتا تھا۔ مٹکوں اور دیگوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم کو ملتان کے بُت خانے سے جو دفینہ ملا تھا اس میں سونے کا وزن تیرہ ہزار دو سو من تھا۔ اس کی تفصیل سابقہ صفحوں میں درج کی جا چکی ہے۔ غالباً اسی لئے ملتان کو فرج

Marfat.com

بیت الذہب (سنہری سرحد) بھی کہا جاتا تھا۔ یہاں سونے کے بُت بنائے جاتے تھے اور ان کے جسم میں یاقوت، ہیرے جواہرات اور قیمتی نگینے جڑے جاتے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ جہاں دولت کی ریل پیل ہو وہاں عیش و عشرت کے سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ تعیش کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ (چنانچہ کبھی کبھی امراء کے یہاں ناچ، گانے ہوتے تھے۔ ایک آدھ سیاح نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔) لیکن ملتان کی عمومی معاشرتی زندگی ان تعیشات سے عاری تھی۔ غالباً اس کا سب سے بڑا سبب ملتان میں مذہب و اخلاق کا عمل دخل تھا۔ یہ سرزمین قبل از اسلام بھی اور اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد بھی ہمیشہ نیک لوگوں کے اثر میں رہی۔ اسلام سے پہلے بھی یہاں مذہب کی گرفت مضبوط رہی اور یہ عقائد کے علاوہ ہندو تصوّف اور ہندو صوفیاء کی بدولت بھی تھا۔ اسلام کی اشاعت کے بعد مسلمان صوفیائے کرام نے اس سرزمین کے لوگوں کو رشد و ہدایت کے ذریعہ ہمیشہ نیکی پر مائل رکھا۔ اسی لئے یہاں کے لوگ ایماندار، سادہ اور علم و ادب کے دل دادہ تھے۔ فنونِ لطیفہ ہوں یا فنونِ مفیدہ زمانۂ قدیم ہی سے ملتان اس سلسلے میں اہم شہر رہا۔ اس کے مندر، مقبرے اور عمارات فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھے جاتے رہے ہیں۔ امراء کے مکانات عام طور پر ساگوان کی لکڑی کے بنائے جاتے تھے جو کئی کئی منزلہ ہوتے تھے۔

صنعت و حرفت اور گھریلو نوعیت کی انڈسٹری کے اعتبار سے بھی ملتان بے حد معروف رہا ہے۔ ہاتھی دانت کا کام، کھلونے بنانے کا ہُنر اور تانبے کے برتن بنانے کا بڑا رواج تھا۔ بہت سے سیاحوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ ہاتھی دانت سے تیار کردہ چیزوں میں چوڑیاں اور ڈبیاں زیادہ اہم تھیں۔ کھلونے، تانبے کے برتن، چھری چاقو، مندد تھے اور ہتھیاروں کے دستے بھی تیار کئے جاتے تھے اور غیر ملکوں کو برآمد کئے جاتے تھے۔ کپڑے کی صنعت کے لئے ملتان شروع ہی سے ایک اہم مرکز رہا ہے۔ ریشم کی مصنوعات کے لحاظ سے بھی ملتان کی مرکزی حیثیت تھی۔ سوتی کپڑا بھی بنتا تھا۔ کڑھائی کا کام بہت معیاری ہوتا تھا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قالین، کھیس، شالیں، لنگیاں اور کرتے بنانے کا عام رواج تھا اور یہ سب اشیاء غیر ملکی منڈیوں میں بڑی مقبول تھیں۔ سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان تجارت کے لحاظ سے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سے قندھار، غزنی، ایران

Marfat.com

اور عرب کو اشیاء برآمد کی جاتی تھیں۔ لاہور کے راستے ہندوستان کے دیگر مقامات کو بھی یہ چیزیں مہیا کی جاتی تھیں۔

سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں کی فصلوں میں گندم، گنا، جو، کپاس۔ سبزیوں میں شلجم، گاجریں۔ درختوں میں نیم، کھجور اور پیپل اور پھلوں میں آم، مالٹا، سنترہ، لیموں اور کھجوریں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ پھل عام تھے اور بہت سستے تھے۔ پانی میٹھا اور عمدہ تھا۔ یہاں کا زرعی نظام نہایت اعلیٰ تھا اور آبپاشی کا کام زیادہ تر کنوؤں سے لیا جاتا تھا۔ شہر والے آسودہ حال تھے، نعمتوں کی فراوانی تھی، زندگی راحت سے پُر تھی، لوگ با مروّت، عالی ظرف، عالی دماغ، تندرست اور توانا تھے۔ مہمان نوازی کے لحاظ سے اہل ملتان مشہور تھے۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے لوگوں کے آداب طعام، دسترخوان کی وسعت اور رنگا رنگ کھانوں کی دلچسپ تفصیل درج کی ہے جو سابقہ صفحات میں آچکی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کھانا جدید دور کے "کورس" کے انداز پر کھایا جاتا تھا۔ وقفے وقفے سے مختلف چیزیں لائی جاتی تھیں اور مہمانوں کی خوب تواضع کی جاتی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ملتان کے لوگ کتنے فیاض، مہمان نواز اور شہ دل تھے۔ اسلام کی اشاعت کے بعد یہاں کے لوگوں میں حکومتی سطح پر بھی اور عوامی سطح پر بھی مذہبی رواداری عام تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک سیاح تھامس کوریات نے مسلمانوں کے مذہب، قرآن اور حضورؐ کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کئے تو تب بھی اس سے کچھ تعرض نہ کیا گیا۔ کیونکہ خود اس کے بیان کے مطابق مغل سلطنت میں عیسائیوں کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی (۱)

بہت سے سیاحوں نے اہل ملتان کی بہادری اور شہ سواری کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اہل ملتان کو شہ سواری اور بہادری کے جوہر دکھانے کا بہت شوق تھا۔ حربی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ نہایت اعلیٰ درجے کے فوجی تھے۔ سکندر اعظم کو یہاں بے حد زک اٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ ملتان کے نواحی علاقے میں اسے جو مہلک زخم لگا وہی اس کی موت کا باعث بنا۔ گھوڑ سواری اور فن تیراندازی میں اہل ملتان کا جواب نہیں

---

1 _ "Early Travels in India" Page 274.

Marfat.com

تھا۔ شہ سواری کے مقابلے منعقد کرائے جاتے تھے۔ آج بھی عرس اور میلوں میں شہ سواری کے کرتب دکھلائے جاتے ہیں۔

۱۸۲۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملتان کی آبادی ۶۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے ایک تہائی ہندو تھے اور باقی مسلمان [1]۔ کچھ سیاحوں نے اہلِ ملتان کی زبان کو سندھی قرار دیا۔ کچھ نے عربی اور کچھ نے فارسی۔ بہر حال یہ تینوں زبانیں سیاحوں کی آمد کے زمانے میں یہاں سمجھی اور بولی جاتی تھیں۔

---

1 - Travels into Bokhara Page 109.

۱۸۷۵ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کا تناسب یہ تھا، مرد ۱۵۶۱۴ + عورتیں ۱۳۷۰۸ = کُل ۲۹۳۲۲۔ (بحوالہ تاریخ ضلع ملتان، لالہ حکم چند، ص ۴۱۰)

Marfat.com

ج ۔ سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل

۱۔ لسانی تشکیلات کا عمل

جہاں تک ملتان کی زبان کا تعلق ہے کچھ سیاحوں نے اہل ملتان کی زبان کو، جیسا کہ سابقہ صفحات میں درج کیا گیا ہے، سندھی قرار دیا، کچھ نے عربی اور کچھ نے فارسی۔ بہر حال یہ تینوں زبانیں سیاحوں کی آمد کے زمانے میں یہاں بھی اور بولی جاتی تھیں۔ لیکن ہمیں بات کچھ اس سے پہلے زمانے سے شروع کرنی ہوگی کیونکہ جن سیاحوں[۱] نے ملتان کی زبان کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ سب کے سب مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد سے بعد کے سیاح ہیں۔ یعنی ان کا زیادہ تر تعلق چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ ماقبل اسلام ملتان کی زبان کیا تھی؟ ۔۔ اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ زمانہ قدیم کا ادب وشعر دستیاب نہیں ہوتا جس سے اس دور کی زبان کا پتہ لگایا جا سکے۔ سندھ ہو یا ملتان شروع ہی سے مسلسل شورشوں اور غیر ملکی حملہ آوروں کی زد میں رہا۔ اس لئے اس دور کے ادب وشعر کے سرمائے کا ضائع ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ قدیم ترین نمونہ سندھی زبان میں لکھی جانے والی وہ قرآنی تفسیر ہے جو ایک عراقی نے ۲۷۰ھ میں لکھی۔ یہی ہندوستان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ہے[۲]۔ ایرانی سیاح بزرگ بن شہریار کی روایت کے مطابق ۲۷۰ھ میں منصورہ کے رہنے والے ایک شخص نے جو عراق کا باشندہ تھا۔ لیکن اس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی، راجہ ارور (الور) کی فرمائش پر اسلامی احکام وقوانین کی تشریح

۱۔ ان سیاحوں میں اصطخری، ابن حوقل، بشاری مقدسی وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ان کے حوالے سابقہ صفحات میں آ چکے ہیں۔

۲۔ حوالے کے لئے دیکھئے (۱) تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی، صہ ۳۵۷ (۲) ملتانی زبان اور اس کا تعلق اردو کے ساتھ از ڈاکٹر مہر عبدالحق، صہ ۲۲۱۔ (۳) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، صہ ۲۸۶، ۳۱۴۔

Marfat.com

اور قرآن مجید کی تفسیر ہندی[1] زبان میں لکھی[2]۔ اسی طرح ابوظفر ندوی نے ابن مہلہل کی کتاب سیر البلاد اقلیم کے قلمی نسخے کے حوالے سے ملتان کے ایک شاعر ہارون بن عبداللہ ملتانی کا ذکر کیا جو اپنی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کو نظم کیا کرتا تھا۔[3]

جس زبان میں یہ تفسیر لکھی گئی یا شاعری کی گئی اسے سندھی زبان کہا جائے یا ہندی

۱۔ ابوظفر ندوی (تاریخ سندھ، صہ ۳۵۷) ڈاکٹر مہر عبدالحق (ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق، صہ ۲۲۱) اور اعجاز الحق قدوسی (تاریخ سندھ، صہ ۳۱۴) نے بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الہند، مطبوعہ لیڈن کے حوالے سے اسے "سندھی" زبان کا نمونہ قرار دیا ہے۔ لیکن مولانا مسعود علی ندوی نے (ہندوستان عربوں کی نظر میں، صہ ۱۹۵) اس کتاب سے ہند کے بارے میں اقتباسات ترجمہ کرتے وقت اسے "ہندی" لکھا ہے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی (اردو نثر کا آغاز وارتقار، صہ ۲) عجائب الہند ہی کے حوالے سے اس زبان کے لئے "ہندی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یوں اصل عبارت یہ ہے

"وکان فیما مکاہ عذانہ سالہ......... ان تفسیر لہ القرآن بالھندیہ"

اس لئے ہندی ہونا چاہیئے۔ لیکن دراصل اس زمانے میں سندھی اور ہندی میں کوئی فرق نہ تھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے مطابق "قدیم ایرانیوں کے یہاں ہند کا لفظ دراصل سندھ ہے اور اس سے قدیم تاریخ میں وہ علاقہ مراد ہے جسے آج پاکستان کہتے ہیں"۔ (برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،)

بزرگ بن شہریار چونکہ ایرانی تھا اس لئے یہ بات قرین قیاس لگتی ہے۔ اسی طرح شریف الدین پیرزادہ نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "لفظ سندھ کا صوتی تغیر، لفظ ہند کے استعمال کا باعث بنا۔ سندھ سنسکرت کے لفظ "سیاند" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں اور "سندھو" دریائے سندھ کا نام ہے۔ سیاند سے سندھ اور ہند کے نام نکالے گئے ہیں۔ علم اللسان کی رو سے ہندوستان دراصل دریائے سندھ کی سرزمین ہے"۔ بحوالہ "پاکستان منزل بہ منزل" از شریف الدین پیرزادہ، صہ ۶، مطبوعہ گلڈ اشاعت گھر، کراچی، طبع اوّل، اگست ۱۹۶۵ء)

۲۔ بحوالہ ہندوستان عربوں کی نظر میں، صہ ۱۹۳ تا ۱۹۵ (اس کی تفصیل آگے درج ہے)

۳۔ تاریخ سندھ، صہ ۳۵۷۔

Marfat.com

بہر حال وہی زبان تھی جو سندھ، منصورہ اور ملتان میں بولی، سمجھی اور لکھی پڑھی جاتی تھی۔ اور اس پر مسلمانوں کی زبان کے اثرات یقیناً پڑ چکے تھے۔ کیونکہ ہندوستان میں ان کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے شروع ہو چکا تھا۔ سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق

"مسلمانوں کی عربی و فارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جس زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے"۔ (۱)

اسی طرح ڈاکٹر مہر عبدالحق کی لسانی تحقیقات ہمیں اس ناقابل تردید حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ

"جونہی عرب مسلمانوں نے اور ان کے عربی، فارسی، ترکی اور بلوچی زبانیں بولنے والے عساکر نے وادیِ سندھ میں قدم رکھا۔ ایک نئی زبان کی بنیاد پڑنا شروع ہو گئی"۔ (۲)

۲۔ زبان کی تشکیل کا عمل ماقبل از اسلام

دراصل زبان و ادب کی ساخت و تعمیر اور تخلیقی عمل کے پیچھے صدیوں کے تہذیبی تجربات، مختلف قوموں کے ادغام و ارتباط، معاشرتی اور تمدنی عوامل و محرکات اور کئی ایک قدرتی عناصر و اثرات کارفرما ہوتے ہیں۔ ملتان میں اردو زبان و ادب کو وجود میں لانے کا عمل بھی صدیوں پر محیط ہے۔ ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے آریاؤں کی زبان نے مقامی طور پر بولی جانے والی دیسی زبانوں کو لپا کر کے اپنے اثرات سے ایک نئی زبان کی تشکیل کی۔ پھر ہرات اور قندھار کے درمیانی خطوں میں آباد قوم "ابھیر" اس سرزمین پر حملہ آور ہوئی اور اس نے اپنی زبان "اپ بھرنش" کو چھٹی صدی عیسوی تک پراکرت اور سنسکرت کے معیار تک پہنچا دیا جو یہاں کی قدیم زبانیں تھیں۔ اس زبان نے پراکرت، سنسکرت اور دیگر دیسی زبانوں کے الفاظ کو اپنے دامن میں سمو لیا اور نتیجتاً زیادہ

۱۔ بحوالہ "نقوش سلیمانی" دارالمصنفین، اعظم گڑھ، صد ۳۴۔

۲۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" صد ۴۹۹۔

Marfat.com

وسیع اور مقبول ہوتی چلی گئی۔ مختلف علاقوں میں اس کے مختلف نام پڑتے گئے۔ مثلاً پشاچی اپھرنش شورسینی، اپھرنش ماگدھی اپھرنش، مہاراشٹری اپھرنش، واراچڑا اپھرنش وغیرہ ــــ مسلمانوں کی برصغیر پاک و ہند میں آمد سے پہلے اسی اپھرنش کے اثرات جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ پنجاب اور سندھ کا علاقہ بھی اس کے اثرات سے خالی نہ تھا۔ دیسی اور مقامی بولیوں کے ساتھ مل کر اس نے ہر علاقے میں جدید آریائی زبانوں کی تشکیل میں کردار ادا کیا۔ شورسینی اپھرنش کا اثر سندھ اور ملتان کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بیان کے مطابق

"جب محمد بن قاسم نے ۹۴ھ / ۷۱۲ء میں سندھ و ملتان فتح کیا تو یہاں ایک ایسی کھچڑی زبان بولی جاتی تھی جو پشاچی اثرات بھی رکھتی تھی اور شورسینی اثرات بھی"۔ (۱)

ڈاکٹر شاہدہ بیگم بھی جمیل جالبی کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ

"ــــ شمالی اور مغربی ہندوستان میں جو زبانیں مروج تھیں وہ لگ بھگ سب کی سب شورسینی اپھرنش سے ماخوذ تھیں۔ پنجاب راجپوتانہ اور گجرات میں تو ایک حد تک لسانی آہنگ پایا جاتا تھا۔ سندھ کچھ الگ تھلگ ضرور تھا لیکن اس پر بھی اپ بھرنش کی شاخ پشاچی کے ساتھ ساتھ شورسینی کا اثر غالب تھا اور وہاں کی زبان پنجاب کی زبان سے زیادہ دور نہ تھی"۔ (۲)

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے مسلمانوں کی آمد سے پہلے ملتان کی زبان کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ

"ــــ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ وادیٔ سندھ (۳) کی زبان ایسی اپ بھرنش ہے جو پشاچی کی یا تو شاخ ہے یا اس سے متاثر

۱۔ بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اوّل، صہ ۸۰۷۔

۲۔ بحوالہ "سندھ میں اُردو" صہ ۱۴۱۔

۳۔ ۱۱۱ھ سے پہلے تک ملتان وادیٔ سندھ کا حصہ رہا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں،

"لسانی تاریخ میں ۱۱۱ھ کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس وقت نہ صرف ملتان (باقی بر صفحۂ ثانی)

Marfat.com

ہوئی ہے۔"(۱)

آگے چل کر ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں

"وراچڈ اپ بھرنش وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سندھی اور ملتانی بولی جانے لگیں۔"(۲)

گویا مسلمانوں کی سندھ اور ملتان میں آمد سے پہلے ملتان کی زبان ایک ملی جلی زبان تھی جس میں پشاچی اور ابھرنش کے اثرات موجود تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق یہ شورسینی ابھرنش تھی اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کے بقول یہ وراچڈ ابھرنش تھی۔ ابوظفر ندوی کا اس بارے میں یہ خیال ہے کہ

"سندھ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں وہاں کے عوام بات کرتے تھے وہ متعدد تھی، بھاٹیہ (بھیرہ) سے لے کر سندھ کے بالائی حصہ تک تو اردنا گری کا رواج تھا۔ یعنی نصف ناگری، کیونکہ یہ مختلف زبانوں سے مل کر بیچ میل زبان بن گئی تھی اسی زبان میں یہ لوگ خط وکتابت کرتے تھے۔ اور کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں۔ سندھ کے ساحلی علاقوں میں ملگاری زبان کا زیادہ رواج تھا —— لیکن منصورہ اور برہمن آباد میں ایک اور زبان رائج تھی جس کو سین دب (سندھی) کہتے تھے۔"(۳)

۳۔ مسلمانوں کی آمد اور اثرات زبان پر مسلمانوں کی آمد سے لسانی تشکیلات کا عمل ایک بار پھر شروع ہوا جیسا کہ سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ سندھ اور ملتان میں مسلمانوں

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کی ریاست سندھ سے الگ ہو گئی بلکہ ملتانی زبان سندھی زبان سے علیحدہ ہو گئی اور آزادانہ طور پر ترقی پانے لگی۔"
(بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق"، صہ ۹۸)

۱۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق۔" صہ ۸۶

۲۔ ----- ایضاً ----------- صہ ۹۵

۳۔ بحوالہ "تاریخ سندھ" از ابوظفر ندوی، صہ ۳۶۵

Marfat.com

کی آمد کا سلسلہ ابن قاسم کے حملے سے پہلے بھی جاری رہا۔ چنانچہ سندھ میں سب سے پہلے مغیرہ بن عاص ۱۵ھ میں بحری راستے سے داخل ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر بن کریز خشکی کے راستے ۲۴ھ میں مکران تک پہنچا۔ درہ خیبر کے راستے پہلا حملہ ۴۴ھ میں ہوا۔ ابن سمرہ کی فوج کے سردار مہلب بن ابی صفرہ نے ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقے کو اس حملے کا نشانہ بنایا اور وادیٔ سندھ کے بالائی حصے کو پامال کیا[1]۔ ان حملوں سے تہذیب و زبان کے ہمہ گیر یا دیرپا اثرات مرتب نہ ہوئے۔ کیونکہ مسلمان یہاں مختلف مقاصد کے تحت آئے اور عارضی قیام کے بعد واپس چلے گئے۔ البتہ ۹۲ھ میں جب محمد بن قاسم کا حملہ ہوا اور سندھ اور ملتان کے علاقے مستقل طور پر مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگئے تو تہذیب و زبان کے اثرات وسیع پیمانے پر مرتب ہونا شروع ہوئے۔

غالب قومیں ہمیشہ اپنے کلچر اور تہذیبی اثرات کے ساتھ ساتھ زبان کے اثرات بھی ساتھ لاتی ہیں اور مغلوب قوموں کو بہت جلد متاثر کر لیتی ہیں۔ یہی کچھ برصغیر پاک و ہند میں ہوا۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی

"مسلمانوں کے آنے کے ساتھ مفتوح علاقے کی تہذیب، معاشرت اور زبان پر وہی اثر ہوا جو آریاؤں، پشاچیوں اور ابھیروں کی فتوحات سے یہاں کی تہذیب اور زبانوں پر ہوا تھا۔ فاتح و مفتوح جب تہذیبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور لسانی سطح پر ایک دوسرے سے ملے تو ایک بیچ میل قسم کی زبان اپنے خدوخال اجاگر کرنے لگی تھی۔ جس میں سامی، ایرانی، تورانی اور دوسری بولیوں نے مل جل کر لسانی کھچڑی پکانے کا عمل کیا تھا۔"[2]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے مسلمانوں کے اثرات کو آریاؤں اور دیگر قوموں کے اثرات سے مشابہ قرار دیا ہے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ اثرات ان اثرات سے کہیں زیادہ انقلابی، گہرے اور دیرپا تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے تو یہاں کی زندگی کا ڈھانچہ (Pattern of life) بدل کر رکھ دیا۔ اس کے باوجود کہ محمد بن قاسم نے حتی الوسع پرانے نظام کو تبدیل نہ کیا اور بقول

۱۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق" صـ ۹۵

۲۔ بحوالہ "تاریخ ادب اُردو" جلد اول، صـ ۶۷۲

Marfat.com

ڈاکٹر تارا چند،

"مسلمان فاتح نے مفتوحوں کے ساتھ عقل مندی اور فیاضی کا ثبوت دیا۔ مال گزاری کا پرانا نظام قائم رہنے دیا اور قدیم ملازموں کو برقرار رکھا۔ ہندو پجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پرستش کی اجازت دی اور ان پر فقط ایک خفیف سا محصول عائد کیا۔ جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمین داروں کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنوں اور مندروں کو قدیم ٹیکس دیتے رہیں۔"(۱)

لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سندھیوں نے اپنے نام تک بدل ڈالے اور اپنے سندھی ناموں کے ساتھ ساتھ دوسرا عربی نام رکھنے لگے۔ اس قسم کی مثال دنیا کی تاریخ میں اور کسی قوم کے ذیل میں نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں اور خصوصاً سندھ اور ملتان میں اسلامی اقدار اور اسلامی کلچر نے اپنے قدم جما لیئے تھے اور زمین ہموار ہو چکی تھی۔ محمود غزنوی کی بُت شکنی نے تو زندگی کے تصورات ہی بدل ڈالے۔ بت شکنی کے ذریعے محمود غزنوی نے محض کوئی مذہبی فریضہ انجام نہیں دیا تھا بلکہ دولت کے ارتکاز کو بھی ختم کیا تھا۔ ہندوستان کے بت دولت کے عظیم مرکز بن چکے تھے۔ وہ Hoarding کا ذریعہ تھے۔ لوگ بتوں کی آڑ میں دولت کے پجاری بن چکے تھے۔ یہ بت ایک ادارہ تھے، ایک نظریہ تھے۔ محمود غزنوی نے دولت کے بت پاش پاش کر دیئے(۲)۔ ان استحصالی اداروں پہ کاری ضرب لگائی۔ چنانچہ مسلمانوں کے اثرات محض دوسری قوموں جیسے نہ تھے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیبی روایات، رواداری، اصول پرستی کی صحت مند اقدار، ارتکاز دولت کے منافی انقلابی اقتصادی فلسفے اور نہایت وسیع اور ترقی یافتہ زبان نے مقامی باشندوں کو تہذیبی، اقتصادی اور لسانی سطح پر انقلابی انداز

۱۔ بحوالہ "آب کوثر"، ص ۲۵-۲۶

۲۔ سامری نے بھی یہی کیا تھا کہ لوگوں سے سونا چاندی لے کر انہیں پگھلایا اور بچھڑا بنا دیا۔ لوگ اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے بچھڑا توڑ کر نہ صرف اس بدعت کا بلکہ دولت کے ارتکاز کا بھی خاتمہ کیا تھا۔

Marfat.com

میں مرعوب و متاثر کیا۔ چونکہ حملہ آور مسلمانوں کی اکثریت اسی سرزمین میں آکر بس گئی۔ اس لیئے یہاں کی تہذیبی اقدار اور زبان سے خود انہوں نے بھی اثر قبول کیا۔

۴۔ زبان اردو کی تشکیل کا عمل چنانچہ مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے درمیان اظہار و ابلاغ کے لیئے مشترک زبان کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی اور اسی ضرورت نے ایک نئی زبان کی تشکیل کی چونکہ مسلمانوں کی پہلی آمد سندھ اور ملتان کے علاقوں میں ہوئی۔ اس لیئے نئی مشترک زبان (اُردو) کا ہیولیٰ اسی علاقے میں تیار ہوا۔ حسام الدین راشدی کے مطابق

"یاد رہے کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی وہ مشترکہ زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور حکومت اور تمدنی روابط کی بدولت اس طرح وجود میں آئی کہ اسلامی زبانوں کے ہزارہا الفاظ ہندی زبانوں میں شامل ہوگئے۔ اور اہلِ ہند، ہندو ہوں یا مسلمان انہیں سمجھنے اور بولنے لگے"۔ (۱)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں،

"........ جو حضرات سندھ کی اسلامی فتح اور بعد کی تاریخ سے واقف ہیں وہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے اس قول کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہ کریں گے کہ ہندو مسلمانوں کی متحدہ زبان کا پہلا گہوارہ سندھ ہے"۔ (۲)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق فرماتے ہیں

"ہمیں سندھ اس لئے عزیز ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے اسی سرزمین پر اسلام کی روشنی پہنچی ——— ہمیں سندھ اس لئے بھی عزیز ہے کہ یہیں حجازی تہذیب اور عربی ثقافت ہند قدیم کی تعلیم و روحانیت سے ہم کنار ہوئی اور پھر اس اتحاد و اشتراک سے ایک نئی تہذیب و ثقافت وجود میں آئی اور ہماری یہ

۱، ۲۔ بحوالہ "اردو زبان کا اصلی مولد سندھ" رسالہ "اُردو" انجمن ترقی اُردو، کراچی، اپریل ۵۱، صہ ۹، ۱۰ (یہی مضمون اظہار کراچی، مارچ اپریل ۱۹۸۴ء کے شمارے میں دوبارہ شائع ہوا ہے۔)

Marfat.com

قومی زبان اُردو اسی تہذیب وثقافت کا شاہکار ہے اور اس کی زندہ جاوید یادگار ہے۔" (۱)

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ

"——— اتنی بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن عوامل نے ہندوستان کی ایک آریائی زبان کو ہماری اُردو کا قالب عطا کیا۔ وہ سب سے پہلے سندھ میں کارفرما ہوتے۔" (۲)

گویا سید سلیمان ندوی، حافظ محمود خاں شیرانی، حبیب الرحمٰن، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر جمیل جالبی ڈاکٹر مہر عبدالحق، پیر حسام الدین راشدی، ابوظفر ندوی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور دیگر محققین اور ماہرین لسانیات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ اُردو کا پہلا گہوارہ وادیٔ سندھ اور ملتان کی سرزمین ہے۔ اس کے بعد لسانی تشکیلات کا یہ عمل دوسرے علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ ابن قاسم کے چلے جانے کے بعد بھی دین اسلام کی تہذیبی اور ثقافتی قدروں کا تسلط سندھ اور ملتان پر کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا۔ شمس اللہ قادری کے بقول

"فارسی اور انگریزی مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہوگئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۴۷ھ) کے زمانہ تک دربارِ خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ ان کا مستقر حکومت تھا۔" (۳)

یہاں تک کہ محمود غزنوی اور غوریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے اقتدار میں ایک ہمہ گیر اور مستقل تسلسل کی صورت پیدا ہوگئی۔ مسلمانوں کی زبانوں میں عربی، فارسی اور ترکی ذخیرہ الفاظ کی آمیزش تھی۔ بقول ڈاکٹر شاہدہ بیگم،

۱۔ بحوالہ "خطباتِ عبدالحق" مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، صـ ۱۰۶

۲۔ بحوالہ "سندھی اُردو کے لسانی روابط" صـ ۴۰

۳۔ بحوالہ "تاریخ زبان اُردو۔ اردوئے قدیم" صـ ۷

Marfat.com

"بلاشبہ جواں سال محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مجاہدوں میں اکثریت عربوں کی تھی لیکن ایک تعداد وہ بھی تھی جو فارسی نژاد تھے۔ یہ نووارد اپنے جلو میں عرب کی تمدنی روایات اور ثقافتی نوادرات لے کر آئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض تحائف ایسے بھی تھے جن کے ایرانی الاصل ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ بعینہ یہی صورت زبان کی بھی تھی۔ اس میں بھی جا بجا کسرائیت کی جھلک پائی جاتی تھی۔" (۱)

چنانچہ مسلمانوں کی زبان کے بے شمار الفاظ دیسی زبان میں شامل ہوتے چلے گئے اور اس طرح جو مشترک زبان وجود میں آئی اس کو مختلف علاقوں میں مختلف نام دیئے گئے یعنی گجری، ملتانی، سندھی، دکنی، ہندوستانی، ہندی، ہندوی، ریختہ، اُردوئے معلیٰ وغیرہ۔ لیکن آخر کار یہ اُردو کے نام سے موسوم ہوئی۔

پروفیسر علی حیدر کے الفاظ میں

"اُردو زبان کا مخرج ہندوستان کی مختلف پراکرتیں ہیں۔ عربی، فارسی اور ترکی نے رنگ و روغن کا کام کیا اور ایک زبان پیدا ہوئی جس نے اپنی ترقی کے مختلف ادوار میں مختلف نام پائے۔ اور بالآخر اُردو زبان کے نام سے موسوم ہوئی۔" (۲)

اور یہی زبان برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں کے لئے رابطے کی زبان (لنگو فرانیکا) ٹھہری۔

ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"یہ سب کی منہ چڑھی زبان، جسے آج ہم اردو کے نام سے پکارتے ہیں، جدید ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور عربی، ایرانی، ہندی، تینوں تہذیبوں کا سنگم اور ان کی منفرد علامت ہے۔ اس زبان میں ان تہذیبوں کی ہمہ گیر صفات یکجا ہو کر ایک جان ہو گئی ہیں۔ یہ زبان برعظیم کی معاشرتی، تہذیبی و سیاسی ضروریات کے تحت پروان چڑھی۔ مسلمانوں نے ضرورت کے

۱۔ بحوالہ "سندھ میں اُردو" صـ ۳۶

۲۔ بحوالہ "نقد ادب" ، صـ ۵

Marfat.com

تحت اپنایا اور انہی کے ساتھ برعظیم کے گوشے گوشے میں اس طرح پھیل سی
کہ کوہ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک سمجھی اور بولی جانے لگی ۔"(۱)

دراصل عرب وعجم سے مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی زبانوں کے اختلاط اور باہمی روابط نے زبان سازی کا ایک نیا عمل شروع کر دیا تھا۔ باہر سے آنے والوں نے یہاں کی زبانوں سے اور یہاں کے رہنے والوں نے باہر کی زبانوں سے اثرات قبول کیے۔ جو لوگ یہاں مستقل طور پر آباد ہوئے۔ انہوں نے یہاں کی زبانیں سیکھیں۔ اس قسم کی مثالیں زمانہ قدیم میں مل جاتی ہیں کہ باہر سے آنے والوں نے یہاں کی زبان میں مہارت حاصل کر لی۔ چنانچہ ایرانی سیاح بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند میں لکھا ہے کہ

" ایک بڑے ہندوستانی راجہ نے جو الور (ارور) کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے علاقوں پر قابض اور اس کا نام مہروک بن رائق تھا، ۲۷۰ھ میں امیر منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھ کر فرمائش کی کہ ہندی زبان میں اس کیلئے اسلامی احکام و قوانین کی تفسیر و تشریح کی جائے۔ عبداللہ نے منصورہ کے ایک آدمی کو جو عراق کا رہنے والا نہایت ذہین، ہوشیار اور شاعر بھی تھا، اپنے یہاں بلایا اس شخص کی پرورش و پرداخت ہندوستان میں ہوئی تھی اس لئے وہ یہاں کی مختلف زبانیں اچھی طرح جانتا تھا۔ امیر نے اس سے راجہ الور کی فرمائش بتائی تو اس نے ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں وہ تمام باتیں جو راجہ چاہتا تھا بیان کر دیں اور اس کو راجہ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ قصیدہ راجہ کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے اسے بہت پسند کیا اور عبداللہ کو خط لکھا کہ قصیدہ نگار کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ عبداللہ نے اس کے پاس بھیج دیا۔ وہ راجہ کے پاس تین سال رہا، جب وہاں سے واپس آیا تو عبداللہ نے راجہ کا حال پوچھا۔ اس نے پورا حال تفصیل سے بیان کر دیا کہ جب وہ راجہ سے رخصت ہوا تو وہ دل و زبان دونوں سے اسلام قبول کر چکا تھا،

۱۔ بحوالہ " تاریخ ادب اردو " جلد اوّل، صہ ۴ ۔

Marfat.com

لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اعلان نہیں کر سکتا تھا۔"(۱)
آگے چل کر یہی سیاح ابو محمد حسن بن عمرو نجیرمی کے حوالے سے جو خود ۲۸۸ھ میں منصورہ میں مقیم رہ چکا تھا، لکھتا ہے کہ

"منجملہ اور واقعات کے اس نے یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ راجہ نے مجھ سے ہندی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ چنانچہ میں نے تفسیر لکھی، اور جب سورۂ یٰسین کی تفسیر تک پہنچا، اور اس کے سامنے ارشاد الٰہی،
" قالَ من یحیی العظام وھی رمیم ، قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۔" کی تفسیر بیان کر رہا تھا اس وقت وہ موتیوں اور جواہرات سے مرصع سونے کے ایک ایسے بیش قیمت تخت پر بیٹھا ہوا تھا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس نے کہا اس کی تفسیر پھر سے بیان کرو۔ جب میں نے دوبارہ بیان کی تو وہ تخت سے اتر پڑا اور زمین پر چلنے لگا۔ حالانکہ زمین چھڑکاؤ کی وجہ سے تر تھی، مگر وہ اپنا رخسار زمین پر رکھ کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ گرد آلود ہو گیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ یہی اصلی پروردگار، معبود اور ازلی و ابدی ہے، اس کا کوئی ہمسر اور مشابہ نہیں۔ اس کے بعد اس نے ایک گھر تعمیر کرایا اور ظاہر یہ کیا کہ امور سلطنت پر غور کرنے کے لئے تنہائی اختیار کی ہے۔ مگر دراصل وہ اس میں پوشیدہ طریقہ سے نماز پڑھتا تھا جس کی کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔"(۲)

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۷۰ھ (یعنی ۸۸۳ء) میں نہ صرف اسلام کی اشاعت کشمیر اور پنجاب میں ہونے لگی تھی بلکہ باہر سے آنے والے یہ مسلمان یہاں کی زبان بھی سیکھ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی ہندی میں تفسیر بھی لکھی جانے لگی تھی اور شعر و شاعری بھی کی جانے لگی تھی۔ گویا مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے درمیان ربط و ادغام سے تہذیب و معاشرت

۱۔ بحوالہ "ہندوستان عربوں کی نظر میں" صہ ۱۹۳ تا ۱۹۵

۲۔ بحوالہ "عرب و ہند کے تعلقات" صہ ۳۳۰، ۳۳۱

Marfat.com

کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ زبان کی یکسانی بھی پیدا ہو چلی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی، اصطخری کے حوالے سے لکھتے ہیں

"ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہو کر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ خالص ہندو راجاؤں کی پُرشان وشکوہ سواری گویا عرب امیروں کو پسند آ چکی تھی پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ پاجامہ پہنتے ہیں۔ اکثر لوگ فارسی اور سندھی بولتے ہیں۔ غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں لباس اور زبان کی یکسانی پیدا ہو چکی تھی۔"(۱)

ابن حوقل کا بیان بھی طرز لباس اور زبان کی یکسانی کی تصدیق کرتا ہے۔

"یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور بالوں کے چھوڑنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے اور منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے اور مکران والوں کی بولی فارسی اور مکرانی ہے اور کرتوں کا لباس نمایاں ہے۔ مگر تاجر لوگ قمیص اور چادر استعمال کرتے ہیں، جس طرح عراق اور فارس کے لوگ۔"(۲)

الغرض صوفیاء کرام کی ہندوستان میں آمد سے پہلے مسلمان نہ صرف اپنی تہذیب ومعاشرت اور زبان وادب کے اثرات مقامی باشندوں پر مرتب کر رہے تھے بلکہ سیاحوں، مؤرخین کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود مسلمان بھی ہندوستانی رسم ورواج اور زبان سے متاثر ہو رہے تھے۔ اس طرح گویا نہ صرف ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑ رہی تھی بلکہ ایک مشترکہ تہذیب بھی وجود میں آ رہی تھی۔ محمود غزنوی کے حملے کے بعد صوفیائے کرام کا ورود مسعود سرزمینِ پاک وہند میں ہوا تو انہوں نے نہ صرف لاکھوں افراد کو مسلمان بنایا بلکہ مسلمانوں کے تشخص کو قائم رکھنے کی سعی بھی کی۔ اردو زبان کو ترویج دینے میں ان کا جتنا حصہ ہے اور کسی کا نہیں، بقول ابواللیث صدیقی

"اُردو کو جوان ہونے اور پروان چڑھنے کے لئے صوفیوں کی خانقاہیں، مبلغین کی مجلسیں اور اللہ والوں کی محفلیں تلاش کرنا پڑیں۔ ان کے بھی دربار تھے۔ مگر شاہی دربار

۱۔ بحوالہ "عرب وہند کے تعلقات" ص ۳۳۰، ۳۳۱

۲۔ بحوالہ "سفرنامہ ابن حوقل" ص ۲۲۲، لیڈن پریس۔

Marfat.com

نہ تھے۔ یہ عوام کے لئے کھلتے تھے۔ یہاں شرافت کی زبان، ثقافت کی زبان اور تہذیب کی زبان کا سکہ نہیں چلتا تھا۔ یہاں عوام کے دلوں میں اترنے کے لئے عوام کی بولی کا رواج تھا۔ چنانچہ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں سب سے زیادہ صوفیائے کرام ہی نے کام کیا۔" (۱)

چنانچہ اب ہم نئے باب میں ان صوفیائے کرام کا ذکر یں گے جنہوں نے ملتان کی سرزمین میں تہذیب و زبان کے ایسے بیج بوئے جو بعد میں نخلِ طور بنے۔ ان صوفیوں میں بعض تو وہ ہیں جو ملتان میں عارضی طور پر قیام پذیر رہے اور اپنا مشن مکمل کر کے دوسرے شہروں کو چلے گئے اور کچھ وہ صوفیاء ہیں جو مستقل طور پر ملتان کی سرزمین میں قیام پذیر ہوئے اور آج بھی ان کے مزارات مرجع خاص و عام بنے ہوئے ہیں۔

۱۔ بحوالہ "ادب و لسانیات" ص ۲۰۷ مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۷۰ء

ذخیرہ
میاں جمیل احمد ... لاہور پاکستان

Marfat.com

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	کتابیات	ناشر / ایڈیشن و نمبر
۱-	ابن بطوطہ، رئیس احمد جعفری	سفرنامہ ابن بطوطہ (حصہ دوم)	نفیس اکیڈمی کراچی، طبع چہارم ۱۹۶۸ء
۲-	ابن حنیف، مرزا	سات دریاؤں کی سرزمین	کاروانِ ادب، ملتان، باراوّل ۱۹۸۰ء
۳-	ابن حوقل	سفرنامہ ابن حوقل	لیڈن پریس
۴-	ابن رستہ	الاعلاق النفیسہ (عربی)	لیڈن پریس، ۱۸۹۲ء
۵ -	ابن ہشام، عبدالجلیل صدیقی مولانا (مترجم)	سیرت النبیؐ کامل (جلد دوم)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور اشاعت اوّل
۶-	ابوالفضل	آئین اکبری	نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۸۲ء
۷ -	ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	ادب ولسانیات	اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی ۱۹۷۰ء
۸-	اڈولف ہوسسم، پروفیسر، محمد ہارون خان شیروانی، پروفیسر (مترجم)	تاریخ یونان قدیم	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدرآباد دکن، باراوّل، ۱۹۳۱ء
۹-	اطہر مبارک پوری، قاضی	عرب و ہند عہد رسالت میں	ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۵ء
۱۰-	ایضاً	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	مکتبہ عارفین کراچی
۱۱ -	البلاذری، (مترجم) مودودی، ابوالخیر، سیّد	فتوح البلدان (جزو دوم)	دارالطبع، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۴۰ء
۱۲-	المسعودی	مروج الذہب ومعادن الجوہر (عربی)	بیروت الطبع الاولیٰ، بیروت ۱۹۶۵ء
۱۲-	بدر کرم الٰہی	تاریخ ملتان	امتزاج پبلیکیشنز، لاہور، باراوّل ۱۹۷۸ء
۱۴-	بیوری، پروفیسر	تاریخ یونان	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ، حیدرآباد دکن

Marfat.com

مولوی ہاشمی فرید آبادی، سید (مترجم) ۱۹۱۹ء

۱۵- ٹمپل آر۔ سی حکایات پنجاب (حصہ سوم) مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول ۱۹۶۲ء

میاں عبدالرشید (مترجم)

۱۶- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل) مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۵ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، مجلس ترقی ادب لاہور

۱۷- حکم چند تواریخ ملتان

۱۸- دردائی، محمد معین صوفیائے سندھ اور اُردو ایجوکیشنل پریس، کراچی

الدین، پروفیسر

۱۹- راگوزن، زیڈ۔ اے، ویدک ہند دارالترجمہ سرکار، حیدر آباد دکن ۱۹۲۱ء

حمید احمد انصاری (مترجم)

۲۰- شاہدہ بیگم، ڈاکٹر، سندھ میں اُردو اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی

۲۱- شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر سندھی اُردو کے لسانی روابط، مرکزی اُردو بورڈ لاہور ۱۹۷۰ء

۲۲- ضامن، سید نور علی، تذکرہ، شرح سکندر نامہ ایرین ادارہ تحقیق و تذکرہ، احمد پور شرقیہ

یونانی ۱۹۶۶ء

۲۳- عبادت بریلوی، ڈاکٹر، خطبات عبدالحق، انجمن ترقی اُردو، کراچی ۱۹۶۴ء

۲۴- عبدالرحمٰن، منشی، آئینہ ملتان مکتبہ اشرف المعارف، ملتان

۲۵- عتیق فکری، علامہ، نقشِ ملتان (جلد اوّل) فکری اکیڈمی بشراکت مجلس ثقافت

و تاریخ ملتان، سن اشاعت جنوری ۱۹۸۲ء

۲۶- علی بن احمد بن ابوبکر کوفی، چچ نامہ سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد،

نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم) پہلا ایڈیشن، اپریل ۱۹۶۳ء

۲۷- علی حیدر، پروفیسر، نقد ادب کتاب منزل، پٹنہ ۱۹۶۰ء

۲۸- فرحت ملتانی، اولیائے ملتان مکتبہ تنویر ادب ملتان، بار سوم ۱۹۸۴ء

۲۹- فیاض محمود، سید (مرتبہ) تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، جلد ۱۲، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۳۰- قادری، شمس اللہ، تاریخ زبان اُردو، اُردوئے قدیم، تاج پریس، مکتبہ معین الادب، لاہور

Marfat.com

۳۱- قانع ٹھٹوی، علی شیر میر، تحفۃ الکرام، سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
نبی بخش خاں بلوچ، ڈاکٹر (مترجم)

۳۲- قدوسی، اعجاز الحق، تاریخ سندھ (دو جلدیں) مرکزی اُردو بورڈ، لاہور

۳۳- گپتا، ایس۔ آر۔ این، تاریخ ہندی فلسفہ " اوّل) دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار حیدرآباد
دکن، ۱۹۴۵ء

۳۴- گیلانی، اولاد علی سید، مرقع مولتان، سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے
۱۹۳۸ء میں شائع کی۔

۳۵- لطیف ملک (مرتبہ) ابوریحان البیرونی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور

۳۶- محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۳۷- ایضاً آبِ کوثر ایضاً، ساتویں بار، ۱۹۷۵ء

۳۸- محمد معصوم، میر، بکھری، تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ، کراچی، طبع اوّل
نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر، (تصحیح و حواشی) ۱۹۵۹ء

۳۹- مہر عبدالحق ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق، اُردو اکادمی، بہاولپور، بار اوّل، ۱۹۶۷ء

۴۰- ندوی، سید سلیمان، مولانا، نقوش سلیمانی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۴۱- ایضاً عرب و ہند کے تعلقات، کریم سنز پبلشرز کراچی

۴۲- ایضاً عرب و ہند کے تعلقات، ہندوستانی اکیڈمی، یوپی، ہندوستان
۱۹۳۰ء

۴۳- ندوی، مسعود علی، ہندوستان عربوں کی نظر میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۰ء

۴۴- ندوی، سید ابوظفر، مولانا، تاریخ سندھ (حصہ اوّل و دوم) معارف، اعظم گڑھ ۱۳۶۶ھ/۴۷ء

۴۵- منشی ہر نرائن انڈیا۔

۴۵- منشی ہر نرائن با عانت، بھاگوت پران (ساتواں اسکند) کوہ نور پریس لاہور ۶۸-۱۸۶۷ء
پنڈت بہادر سنگھ (مترجم)

Marfat.com

رسائل / اخبارات ،

۱۔ راشدی، حسام الدین پیر، اُردو زبان کا اصلی مولد، سندھ، رسالہ "اُردو" انجمن ترقی اُردو، کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء

۲۔ رفیق مغل، ڈاکٹر، ملتان غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں، روزنامہ "امروز" ملتان نمبر، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

Marfat.com

باب دوم

دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

(الف)

ملتان اور بنو سامہ — ملتان اور قرامطہ — صوفیاء کا ورود ملتان میں

(ب)

دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء — کا تذکرہ

Marfat.com

(الف)

ملتان اور بنو سامہ

سابقہ باب میں ملتان کی قدامت، سیاسی اہمیت، اقتصادی، سماجی، مذہبی، لسانی اور تہذیبی صورت حال کا جائزہ تاریخوں اور سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اگرچہ عرب اور ہندوستان کے تجارتی روابط بہت قدیم زمانے سے چلے آرہے تھے۔ لیکن جب سندھ پر عرب حکومت کا قبضہ ہوا اور سندھ عرب کا ایک مفتوحہ صوبہ بن گیا تو عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان گہرے تعلقات کا سلسلہ قائم ہوا۔ اب باقاعدہ طور پر دونوں کے علمی و تمدنی روابط بڑھنا شروع ہوئے۔ محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد عربوں کا اثر رسوخ کسی نہ کسی صورت میں صدیوں باقی رہا اور یہ علاقے عربوں ہی کے زیر نگیں رہے۔ البتہ جوں جوں دور افتادہ عرب حکومت کی گرفت بوجوہ ڈھیلی پڑتی گئی توں توں بہت سے علاقے خود مختار ہوتے گئے۔ چنانچہ ۹۰۲ء میں ملتان کے بنو سامہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا[1]۔ یہ عربی النسل خاندان تھا۔ اس کو بنو منبہ بھی کہا جاتا تھا۔ ابن رستہ کے بیان کے مطابق

"ملتان میں ایک قوم ہے جس کا خیال ہے کہ وہ سامہ بن لوئی کی ایک شاخ بنو منبہ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی قوم ہندوستان کے اس حصہ میں حکمران ہے —— یہ سندھ کے شہر منصورہ کے قریب رہتی ہے اور ملتان میں ایک بت ہے جس کی آمدنی بہت زیادہ ہے اور بنو منبہ ہی اس آمدنی

۱۔ بحوالہ آب کوثر از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۹ مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، آٹھویں بار ۱۹۷۹ء

Marfat.com

اور دوسرے تمام سامانوں کے مالک ہیں۔"(۱)

۲- ملتان اور قرامطہ

اس دوران میں قرامطی جو اسماعیلی عقائد رکھتے تھے۔ کوفہ، بصرہ اور مصر و شام پر قابض ہو گئے۔ یہاں تک کہ مکّہ پر بھی انہوں نے حملہ کیا اور حجر اسود اُکھاڑ کر لے گئے(۲) ان کا دائرہ اثر بڑھتے بڑھتے سندھ اور پھر ملتان تک پہنچا جلم بن شیبان نامی شخص قاہرہ سے فوج لے کر ملتان آیا اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ اس نے ملتان پر باہر سے حملہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اندرون شہر بغاوت کرا کے خود مددگار بنا اور پھر ۳۶۷ھ (۹۷۷ء) میں سردار ہو گیا(۲) جلم نے بنو منبہ کا اقتدار ختم کر دیا اور فاطمی خلیفہ کا سکّہ اور خطبہ جاری کیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر مقدسی کی "احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم" کے اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"—— ملتان میں خلفائے بنی فاطمہ کا خطبہ جاری ہے اور یہاں کوئی حکم بغیر ارض مصر کے فاطمی خلیفوں کی منظوری کے اجرا نہیں پاتا۔ اہلِ ملتان کے ہدایا اور قاصد برابر مصر میں آتے جاتے رہتے ہیں اور مصر کے اسماعیلیوں کا یہاں اس قدر زور ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے یہاں کوئی شخص ملتان کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا"(۳)

جلم بن شیبان نے باقاعدہ طور پر قرامطی عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ قرامطیوں کی حکومت کسی نہ کسی صورت میں دو سال تک قائم رہی۔ حسن رضا گردیزی اپنی کتاب "شاہ یوسف گردیز" میں ملتان میں قرامطیوں کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"—— اس فرقے کی بدولت ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور بدامنی کا دورہ دورہ تھا۔ بے چارے مسلمان جائے امن تلاش کرتے پھرتے تھے —— قرامطہ

---

۱ - "الاعلاق النفسیہ" از ابن رستہ ترجمہ از مسعود علی ندوی بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" صـ ۸۰

۲ - تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (۱) گزیٹیر پنجاب صـ ۳۲ (۲) تاریخ ملتان از کرم الٰہی بدر صـ ۱۹۹ (۳) ارض ملتان از اکرم الحق، صـ ۲۳۱

۳ - "تاریخ سندھ" از ابوظفر ندوی، صـ ۲۵۶

۴ - "تاریخ سندھ" از عبدالحلیم شرر صـ ۱۲۳ - ۱۲۵

Marfat.com

یوں تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن انہیں اسلامی عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ نہ فقط اسلامی عبادات کے منکر تھے بلکہ ان کی تمام سرگرمیاں عباسی حکومت کے خلاف ہوتے ہوئے ہر اس سلطنت کے خلاف ہوگئیں جو بنی فاطمی حکومت کے حق میں نہیں تھے۔(۱)

خطہ پاک اوچ میں " الدولت العربیہ الکبری لمود کال المحاصی " کے حوالے سے لکھا ہے ،

" قرامطہ فرقہ باطنیہ ہی کی ایک شاخ تھی جس کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا نام کا ایک یہودی تھا جو بظاہر مسلمان تھا مگر یہ باطن اسلام کا زبردست دشمن تھا۔ اس کی شورش انگیزیوں نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے خلاف لوگوں کو ابھارا اس کی تمام ہنگامہ آرائیوں کا مقصد اسلام کو سبوتاژ کرنا تھا ——— قرامطہ کا ہیڈ کوارٹر کوفہ کے نواح میں ایک بستی تھی جس کا نام انہوں نے " دار الہجرت " رکھا ہوا تھا۔ یہیں سے ان کی جماعتیں قتل وغارت گری کے منظم منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نکلتیں اور سلطنت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کو تاخت وتاراج کرتیں۔"(۲)

علامہ عتیق فکری نوبختی کے حوالے سے قرامطہ کے عقائد کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں ،

" قرامطہ کا قول تھا کہ حضرت رسولؐ کے بعد صرف سات آئمہ ہوئے ہیں۔ یعنی سیدنا حضرت علیؓ سے لے کر سیدنا جعفر تک عام شیعہ عقیدہ کے چھ آئمہ ہوتے ہیں۔ اور ساتویں امام حضرت محمد بن اسماعیل بن جعفر ہیں۔ قائم اور مہدی وہی ہیں اور ان کو رسالت کا مرتبہ بھی حاصل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضور اکرمؐ کی رسالت اس روز ختم ہو گئی تھی ——— انسان کا جسم سات حصوں میں منقسم ہے۔"(۳)

قرامطہ کے عقائد اور نظریات کے بارے میں تاریخوں میں جو کچھ درج ہے ان کا لب لباب یہ ہے۔

۱۔ قرآن کے ظاہری اور باطنی معنی کو امام ہی جانتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ طلوع آفتاب سے پہلے نماز کی صرف چار رکعتیں ہیں۔

۱۔ " شاہ یوسف گردیز" صہ ۴۹ ، مطبوعہ کاروان ادب ملتان ، بار اوّل ۱۹۸۳ء

۲۔ بحوالہ " خطۂ پاک اوچ " از مسعود حسن شہاب صہ ۱۱۲، اُردو اکیڈمی بہاولپور ، طبع اوّل ۱۹۶۷ء

۳۔ نقش ملتان صہ ۲۴۲، مطبوعہ فکری اکیڈمی ومجلس تاریخ ثقافت ملتان ، بار اوّل ۱۹۸۲ء

Marfat.com

۳۔ بیت اللہ شریف کی بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔
۴۔ سال بھر کے روزے صرف دو ہیں۔ ایک روزہ مہرجان کے اور دوسرا نیم روز کے دن
۵۔ شراب حرام اور خمر حلال ہے۔
۶۔ جس جانور کی کینچلی اور دانت ہوں ان کا کھانا جائز ہے۔
۷۔ جنابت سے غسل کرنا واجب نہیں ہے۔
۸۔ جمعہ کی بجائے اتوار یوم البیت ہے۔
۹۔ ان کے علاوہ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا و عقبیٰ میں نہ نیک اعمال کی جزا ہے نہ بداعمال کی سزا۔"(۱)

ان نظریات کی تبلیغ اور ترویج کی وجہ سے لوگوں کے عقائد راسخ العقیدہ مسلمانوں جیسے نہ رہے تھے۔ ادھر تو داخلی طور پر لوگ ان نظریات کی یلغار کے سبب گم کردہ راہ ہو رہے تھے اور ادھر ملتان بیرونی حملہ آوروں کی مسلسل فوج کشی اور کشت و خون کی بدولت بے چینی اور بے سکونی کی زد میں تھا۔ لوگوں میں خود غرضی، منتشر خیالی اور توہم پرستی عام ہو گئی تھی اور تہذیبی سطح پر بکھراؤ کی سی کیفیت تھی۔ اسلامی اقدار پر ایک طرف تو قرامطیوں کی یلغار تھی اور دوسری طرف ہندووانہ رسموں کے اثرات مسلمانوں پر پڑ رہے تھے۔ شیخ محمد اکرم نے قرامطیوں کے زمانے میں مذہبی انتشار کی روداد ان لفظوں میں بیان کی ہے۔

"_____ ان لوگوں (قرامطی مبلغین) کی کوششوں اور عام روحانی بدنظمی سے جو حالت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ سومرہ خاندان کے حالات دیکھ کر ہو سکتا ہے جن کے نام ہندووانہ تھے اور مذہب کی نسبت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سمہ خاندان کے زمانے میں اسلامی اثرات غالب آ گئے تھے لیکن اس کے بعض حکمرانوں کے نام بھی ہندووانہ تھے اور یقیناً ان کے رسم و رواج میں بھی کئی باتیں ہندوؤں کی باقی رہ گئی ہوں گی۔"(۲)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) نقش ملتان، ص ۲۴۲-۲۴۳ (ب) شاہ یوسف گردیز ص ۵۰ (ج) امروز ملتان نمبر
۲۔ "آب کوثر" ص ۳۹۔

Marfat.com

لوگوں میں روحانی اور اخلاقی زوال عام ہو رہا تھا۔ شیخ محمد اکرام ہی کے بقول "ان کی روحانی زندگی میں صدیوں تک ایک عجیب کھلبلی مچی رہی۔" (۱)

۲۔ صوفیاء کا ورود ملتان میں

محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مسلمان سپاہیوں میں سے ہر ایک، صوفی بھی تھا، عالم باعمل بھی، خلق عظیم کا حامل بھی اور جانباز مجاہد بھی۔ اس لئے ان کی بدولت نہ صرف دین اسلام کی اشاعت کا کام انجام پایا بلکہ لاکھوں گم کردہ راہ انسانوں کو صراط مستقیم کا اذن بھی ملا۔ لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں فرقہ بندی اور افتراق نے سر اٹھایا۔ مختلف عقائد رکھنے والے گروہوں نے فتنہ پردازیاں کیں اور نتیجہ انتشار اور زوال کی صورت میں سامنے آیا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ محمد بن قاسم کے سپاہیوں جیسا کردار اور اخلاق رکھنے والی شخصیتیں بروئے کار آئیں اور اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اس صورت حال میں صوفیائے کرام اور برگزیدہ ہستیوں کا ورود ملتان کیلئے باعث برکت وسعادت ثابت ہوا۔ ان کی بدولت ملتان میں صحیح اسلامی تعلیمات رشد و ہدایت اور روحانی و اخلاقی اقدار کا احیاء ہوا۔ جن صوفیاء نے اس سرزمین کو شرف بخشا ان میں شاہ یوسف گردیز، خواجہ معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، بابا فریدالدین گنج شکر، شاہ شمس سبزواری، صدرالدین عارف، جلال الدین سرخ بخاری، عبدالرشید حقانی، حسام الدین ملتانی، جہانیاں جہاں گشت، شاہ راجو قتال، حسام الدین متقی ملتانی وغیرہ قابل ذکر ہیں یہ تمام صوفیاء دسویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں۔

ان صوفیاء میں کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے ملتان میں عارضی قیام فرمایا۔ یہاں کے بزرگوں سے فیض اٹھایا، تبلیغ اور نیکی کے کام انجام دیئے اور پھر دوسرے شہروں کو فیض یاب اور مستفید کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مثلاً حضرت معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ یہاں رشد و ہدایت، تبلیغ و تلقین، درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری کیا۔ ہم ان صفحات میں چند اہم ترین صوفیاء اور بزرگ ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ "آب کوثر" ص ۳۸ - ۳۹

Marfat.com

(ب)

دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

۱- حضرت دیوان چاؤلی مشائخ

(حضرت دیوان چاؤلی مشائخ دور اولین کے صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ وفات (۱۳۱ھ) کے لحاظ سے حبیب عجمی (متوفی ۱۵۶ھ) سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) مالک بن دینار (متوفی ۱۲۸ھ) اور داؤد طائی (متوفی ۱۶۲ھ) کے ہم عصر ہیں۔ اس لحاظ سے برصغیر پاک وہند کے صوفیاء میں آپ کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے "[۱] چونکہ آپ کا تعلق سرزمین ملتان سے تھا۔ اس لئے ان کی بدولت ملتان کا شمار تصوف کے اوّلین مراکز میں ہوتا ہے) آپ کا اصلی نام رائے چاؤلی تھا۔ آپ ہندو راجہ مہپال کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ کا تعلق راجپوت قوم ڈھوڈی[۲] کے سردار رائے لکھن سے تھا جو کنگن پور، پر

۱- سرزمین ملتان کے پہلے صوفی ہونے کا اعزاز ان کو حاصل ہے۔ انہوں نے اسی سرزمین پر جنم لیا اور یہیں وفات پائی۔ اگرچہ ملتان میں تصوف کا باقاعدہ سلسلہ شاہ یوسف گردیز سے شروع ہوا لیکن وہ غزنی سے تشریف لائے تھے۔ بقول بشیر حسین ناظم

"آپ (دیوان چاؤلی مشائخ) اوائل اسلام کے اولیائے کرام میں سے ہیں"

(بحوالہ اولیائے ملتان، صہ ۲، سنگ میل پبلیکیشنز اردو بازار لاہور)

۲- حکم چند کیفیت خاندان قوم ڈھوڈی میں لکھتے ہیں۔

"اس قوم کی ملکیت زیادہ تر مشرقی حصہ پر مسلسی میں ہے۔ اصل قوم ان کی راجپوت تھی مورث اعلیٰ ان کا مہپال نامی قوم راجپوت رانا تھا۔ قبل از اسلام کے مورث اعلیٰ ان کے اس ملک کے راجہ تھے۔ دیوان چاؤلی مشائخ انہیں کی قوم میں سے تھا۔ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

حکومت کرتا تھا۔ کنگن پور تحصیل میلسی کے ساتھ ہے جو اب موضع چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے[1]

اگرچہ دیوان چاولی کا تعلق ہندو خاندان سے تھا لیکن آپ کا رجحان شروع ہی سے دینِ اسلام کی طرف تھا۔ چنانچہ باطنی طور پر آپ حضور کے انوار و تجلیات سے منور ہوتے رہے۔ جب درجہ ولایت کو پہنچے تو آپ نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔
گل زار فریدی میں لکھا ہے

"دیوان چاولی مشائخ روئے زمین کے قدیم ترین مشائخ میں سے ہیں اور متاخرین نے ان کی خاک پاک سے فیض اٹھایا۔ ان کا والد راجہ جے پال عباسیہ سلطنت کے اوائل میں خطۂ ملتان کا فرمان روا تھا ——— دیوان مشائخ چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے اور روحانی طور پر سیّد عالم سے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) جو مسلمان ہوا اور خانقاہ اس کی اسی نواح میں بموضع دیوان چاولی مشائخ ہے"۔ تاریخ ملتان صفحہ ۱۰۹ حکم چند دیوان چاولی مشائخ کے آباؤ اجداد کے ذکر میں لکھتے ہیں

" رائے لکھمی راجپوت مورث اقوام ڈھوڈی یہاں آیا اور اسی قوم جھونی پر فتح پا کر قابض قلعہ پر ہو گیا۔ راجپوت موصوف کے تین پسر تھے۔ رائے اجن رائے دسیر رای رتہ بعد وفات رائے لکھمن کے اجن بڑا بیٹا اور بعد وفات اس کے ہپال پسر کلاں اس کا گدی نشین ہوا۔ ہپال کے پانچ پسر اور ایک دختر تھی سب سے چھوٹا بیٹا رائے چاولا یعنی دیوان چاولی مشائخ یہی حضرت ہے اور دختر کنگن برس تھا۔"

(بحوالہ "تاریخ ملتان" از حکم چند صفحہ ۱۰۹ ۔ یہ کتاب پبلک لائبریری ملتان سے حاصل کی گئی۔ اس کا سرورق پھٹا ہوا ہے۔)

۱۔ فرحت ملتانی نے آپ کا شجرہ اس طرح دیا ہے

" رائے لکھمن، رائے اودی، رائے ارجن، راجہ رانا ہپال اور اس کے پانچ فرزند اور ایک دختر تھی جو چار بھائیوں کے مظالم سے تنگ آکر زندہ دفن ہو گئی"۔ (بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، صفحہ ۱۴۴، مکتبہ تنویر ادب ملتان، اشاعت سوم ۱۹۸۴ء)

Marfat.com

فیض یاب ہوئے تھے۔ (۱)

دیوان چاؤلی کی ہمشیرہ محترمہ کنگن کو، جس کے نام پر موضع کنگن پور کہلوایا، کو بھی اسلام سے فطری لگاؤ تھا۔ انہوں نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ ہی دین اسلام قبول کر لیا جس پر دوسرے بھائی دونوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ آخر کار انہوں نے ۱۳۱ھ میں دیوان چاؤلی مشائخ کو جبکہ ان کی عمر صرف ۲۲ برس کی تھی (۲) شہید کر ڈالا لیکن بعد میں ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے خود بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ کے زمانے میں ملتان کے حالات کیا تھے۔؟ تواریخ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ ملتان پہلے سندھ کا حصہ تھا لیکن ۱۱۱ھ میں سندھ سے الگ ہوا۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد ملتان کے حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔ ادھر عربوں کے آپس کے انتشار کی وجہ سے سندھ پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس لئے یکے بعد دیگرے چند سالوں کے اندر سندھ میں کئی گورنر تبدیل ہوئے۔ سندھ کے لوگ بھی باغی ہو رہے تھے۔ چنانچہ ۱۰۱ھ میں تمیم بن زید العتبی سندھ کا گورنر بنا۔ اس کی وفات کے بعد حاکم الکلبی آیا جس نے سندھ میں مسلمانوں کی حکومت سمٹتے دیکھی تو یہاں کے لوگوں کی سرکوبی کے لئے محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو بن محمد بن قاسم کو فوجی دستے کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ عمرو بعد میں سندھ کا گورنر بنا۔ اسی طرح

۱۔ بحوالہ "گل زار فریدی" از مولوی گل محمد چشتی، ص ۳-۴، قلمی نسخہ فارسی تحریر شدہ ۱۹۰۲ء (ملفوظات و مناقب شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر) جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

۲۔ پروفیسر محمد امین اپنے مضمون "تصوف اور ملتان" مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ص ۶، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء میں دیوان چاؤلی مشائخ کی عمر وفات کے وقت ۲۲ سال بتلاتے ہیں جس کے مطابق آپ کا سنہ پیدائش ۱۰۹ھ بنتا ہے جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جبکہ فرحت ملتانی "اولیائے ملتان" میں ص ۲۰۴ میں آپ کا سنہ پیدائش ۹۰ھ بتاتے ہیں۔ جس کے مطابق آپ کی عمر ۴۲ برس بنتی ہے اور "تواریخ ملتان" از حکم چند، ص ۱۰۹ کے مطابق،

"بوقت انتقال عمر دیوان چاؤلی مشائخ ۱۴ برس کی تھی۔ وفات انکی اخیر ۱۲۱ ہجری میں ہوئی اور انکی اولیائی کا شہرہ گردونواح میں مشہور ہوا اور اکثر لوگ مرید ہونے لگے۔"

Marfat.com

سندھ کے گورنر بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۲ھ میں عربوں کی حکومت بنوامیہ کے ہاتھوں سے چھن کر بنوعباس کے قبضے میں چلی گئی۔

سیاسی طور پر تو سندھ کے یہ حالات تھے جن میں ملتان کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس انتشار کی لپیٹ میں ملتان بھی آیا ہوا تھا۔ کیونکہ جب بھی مرکز کی گرفت کمزور ہوتی ملتان کا حاکم خود مختار ہو جاتا۔ ادھر بصرہ اور کوفہ میں بنوامیہ کے درمیان اقتدار کی جنگ جاری تھی۔ دوسری طرف اموی گورنروں نے لوگوں پر خوب ظلم و ستم ڈھائے تھے۔ ان حالات میں صوفیاء کا پہلا طبقہ وجود میں آیا لیکن ان کے ہاں باقاعدہ تحریک کی صورت نہیں ملتی بلکہ سب انفرادی طور پر تصوف کی زندگی گزار رہے تھے[1] پہلے طبقے کے ایسے ہی صوفیوں میں دیوان چاولی مشائخ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی نیکی اور تقویٰ کے ساتھ گزاری۔ اگرچہ وہ تصوف کی کسی باقاعدہ تحریک کے بانی نہیں ہیں نہ ان کی وجہ سے تصوف کا کوئی سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں صوفیانہ زندگی کی ابتدا کرنے والے دیوان چاولی مشائخ ہیں۔ آپ کی زندگی کے حالات تعلیمات اور اثرات کا تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا لیکن ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے مزار کی مرمت کئی سلاطین نے کروائی۔ سب سے پہلے محمود غزنوی نے اپنے عہد میں پچاس ہزار روپے صرف کر کے آپ کا مزار بنوایا۔ جہانگیر نے بھی اس کی مرمت کروائی۔ پھر دیوان مولراج کے دور میں اس کی از سرِ نو تعمیر ہوئی[2] آپ کا مزار روحانیت اور فیض و برکت کا مرکز بنا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سلاطین بلکہ مختلف بزرگ اور اولیاء بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتے رہے۔ ان صوفیاء اور بزرگوں میں بابا فریدالدین گنج شکرؒ[3] حضرت شیر شاہ، حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری،

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، صہ ۲، تا ۷۹، دارالمؤلفین، اسلام آباد۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "مرقع ملتان" صہ ۲۲۶، از سید محمد اولاد علی گیلانی، سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے ۱۹۳۸ء میں لکھ کر شائع کی۔

۳۔ "مرقع ملتان" صہ ۲۲۵، اور تواریخ ملتان از حکم چند صہ ۱۰۹ کے مطابق (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت لال شہباز قلندر شامل ہیں۔

۲- شاہ یوسف گردیز

شاہ یوسف گردیز پانچویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ ہیں۔ آپ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء)[1] میں غزنی کے نواحی علاقہ گردیز میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید ابو بکر، سیدنا حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے دادا مخدوم شاہ علی قسور جنیدی علی گردیزی اویسی تھے[2]۔ جو بغداد سے ہجرت کر کے قصبہ گردیز میں رہائش

(بقیہ گذشتہ صفحہ) جس "چاہ باوا فرید" میں حضرت گنج شکر نے چلہ کاٹا اور کافی عرصہ عبادت و ریاضت میں گزارا وہ حضرت دیوان چاولی مشائخ کے مزار کے پاس واقع ہے۔ اس واقعہ سے دیوان چاولی مشائخ سے ان کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ خلیق نظامی اپنی کتاب " احوال و آثار — فرید الدین گنج شکرؒ" صـ ۶۸-۶۷، اور سید نصیر احمد جامی اپنی تصنیف حضرت بابا فرید گنج شکر، صـ ۱۹ میں چلہ کشی کے اس کنویں کا محل وقوع اوچ بتاتے ہیں۔ اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ تو ثابت ہے کہ حضرت بابا فرید کو دیوان چاولی مشائخ سے عقیدت رہی اور انہوں نے کچھ عرصہ دیوان چاولی کے مزار پر گزارا۔

۱- عبد الحق محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار، صـ ۱۳۰، اور مصنف تحفۃ الکرام، صـ ۲۶۲، نے شاہ یوسف گردیز کو بہاء الدین زکریا کا ہم عصر بتایا ہے جبکہ محمد غوثی شطاری مصنف گلزار ابرار، صـ ۴۲، نے ان کا سنِ پیدائش ۵۵۰ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ شاہ یوسف گردیز کی صحیح تاریخ پیدائش جو مستند تاریخوں سے ملتی ہے وہ ۴۵۰ھ ہے اور وفات ۵۳۱ھ ہے جبکہ بہاء الدین زکریا کی پیدائش ۵۶۵ھ میں ہوئی۔ اس لئے یہ دونوں اصحاب ہم عصر نہیں ہو سکتے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) مرقع ملتان، صـ ۲۱۵، (ب) جمال یوسف از فقیر محمد اشفاق، صـ ۵ (ج) شاہ یوسف گردیز از حسن رضا گردیزی، صـ ۱۱۵۔

۲- اویسی کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اویسی وہ ہوتا ہے کہ جو قول و فعل اور اعتقاد میں سنت رسولؐ کی اتباع کرے۔ بعض کا خیال ہے کہ جو جناب خاتم النبوت والشریعۃ علیہ السلام کے باطن اقدس سے فیض پائے وہ اویسی ہوتا ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اویسی وہ ہوتا ہے جس کو حضرت خضرؑ سے فیض پہنچے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے — (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

پذیر ہوئے جہاں انہوں نے علوم اسلامیہ کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ شاہ یوسف گردیزی کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ کا ہاتھ تو تھا ہی لیکن اصل حصہ ان کے دادا کا تھا جنہوں نے آپ کو تمام روحانی مدارج طے کروائے۔ پھر آپ مختلف بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے کی خاطر ایران و توران اور روم و شام (بلخ، بخارا، سمرقند اور تاشقند) کے سفر پر روانہ ہوئے اور دورانِ سفر قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم کی تحصیل سے

"صاحبِ تصرفات ظاہر و باطنی، حامل محاسن صوری و معنوی قطب زمانہ اور وحید العصر بن گئے۔"(۱)

آپ ابھی سفر ہی میں تھے کہ والدِ محترم کی وفات کی اطلاع ملی۔ چنانچہ سفر ختم کر کے واپس چلے آئے ــــ اور یہاں آکر اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے ہی سے آپ سے محیر العقول کرامات سرزد ہونے لگیں۔ ۴۸۱ھ میں اپنے مرشد جناب شاہ علی قسور کے کہنے پر ملتان تشریف لائے (۲) اور یہاں باقاعدہ تدریس و تبلیغ شروع کی اور آخری وقت تک لوگوں کو اپنے فیض سے نوازتے رہے۔ سید یوسف گردیزی کی درس گاہ کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) (گلزار ابرار از محمد غوثی شطاری) اردو ترجمہ اذکار ابرار مترجم فضل احمد جیوری، صہ ۲۴، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔

۱۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۶۵ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

۲۔ آپ کے ملتان تشریف لانے کے بارے میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے دادا کے پاس چند مریدین حاضر ہوئے جن کا لڑکا بہت بیمار تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ دعائے صحت فرمائیں۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ راضی برضائے الٰہی رہیں۔ چنانچہ وہ لڑکا مر گیا اور اس کے ورثاء زور زور سے رونے لگے۔ حضرت شیخ یوسف کو رحم آیا اور اس کے لئے دعا فرمائی جس سے وہ لڑکا زندہ ہوگیا۔ آپ کے دادا اس بات سے ناراض ہوئے اور آپ کو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ملتان بھیج دیا۔

"جمال یوسف" میں لکھا ہے کہ حضرت باجازت اپنی والدہ عفیفہ کے ملتان میں تشریف لائے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "جمال یوسف" ترجمہ از فقیر محمد اشفاق حسن، صہ ۶، مطبع الٰہی آگرہ ۱۳۲۶ھ (حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی)

Marfat.com

بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

"یہ پہلی باقاعدہ درس گاہ تھی جو محمود غزنوی کے بعد ملتان میں اسلامی علوم کی ترویج کے لئے قائم ہوئی لیکن محمود غزنوی کے جانشینوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی" (۱)

شاہ یوسف جب ملتان تشریف لائے (۲) تو اس وقت یہ شہر موجودہ ملتان کے جنوب میں ریلوے لائن کے پار مائی پاک دامن کے مزار کے پاس آباد تھا۔ آپ نے سب سے پہلے یہاں کی بزرگ ہستی حضرت ملا موج دریا کے ہاں قیام فرمایا (کیونکہ ان کے مرشد کا یہی حکم تھا) کچھ عرصہ آپ نے ملا موج دریا کے پاس رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ جب خلقت کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگا تو آپ نے دریائے راوی کے کنارے رہائش اختیار کرلی اور وہاں اپنا حجرہ بنوایا (۳) آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی وہاں رہائش اختیار کرنے لگے۔ حضرت ملا موج نے شاہ یوسف گردیز کا بہت زیادہ ساتھ دیا اور تبلیغ کے کام میں ان کی مدد کی۔ لیکن وہ خود زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور انہیں ان کی خانقاہ میں جہاں وہ عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ (۴) دفن کر دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ملتان کی سرزمین اندرونی طور پر قرامطہ کی قہرسامانیوں اور

۱۔ بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" صہ ۵ ۔ از علامہ عتیق فکری مطبوعہ امروز ملتان، ۲۸ جولائی ۸۰ء

۲۔ جس حالت میں ملتان تشریف لاتے اس کے بارے میں بہت مشہور روایت ہے کہ آپ شیر پر سوار تھے اور سانپ کو کوڑے کی بجائے استعمال کر رہے تھے۔ اس مفہوم کا ایک شعر آپ کے مقبرے پر درج ہے

دانی سوار شیر کہ در دست مار کرد ۔۔۔ مخدوم شاہ یوسف ایں جا قرار کرد

حوالے کے لئے دیکھئے (۱) شاہ یوسف گردیز از حسن رضا گردیزی، صہ ۲۴ کاروان ادب ملتان، بار اول ۱۹۸۲ء (۲) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۲ (۳) جمال یوسف صہ ۱۶ (۴) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی صہ ۹۹

۳۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شاہ گردیز کا مزار اب بھی موجود ہے اور گردیزی خاندان کے بیشتر لوگ اسی جگہ آباد ہیں۔

۴۔ بحوالہ جمال یوسف، صہ ۲۴۔ حضرت موج دریا کے بارے میں تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ البتہ ایک پل موج دریا کے نام سے ان کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہے۔ ان کی خانقاہ سکھوں کے دور میں منہدم ہوگئی اور اب قبر کا نشان بھی مٹ چکا ہے۔ البتہ مسجد باقی ہے۔

Marfat.com

بیرونی طور پر غزنیوں کی تاخت و تاراج کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

"محمود غزنوی کے مسلسل حملوں نے پورے سندھ اور ہند میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ اس لئے عوام میں بد دلی اور بے چینی لازم تھی ـــــــ اس کے علاوہ خود قرامطہ نے بھی لوٹ مار شروع کر رکھی تھی اور محمود کے جانشینوں کی وجہ سے بھی ملتان لاہور اور سرحد کا علاقہ انتہائی انتشار کا شکار تھا ـــــــ ایسے دورِ فساد میں ملتان کی حالت کچھ اچھی نہیں تھی" (۱)

ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں لوگوں میں بے سکونی اور بد دلی کا پھیلنا بعید از قیاس نہیں۔ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو زوال آچکا تھا۔ ان حالات میں حضرت شاہ یوسف گردیز کی ملتان میں آمد باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ نے اپنے فیض باطنی سے لوگوں کے خشک اور ویران شدہ روحانی جذبوں کو سیراب کیا۔ عبادت و ریاضت کے ذریعے روحانیت اور وجدان کی اعلیٰ اقدار کا عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں میں اخلاقی استقامت پیدا کی اور ان میں کھویا ہوا انسانی وقار بحال کیا۔ ارض ملتان کے مطابق

"آپ کا سب سے زیادہ کارنامہ ملتان کی از سر نو آبادی اور بحالی ہے" (۲)

شیخ محمد اکرام نے حضرت شاہ یوسف گردیزی ملتانی کے مزار کو اُچ (ریاست بہاولپور) میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونی کے بعد ہندو پاکستان کی دوسری قدیم ترین زیارت گاہ قرار دیا ہے (۳)
اگرچہ ملتان کی سرزمین میں ان سے پہلے حضرت دیوان چاولی مشائخ (متوفی ۴۳۱ھ) کا نام آتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ باہر سے آنے والے بزرگوں میں حضرت شاہ یوسف گردیز پہلے صوفی تھے جو ملتان میں رشد و ہدایت کے لئے تشریف لائے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

"ملتان کی سرزمین پر تاریخی اعتبار سے باہر سے آنے والا پہلا عالم و صوفی جس نے

۱۔ بحوالہ "نقش ملتان" از علامہ عتیق فکری، صـ ۴۲۳، ۴۲۴۔ فکری اکیڈمی بشراکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان بار اول ۱۹۸۲ء

۲۔ ارض ملتان از اکرام الحق، صـ ۲۲۴، مطبوعہ شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام" وفاق پرنٹنگ پریس لاہور۔

۳۔ "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، صـ ۷۲ ـ ۷۳۔

Marfat.com

ملتان میں قیام کیا وہ سید یوسف گردیزی تھے۔"(۱)

ملتان میں آپ کی آمد ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء)(۲) بتائی جاتی ہے۔ یہ دور پوری اسلامی دنیا میں تصوف کے عروج کا دور تھا۔ حضرت شاہ یوسف گردیز کی آمد سے ملتان میں بھی تصوف کا ایک نیا دور شروع ہوا (۳) ــــ اگرچہ ملتان میں حالات سازگار نہ تھے لیکن یہ آپ کا سچا جذبہ اور عزم و حوصلہ تھا کہ جس کی بدولت آپ نے تبلیغ اسلام کے ذریعے نہ صرف ملتان سے قرامطہ فرقے کو مٹایا بلکہ بہت سے ہندوؤں کو بھی مسلمان کیا۔

علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں

"آپ نے (حضرت یوسف گردیز) بڑے خلوص کے ساتھ عوام کو درس دینا شروع کیا۔ عوام نے جب آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھا تو وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے ــــ سید یوسف گردیزی کی مقناطیسی شخصیت نے تھوڑے ہی عرصے میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور یوں ایک بار پھر ملتان اپنی پہلی رونق کی طرف لوٹ آیا ــــ ہر طرف آپ کی روحانیت اور علمیت کے چرچے نے غیر مسلموں کو بھی اپنی طرف راغب کر لیا ــــ بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح آپ نے اشاعتِ اسلام کے فریضے کو بڑے احسن طریقے سے انجام دیا اور تادم آخر اہل ملتان اور مضافات کے لوگوں کو آپ دینی اور روحانی تعلیم سے نوازتے رہے۔"(۴)

شاہ یوسف گردیز لوگوں سے کس زبان میں بات کرتے تھے یا انہیں کس زبان میں درس دیتے تھے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ۱۳۲۶ھ کے مطبوعہ رسالہ "جمال یوسف" صہ ۱۲ (جو ملتان کے

۱۔ بحوالہ "نقش ملتان" صہ ۴۲۴۔

۲۔ بحوالہ (۱) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۶۶، (۲) ارض ملتان صہ ۲۴۴۔ (۳) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۹۹، مکتبہ تنویر ادب ملتان، بار سوم ۱۹۸۴ء

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے پروفیسر محمد امین کا مضمون "تصوف اور ملتان" صہ ۱، مطبوعہ امروز ملتان نمبر۔

۴۔ نقش ملتان، صہ ۴۲۳ ــ ۴۲۴۔

Marfat.com

ایک ذاتی کتب خانے کے فارسی اور عربی قلمی نسخے کا اُردو ترجمہ ہے۔) سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بہت سی زبانیں جانتے تھے اور ہر ملک کے لوگوں سے انہیں کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے اس رسالے میں ایک شخص عبدالصمد سے روایت ہے کہ

"آپ ہر ملک کے آدمیوں سے خواہ ترک ہوں، خواہ رومی، خواہ ہندی، انہیں کی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ میں نے تعجب کیا اور دل میں کہا کہ آپ نے یہ زبانیں کہاں سے سیکھیں۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اگر قطب خدا یہ نہ جانے تو اس میں اور دوسروں میں کیا فرق ہے؟" (۱)

غرض شاہ یوسف گردیزی ملتان کے ابتدائی زمانے کے صوفیاء میں ایک خاص اہمیت کے حامل تھے۔ آپ نے دین و دنیا کی جو خدمات انجام دیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ انہوں نے ملتان کے مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار بحال کیا۔ ان میں ایمان و ایقان کا جذبہ پیدا کیا۔ ہزاروں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی قندیل روشن کی۔ ملتان کی بحالی از سرِ نو آبادی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے قرامطیوں کا قلع قمع کرنے میں ان کا خاصا حصہ ہے۔

حضرت شاہ یوسف گردیز ۲۱ سال کی عمر میں ملتان آئے تھے اور ۸۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ گویا ۵۰ برس تک آپ نے اہلِ ملتان کو اپنے علم و فضل اور روحانی کمالات سے فیض یاب کیا۔ وصال کے بعد ان کو خود ان کی وصیت کے مطابق اسی حجرے میں دفن کیا گیا جہاں وہ آخری وقت تک لوگوں کو تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کرتے رہے۔ آپ کی وفات ۱۴ ربیع الاول ۵۲۱/۱۱۳۶ء میں ہوئی۔(۲) حضرت شاہ گردیز کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے۔ زیادہ تر گردیزی سادات اس محلے میں زمانہ قدیم سے رہائش پذیر ہیں اور اپنے جدِ امجد کی طرح علم و فضل سے شغف رکھتے ہیں۔ اسی خاندان کا ذاتی کتب خانہ ملتان کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کتب خانہ کی بنیاد شاہ یوسف گردیز نے ہی رکھی تھی۔ علامہ

۱۔ رسالہ جمال یوسف، ترجمہ از فقیر محمد اشفاق حسن العلوم، صہ ۱۴، مطبع الٰہی آگرہ، کتب خانہ عابد ملتانی، بوہڑ گیٹ ملتان ۱۳۲۶ھ (حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے حاصل ہوا۔)

۲۔ بحوالہ "جمال یوسف" صہ ۲۸۔

Marfat.com

سید مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق

" حضرت شاہ یوسف نے کتب خانے کی بنیاد رکھ کر ملتان کو پہلی مرتبہ ایک خزانے سے آشنا کیا۔ ان کے خاندان میں کتب خانہ خصوصی امتیاز ہے۔"(۱)

حضرت شاہ گردیز کا مزار فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ حسن رضا گردیزی کے مطابق

" آپ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد حجرے کی پکی چار دیواری پر گنبد کے بغیر کاشی کی خوب صورت اینٹوں کا خوشنما روضہ بنایا گیا۔ یہ عمارت ساخت اور وضع کی خوبی کے لحاظ سے بہت دلکش ہے۔ بلکہ اس حسین اور نادر ساخت کی تعمیر کا نمونہ ولایت کے عجائب گھر میں موجود ہے۔"(۲)

سید اولاد علی گیلانی کے مطابق

" گرامویل روڈ لندن کے نزدیک ایک عالی شان عمارت کے اندر آثار قدیمہ ہندوستان کے بہترین نمونے انڈین کارنر میں بالترتیب آراستہ ہیں۔ ان نمونوں میں حضرت شاہ گردیز علیہ الرحمت کے مقبرہ مبارک کے نمونے کو سب سے پہلی جگہ دی گئی ہے۔ اس نمونے میں روضہ مبارک کی بیرونی دیواروں کے علاوہ سید مراد شاہ صاحب مرحوم گردیزی کی قبر معہ اشعار لوح بھی نمایاں طریق پر دکھائی گئی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ملتان کی مشہور عمارات میں سے صرف اسی عمارت کا نمونہ وہاں موجود ہے۔"(۳)

ارضِ ملتان میں لکھا ہے

" ملتان کے مزارات میں جو فن تعمیر کے عمدہ ترین مظاہر ہیں، منفرد اور سب سے قدیم شاہ یوسف گردیزی کا مزار ہے ــــــ اس کا نمونہ لندن انڈیا آفس کے ایک کونہ میں محفوظ ہے ــــــ یہ سادہ اور دلکش عمارت اس خاص فن تعمیر کا پیش خیمہ تھی۔ جس نے تقریباً ایک صدی بعد نہ صرف ملتان بلکہ ہندوستان

۱۔ بحوالہ " مقدمہ شاہ یوسف گردیز" از حسن رضا گردیزی، صـــ ۲۵۔

۲۔ بحوالہ " شاہ یوسف گردیز"، صـــ ۱۱۹۔

۳۔ بحوالہ " مرقع ملتان"، از اولاد علی گیلانی، صـــ ۲۱۷

Marfat.com

میں اسلامی ایرانی روایات کو روشن کیا اور منفرد، پُرشکوہ اور دیدہ زیب طرز تعمیر کی تکمیل کی۔ اسی سادہ سطح عمارات سے مسلمان معماروں نے عظیم قلعہ نما تخلیقات بنائیں۔ جن میں آڑے ستون، بلند محرابیں اور مدور گنبد استعمال کیے گئے۔"(۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر جان شیری کے حوالے سے مرقوم ہے کہ

"ملتان میں اینٹوں سے بنے ہوئے مقابر کا ایک سلسلہ ہے جو ۱۲۲۹ھ اور ۱۳۲۰ھ کے درمیان تعمیر ہوتے۔ مگر ان کے ساتھ ایک پیشرو عمارت (مقبرہ یوسف گردیزی) کو بھی شمار کر لینا چاہیئے۔ یہ ان اینٹوں سے بنتے ہیں جس کا رو روغنی نقش و نگار سے بنایا گیا ہے جو طریقہ متقیناً ایران سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس طرز تعمیر میں اینٹوں کو تراش کر کنار بہ کنار قوس میں اس طرح جوڑا گیا ہے جیسے صحیح مرکز سے پھوٹی ہوئی سطور کے نکات دائرہ میں منضبط ہو جاتے ہیں۔ یہ طرز شیخ بہاءالحق متوفی ۱۲۶۲ھ کے مقبرہ میں اور اس سے پہلے بھی شاہ یوسف گردیزی کے مقبرہ میں استعمال ہوئی "محرابیں" یا ڈاٹیں مقابلتاً ہموار قسم کی ہیں جو چودھویں صدی عیسوی میں یا اس کے بعد تمام شمالی ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔"(۲)

۳۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اگرچہ خواجہ معین الدین(۳) اجمیری کا شمار

۱۔ ارض ملتان، صہ ۱۳۳ - ۱۳۴

۲۔ ایضاً، صہ ۴۴

۳۔ کہا جاتا ہے کہ حضور نے خواجہ معین الدین کو خواب میں اپنے دین کا معین کہا تھا۔ روضہ اقطاب میں لکھا ہے کہ "شبے رسول علیہ السلام خواجہ را در خواب فرمود کہ اے معین تو معین دین من ہستی........ (بحوالہ روضہ اقطاب مصنفہ صاحبزادہ سید محمد بلاق صاحب یکے از ہمشیر زادگان حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء صہ ۳۳۔ مطبوعہ محب ہند واقع دریا گنج دہلی، طبع اول ۱۳۲۴ھ ——— یہ کتاب قطب الدین بختیار کاکی کی سوانح عمری ہے۔)

Marfat.com

ملتان کے صوفیاء میں نہیں ہوتا لیکن انہوں نے اپنی زندگی کے پانچ سال اس شہر میں گزارے اس لئے ان کے ذکر کے بغیر ملتان کے صوفیاء کی تاریخ ادھوری رہتی ہے۔

(خواجہ معین الدین چشتی اجمیری برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی، ثقافتی، روحانی، اخلاقی اور علمی و ادبی زندگی میں ایک تاریخ ساز شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے برصغیر کے منتشر مسلم معاشرے کو نئے سرے سے تعمیر کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ آپ کی پوری زندگی شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کرنے، لوگوں میں تزکیہ باطن پیدا کرنے، اخلاقِ حمیدہ کی تربیت دینے اور صدق و صفا کے جذبات ابھارنے میں گزری۔ آپ نے تصوف کو عوامی تحریک کی صورت دے کر لوگوں میں ایک فکری انقلاب پیدا کر دیا۔) بقول اعجاز الحق قدوسی

"حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ان عظیم المرتبت بزرگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے انسانیت کی بکھری ہوئی کاکلوں کو سنوارا اور دین و دنیا، مادیت اور روحانیت میں ایک عظیم توازن پیدا کیا اور معاشرے میں حسن اخلاق، تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کی شمع روشن کر کے احترام انسانیت کا درس دیا۔ آپ نے رشد و ہدایت کی جو جلیل القدر خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک جلی عنوان ہیں۔ (۱)

خواجہ معین الدین اجمیری ۵۳۰ھ[۲] میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور پرورش سنجار[۳] میں پائی جو سنجر

۱۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۲۲۔۱۲۳، مطبوعہ اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، طبع اوّل جنوری ۱۹۷۶ء

۲۔ خواجہ معین الدین کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وصال کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے مختلف کتابوں میں آپ کی تاریخ پیدائش کی تفصیل یوں ہے (۱) سیر العارفین، ص ۱، پر وحید احمد مسعود (مؤلف سوانح خواجہ معین الدین چشتی) کے حوالے سے اور "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۲۳، کے مطابق ۵۳۴ھ (۲) خواجہ غریب نواز، از ادارہ تصنیف و تالیف، ص ۱۳، پر ۵۳۶ھ (۳) گلزار ابرار، ص ۱۲۰، اور سفینۃ الاولیاء، از شہزادہ دارالشکوہ قادری، ص ۱۲۹، (ترجمہ محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی) پر ۵۲۷ھ لکھی ہے۔ لمعات خواجہ، ص ۱۲۹ میں ہندوستان کی سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق سن ولادت ۵۳۷ھ درج ہے۔ "وقائع شاہ معین الدین چشتی" (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے والد جناب خواجہ غیاث الدین حسن نہایت پرہیز گار اور نیک طبیعت انسان تھے۔ جن کا تعلق سادات حسینی سے بتایا جاتا ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال تھی کہ آپ کے والد نے وفات پائی۔ اس کے بعد آپ نے حصولِ علم[1] اور طلب حق کے لئے ۵۴۴ھ میں سمرقند اور بخارا کا سفر اختیار کیا اور وہاں ۵۵۰ھ تک قیام کیا۔ اس دوران میں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں بغداد، سمرقند اور بخارا اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے۔ یہاں آپ نے مولانا حسام الدین بخاری اور مولانا اشرف الدین جیسے مشہور عالموں سے علم حاصل کیا۔ یہاں سے آپ عراق، عرب سے ہوتے ہوئے ۵۵۲ھ میں قصبہ ہرون خواجہ عثمانؒ[2] ہارونی کی خدمت

(بقیہ گذشتہ صفحہ) میں معین الدین اجمیری کا سنہ ولادت ۵۳۷ھ لکھا ہے۔ اس کے مطابق "......سال تولد چہار صد و ہفتاد و یک و عمر ۹۱ نود و یک سال و سنہ وفاتش پنج صد و شصت و دو است" (بحوالہ "وقائع شاہ معین الدین چشتی"، صہ ۱۳، مطبع منشی نولکشور ۱۳۰۰ھ) لیکن ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے کافی تحقیق کے بعد ۵۳۰ھ بتائی ہے۔ ان کے ماخذات مرآت الاسرار (قلمی نسخہ رام پور لائبریری اور برٹش میوزیم) اقتباس الانوار اور مرآت الانساب جیسی کتابیں ہیں اور یہی سنہ پیدائش میرے خیال میں درست ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ "معین الہند" از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، صہ ۱۰، تاج پبلشرز، دہلی۔)

۳۔ سنجار اصفہان کے نزدیک ہے۔ آپ اصفہان میں پیدا ہوئے اور سنجار یا سنجر میں پرورش پائی بعض لوگ آپ کی جائے پیدائش سنجر بتاتے ہیں لیکن آپ اصفہان میں پیدا ہوئے ——— (بحوالہ "معین الہند" صہ ۱۶۔

۱۔ بحوالہ (۱) معین الہند، صہ ۲۳۔ (۲) سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب قادری صہ ۲، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۲۔ مجھے جناب حبیب فائق کی لائبریری سے سفینۃ الاولیاء (فارسی) کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے جسے یار محمد مرید حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید نے لکھا اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ کو مکمل ہوا۔ اس کتاب کے ۳۲۷ صفحات ہیں۔ اس کتاب میں صہ ۹۲، پر عثمان ہارونی سے خلافت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ سفینۃ الاولیاء، صہ ۹۲، کے مطابق "قطب وقت و یگانہ عصر بودہ اند..... قبر در مکہ معظمہ است ———

Marfat.com

میں پہنچے اور ان کے دست حق پر بیعت کی۔ تقریباً دو ڈھائی سال یہاں رہے اور ریاضت ومجاہدہ کی سخت کوشش کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا[1] ـــــ پھر بغداد تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی سے ملاقات ہوئی۔ بغداد سے آپ شام، کرمان اور وہاں سے ہندوستان تقریباً ۵۵۰ھ میں پہنچے[2]۔ اسی دوران میں مختلف جگہوں پر پھرتے رہے اور ہر جگہ فیوض باطنی کے حصول کے لئے بڑی ریاضت کی۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا زمانہ تصوف کے انتہائی ارتقاء کا زمانہ ہے جس قدر صوفیاء کرام ان دو صدیوں میں نظر آتے ہیں وہ کسی اور دَور میں نہیں ملتے۔ اس کی وجہ اس زمانے کے حالات ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری کی ہندوستان تشریف آوری بھی اسی زمانے اور حالات کی بدولت ہے۔ آپ کا ہندوستان تشریف لانا، اجمیر جیسے زبردست سیاسی ومذہبی مرکز میں قیام فرمانا، یہاں پر روحانی اور سماجی انقلاب لانا، یہ سب آپ کے بلند حوصلے اور زبردست قوتِ ارادی کی عکاسی ہے۔ جب خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لائے اس دور کی ہندوستان کی سماجی صورت حال خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھی،

> "ہر شخص نہ صرف" اسیرِ امتیاز ما و تو" بلکہ ایک دوسرے سے برسر پیکار اتحاد فکر و عمل کا کہیں دور، دور تک نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کیلئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے ان کی دردناک تصویر ابوالریحان البیرونی نے "کتاب الہند" میں پیش کی ہے۔ زندگی ان کے لئے بوجھ

۱۔ حوالہ کے لئے دیکھئے

(۱) معین الہند، ص ۳۰ (۲) سیر العارفین، ص ۳۔ (۳) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص ۲۵

(۴) سیر الاولیاء، ص ۵۱ ۔ اخبار الاخیار، ص ۵۵۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۱۲۸، اور سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے بیس برس تک عثمان ہارونی کی خدمت کی (بحوالہ سیر الاولیاء، تالیف سید محمد مبارک کرمانی "میر خورد" ترجمہ غلام احمد بریاں، الکتاب، لاہور ۱۹۸۲ء)

۲۔ بحوالہ "معین الہند" ص ۲۷۔

Marfat.com

تھی۔ اللہ نے انہیں آدمی بنایا تھا، لیکن اس کے بندوں نے انہیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔" (۱)

اعجاز الحق قدوسی کے الفاظ میں

"آپ کے تشریف لانے سے قبل ہندوستان میں عقائد و فکر کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ صحیح فکر اور صحیح عقیدہ سے محروم تھے۔ طبقاتی تفاوت اور ذات پات نے تمدنی زندگی کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ غریبوں کے لئے زندگی ایک بوجھ تھی۔" (۲)

آگے چل کر سیر الاولیاء (عربی) کے حوالے سے اس دور کی تاریکیوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے

آپ کی تشریف آوری سے قبل سارے ہندوستان میں کفر و بُت پرستی کا رواج تھا۔ اور ہندوستان کا ہر شخص سرکشی اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدائے عزوجل کا شریک ٹھہراتے تھے اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت، چوپائے، گائے اور ان کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے قفل اور بھی تاریک اور مضبوط ہو رہے تھے۔" (۳)

ایسے حالات میں خواجہ معین الدین اجمیری ان کے لئے ایسے دین کا پیغام لائے جس میں ذات پات، چھوت چھات اور طبقاتی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں تھی جہاں فضیلت صرف اس شخص کے لئے تھی جو تقویٰ میں دوسروں سے افضل تھا۔ آپ نے یہ سب کچھ صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر پیش کیا۔ خلیق احمد نظامی کے بقول

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ "توحید" عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز

۱۔ تاریخ مشائخ چشت از علامہ خلیق احمد، صہ ۱۴۴، دار المؤلفین اسلام آباد (۲) "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، صہ ۱۲۷، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول، جنوری ۱۹۷۶ء

۲۔ "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، صہ ۱۲۷، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول، جنوری ۱۹۷۶ء

۳۔ ——— ایضاً ——— صہ ۱۲۷

Marfat.com

نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان ـــــ اس اعلان کو سُن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔" (۱)

خواجہ معین الدین اجمیری کی تبلیغ کے اثر نے پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے مطابق

"لوگوں میں نئی مذہبی حس بیدار کر دی۔ ان میں ایمان پیدا کیا۔ ان کے فکر کو نئی زندگی اور نئی قوت بخشی۔ جس نے ذہنی ترقی اور فلاح عمومی کا ایک نیا باب شمالی ہند میں کھول دیا۔" (۲)

خواجہ صاحب نے دینِ حق کی تبلیغ کی خاطر مختلف ممالک کا سفر اختیار کیا۔ چنانچہ تبریز، خرقان، ہرات اور سبزہ وار (افغانستان) سے ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۵۶۱ھ بمطابق ۱۱۶۵ء کو ملتان تشریف لائے (۳) ـــــ ملتان میں ان کی آمد کا ایک مقصد ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق یہ تھا کہ

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری لاہور سے ہندوستان کی طرف جانے لگے تو انہیں ایسی زبان سیکھنے کی ضرورت درپیش آئی جو اُن کے فریضۂ تبلیغ اسلام میں معاون ثابت ہو سکتی اور جو ہر بڑے مقام پر بولی اور سمجھی جاتی۔

۱۔ "تاریخ مشائخ چشت"، صہ ۱۴۵

۲۔ بحوالہ "مقالات دینی و علمی" جلد اوّل، از پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، صہ ۲۵۷، مزدور پرنٹنگ پریس، لاہور۔

۳۔ بحوالہ (۱) معین الہند، صہ ۲۹، (۲) خواجہ صاحب ملتان تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب شہاب الدین غوری ہندوستان فتح کرنے کے لئے ہندوستان پر حملے کر رہا تھا۔ آخر کار ۵۷۲ھ میں اس نے ملتان اور اُچ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور علی کرماج کو یہاں کا حاکم بنایا گیا۔ شہاب الدین غوری دوبارہ ملتان ۵۷۴ھ میں ملتان آیا اور یہاں سے گجرات کی طرف چلا۔ ۵۸۸ھ میں جب شہاب الدین غوری اجمیر فتح کرنے کیلئے ہندوستان آیا تو ملتان کے راستے لاہور ہوتا ہوا اجمیر کیطرف چلا گیا تھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ فرشتہ" جلد اوّل از محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحی خواجہ، صہ ۲۱۷-۲۱۸-۲۲۴، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

Marfat.com

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ ملتان تشریف لے گئے۔"(۱)

خواجہ معین الدین چشتی نے پانچ سال (۲) تک ملتان میں قیام فرمایا۔ قیام ملتان کے دوران انہوں نے یہاں کے عوام کی بولی بھی سیکھی، بقول شیخ اکرام

"لاہور سے (بقول بعض تذکرہ نگاران) آپ ملتان تشریف لے گئے جہاں آپ نے طویل قیام کر کے ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔"(۳)

اس ہندوستانی زبان کے بارے میں علامہ عتیق فکری یوں اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں،

"ملتان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے عوامی زبان کو تبلیغ اسلام کی خاطر ملتان ہی سے حاصل کیا۔ اس سے یہاں کی عوامی زبان (جو قدیم سرائیکی کے سوا اور کون سی ہو سکتی ہے) اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ راجپوتانہ اور شمالی ہند میں سمجھی جاتی ہوگی۔"(۴)

معین الدین احمد چشتی اسے سنسکرت اور پراکرت زبان بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں،

"——— اولاً آپ برار قلعہ شادمان ملتان میں رونق افروز ہوئے۔ یہاں آپ نے کچھ عرصہ (تقریباً پانچ سال) قیام کر کے سنسکرت و پراکرت پر عبور حاصل کیا۔"(۵)

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں،

۱۔ بحوالہ "سرائیکی زبان اور اس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۳۲، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، اشاعت اوّل ۱۹۷۷ء

۲۔ ملاحظہ فرمائیے (۱) "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۲۶۔ (۲) لمعات خواجہ از معین احمد، ص ۱۶۷۔ (۳) "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" از قاضی جاوید، ص ۱۸، ادارہ ثقافت پاکستان لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۷ء

۳۔ بحوالہ "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص ۲۰۲

۴۔ بحوالہ "نقش ملتان" از علامہ عتیق فکری، ص ۲۴۴۔ مطبوعہ فکری اکیڈمی بشراکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان، بار اوّل، جنوری ۱۹۸۲ء

۵۔ لمعات خواجہ از معین الدین، ص ۱۶۷، مطبوعہ معین الادب کراچی، طبع اوّل، جون ۱۹۷۸ء

Marfat.com

"پھر لاہور سے ملتان تشریف لاتے اور یہاں پانچ سال رہ کر ہندوؤں کی زبان سیکھی اور اس طرح آپ نے اسی برصغیر میں سب سے پہلے لسانی عصبیت پر ضرب کاری لگائی اور اپنے طرزِ عمل سے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہر زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ کسی زبان سے تعصب برتنا یا علاقائی عصبیت پر اس کا نہ سیکھنا ابلاغ کے ایک بڑے ذریعہ سے محرومی ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ لسانی عصبیت، محبت یگانگت اور احترام انسانیت کے گلشن کو سرسبز نہیں ہونے دیتی اور معاشرے میں ایک ایسا بگاڑ رونما کرتی ہے کہ وہ قومی وحدت اور سالمیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔"(۱)

گویا خواجہ معین الدین اجمیری صوفیاء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے زبان کو قومی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا اور زبان کو وسیلہ بنا کر رشد و ہدایت اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

اُردو کے ابتدائی مربوط جملوں کے سلسلے میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں ان میں بھی خواجہ معین الدین اجمیری کا نام بڑا اہم ہے۔ کیونکہ اشاعتِ دین کے لئے عوام اور عوام سے رابطہ کیلئے عوام کی زبان میں ہی گفتگو کی جاسکتی ہے تاکہ صحیح طور پر تعلیم و تلقین ہو سکے۔ ظاہر ہے عوام کو بات سمجھانے کے لئے جب تک ان کی زبان سے واقفیت نہیں ہوگی کیسے بات سمجھائی جاسکتی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے نہ صرف زبان سے واقفیت حاصل کی بلکہ زبان کے اہم مراکز میں رہ کر اس زبان کا صحیح شعور بھی حاصل کیا جو عوام میں بولی اور سمجھی جاتی تھی چنانچہ ملتان میں ان کے قیام کا ایک بڑا مقصد اس عوامی زبان میں مہارت حاصل کرنا بھی تھا جو نہ صرف اس علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی بلکہ یہ دوسرے علاقوں میں بھی عوام میں ذریعہ اظہار تھی۔ چنانچہ اس زبان کو سیکھنے کے بعد خواجہ معین الدین دہلی اور اجمیر تشریف لے گئے اور اس زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔

اُردو کے ابتدائی جملوں میں خواجہ معین الدین اجمیری کا ذکر ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ کی کتاب "اکھروتی" کی شارح سے اس طرح کرتے ہیں

"—— اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی تکلم نہ کردہ، زیرا کہ جملہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص نہ بودہ۔ بس بہر ملک کہ بودہ زبان آں ملک رابکار بردہ اند و گمان

۱۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" صـ ۱۲۶۔

Marfat.com

نکند کہ ہیچ اولیاء اللہ بہ زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیرا کہ اوّل از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب خواجہ بزرگ معین الحق والملّتہ والدین قدس اللہ سرہ بدیں زبان سخن فرمودہ ؎ (۱)

اگرچہ خواجہ صاحب کا ہندی زبان میں کوئی قول نہیں ملتا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہاں کے لوگوں سے ان کی زبان ہی میں گفتگو کی ہوگی۔ پھر ان کا پیشہ بھی طب تھا جس کی وجہ سے ہر قسم کے مریضوں سے ان کا واسطہ رہتا تھا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ قیاس ظاہر کرتی ہیں کہ

"ان کے حالاتِ زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کا پیشہ طب تھا۔ یعنی ان کو رات دن عوام سے سابقہ رہتا تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ خواجہ صاحب ہندوستانی مریضوں سے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرتے فرماتے تھے" (۲)

ملتان کے لئے ان کا سفر اور قیام اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ نے عوام کی زبان سیکھی تاکہ اس میں گفتگو کر سکیں۔ آپ کی تصنیفات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ انیس الارواح ــــــ اس کتاب میں آپ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہرونی کے ارشادات کو جمع کیا ہے۔ آپ جو کچھ مجلس میں فرماتے خواجہ صاحب اسے لکھ لیتے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔

۲۔ کشف الاسرار ــــــ اسے "معراج الانوار" بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب تصوف پر ہے۔

۳۔ کنجل اسرار (۳) ــــــ اسے گنج اسرار بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے خواجہ عثمان ہرونی

۱۔ "اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ" از ڈاکٹر مولوی عبدالحق، صـ ۸، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان، بابائے اُردو روڈ کراچی نمبر ۱، اشاعت چہارم ۱۹۷۷ء

۲۔ "اُردو نثر کا آغاز، ارتقاء (۱۹ویں صدی کے اوائل تک)" ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، صـ ۲۵، مطبوعہ کریم سنز پبلشرز، کراچی، طباعت اوّل ۱۹۷۸ء، تھیسز برائے پی ایچ ڈی (جامعہ عثمانیہ، بھارت)

۳۔ "خواجہ غریب نواز" از ادارہ تصنیف و تالیف مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور، اشاعت سوم، ۷۸ء صـ ۱۰۰، پر معین الدین اجمیری کی اس کتاب کا نام "گنج الاسرار" بتایا گیا ہے جس کا اُردو ترجمہ "مخزن الاسرار" کے نام سے چھپا ہے۔

Marfat.com

کے کہنے پر سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تلقین کے لئے لکھی تھی جس میں تصوف کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ آپ نے سلطان التمش کو اس کتاب کی تعلیم دینے کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا

۴۔ رسالہ تصوف منظوم —— یہ کتاب آپ کے بلند افکار اور طرز شاعری کی آئینہ دار ہے۔

۵۔ رسالہ آفاق والنفس —— اس میں تصوف کے چند نکات پر بحث ہے۔

۶۔ حدیث المعارف —— یہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔

۷۔ رسالہ موجودیہ —— یہ کتاب بھی نادر الوجود ہے۔(۱)

۸۔ دیوان معین یا دیوان خواجہ کے نام سے فارسی کا ایک دیوان بھی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دیوان صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔ غزلوں کی تعداد ۱۲۱ ہے[۲] ان غزلوں میں تصوف کے مضامین باندھے گئے ہیں۔ سب سے پہلے اس دیوان کو مطبع نولکشور نے ۱۲۸۸ھ میں بمطابق ۱۸۷۱ء شائع کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری کا نہیں بلکہ مولانا معین الدین ہروی کا ہے[۳] —— لیکن کچھ لوگ اسے خواجہ معین الدین اجمیری کے نام سے منسوب کرتے ہیں[۴] —— غزلیات میں کہیں کہیں ہندی کا رنگ بھی جھلکتا ہے

ان کے علاوہ آپ کی کتابیں ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خواجہ صاحب ان کتابوں کے ساتھ ساتھ مجلس میں تعلیم و تلقین بھی کرتے تھے۔ یہ موضوعات زیادہ تر پیر کی خدمت، پاکیزگی، طہارت نماز، محبت میں صداقت، قہقہہ اور لہو و لعب کی مذمت، گریہ و زاری، قبرستان کے آداب، قلب کی اصلاح، رشد و ہدایت کی ضرورت، اطاعت خداوندی اور قرآن پاک کی مختلف سورتوں

۱۔ خواجہ صاحب کی تصنیفات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے

(الف) معین الہند، صہ ۱۱۱ تا ۱۱۶۔ (ب) خواجہ غریب نواز، صہ ۱۰۰ تا ۱۰۱

۲۔ ملاحظہ فرمایئے، دیوان خواجہ غریب نواز (لمعات خواجہ) صہ ۲۸۵ تا ۵۰۶، مطبوعہ معین الادب کراچی، لمعات طبع اوّل، جون ۱۹۷۸ء

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) مقالات شیرانی از حافظ محمود شیرانی، مطبوعہ کتاب منزل لاہور (ب) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۰۹ - ۲۰۸ - (ج) خواجہ غریب نواز، صہ ۱۰۱ -

۴۔ ملاحظہ فرمایئے "لمعات خواجہ"، صہ ۲۸۱ تا ۲۸۴ -

Marfat.com

کی اہمیت سے متعلق ہوتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کو آپ کے مرید قطب الدین بختیار کاکی نے "دلیل العارفین" کے نام سے اکٹھا کیا۔ آپ نے قطب الدین بختیار کاکی کو جو خطوط لکھے تھے وہ بھی "اسرار الواصلین" کی صورت میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ ان میں بھی تصوف کے نکات پر بحث ملتی ہے۔"[1]

آپ کے خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد خواجہ حمید الدین ناگوری کا نام آتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے بے شمار خلفاء ہیں۔

خواجہ معین اجمیری کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس سال خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ہوئی۔ آپ کا انتقال بھی چند ماہ کے بعد اسی سال ہوا۔ اور یہ سال ۶۔ رجب ۶۳۳ھ ہے۔"[2]

خواجہ معین الدین چشتی کی تعلیمات میں انسان دوستی، محبت و اخلاص، اخوت و مساوات عدل و انصاف، مظلوم کی حمایت، بے غرض خدمت اور نفرت و تعصب سے ماورا سماج کے قیام کا تصور شامل ہے۔ وہ ظاہری عبادات سے زیادہ انسان کی بے لوث خدمت کو ترجیح دیتے تھے۔ گویا وہ حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کے قائل تھے۔ فنون لطیفہ میں موسیقی کو بہت اہمیت دیتے

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "معین الہند" صہ ۱۵۶ تا ۱۶۴۔

۲۔ حوالے کے لئے دیکھئے (۱) آب کوثر، صہ ۲۰۸۔ (۲) اخبار الاخیار، از عبد الحق محدث دہلوی (اُردو ترجمہ) صہ ۶۲-۶۱۔ (۳) خواجہ غریب نواز، صہ ۶۸۔ (۴) گلزار ابرار، از محمد غوثی شطاری (اُردو ترجمہ) صہ ۲۹۔ (۵) سیر العارفین (حاشیہ) صہ ۲۰۔ (۶) تذکرہ خواجہ معین الدین اجمیری، مؤلفہ حضرت مولانا معین الدین، صہ ۲۱ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور (۷) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۴۴۔ ان سب کتابوں میں خواجہ معین الدین اجمیری کا سنہ وفات ۶۳۳ھ دیا گیا ہے۔ جبکہ "معین الہند" کے مصنف مسالک السالکین، جلد دوم صہ ۲۵۵ کے حوالے سے ۶۲۷ھ لکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ۶۳۲ھ اور ۶۳۳ھ سنہ وفات کے بارے میں بھی اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ بہر حال زیادہ تر مصنفین کا اتفاق ۶۳۳ھ پر ہے۔ مرآت الاسرار میں صہ ۵۱ پر ۶۳۲ھ ہے۔

Marfat.com

تھے۔ سماع سے انہیں خاص رغبت تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں سماع کی محفلوں کو رواج دینے میں حضرت معین الدین اجمیری کا خاص ہاتھ ہے۔ قاضی جاوید کے مطابق

"خواجہ معین الدین چشتی موسیقی کو روحانی ارتقاء کے لئے ناگزیر[ل] تصور کرتے ہیں۔ ان کا رویہ سید علی ہجویری سے مماثلت رکھتا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں وہ اس امر پر خاص طور پر زور دیتے ہیں کہ غیر روحانی مقاصد کے لئے موسیقی کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔"[1]

قطب الدین بختیار کاکی اوشی

اپنے مرشد حضرت معین الدین اجمیری کی طرح قطب الدین بختیار کاکی بھی عارضی قیام کی خاطر ملتان تشریف لائے۔ خواجہ معین الدین اجمیری کے نامور خلیفہ قطب الدین بختیار کاکی ۵۶۹[2] ھ میں مقام اوش میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام بختیار لقب کاکی[3] اور خطاب قطب الاقطاب تھا۔ جو ان کے مرشد معین الدین اجمیری کا عطا کردہ تھا ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے معلم ابو حفص سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۵۸۲ ھ میں بغداد میں معین الدین اجمیری سے بیعت کی[4]۔ جب خواجہ معین الدین اجمیر سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے تو

ل۔ انیس الارواح میں اس کی سختی سے مخالفت درج ہے۔

۱۔ بحوالہ "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" صہ ۱۹

۲۔ بحوالہ (۱) دلی کے بائیس خواجہ، از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، صہ ۱۷، مطبوعہ پبلشرز دہلی۔ (۲) قطب صاحب کی تاریخ ولادت "اخبار الاخیار" صہ ۵۹ میں ۵۰۵ ھ درج ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے اس لئے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۳۳ ھ ہے۔ اگر ۵۰۵ ھ کو درست مان لیں تو آپ کی عمر ۱۲۸ سال بنتی ہے جو درست نہیں ہے۔ اس لئے ۵۶۹ ھ ہی ٹھیک ہے۔ (۳) اردو نثر کا ارتقاء، صہ ۲۵، پر ۶۸۲ ھ اور خواجہ غریب نواز، صہ ۷۵، پر ۵۴۸ ھ درج ہے۔

۳۔ کاکی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی میں رہتے تھے تو عبادت میں مصروف رہتے تھے اور کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ جب گھر میں فاقہ زیادہ ہوتا تو آپ کی بیوی ہمسائے سے ادھار لے آتی۔ ایک دن ہمسائے کی بیوی نے کہا کہ اگر ہم نہ ہوتے تو تم کہاں سے ادھار لیتیں۔ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

قطب صاحب بھی ان سے ملاقات کے لئے ہندوستان چلے آئے اور پہلے ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں ملتان تشریف لائے۔ ان دنوں ملتان بقول ظہور الحسن شارب

"علم و فن کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے عالم یہاں رہتے تھے۔ لوگ دور دراز سے تحصیل علم کی غرض سے ملتان آتے تھے۔"(۱)

جب خواجہ بختیار کاکی ملتان تشریف لائے تو انہی دنوں بابا فرید گنج شکر بھی حصول علم کی خاطر ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز بختیار کاکی وہاں تشریف لے گئے تو بابا فرید گنج شکر کتاب "نافع" کے مطالعے میں مصروف تھے۔ خواجہ قطب سے ملاقات ہوئی تو آپ بہت متاثر ہوئے اور ان کے قیام ملتان کے دوران ہی میں ان کے دست حق پر بیعت کرلی (۲)۔۔۔ ملتان میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ بابا فرید نے آپ کے ساتھ جانا چاہا۔ لیکن آپ انہیں تعلیم مکمل کرنے کی تلقین کرکے ملتان سے رخصت ہوئے۔ بختیار کاکی کافی عرصہ دہلی میں رہے۔ اسی دوران اپنی والدہ محترمہ سے ملنے ۶۰۲ھ میں اوش اور پھر وہاں سے

(بقیہ گذشتہ صفحہ)۔۔۔ آپ کی بیوی نے آپ کو بتایا تو آپ نے قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جب ضرورت ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر حجرہ کے طاق سے روٹیاں اٹھالی جائیں ان روٹیوں کو "کاک" کہتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) دلی کے بائیس خواجہ، صـ۳۷ تا ۴۰۔ (۲) سیر العارفین، صـ ۲۱ ۔ ۲۲۔ (۳) سفینۃ الاولیاء، صـ ۱۳۰۔ (۴) مرات الاسرار (جلد دوم) صـ ۱۳۲۔ (۵) سیر الاولیاء، صـ ۵۵ (۶) اخبار الاخیار، صـ ۶۰۔

۴۔ (الف) "تذکرہ خواجگان چشت" میں لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں بیعت کی۔ بحوالہ تذکرہ خواجگان چشت، اردو ترجمہ سیر الاقطاب، صـ ۱۰۷۔ مصنف حضرت الہدایہ ابن شیخ عبدالرحیم، مترجم محمد معین الدین دردائی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی۔

(ب) "سیر الاولیاء" میں صـ ۵۴۔ پر بیعت کا سنہ ۵۲۳ھ درج ہے جو درست نہیں ہے۔

۱۔ بحوالہ "دلی کے بائیس خواجہ" صـ ۲۹۔

۲۔ (الف) "دلی کے بائیس خواجہ" صـ ۳۱ (ب) سیر الاولیاء، صـ ۶۸۔

Marfat.com

بغداد گئے۔ بغداد میں آپ کو حضرت جلال الدین تبریزی سے معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان تشریف لے گئے ہیں اور دہلی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ سُن کر آپ شیخ جلال الدین تبریزی کے ہمراہ پھر ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے اور راستے میں پھر ۶۱۱ھ میں جلال الدین تبریزی کے ہمراہ ملتان میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ اس زمانے میں ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور قباچہ بیگ ملتان کا حاکم تھا۔ بزم مملوکیہ میں لکھا ہے کہ ۶۲۱ھ میں چنگیز خانیوں نے سندھ پر یورشن کی تو بڑھتے ہوئے قباچہ کے دارالسلطنت ملتان تک پہنچ گئے۔ سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے۔ قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو، پھر قدرت الٰہی کا تماشا دیکھو۔ دوسرے دن قباچہ نے ایسے ہی کیا اور اس کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی[۱]۔ فوائد الفواد میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"وقتی شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین در ملتان بودند لشکر کافری زیر پای ملتان آمد والیٔ ملتان قباچہ بود شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ المبارک شبی، تیری بدست قباچہ داد و گفت این تیر را عمیاء جانب کافر بفرست۔ قباچہ ہم چناں کرد چوں روز شد یکتن از کافر ناند ہمہ رفتہ بودند۔"[۲]

۱۔ بحوالہ "بزم مملوکیہ" مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمان، صفحہ ۳۶، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۴ء، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) نقش ملتان، از علامہ عتیق فکری، صفحہ ۴۳۸۔ (ب) سیر العارفین (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۵، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۲۔ بحوالہ "فوائد الفواد" (فارسی) جلد سوم، مرتب حضرت امیر حسن علاء سنجری المعروف بہ حسن دہلوی، صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ

Marfat.com

جب بختیار کاکی اور جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ نے انہیں ملتان میں روکنے کی بہت کوشش کی۔ بختیار کاکی نے فرمایا کہ جلال الدین غزنی جائیں گے اور وہ خود دہلی، ملتان کی سرزمین پر بہاء الدین زکریا کا تصرف اور سایہ کافی ہے[1] — ملتان سے خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور اپنے مرشد (معین الدین اجمیری) کے حکم سے کیلوکھڑی کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ مقام شہر سے کافی فاصلے پر تھا اور لوگوں کو آنے جانے میں تکلیف رہتی تھی۔ اس لئے آپ سلطان شمس الدین التمش کی درخواست پر پہلے مہرولی میں رہے۔ کچھ عرصہ قاضی حمید الدین ناگوری کے ہاں گزارا اور آخر اعزالدین کے قریب رہائش اختیار کرلی۔

جن دنوں خواجہ صاحب دہلی میں مقیم تھے۔ سلطان شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ تھا اور حضرت جمال الدین محمد لبسطامی شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے انتقال کے بعد التمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے التجا کی کہ وہ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کرلیں لیکن آپ نے انکار کردیا۔ آخر شیخ الاسلام کا عہدہ نجم الدین صغریٰ کے سپرد ہوا[2] — دہلی میں خواجہ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ لوگ ان کی صحبت میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ جس سے نجم الدین صغریٰ کو حسد پیدا ہوا[3] — چنانچہ جب خواجہ معین الدین اجمیری صاحب دہلی تشریف لائے تو آپ ان سے ملنے کے لئے نہ گئے۔ خواجہ معین الدین کو رنج ہوا تو آپ خود ملنے چلے آئے۔ لیکن شیخ الاسلام سردمہری سے ملے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) سیر الاولیاء، صہ ۵۰۔ (ب) دلی کے بائیس خواجہ، صہ ۳۵۔ (ج) ترجمہ تاریخ فرشتہ (اُردو) جلد دوم، صہ ۷۵، مطبع نامی گرامی منشی نولکشور (د) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ، سیر الاقطاب، صہ ۱۷۳۔ (ر) سیر العارفین (اُردو ترجمہ) صہ ۴۸۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) سیر العارفین صہ ۲۸-۲۷ (ب) دلی کے ۲۲ خواجہ، صہ ۳۸-۳۷۔

۳۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق — "شیخ نجم الدین صغریٰ — ایک باخدا بزرگ تھے اور حضرت خواجہ بختیار کاکی سے ان کی نہ بن سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ خواجہ صاحب کو سماع کا شوق تھا۔ اور شیخ الاسلام اس پر اعتراض کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کو یہ بھی ناگوار تھا کہ لوگ خواجہ صاحب کا ادب مجھ سے زیادہ کرتے تھے۔" (بحوالہ "آبِ کوثر" صہ ۲۱۴)

۴۔ سیر الاولیاء، صہ ۶۱۔

Marfat.com

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی کی شہرت نے تمہارے دماغ کو برہم کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ حضرت میں تو آپ کا ویسا ہی مخلص اور بے ریا معتقد ہوں جیسا بیشتر تھا۔ لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید رکھ چھوڑا ہے جس کے مقابلہ میں میری شیخ الاسلامی کوئی شخص جَو کی مقدار بھی شمار میں نہیں لاتا۔" (۱)

خواجہ صاحب نے یہ سُن کر فرمایا کہ وہ بختیار کاکی کو اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں گے۔ لیکن یہ خبر سُن کر سلطان التمش اور دہلی کے باقی لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے ان کی آزردگی کے پیش نظر قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سماع (۲) کے بہت شوقین تھے۔ چنانچہ دہلی میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ مل کر سماع سنتے رہتے۔ ابتدائی زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری نے سماع سننے سے منع کیا۔ لیکن آپ نے انہیں کہلوا بھیجا،

"اے سنگ دل! تو سماع کا مرتبہ کیا جانے۔ تیرے لئے یہ حرام ہے لیکن ہمارے لئے یہ مباح ہے۔ یہ اللہ کی خاص نعمت ہے جو ہر شخص کو عطا نہیں ہوتی۔ جس کو یہ نعمتِ عظیم عطا ہوتی ہے وہی اس کی قدر جانتا ہے۔" (۳)

سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں بھی شہر کے قاضی اور مفتی نے سماع سننے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی لیکن قائل نہ کر سکے (۴)۔ سماع سے آپ کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی (۵)۔ سماع کے دوران آپ پر وجد طاری رہتا، بے خود ہو جاتے۔ بعض اوقات تو کئی کئی دن بے ہوش رہتے لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا اور آپ نماز ادا کرتے۔ خواجہ صاحب کی سماع

۱۔ سیر الاولیاء، صـ ۶۱۔

۲۔ سماع کے جواز اور طریق سے متعلق ملاحظہ ہو، علی الہجویری لاہوری کی کتاب "کشف المحجوب"۔

۳۔ بحوالہ، تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیر الاقطاب، صـ ۱۷۶۔

۴۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (۱) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیر الاقطاب، صـ ۱۷۹ - ۱۷۷

۵۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے، روضۃ اقطاب، صـ ۶۲، مصنفہ صاحبزادہ سید محمد بلاق، مطبع محب ہند دہلی ۱۳۱۲ھ

Marfat.com

سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی وفات بھی اسی عالم میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سماع کی محفل میں قوال نے شیخ احمد جام کا یہ شعر پڑھا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(ترجمہ: خنجرِ تسلیم و رضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔)

خواجہ صاحب پر اس شعر کا اتنا اثر ہوا کہ چار روز عالمِ تحیّر میں رہے اور پانچویں روز چودہ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) کو اسی عالم میں وفات پا گئے۔[1] خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ وہی شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور عصر کی سنت و پہلی تکبیر کبھی نہ چھوڑے ہوں۔ ایسا شخص ملنا مشکل تھا۔ آخر سلطان التمش آگے بڑھے اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری حالت کسی پر ظاہر ہو لیکن اب مجبوری ہے۔ چنانچہ انہوں نے نماز

۱۔ (۱) فوائد الفواد (اُردو) صہ ۲۹۱ ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، مطبوعہ علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اول ۱۹۷۲ء (۱۳۹۲ھ)۔ (۲) سفینۃ الاولیاء (فارسی) صہ ۹۶۔ (۳) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۱۴۴۔ (۴) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی، صہ ۱۷۱، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۳۰۱ھ میں ۱۴، ربیع الاوّل ۶۳۴ھ (۵) تذکرہ خواجگانِ چشت، صہ ۱۲۸، پر ۱۴، ربیع الاوّل ۶۳۵ھ (۶) مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۱۲۵، اخبار الاخیار صہ ۶۱، سیر الاولیاء صہ ۶۳، سیر العارفین، صہ ۱۴ اور دلی کے بائیس خواجہ، صہ ۵۲، پر آپ کی تاریخ وفات ۱۴، ربیع الاوّل ۶۳۳ھ ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ

"قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بیان کرتے تھے کہ جس سنہ میں سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا اور اسی سال شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس دار ناپائیدار سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا۔ نیز اسی سنہ میں مولانا قطب الدین کاشانی نے بھی وفات پائی۔ اس نقل سے حضرت سلطان المشائخ نے سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ انتقال نکالی اور یہی تاریخ بیت ارشاد فرمائی۔

"بسال ششصد و سی و سہ (۶۳۳ھ) بود از ہجرت نماند شاہجہان شمس دین عالمگیر، لیکن شیخ الاسلام قطب الدین قدس سرہ کا انتقال ۱۴ ربیع الاوّل سنہ مذکور کو واقع ہوا ہے۔" (سیر الاولیاء، صہ ۶۳)

Marfat.com

جنازہ پڑھائی اور آپ کو اسی جگہ دفن کیا جو زمین آپ اپنی قبر کے واسطے خرید فرما گئے تھے۔(۱)

آپ کے بہت سے خلفاء ہیں جنہوں نے آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھایا۔ ان میں سرفہرست فریدالدین مسعود گنج شکر ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ بدرالدین موئے تاب، شیخ نجم الدین قلندر، مولانا برہان الدین حلوائی، مولانا فخرالدین حلوائی، شیخ ضیاء رومی، شیخ برہان الدین بلخی وغیرہ مشہور ہیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علمی ذوق بھی رکھتے تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ دلیل العارفین — اس کتاب میں آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات اکٹھے کئے ہیں۔

۲۔ زبدۃ الحقائق — یہ کتاب شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تفصیل ملتی ہے۔

۳۔ رسالہ — اس نام سے آپ نے ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔

خواجہ صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے۔ ایک مثنوی آپ سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک فارسی کا دیوان آپ کے نام سے منسوب ہے۔ جس میں آپ نے "قطب الدین" اور "قطب دین" کا تخلص استعمال کیا ہے۔ (۲)

خواجہ صاحب کی تعلیمات کو ان کے مرید فریدالدین گنج شکر نے "فوائد السالکین" کے نام سے کتاب میں جمع کیا ہے۔ آپ کی تعلیمات میں خصوصاً ان باتوں پر زور دیا گیا ہے کہ مرشد کو کامل ہونا چاہیئے کہ جب کوئی مرید بیعت کے لئے اس کے سامنے حاضر ہو تو وہ اس کے دل سے تمام دنیاوی آلائش کو نکال دے۔ مرد کی کمالیت ان چار باتوں میں ہے کہ کم سوئے، کم بولے کم کھائے، اور خلق سے کم صحبت رکھے، نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے تکبیر کہی جاتی ہے۔ درویش کا کھانا

۱۔ آپ نے عید کے دن عید گاہ سے واپسی پر مہرولی (نزد نئی دہلی) کے مقام پر اپنے مرقد کے لئے زمین خریدی اور فرمایا مجھے یہاں سے بوئے عشق آرہی ہے جو لسے کے لئے دیکھئے (۱) سیرالعارفین، صـ ۴۱۔
(۲) سیرالاولیاء، صـ ۶۲۔ (۳) دلی کے ۲۲ خواجہ، صـ ۵۳۔ (۴) فوائد الفواد، صـ ۶۴۔
۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "دلی کے ۲۲ خواجہ" صـ ۶۳ - ۶۲۔

Marfat.com

بھی عبادتِ الٰہی کا ایک حصہ ہو اور وقتِ طعام کسی سے گفتگو نہ کرے۔ اس کے علاوہ آپ نے تصوف کے مختلف مراحل کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی۔

قطب الدین بختیار کاکی سے اُردو کا ایک جملہ منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ کے مرید فرید الدین گنج شکر "جواہر فریدی" میں قطب صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ (بابا فرید) اپنے مرشد شیخ قطب الدین کو وضو کرا رہے تھے۔ شیخ فرید نے آشوبِ چشم کی وجہ سے آنکھ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ قطب الدین بختیار کاکی نے سبب دریافت کیا۔ آپ نے ہندی میں جواب دیا کہ

" آنکھ آئی ہے۔"

بختیار کاکی نے فرمایا

" اگر آنکھ آئی ہے ایں را چرا بستہ اید ؟ ۔ " (۱)

۵۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

ملتان کے صوفیاء میں سب سے زیادہ شہرت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو حاصل ہوئی ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے مریدین اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس لئے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہوں اور حکمرانوں کے ساتھ رہے (۲) ۔ یعنی آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مذہب اور سیاست کے ملاپ کے لئے حکمرانوں سے تعلقات قائم کئے رہے

۱۔ جواہر فریدی، صـ ۲۸۰ مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ (خواجہ صاحب کے اس جملے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری "اُردوئے قدیم" میں حافظ محمود شیرانی "مقالات شیرانی"، صـ ۱۳۸، جلد اوّل، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول ۱۹۶۶ء میں اور محمد غوث قلندر پانی پتی کے ملفوظ مذکرہ غوثیہ میں تو یہی جملہ درج ہے لیکن ڈاکٹر رضیہ سلطانہ "اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں صـ ۲۶، پر اسے اس طرح لکھتی ہیں "اگر آنکھ آئی ہے تو سوا آئی ہے۔")

۲۔ ڈاکٹر شمیم زیدی لکھتی ہیں "حضرت شیخ بہاء الدین زکریا دربار کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے اور امراء و حکام کے ساتھ ان کی آمد و رفت تھی (ہو سکتا ہے کہ حضرت خود بھی تشریف لے جاتے ہوں) (ملاحظہ فرمایئے "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صـ ۲۸ مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان)

Marfat.com

اس طرح ایک طرف تو وہ حکمرانوں کو مذہب کی اعانت دیتے رہے۔ دوسری طرف خود بھی سیاسی طور پر مقتدر رہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ بطور صوفی بھی ملتان میں ان کی ولایت قائم رہی، مختلف صوفیاء نے ملتان میں ان کی سربراہی اور ولایت کو قبول کیا۔

ضیاء الدین برنی کے مطابق۔

> "شیخ بہاء الدین زکریا کو سالکوں اور خدا طلبوں میں "سفید باز" کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ان کے بازوؤں سے خود کو باندھ لیا وہ خدا تک پہنچ گیا"[1]

ملتان میں سہروردیہ سلسلے کے موسس اعلیٰ شیخ[2] بہاء الدین زکریا ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ[3] کو ملتان کے نزدیک قصبہ کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق قریش مکہ[4] کے معزز

۱۔ تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، صہ ۵۰۸، مرکزی اُردو بورڈ لاہور، بار اول اکتوبر ۶۹ء

۲۔ "آب کوثر" صہ ۲۵۵۔

۳۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی صہ ۴۔ (۲) سیر العارفین صہ ۱۱۴۔ (۳) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۱۴۔ (۴) تواریخ ملتان از حکم چند، صہ ۲۳۔ (۵) نزہت الخواطر، صہ ۲۳۲۔ (۶) تذکرہ اولیائے ہند از مولوی عبدالرحمٰن چشتی، صہ ۱۳۱، مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۴ء۔ (۷) خلاصۃ الاحباب (قلمی) صہ ۴۔ (۸) سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) صہ ۱۷۶، مرقومہ یار محمد مرید حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ —— ان سب کتابوں کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ ہے جبکہ مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۱۳۱، مرقع ملتان از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۱۲۔ اور آئین اکبری از ابوالفضل، صہ ۲۰۷ (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء) کے مطابق ۵۶۵ھ، اخبار الاخیار، صہ ۶۶۲، کے مطابق ۵۶۰ھ اور تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، صہ ۲۵۶، حدیقۃ الاولیاء، صہ ۹۴، تحفۃ الابرار از نواب مرزا آفتاب بیگ صہ ۸ (مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ) اور منبع البرکات (اُردو ترجمہ از مخدوم عبدالرشید حقانی) صہ ۶۹ (مطبع صادق الانوار بہاولپور ۱۹۱۵ء) کے مطابق ۵۷۸ھ ہے اور حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، صہ ۱۹۰، کے مطابق ۵۴۴ھ درج ہے تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ، صہ ۴ کے مطابق ۵۸۴ھ ہے۔ لیکن اکثریت نے ۵۶۶ھ ہی کو قبول کیا ہے۔

۴۔ حکم چند "تواریخ ملتان" صہ ۱۶۴ پر لکھتے ہیں کہ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

قبیلہ " القریش الاسدی " سے تھا۔ آپ کے دادا شیخ کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور پھر وہاں سے ملتان تشریف لے آئے۔ ملتان میں انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا وجیہ الدین محمد غوث کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ کے معزز شخص مولانا حسام الدین ترمذی جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواحی علاقے کوٹ کروڑ میں مقیم تھے، کی صاحبزادی سے کردی۔ ان کے بطن سے بہاء الدین زکریا پیدا ہوئے۔

بہاء الدین زکریا نے ابتدائی تعلیم ملتان ہی میں حاصل کی۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید سات قرأتوں سے حفظ کر لیا تھا۔ منبع البرکات (قلمی نسخہ) میں لکھا ہے کہ

"شیخ بہاء الدین حفظ قرآن مجید با ہفت قرأت در کوٹ کروڑ از مولانا نصیر الدین بلخی حاصل کرد۔"(۱)

آپ ابھی دس سال کے تھے کہ والد فوت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ خراسان تشریف لے گئے۔ سات برس تک وہاں علماء و مشائخ سے ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ پھر بخارا گئے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔

نور احمد فریدی کے مطابق

"ایسے چار سو چوالیس (۴۴۴) باکمال اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کر کے سند فضیلت حاصل کی جو علم و فضل اور زہد و ورع کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے۔"(۲)

بخارا میں آپ تقریباً آٹھ برس تک رہے۔ اس دوران میں تحصیلِ علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے کُتب کا ذخیرہ بھی اکٹھا کیا۔ نور احمد فریدی کے مطابق ان کُتب کی تعداد دو ہزار

(بقیہ گذشتہ صفحہ) یہ خاندان اولاد بہاء الدین زکریا المعروف بہاء الحق سے ہے اور انکو قریشی کہتے ہیں، سید نہیں ہیں، قریشی کی وجہ تسمیہ یہ بھی سنی جاتی ہے کہ قریش ایک ٹبہ پہاڑ کا نام تھا۔ اس ٹبہ کے نواح میں جو لوگ رہتے تھے ان کو قریشی بولتے تھے۔ دوم یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا جانور قریش نامی تھا وہ کسی سے مارا نہیں جاتا تھا۔ اس خاندان کے لوگوں نے اسے مارا۔ اسلئے قریشی مشہور ہوئے۔

۱۔ بحوالہ "منبع البرکات" (تذکرہ حقانیہ) قلمی نسخہ، صہ ۴۵، مؤلف شیخ شرف الدین قریشی۔

۲۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" از نور احمد فریدی، صہ ۴۳، مطبوعہ محکمہ اوقاف لاہور طبع اول مئی ۱۹۸۰ء

Marfat.com

سے زیادہ تھی۔ (۱)

ان تمام باتوں کو خلاصۃ العارفین (قلمی) میں یوں بیان کیا گیا ہے

"چوں بہ ہفت سال رسید جملہ قرآن با جملہ قرأت با وجوہات قرآن بطریق قاریاں شنوانید بعد ازاں چہل سال در مدرسہ علم علوم ظاہر و باطن مطالعہ و ملاحظہ کرد تا دو ہزار کتاب بخدمت ایشاں جمع شدہ و چہار صد و چہل و چہار اوستاداں ماہران علم کہ در اطراف عالم و اکناف ارضی و آفاق بلاد ہا عالمیاتی کہ مشہور بعلم ظاہری و باطنی و متشرع بودند بہ نسبت مصطفےٰ پیش ایشاں ملاحظہ کردی علم ظاہری بایں طریق خواندی بعد ازاں بیست سال مجاہدہ و ریاضت کشید۔" (۲)

بخارا کے لوگ آپ سے متاثر ہو کر آپ کو "بہاء الدین فرشتہ" کہنے لگے تھے۔ بخارا کی تمام درس گاہوں سے علم حاصل کرنے کے بعد بیس برس تک سخت مجاہدے میں مصروف رہے (۳)۔ بخارا سے آپ مکہ گئے۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں حرم نبوی کے مجاور رہنے۔ انہی دنوں میں آپ مولانا کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کا درس لیتے رہے۔ سیر العارفین کے مطابق

۱۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی"، صہ ۴۴۔

۲۔ خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی)، صہ ۱۲-۱۳ (ملفوظات حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی)۔ ضیاء الدین بن حافظ مولوی عبداللہ قادری ساکن ملتان بیرون بوہڑ دروازہ درکڑی افغاناں، ۲ شعبان بروز دوشنبہ ۱۲۹۰ھ میں کتابت کی۔ اوراق ۵۸، صفحات ۱۱۶۔ (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی) نوٹ: یہی عبارت ڈاکٹر زیدی کی مرتب کردہ خلاصۃ العارفین میں صہ ۱۹ پر کچھ لفظوں کے فرق کے ساتھ درج ہے۔

۳۔ بحوالہ، تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۴۴۔ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے مطابق

"انہوں نے بخارا میں نہ صرف اپنی تعلیم کو مکمل کیا بلکہ ۱۵ سال تدریس اور افادۂ علوم میں بھی مصروف رہے۔"

(بحوالہ مقالات دینی و علمی (جلد اوّل)، صہ ۲۶۰، مطبوعہ مزدور پرنٹنگ پریس لاہور۔

Marfat.com

"جب حضرت بہاء الدین زکریا نے تمام علم حدیث مولانا (یمنی) سے پڑھ لیا اور اس میں کمال حاصل کر لیا تو مولانا نے حضرت کو اجازت نامہ لکھ کر دے دیا۔ اور حدیث کے درس دینے کی بھی اجازت دے دی۔ جیسا کہ محققین محدثین کی رسم ہے"(۱)

پانچ برس مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ اپنے استاد (مولانا یمنی) کے ساتھ ہر برس حج کے لئے مکہ جاتے رہے۔ مدینہ سے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی زیارت کرنے کے بعد آپ بغداد گئے جہاں آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

"حضرت سلطان المشائخ کی صحبت وارادت کی برکت سے صرف سترہ روز میں یہ دولت جاودانی اور سعادت دوجہانی حاصل کر لی"(۲)

شیخ شہاب الدین سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد مرشد کے حکم سے آپ(۳) ملتان تشریف لے آئے (۴) اور یہاں دین اسلام کی خدمت شروع کر دی۔

۱۔ بحوالہ "سیر العارفین" صـ ۱۴۵

۲۔ بحوالہ "سیر العارفین" صـ ۱۴۵، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) تواریخ ملتان، صـ ۴۳۔ (۲) مرات الاسرار (جلد دوم) صـ ۱۲۷۔ (۳) آب کوثر، صـ ۲۵۱۔ (۴) فوائد الفواد، صـ ۱۱۹۔ (۵) حیات صوفیہ تلخیص اور اردو ترجمہ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی، مترجم محمد ادریس انصاری، صـ ۶۲۸، مطبوعہ ادارہ، تبلیغ اسلام، صادق آباد۔

۳۔ (۱) "شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو وداع کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ ملتان میں جا کر سکونت کرو۔ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے رجوع ہوئی ہے" (بحوالہ تذکرہ مشائخ کرام یعنی تاریخ فرشتہ مؤلفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ، صـ ۱۳۳، مطبوعہ احسن برادرز لاہور ۱۹۶۵ء) (۲) مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے، روضہ اقطاب (فارسی) مصنفہ صاحبزادہ سید محمد بلاق، مطبع محب ہند دہلی ۱۳۱۲ھ جمادی الاول۔

۴۔ شیخ محمد اکرام نے "آب کوثر" میں صـ ۲۵۶ پر "انوار غوثیہ" کے حوالے سے لکھا ہے "اسلامی ممالک کے سفر سے واپسی پر صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر کچھ عرصہ تنہائی میں عبادت کی جسے اب کوہ شیخ بودین (کوہ شیخ بہاء الدین) کہتے ہیں"

Marfat.com

سفینۃ الاولیاء کے مطابق

"ملتان کو جائے قیام بنانے کے بعد شیخ زکریا نے طالبانِ حق کی ہدایت اور ارشاد کی جانب بہت توجہ دی۔ اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔" (۱)

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملتان میں ایک ایسا علمی و دینی مدرسہ قائم کیا جس کے فارغ التحصیل اور تربیت یافتہ علماء مبلغین اور واعظین نے نہ صرف برصغیر کے کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک یعنی جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک اسلام کی روشنی پھیلائی۔ یہ مدرسہ ایک اقامتی یونیورسٹی کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں ہر ملک کے فاضل جمع تھے۔ ان کا کام تدریس دینا تھا۔ انہیں معقول مشاہرہ ملتا تھا اور ان کے رہنے سہنے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ طالب علموں کے رہنے اور کھانے پینے کا بھی معقول انتظام تھا۔ اس درس گاہ میں دو شعبے تھے۔ ایک کا کام علماء پیدا کرنا اور دوسرے کا مبلغین اور واعظین کی جماعت تیار کرنا تھا۔ مبلغین کو دوسرے ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے بھجوایا جاتا تھا۔ اس لئے انہیں ان ممالک کی تہذیب و ثقافت اور زبان کے بارے میں خاص طور پر تعلیم دی جاتی تھی تاکہ انہیں تبلیغ میں دقت پیش نہ آئے۔ جب یہ مبلغین اور واعظین روانہ ہونے لگتے تو انہیں سامانِ تجارت دیا جاتا تاکہ وہ اپنی روزی کا وسیلہ خود بنیں۔

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں،

ترجمہ: "شیخ بہاء الدین زکریا واعظوں اور مبلغین کے مختلف گروہ سندھ، مکران، کشمیر، دہلی اور افغانستان کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ فرماتے تھے۔ یہ گروہ سال کے خاتمے پر واپس آکر اپنی کارکردگی کی رپورٹ حضرت کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت ان کو ضروریات زندگی اور خرچ کے لئے تجارت

۱۔ سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ، ص ۱۵۱ ۔ سفینۃ الاولیاء فارسی (قلمی نسخہ) ص ۲، میں اصل عبارت یوں ہے ــــ "حضرت شیخ الشیوخ بملتان آمدہ متوطن شدند و بادشاہ طالبان مشغول گشتند و خلق بسیار از برکت قدوم ایشان ہدایت رسیدند و اہل ان دیار تمام مرید و معتقد ایشان گشتہ۔

Marfat.com

کا سامان دیتے تاکہ وہ اس کے ذریعے گزر بسر کریں۔" (۱)
ان لوگوں کو سفر کی مشکلات اور خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے گھوڑ سواری، تلوار بازی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ گویا اس مدرسے کے فارغ التحصیل علماء اور مبلغین دین و دنیا اور ظاہر و باطن کی امتزاجی تربیت سے مکمل انسان بن جاتے تھے (۲) ــــ یہاں کے تربیت یافتہ علماء نے مختلف جگہوں میں مدارس قائم کئے جنہیں خانقاہوں کا نام دیا جاتا تھا۔

مولانا نور احمد فریدی کے مطابق

"ان میں ملتان کے مرکزی تبلیغی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق انسانی کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسے روحانی سنٹر پنجاب اور سندھ کے چپہ چپہ پر قائم تھے۔" (۳)

اس مدرسے میں مختلف فنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مثلاً خطاطی اور جلد سازی کا کام سکھایا جاتا تھا۔ علامہ عتیق فکری کے بیان کے مطابق

"محمد بلخی جیسا خطاط اس زمانے میں ملتان میں موجود تھا اور اس کے کئی اہلِ ملتان میں سے شاگرد تھے ــــ غوث بہاء الدین زکریا کے زمانے میں نستعلیق خط کو بڑا عروج ہوا۔" (۴)

یہ مدرسہ کم و بیش ساٹھ سال تک خود حضرت بہاء الدین زکریا کی نگرانی میں چلتا رہا اور علامہ عتیق فکری کے مطابق

"آپ نے جو نظامِ تعلیم رائج کیا تھا۔ اس کا درس تقریباً دو صدی تک

۱۔ بحوالہ احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) صہ ۴۷

۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) نقش ملتان، صہ ۴۴۹ تا ۴۵۸ (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱، تا ۵،

۳۔ بحوالہ "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی" صہ ۴،

۴۔ بحوالہ "نقش ملتان" صہ ۴۵۴

Marfat.com

ملتان میں جاری رہا ۔" (۱)

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی خود بھی درس فرماتے تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں،

(ترجمہ) "شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نماز کے بعد منبر پر بیٹھ جاتے اور قرآنِ حکیم کی تفسیر بیان فرماتے اور حدیث کی تدریس کرتے۔ کبھی کبھی پچھلے بزرگوں کے قول، حکایات اور اشعار سے بھی استفادہ کرتے ۔" (۲)

منشی عبدالرحمان کی تصنیف "آئینہ ملتان" میں اس مدرسے کے تعارف کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"یہ سلسلۂ سہروردیہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ عالیہ تھا جو حضرت بہاء الدین نے تعلیم دین و دنیا کے لئے قائم کیا تھا۔ یہ موجودہ خانقاہ کے ساتھ واقع تھا۔ آپ بہ نفس نفیس اس میں درس دیا کرتے تھے ــــــ اس مدرسہ کے کتب خانے کا شہرہ ہندوستان میں دُور دَراز تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہ حیات کے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے ملتان کھنچے چلے آتے تھے۔ اس دور میں علوم اسلامیہ کی تدریس میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ منطق اور معمول کی کتابیں بھی داخل نصاب کر دی گئیں۔ یہ مدرسہ اور کتب خانہ لنگاہ خاندان کے زمانہ میں مرزا حسین ارغوانی کے حملۂ ملتان میں تباہ ہو گیا۔ اس کے رہے سہے آثار سکھوں نے مٹا دیئے۔" (۳)

حضرت زکریا ملتانی کی دیکھا دیکھی ناصر الدین قباچہ نے بھی ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس نے علامہ قطب الدین کاشانی کو کاشان سے بلا کر اس مدرسے کا مہتمم مقرر کیا۔ اس مدرسے کا نام دارالعلوم تھا اور یہ مدرسہ بہائیہ کے مقابلے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس مدرسے میں منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ طلبہ کی ایسی خاصی تعداد تھی جن کے قیام و طعام کا انتظام سرکار کرتی تھی۔ اس کے لئے الگ عمارت تعمیر کی گئی۔ مولانا کاشانی کے بعد مولانا وجیہ الدین

۱۔ بحوالہ "نقش ملتان" صہ ۴۵۵

۲۔ بحوالہ "احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین"، صہ ۳۶۔

۳۔ بحوالہ "آئینہ ملتان" صہ ۲۰۹ مطبوعہ اشرف المعارف، ملتان،

Marfat.com

اس مدرسے کے نگرانِ اعلیٰ مقرر ہوئے (۱)

بہاء الدین زکریا جس زمانے میں ملتان میں تبلیغ واشاعت کا کام کر رہے تھے۔ ان دنوں ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا جو کہ ایک ترکی پہلوان اور جلاد تھا۔ لیکن ترقی کرتے کرتے سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں حاکم ملتان مقرر ہوا۔ دوسری طرف قطب الدین ایبک نے شمس الدین سے خوش ہو کر اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور دہلی کا سلطان بنایا۔ اور ناصر الدین قباچہ کو اس کی نگرانی میں دیا۔ قباچہ اس کو پسند نہ کرتا تھا اور التمش کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا۔ اس نے کوشش کی کہ بغاوت کر کے خود مختار ہو جائے۔ بہاء الدین زکریا کو اس کی سازش کا علم ہو گیا۔ آپ التمش کو اس کے زہد و تقویٰ کے باعث بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کو اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے اور ملتان کے قاضی شرف الدین نے اس بارے میں التمش کو خط بھیجا۔ لیکن وہ دونوں خط قباچہ کے ہاتھ آ گئے۔ قباچہ نے دونوں کو طلب کیا۔ قاضی شرف الدین کو تو اسی وقت قتل کروا دیا۔ لیکن بہاء الدین زکریا کو سامنے بٹھا کر خط پڑھ کر سنایا گیا۔ خط سن کر آپ بالکل نہ گھبرائے اور فرمایا کہ

"جو کچھ میں نے اس میں لکھا ہے وہ حکمِ خدا سے لکھا ہے۔ تو کیا کر سکتا ہے؟" (۲)

قباچہ نے یہ سن کر معذرت کی اور آپ کو رخصت کر دیا۔

بہاء الدین زکریا اپنے بے پناہ علم اور ذہانت کی بنا پر شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کو سلطان شمس الدین التمش نے ملتان پر قبضہ کے بعد شیخ الاسلام کے عہدے پر مامور کیا جس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) آئینہ ملتان، صـ۲۱ (ب) بزم مملوکیہ، صـ ۶۰

۲۔ (۱) فوائد الفواد (فارسی) جلد چہارم، صـ۱۱۲ میں لکھا ہے کہ "من ہر چہ نوشتہ ام حق بنشتہ ام واز حق بنشتہ ام تو ہر چہ خواہی بکن تو خود چہ توانی کرد بدست تو چیست"۔ ــــ مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۲) سیر العارفین صـ۱۵۸ (۳) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صـ۱۷ (۴) آبِ کوثر، صـ۲۵۸۔ (۵) بزم مملوکیہ، صـ۳۶ (۶) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صـ ۱۳۱

Marfat.com

"شیخ جلال الدین تبریزی جو حضرت بہاء الدین زکریا کے بھی دوست تھے۔ جب دہلی شہر میں آئے تو وہاں کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو اس سے حسد پیدا ہوا اور وہ سلطان التمش کی نگاہوں سے ان کو گرانے کے لئے مختلف طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ جلال الدین تبریزی پر کوئی الزام لگایا۔ سلطان التمش نے اس کی تحقیق کا حکم دیا۔ نجم الدین صغریٰ نے بہاء الدین زکریا کو ثالث مقرر کیا۔ لیکن وہ سراسر بہتان ثابت ہوا۔ بہاء الدین زکریا نے نہ صرف جلال الدین تبریزی کو بے گناہ قرار دیا۔ بلکہ نجم الدین صغریٰ کی سازش کو بھی بے نقاب کر دیا۔ اس واقعے کے بعد سلطان التمش نے نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدے سے ہٹا کر بہاء الدین زکریا کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔"(۱)

بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی ساری عمر لوگوں کی فلاح اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دی آپ کے پاس بہت دولت تھی جسے آپ لوگوں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔ "گلزار فریدی" میں لکھا ہے۔

(ترجمہ) "ایک دفعہ حسن نامی قوال حضرت فرید الدین گنج شکر کی اجازت سے ملتان آیا اور حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا سنہری مرصع اور قاقم و سنجاف کے بنے ہوئے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ سونے چاندی کے شاہانہ ظروف کھڑکیوں میں رکھے تھے۔ غرض یہ کہ سوائے سونے چاندی اور جواہرات کے کوئی دوسری چیز نظر نہ آتی تھی۔ حسن قوال حیران ہو گیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ درویش تو الفقر فخری کا قائل ہوتا ہے جیسا کہ جناب گنج شکر ہیں کہ ان کے گھر میں سوائے بوسیدہ اور پرانے بوریا کے

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۸۲ (۲) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۱۷ - ۱۸۔

Marfat.com

کچھ بھی نہیں۔" (۱)

جناب عبدالباقی، لیکچرار اُردو، گورنمنٹ کالج شجاع آباد سے ہمیں ایک منظوم سوال وجواب ملا ہے جو اس سلسلے میں ہے اور جس کا یہاں درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ یہ ایک قلمی کاپی میں تحریر ہے جو خواجہ محمد شاہ بخش عاصی ملتانی از اولادِ عراقی حسین آگا ہی ملتان کی بیاض ہے اور انہیں کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ ہم ان صفحوں کو ہو بہو لکھ دیتے ہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور حضرت بہاء الدین زکریا ہم زمان بزرگ گزرے ہیں حضرت فریدالدین کی خانقاہ پر فقر و درویشی غالب تھی تو حضرت بہاء الدین کی درگاہ میں شاہانہ انداز نمایاں تھا۔ درج ذیل سوال وجواب میں یہی چیز واضح کی گئی ہے۔

(سوال حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر از حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر — بخیہ زدہ خرقۂ پشمین ما
خوان خور صحنک سیمین تو — نقب زدہ کاسک چوبین ما
خوردن تو مرغ نوشی و می — بی نمک نانک خشگین ما
قاقم و سنجاب ترا تکیہ گاہ — خار خس و بستر بالین ما
اسپک تو نازی بازیں از — بہتر ازاں کفشک چرمین ما
باش کہ تا صبح قیامت دمد — ایں بنو کاریا آں بہار

ابیات حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی در جواب حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر

دنیا چراگاہ کمینہ خران ماست — عقبیٰ شکار گاہ شکار سگان ماست
ما عرش و لوح ہیچم زیر قدم نہیم — اسلام و کفر سوزیم ایں امتحان ماست
جملہ بشر کواکب افلاک انجمن — جبرئیل یا ملائک از چاکران ماست
مرسل نبی طفیل من از انبیا شدند — عیسیٰ و خضر و یونس از پیروان ماست

۱۔ بحوالہ "گلزار فریدی" (فارسی قلمی) صہ ۱۳۱۔ مصنف مولوی گل محمد چشتی سن تحریر ۱۹۰۲ء موضوع ملفوظات و مناقب شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب کی ذاتی لائبریری سے حاصل کیا گیا۔)

Marfat.com

معبود خود بدید مرزاں اولیا شدم — فرمان شد کہ جنت تو لامکان ماست
ما خود خدا شدیم خودی در خدا ماست — بیزارم از خدا کہ بہ یملہ خدا نہ ماست

بشنو تو از بہار سخنان بو العجب
واللہ مکان وحدت از مسائیان ماست

حضرت غوث بہاء الحق ملتانی کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ آپ کے دسترخوان پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ روزانہ قسم قسم کے کھانے کھاتے تھے۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"حضرت محبوب الٰہی کے ہاں درویشوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لئے شاہانہ انتظام تھا۔ لنگر خانے میں ایسے عمدہ اور اعلیٰ کھانے پکتے کہ سلاطین اور امراء کو بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ لنگر کے لئے اجناس کے ذخائر، انبار خانوں میں مقفل تھے۔ چارپائیوں، بستروں اور برتنوں کا معقول انتظام تھا۔ اس کے باوجود لاکھوں کا اَن داتا خود روزہ سے رہتا تھا"(۱)

بزم صوفیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ملتان میں سخت قحط پڑا۔ بہاء الدین زکریا کے لنگر خانے میں بہت سا اناج پڑا تھا۔ اس نے بہاء الدین زکریا سے کچھ گندم مانگی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے نوکروں کو بھیج کر فلاں گودام سے گندم اٹھوا لیں۔ قباچہ کے نوکر جب گندم لے گئے تو اس میں نقرئی سکوں کے سات کوزے برآمد ہوئے۔ قباچہ نے وہ بہاء الدین زکریا کو بھجوا دیئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ہمیں ان کوزوں کا پہلے سے علم تھا۔ اس لئے گندم کے ساتھ یہ چاندی کے کوزے بھی بخش دیئے تھے(۲)۔ لوگوں کو کھلانے پلانے کے علاوہ مشکل وقت میں بھی آپ اہلِ ملتان کے کام آئے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے،

"جب ۱۲۵۰ء میں منگول ملتان میں داخل ہو گئے اور برج اور مورچے گرا کر

۱۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۸۹

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے (۱) "بزم صوفیہ" صہ ۹۴، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء (۲) فوائد الفواد، صہ ۱۴۷-۱۹ (۳) خلاصۃ العارفین (قلمی) صہ ۱۳۔ (۴) خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم زیدی، صہ ۱۴۶

Marfat.com

شہر میں قتل و غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم العالم شیخ بہاء الدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور منگولوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔" (۱)

حضرت غوث بہاء الدین زکریا کے زمانے میں قرامطہ کے اثرات باقی تھے خصوصاً ملتان کے گردو نواح اور دیہات کا علاقہ ان اثرات سے محفوظ نہ تھا۔ شیخ الاسلام نے قرامطیوں کے اثرات کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی۔ اور نور احمد فریدی کے مطابق

"اس مرد کامل نے نصف صدی کے عرصے میں اس سرزمین کو نہ صرف قرامطہ کے اثرات سے پاک کیا بلکہ لاکھوں سرکش اور تند مزاج کافروں کو نورِ ایمان سے مالا مال کر کے مسلمانوں کی اقلیت کو اکثریت میں بدل دیا اور وہ لاکھوں خون آشام تلواریں جو سالہا سال تک غزنی کے مجاہدوں سے ٹکراتی رہی تھیں اسلام کی محافظ بن گئیں۔" (۲)

حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے ملفوظات میں علم و معارف کے موتی دستیاب ہوتے ہیں آپ نے عاشق کی آہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"چوں صاحب محبت از سینہ، خود آہ زند آتشِ عشق جھلگی دنیا و آنچہ در دنیا

۱۔ بحوالہ "آبِ کوثر" صہ ۲۵۸۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۲۹۹۔ جبکہ مولوی محمد شفیع نے آٹھویں صدی ہجری کے مؤرخ سیفی ہروی کی کتاب "تاریخ نامہ ہرات" طبع کلکتہ، صہ ۱۵۰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "شیخ الاسلام حاکم ملتان کی طرف سے تاتاریوں سے بات چیت کرنے کیلئے گئے تھے اور یہ طے کیا کہ تاتاریوں کو حاکم شہر لاکھ دینار دے دے تو وہ شہر سے چلے جائیں گے۔ دوسرے دن شیخ الاسلام لاکھ دینار لے کر شہر سے باہر آئے مگر یہ نہیں کہا کہ یہ رقم وہ اپنے خزانہ سے لائے۔ (بحوالہ "مقالات دینی و علمی") (جلد اوّل) صہ ۲۶۳۔ علامہ عتیق فکری کا بیان ہے کہ

"ملتان کے عوام کو تباہی سے بچانے کے لئے آپ نے یہ رقم اپنے ذاتی خزانے سے ادا کی اور ملتان کو تاتاریوں کی غارت گری سے بچالیا۔" (بحوالہ نقش ملتان، صہ ۴۵۸)

۲۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" صہ ۳۹۔

Marfat.com

است ناچیز گرداند و خاکستر سازد۔"(۱)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا

"عشق آتش است کہ کثافت ہا را خاکستر می گرداند۔"(۲)

زہد کی تشریح یوں فرماتے ہیں

"زہد سہ حرف است، اوّل "ز" کہ مراد از آں کی ترک زیب و زینت دنیا است، دوم، "ھ" کہ عبارت است از ترک ہوا و ہوس، سوم "دال" کہ در گزر کردن از دنیا و دولت مطلوب است۔"(۳)

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا

"سہ چیز موجب ہلاکت انسان می تواند باشد، اوّل ارتکاب گناہ بہ امید توبہ دوم توبہ نکردن بہ امید درازی حیات، سوم گناہ بزرگ خود را بہ امید عفو و بخشش ناچیز گرداندن"(۴)

اسی طرح فرمایا

"ترس از خدا چراغ قلب انسان است، اگر این نباشد انسان در تیرگی ظاہری و باطنی بسر می برد۔"(۵)

صوفیانہ کے ہاں عام طور پر سماع سے دلچسپی کے واقعات ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ قطب الدین بختیار کاکی کا انتقال بھی اسی حالت میں ہوا۔ بہاء الدین زکریا کو سماع سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے مرشد سماع کو اچھا سمجھتے تھے تو آپ نے بھی سننا شروع کیا۔ حامد بن فضل اللہ جمالی اس واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں

"عبداللہ نامی ایک خوش گلو اور خوش کلام قوال روم کی طرف سے ملتان پہنچا اور حضرت مخدوم المشائخ بہاء الدین زکریا کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت

۱۔ خلاصۃ العارفین، (قلمی) ص۴۹۔ غالب نے کہا تھا۔ ؎ میری آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا۔
۲ تا ۵۔ خلاصۃ العارفین، مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص ۴۰ - ۴۱

سے مشرف ہو چکا ہوں اور حضرت نے میرے خوش گلو ہونے کی وجہ سے سماع میں شرکت فرمائی ہے۔ اس وقت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ چونکہ حضرتِ شیخ نے سنا ہے، زکریا بھی سنے گا۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ عبداللہ کو اس کے دونوں دوستوں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ ہیں، فلاں حجرے میں لے جاؤ اور بٹھاؤ۔ یہ حکم عشاء کی نماز کے بعد دیا تھا خادم مذکور نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد حضرتِ شیخ حجرے میں تشریف لے گئے وہاں بیٹھے۔ قرآن شریف کے دو سپارے نہایت لطیف مخرج اور انداز سے تلاوت فرمائے۔ پھر سماع کا حکم دیا۔ عبداللہ نے جب آواز نکالی تو اس شعر کو بار بار پڑھا۔

مستاں کہ شراب ناب خوردند از پہلوئے خود کباب خوردند

حضرت شیخ نے سر ہلایا، اٹھے اور اس حجرے میں جو چراغ جل رہا تھا اس کو گل کر دیا۔ عبداللہ مذکور کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے نزدیک آتے تھے تو ہم ان کے کرتے کا دامن دیکھتے تھے اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ ان کے وجد کی کیا کیفیت تھی اور کس انداز پر تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت حجرے سے باہر چلے گئے۔ ہم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اسی حجرے میں رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کا خادم ایک پُرتکلف خلعت اور چاندی کے بیس سکے لایا کہ حضرت شیخ نے انعام دیا ہے۔" (۱)

نور احمد فریدی کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے بختیار کاکی کے ساتھ بھی سماع کی محفل میں شرکت کی (۲)۔ آپ مشہور شاعر فخر الدین عراقی کے اشعار سن کر بھی وجد میں آجاتے تھے اور کتنی دیر

۱۔ بحوالہ "...العارفین" (اردو ترجمہ) صہ ۱۶۰۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) فوائد الفواد، صہ ۲۸۱-۲۸۲ (ب) تذکرہ مشائخ کرام، صہ ۱۳۹ - ۱۴۰۔

(ج) فوائد الفواد (فارسی) صہ ۱۳۸ - ۱۳۰

۲۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" صہ ۱۹۶۔

Marfat.com

تک آنکھیں بند کر کے جھومتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں عراقی کی ایک غزل کا یہ مقطع

چوں خود کردند راز خویشتن فاش   عراقی را چرا بد نام کردند

سُن کر آپ پر کتنی ہی دیر وجد کی کیفیت طاری رہی۔ (۱)

"خلاصۃ العارفین" فارسی (قلمی) میں لکھا ہے

"وقتی شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین با شیخ قطب الدین بختیار اوشی کاکی ملاقات شدہ بود ہماں وقت سماع در دادند و در رقص در دادند و در رقص شدند۔ ہم چنیں گویند کہ در ہوا یک شبانہ روز رقص میکردند خبر از خویش نداشتند و چوں از آنمکاں جدا شدند پس ملاقات نشد و ایں مصرع بود کہ می گفتند،

حاجی بسوئی کعبہ رود من بسوئی دوست (ل)" (۲)

۱۔ بحوالہ (الف) احوال و آثار، بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، صہ ۳۲۔ (ب) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۵ (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۱۹۔ ۲۰۔ بشیر حسین ناظم نے اس موقع پر پروفیسر ای۔ جی براؤن کا اس واقعہ پر اختلاف درج کیا ہے جو یوں ہے

"جب فخرالدین ابراہیم عراقی حضرت شیخ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے تو آپ نے انہیں مراقبہ کی تلقین فرمائی۔ لیکن عراقی اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی بجائے شغل شعر و شاعری میں منہمک رہنے لگے۔ چند پیر بھائیوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عراقی کی شکایت کی کہ وہ آپ کے ارشاد کی چنداں پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر وقت عشقیہ اشعار گنگناتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ نے انہیں بلا بھیجا اور پھر چند اشعار سنانے کے لئے حکم دیا۔ عراقی نے بڑے سوز سے اپنی غزل سنائی جسے سن کر شیخ بہاء الدین زکریا بے خود ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت نے عراقی کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی ان سے کر دیا۔"

(بحوالہ "اولیائے ملتان" صہ ۲۰۔ ۲۱۔

۲۔ خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) صہ ۶۸۔ یہی عبارت خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی میں صہ ۱۶۶، پر کچھ الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ درج ہے۔

ل۔ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ   (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

بابا فرید گنج شکر سے روایت ہے کہ ایک قوال ابوبکر خراط شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس رہ کر سماع کرتا تھا[1] — پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے " راگ درپن" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

" امیر خسرو کی طرح انہوں نے (حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی) بھی چند راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ مثلاً ملتانی دھناسری انہی کی ایجاد ہے جس میں دھناسری اور مالسری کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے چھند کی طرز پر کئی نغمے اختراع کئے جن میں خدائے واحد کی ستائش اور داستانِ عشق اور بندگی کے طریق پر عجز و انکسار کی کیفیت بیان کی۔" [2]

اگرچہ مولانا نور احمد فریدی نے اپنی کتاب " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " میں " حضرت شیخ الاسلام اور موسیقی " کے عنوان کے تحت ان باتوں کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے[3] لیکن انہوں نے اس سلسلے میں کوئی حوالہ یا ثبوت فراہم نہیں کیا۔ میرے خیال میں موسیقی یا سماع میں دلچسپی سے حضرت شیخ الاسلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم خواہ مخواہ تاویلات بیان کرتے رہیں۔

بہاء الدین زکریا کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور ناموں میں سب سے پہلے فخر الدین عراقی کا نام آتا ہے جو آپ کے داماد بھی تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے۔ آپ ہمدان میں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کرکے وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور علمیت کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے اور

(بقیہ گذشتہ صفحہ) تو باش ایں جا و با یاراں در آمیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

۱۔ بحوالہ " احوال و آثار " ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) صہ ۳۲

۲۔ بحوالہ " مقالات دینی و علمی " (جلد اول) صہ ۲۶۶ - ۲۶۷

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے " تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی " صہ ۲۶۲ تا ۲۶۷ -

Marfat.com

زبان میں کافی سوز و گداز تھا۔ آپ قلندروں کی ایک جماعت کے ساتھ خراسان سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ حضرت شیخ الاسلام نے انہیں اپنا خرقہ پہنایا تھا اور اپنی بیٹی کا عقد بھی ان کے ساتھ کیا تھا۔ (۱)

آپ کے دوسرے خلیفہ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے جو بخارا سے تشریف لائے اور اُچ میں ان کا مزار ہے۔ میر علی حسینی جو کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ بھی آپ کے خلفاء میں شامل تھے۔ ان کی کتابوں میں نزہت الارواح، زاد المسافرین اور مثنوی کنز الرموز ہیں ان کے علاوہ شیخ کبیر الدین عراقی، لال شہباز قلندر، نواب موسٰی، خواجہ حسن افغان، خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی، خواجہ فخر الدین گیلانی، شیخ بدر سجستانی، شیخ عبدالستار، شاہ عالم (ان کا مزار ٹھٹھہ میں ہے) وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی تصانیف میں "کتاب الاوراد" کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا قدیم ترین قلمی نسخہ جو ۲۹۰ صفحات پر مشتمل ہے پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے اسلامک بک فاؤنڈیشن کے تحت ۱۳۹۸ھ میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں نمازوں کی مختلف اقسام، طعام، کھانے کے طریقے، غسل، محرم، مختلف مہینوں کی فضیلت، تراویح، دعا، لباس پہننے کے طریقے، سفر کی کیفیت وغیرہ کا ذکر موجود ہے (۲)۔ آپ کی دوسری کتاب کا نام "شروط اربعین فی جلوس المتکلفین" ہے۔ اس کتاب کا متن عربی اور فارسی زبان سے مخلوط ہے۔ یہ کتاب "انوار غوثیہ" میں شامل ہے۔ جو مخدوم حسن بخش کی تصنیف ہے۔ الگ سے دستیاب نہیں ہے۔ اس کتاب

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے "خزینۃ الاصفیاء" جلد دوم از غلام سرور لاہوری صـ ۲۲ مطبوعہ نولکشور پریس کانپور۔
۲۔ ملاحظہ فرمائیں "الاوراد" اشاعت اولین مخطوطہ قدیم بتصحیح و تحشیہ محمد میاں صدیقی، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء (لیکن اس کتاب کے بارے میں اکثر علماء شک کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ ان میں جناب اسد نظامی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، جناب ارشد ملتانی اور جناب حبیب فائق شامل ہیں۔)

Marfat.com

میں اعتکاف اور اس سے متعلق احکامات، ہدایات وغیرہ کی تفصیل موجود ہے۔ جا بجا قرآنی آیات، احادیث اور بزرگان دین کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک "رسالہ بہاءالدین زکریا ملتانی سہروردی" بھی منسوب ہے۔ یہ کرم خوردہ قلمی نسخہ مولوی شمس الدین تاجر کتب لاہور کے پاس ہے اور ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اسے دیکھا ہے یہ ۱۲ صفحات پر مشتمل نامکمل کتابچہ ہے۔ اسی رسالے میں مراحل سلوک، شرائط خلوت و مراتب و مراقبت کا ذکر ہے۔ (۱)

"خلاصۃ العارفین" ـــــ حضرت غوث بہاءالحق ملتانی کے ان ملفوظات اور تقریروں پر مشتمل ہے جن کے راوی مخدوم جلال الدین بخاری، خواجہ فرید الدین شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء ہیں۔ اس کتاب کے دس قلمی نسخوں کا ذکر ڈاکٹر شمیم زیدی نے کیا ہے اور اسے مرتب کر کے چھپوایا ہے (۲) ـــــ "خلاصۃ العارفین" کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ہاں بھی ہے جس کا ذکر موصوف نے نہیں کیا۔ مجھے یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے حاصل ہوا ہے۔ ڈاکٹر زیدی کے مرتب کردہ نسخے اور اس نسخے کی عبارتوں میں کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ یہ فرق تمام نسخوں میں موجود ہے اور ان کی طرف ڈاکٹر زیدی نے حاشیہ میں اشارہ کر دیا ہے۔ خلاصۃ العارفین کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے (بحوالہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان)

حضرت بہاءالدین زکریا کے ساتھ کچھ اشعار بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے مختلف تذکروں اور ملفوظات وغیرہ سے ان کے کچھ اشعار اکٹھے کئے ہیں جو سب کے سب فارسی زبان میں ہیں (۳) ـــــ مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کا دیوان فارسی (قلمی) دستیاب ہوا ہے۔ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی

۱۔ تصانیف کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) احوال و آثار، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین صـ ۹۰۔ ۱۰۹ (ب) تذکرہ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی، صـ ۲۶۹ تا ۲۹۴۔

۲۔ ملاحظہ فرمایئے "احوال و آثار" شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" بہ تصحیح و تحشیہ و کوشش از بانو ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، مطبوعہ از انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔

۳۔ ملاحظہ فرمایئے "احوال و آثار، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صـ ۱۰۹ تا ۱۱۱

Marfat.com

میرے پاس موجود ہے۔ یہ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں اور ان کی کل تعداد ۲۱۰ ہے۔ اس کے علاوہ ایک قصیدہ عربی زبان میں در مدح سید المرسلین محمد خاتم النبیینؐ بھی شامل ہے جو غالباً نامکمل ہے۔ کیونکہ بہت مختصر ہے اور دس بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے پر کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کاتب کا نام لکھا ہے۔ اس کتاب کا ذکر کسی مؤرخ یا سوانح نگار نے بھی نہیں کیا تاہم اس کے ٹائیٹل صفحے پر لکھا ہے کہ "این کتاب تصنیف حضرت شیخ غوث بہاء الحق ملتانی"۔ اس کے علاوہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ ان کی دریافت ہے اور انہیں ایک دیہاتی سے دستیاب ہوا ہے اور واقعی غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی کلام کا حامل ہے۔ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے ہم اس فارسی کلام سے استفادہ کر کے اس کو سامنے لا رہے ہیں۔ اس فارسی کلام میں اخلاق اور تعلیمات مذہبی کی تلقین جا بجا موجود ہے، شریعت، طریقت، معرفت، ترک، فقر، خودداری اور محبوب حقیقی کی طرف رجوع اور توجہ کا ذکر اشعار میں بار بار آتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے

شریعت ازار و طریقت قمیص — حقیقت عمامہ شنوای حریص
ردا معرفت ترک باشد کلاہ — بدین پنج جامہ شوی بادشاہ
ترا بادشاہی مسلّم بود — چو بنیاد در فقر محکم بود

(دیوان فارسی قلمی، ص ۱)

دوسروں کی محتاجی اور دستگیری سے اجتناب، درویشی اور فقیری مسلک اختیار کرنے کی نصیحت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر پیدا کرنے کی تلقین ان اشعار میں ملاحظہ فرمایئے

تو محتاج غیری مشو در دیار — کہ محتاج غیری بباشد خوار
کسی را کہ فقرش بود استوار — بمیدان مردان بود شہسوار
کسی را کہ فقرش بگردد تمام — بصدرِ سلاطین نشیند مدام
توجہ بہ سوئے دلآرام بہ — کہ در کنج با دوست آرام بہ

(دیوان فارسی قلمی، ص ۲)

دنیا میں تونگر حرص و ہوس کی بدولت پریشان حال رہتا ہے۔ اسی طرح بادشاہوں کا اضطراب اور بے سکونی اور دنیا کے مسائل و معاملات کے ہاتھوں لوگوں کے غم اور دکھ کی

Marfat.com

ستان بھی ان اشعار میں بیان ہوتی ہے

توانگر ہمہ عمر حیران بود | کہ در کار دنیا پریشاں بود
ہوائی ملوکاں کسی کم شود | کہ بر پائی شاں جملہ عالم بود
نہ بنیں کہ شاہان چہ حیراں تراند | کہ بہمہ ہوائے پریشان تراند
غم ملک و آلام گنجی کشند | کہ از صبح تا شام رنج کشند
قراری ندارد کسی در جہاں | کہ غم ہا پریشاں کند ہر زماں

(دیوان فارسی قلمی، صہ ۴)

انسان دنیا میں آکر ہزاروں مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ زندگی پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے۔ چونکہ صوفی ریاضتوں سے گزرتا ہے اس لئے زندگی کے دکھوں اور غموں کا تجربہ اسے سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت بہاء الحق زکریا اپنے اس تجربے کو یوں بیان کرتے ہیں لیکن اس میں تعمیم کا رنگ شامل کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں

یکی آدم و صد ہزاراں بلا | ہمیشہ بود در بلا مبتلا
بر فرزند آدم غم روزگار | کند ہر دمش در بلا باشکار (صہ ۵)
نہ حاصل مرادش نہ حاکل قرار | بہ ہر دو کہ گردد بگردد خوار (صہ ۶)

علامہ اقبال نے فرمایا

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟

حضرت غوث بہاء الحق شکم پروری اور شکم سیری کے مضمون کو اس طرح باندھتے ہیں

شکم را رہا کن ز بند بلا | شکم راندیدیم بجز ایں دوا
کہ مرد شکم پرچو گاؤ خراست | نہ بل از سگ و خوک ہم بہ تراست (صہ ۸)

دنیا کی بے ثباتی، صبح شام کی گردش، تغیر کا عالمگیر نظام اور نفس انسانی کی بے حقیقتی کے مضامین بھی اس کلام میں موجود ہیں۔

چو در صبح آید نماند بہ شام | بیک حال ہرگز نماند دوام
ثباتی ندارد بیاید رود | بقائی ندارد شتابان رود

Marfat.com

بمشکل دہر دست آساں رود — بمشکل بیاید شتاباں رود
چو خواب است دنیا ندارد خیال — یکی را بزینت نماند جمال
چو بندی دل خود بریں بے وفا — کہ آید گریزد نہ بیند قفا (ص۵۸)

صوفی کے اوصاف میں سے ایک پسندیدہ وصف قناعت اور توکل ہے۔ قناعت کا سبق تصوف کے اولین اسباق میں سے ہے۔ اس مثنوی میں قناعت کی تلقین بھی ملتی ہے۔ نمونہ دیکھئے

بغیر از قناعت بگردو خوار — کہ عزت نہ بیند گہی ور دیار
بگویم من ایں نکتہ با ہمراں — قناعت رساند بہ تخت شہاں
قناعت بدرویش گنج خداست — گرایں گنج دارد کسی بادشاست (ص۱۰)

فقر اور قناعت کے ساتھ ساتھ صوفی صبر و تحمل سے بھی کام لیتا ہے کیونکہ صبر کی قوت انسانی نفس کو مجاہدے پر مائل کرتی اور اسے مشکلات کے مقابلے میں سرخرو بناتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں صبر کی خوبی کو سراہا گیا ہے۔ ایک مقام پر جاکر صبر اور فقر ہم معنی لفظ بن جاتے ہیں۔ حضرت غوث بہار الحق ملتانی کے کلام میں صبر کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

ہمہ کار بستہ کشاید ز صبر — کہ ہر حاجت تو بر آید ز صبر
ترا صبر با دوست سازد بلند — کہ صبر است نزدیک دانا پسند
نماید ترا عقل حبل متیں — کہ اللہ باشد مع الصابرین
اگر فقر با صبر باشد ترا — شود در جہاں ملک حاصل ترا
ترا "فقر فخری" نماید جمال — بدیں فقر فخری یہ یابی کمال (ص۱۱)

عشق کی فضیلت کو کون نہیں جانتا۔ یہ جذبوں کا سرتاج اور تصوف کی اقلیم کا فاتح ہے لیکن عشق کا جام ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہے اسے پینے والے رندان بلا نوش ہوتے ہیں جن کے پاس ظرف بھی ہوتا ہے اور شوق بھی۔ بہار الحق ملتانی جذبۂ عشق کی تمام کیفیتوں سے واقف ہیں۔ اس لئے شعر کے حوالے سے حقائق بیان کرتے ہیں۔

بجز عشق یاری دگر ہیچ نیست — کہ احوال عالم، بجز ہیچ نیست
نہ ہر عشق از جملہ فائق تر است — نہ ہر کس بدین شوق لائق تر است

Marfat.com

نہ ہر مرد دربحر خواص شد — نہ ہر بندۂ مرد خواص شد
بعشاق حضرت بگیر و مقیم — مگر ایں کہ آید بقلب سلیم (صد ۱۳)

ظاہر ہے عاشق ہمیشہ معشوق کی خوشنودی کا خواہاں رہتا ہے اور اس کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ عاشق صادق کا سارا عیش دراصل معشوق کے وجود کا مرہون منت ہوتا ہے۔ سوائے عشق کے اس کے لئے کچھ زیبا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک اس راہ میں دے دیتا ہے۔ لیکن یہ عشق دراصل حقیقت کا عشق ہے۔ وجود مطلق کو پانے کا عشق ہے۔ اور یہی عشق ہے جو ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ زکریا ملتانی فرماتے ہیں

ہمہ عیش عاشق بمعشوق ہست — کہ از بہر او ہر دو عالم شکست
بجز عشق جانرا چہ زیبا بود — بجز جاں دریں رہ کہ شیدا بود
ہمہ وقت عاشق بہ تقویٰ بود — ز ادنیٰ گذشتہ بہ اعلیٰ بود
ترا عشق باید کہ با حق بود — کہ عشاق در عشق مطلق بود
چو چوگان عشقت بدست آوری — تو گوئی سعادت ز میداں بری (صد ۱۹)

عشق ہمیشہ ابدی ہوتا ہے اور اس کا تعلق بھی ابدیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فانی اور عارضی چیزوں سے اس کا کوئی گزارا اور واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دنیا تو چل چلائی کا مقام ہے اور اس کی ہر چیز فنا پذیر ہے۔ اس لئے زکریا ملتانی فرماتے ہیں،

اقامت نہ دارد کسی در جہاں — سفر پیش آید بگر دو رواں
چنین رسم دنیا کہ فانی فناست — دل خود بہ فانی بہ بستن خطاست (صد ۲۰)

غرض اس مختصر سی مثنوی میں اخلاق و معارف کے کتنے مضامین ادا ہوئے ہیں جو انسان کی فلاح کے لئے ایک مثالی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اسلوب نہایت سادہ، عام فہم اور رواں دواں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ حیرانی اس بات پہ ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ پنجابی، ملتانی یا اُردو کا ایک بھی جملہ منسوب نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے ہم عصر اور دوست بابا فرید گنج شکر، حضرت جلال الدین سرخ بخاری حضرت راجو قتال، حضرت شمس سبزواری سب کے یہاں مقامی اور دیسی زبانوں کے جملے

Marfat.com

فقرے اقوال یا اشعار ملتے ہیں۔ دراصل اس دور کی علمی و ادبی اور درباری و سرکاری اور تحریری زبان فارسی ہی تھی۔ اس لئے غوث بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں بھی فارسی زبان کا استعمال ملتا ہے۔

بہاء الدین زکریا ملتانی نے طبعی عمر[1] پائی تھی۔ انہوں نے کئی سلاطین کا زمانہ دیکھا۔ آپ نے ۷ صفر ۶۶۱ھ[2] بروز منگل اپنے حجرے میں وفات پائی۔ شیخ عمر عمروی نے آخری غسل دیا۔ اور نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے صدر الدین عارف نے پڑھائی۔ آپ کے وصال کا ذکر مؤرخین اس طرح کرتے ہیں کہ آپ حسب معمول نماز ظہر کے بعد حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے۔ باہر آپ کے صاحبزادے صدر الدین عارف خانقاہ اور حجروں کا جائزہ لے کر آپ کے حجرے کی طرف آرہے تھے کہ ایک نورانی صورت بزرگ نے

۱۔ خلاصۃ الاحباب (قلمی) کے مطابق آپ نے سو سال کی عمر پائی کیونکہ آپ ۵۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۶ھ میں فوت ہوئے (بحوالہ خلاصۃ الاحباب (فارسی قلمی) از محمد افضل قریشی، صہ ۴۰)

۲۔ سن پیدائش کی طرح آپ کے سن وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے (۱) سیر العارفین، صہ ۱۷۸ (۲) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۳۱ (۳) آب کوثر، صہ ۲۶۰ (۴) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، صہ ۳۵۶ (۵) اخبار الاخیار، صہ ۶۹ (۶) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۱۲۵۔ ان سب نے متفقہ طور پر سن وفات ۶۶۱ھ لکھا ہے جبکہ (۱) نزہت الخواطر، صہ ۱۲۴ (۲) تواریخ ملتان از حکم چند، صہ ۲۳ (۳) مقالات و شیخ وعلمی (جلد اول) صہ ۲۶۴ (۴) سفینۃ الاولیاء، صہ ۱۱۵ (۵) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، صہ ۱۹ (۶) خلاصۃ الاحباب صہ ۴، اور "حدیقۃ الاولیاء، صہ ۲" میں سن وفات ۶۶۶ھ درج ہے "حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ نولکشور میں صہ ۲، پر تو یہ قطعہ تاریخ بھی درج ہے جو اس طرح ہے۔

بادشاہ دین بہاء الدین ولی — پیر دنیا ہادی دور زمان
عشق حق[568] تولید اور تحریر کن — عاشق صادق[666] بگو ترجیل آن
شمع نور[666] آمد وصال پاک او — نیز فتح دین بہاء الدین[666] بخوان

اور (۱) مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۱۴۱ (۲) مرقع ملتان از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۱۲ (۳) آئین اکبری، صہ ۲۰۷، میں ۶۶۵ھ سن وفات لکھا ہوا ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام، صہ ۱۵۰، میں ۶۶۷ھ درج ہے۔

Marfat.com

سبز رنگ کا سربمہر لفافہ آپ کو دیتے ہوئے فرمایا اسے شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچا دیں۔ آپ یہ خط لے کر اندر گئے اور شیخ الاسلام کی خدمت میں یہ خط پہنچا کر باہر قاصد کو دیکھنے آئے۔ اسے نہ پا کر آپ واپس حجرے کی طرف لوٹے تو چاروں طرف سے یہی آوازیں آرہی تھیں۔

"دوست بدوست رسید"

آپ نے گھبرا کر شیخ الاسلام کی جانب دیکھا تو آپ کا سر سجدے میں تھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی[1] ــــ اس واقعہ کو خلاصۃ العارفین میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"روزی پسر بزرگوار شیخ صدرالدین عارف پیشین در ایستادہ بود تا مردی بیامد سلام داد و مکتوب مہر کردہ پیش شیخ صدرالدین داد و گفت دریں مکتوب فرمان است کہ بدست شیخ بہاء الدین برسید تا بخواند۔ شیخ صدرالدین چوں عنوان نامہ بخواند ہائی ہائی بگریست و گفت کہ طلب دوست آمدہ ہے۔" (۲)

آپ کا مزار ملتان میں قلعہ پر واقع ہے۔ اولاد علی گیلانی کے مطابق

"اپنا مقبرہ حضور نے خود تعمیر کرایا تھا۔ اس قسم کی عمارت کا صرف ایک نمونہ ہندوستان میں بمقام سونی پت موجود ہے۔ ۱۸۴۸ء کی جنگ کی وجہ سے یہ عمارت بھی بے حد خستہ ہو گئی تھی۔ ۱۸۵۰ء میں سرکار عالیہ سے درخواست کی گئی کہ مبلغ دس ہزار روپیہ اس روضہ کی مرمت کے واسطے منظور کیا جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مخدوم شاہ علی محمود صاحب کی کوشش سے چندہ جمع ہوا اور ضروری مرمت کرائی گئی۔" (۳)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) سیر العارفین، صہ ۸،۱ (ب) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ صہ ۳۰۱ - ۳۰۲ (ج) اولیائے ملتان، صہ ۲۲ (د) فوائد الفواد (فارسی) صہ ۲۲۱

۲۔ خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) صہ ۶۳ ـــ یہی عبارت لفظوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی میں صہ ۱۷۱ پر درج ہے۔

۳۔ بحوالہ "مرقع ملتان" صہ ۲۱۳

Marfat.com

۶۔ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

انسان دوستی اور محبت کے جن جذبوں کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے عام کیا تھا۔ بابا فرید الدین گنج شکر کی بدولت ان کی تکمیل ہوئی۔ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے تصوف کو برصغیر میں ایک عوامی تحریک کی صورت دی اور صوفیانہ مسلک کو کسی ایک فرقے یا طبقے میں نہیں تمام طبقوں اور گروہوں میں بلا امتیاز مذہب وعقیدہ عام کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلیفہ اوّل حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی طرح بابا فرید گنج شکر کے یہاں بھی شریعتؔ اور طریقت میں ہم آہنگی اور میل پیدا کرنے کا رجحان غالب ہے۔ البتہ بابا فرید گنج شکر کے یہاں مقامی تہذیب وثقافت کے اثرات اپنے ان دو عظیم پیش رو صوفیاء کی نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ انہوں نے ہندو مسلم ترکیبی تہذیب کو عام کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ بقول قاضی جاوید

> " ایک لحاظ سے وہ تصوف کی اس صورت کی نمائندگی کرتے ہیں جسے ہندی مسلم تصوف کا نام دیا جاسکتا ہے۔" (۱)

وہ برصغیر کے پہلے صوفی ہیں جن کی شہرت برصغیر پاک و ہند سے باہر بھی پہنچی۔ چنانچہ قاضی جاوید نے " فلسطین کے مسلم اولیاء اور عبادت گاہیں" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> " فلسطین میں ایک ایسا زاویہ ہے جس کا نام بابا فریدالدین کے نام پر ہے۔" (۲)

حافظ محمود شیرانی (۳) اور مولوی عبدالحق (۴) نے بابا فرید کو اُردو کا اور مسعود حسن شہاب (۵) نے پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ بابا فرید کے اشلوک خصوصی طور پر مقبول عام ہوتے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق،

۱۔ " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" صہ ۲۶

۲ــــــ ایضاً ــــــ صہ ۲۵

۳۔ " پنجاب میں اُردو" صہ ۷۔

۴۔ " اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام" صہ ۱۱

۵۔ " خطۂ پاک اوچ " صہ ۳۷۶

Marfat.com

"مغربی پنجاب میں کامیاب اشاعتِ اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے صاحب سطوت بزرگوں کی تربیت کی۔ چشتیہ سلسلے کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی میں رونق دی تھی۔ لیکن خطۂ ہندوستان میں اس سلسلے کو اصل وسعت واستحکام بابا فرید کی ذات بابرکات سے نصیب ہوا۔ اور فی الحقیقت انہیں اس سرزمین میں سلسلہ چشتیہ کا موسس ثانی کہا جاسکتا ہے۔" (۱)

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں

"حضرت شیخ فرید کی رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان، مسلمان بنے بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً سترہ غیر مسلم قوموں نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔" (۲)

گلزار فریدی کے مطابق

"خلاصہ اولیاء کبار آن زبدۂ اتقیاء اخیار وآں شیر بیشۂ تقدیس ربانی و آں شمع شبستان تاسیس سبحانی وآں محرم اسرار مشیت احدیت وآں ہمدم انوار وحدت و فردیت ــــ وآں موصوف نور صفات بی غایات وآں سرور ارباب توحید ــــ آں صاحب کشف و کرامت وآں آرام بخش عرصۂ زمین و زمان وآں انتظام دہ کون و مکان۔" (۳)

بابا فرید گنج شکر (۴) کا شمار چھٹی صدی ہجری کے کبار صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اس دور کے

۱۔ "آب کوثر" صـ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔

۲۔ بحوالہ "تاریخ سندھ" صـ ۳۵۶

۳۔ بحوالہ "گلزار فریدی" از مولوی گل محمد چشتی، صـ ۲، قلمی نسخہ (فارسی) سن تحریر ۱۹۰۲ء؛ (ملفوظات و مناقب شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر) جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

۴۔ گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

بارے میں خلیق نظامی لکھتے ہیں

" دنیائے عجم میں بارہویں صدی عیسوی جنگ وجدل اور شور و ہنگامہ کا دور تھا۔ طاقتور ترکی قبائل رہنے کے لیے جگہ کی تلاش میں جنوب کی طرف بڑھ کر اپنی سلطنتیں قائم کر رہے تھے۔ جونہی مشرق کی طرف سے مزید دباؤ پڑتا وہ جنوب کی طرف اور بڑھ جاتے۔ ہر قبیلہ کی حرکت سے بڑی بڑی آبادیاں منتقل ہو جاتیں۔ اس طرح بے شمار حکمران خاندان تباہ ہو گئے اور

(بقیہ گزشتہ صفحہ) ایک روایت تو یہ ہے کہ جب کئی روز کی مسلسل فاقہ کشی کے بعد ایک رات بھوک کی شدت کی وجہ سے چند کنکریاں منہ میں ڈالیں تو وہ شکر کی ڈلیاں بن گئیں —— روضۃ اقطاب (فارسی صہ ۵۹) کے مطابق..... " در مدت شش روز دانہ بہ دہنش نرسید وضعف گرسنگی وی را غالب گردید چیزے از غیب پیدا نیامد کہ لکام بر دہن سبلے اختیار دست بر زمین کرد چند سنگریزہ برداشت و بدہن مبارک انداخت حق سبحانہٗ تعالیٰ آں را شکر ساخت "—— دوسری روایت کچھ یوں ہے کہ ایک روز ایک تاجر اجودھن آیا۔ اس کے پاس شکر تھی۔ لیکن اس نے بابا فرید کے سامنے جھوٹ بولا اور اس شکر کو نمک بتایا۔ لیکن جب اس نے بوریاں کھولیں تو اس میں شکر کی بجائے نمک برآمد ہوا۔ وہ شخص واپس آیا، معافی مانگی اور نمک کو شکر میں بدلنے کی درخواست کی جس پر وہ نمک شکر بن گیا۔ اس لئے آپ شکر گنج مشہور ہو گئے۔ اسی طرح ایک مشہور روایت یہ ہے کہ آپ کو بچپن میں شکر کا بہت شوق تھا۔ ان کی والدہ نے انہیں کہا کہ جو بچہ صبح کی نماز پڑھتا ہے اللہ اسے شکر دیتا ہے۔ چنانچہ والدہ روزانہ رات کے وقت شکر کی پڑیاں بابا کے سرہانے رکھ دیتیں تاکہ وہ صبح کی نماز پڑھے۔ بارہ سال کی عمر تک یونہی ہوتا رہا۔ بعد میں والدہ نے شکر رکھنی بند کر دی لیکن قدرت کی طرف سے شکر کا اہتمام جاری رہا۔ یعنی انہیں پردہ غیب سے شکر مل جاتی۔ اس لئے بابا فرید کا نام گنج شکر پڑ گیا۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے) (۱) سیرالاولیاء، صہ ۴، (۲) سوانح بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، صہ ،، (۳) تذکرہ خواجگان چشت، صہ ۱۸۸ (۴) اخبارالاخیار (اردو ترجمہ) صہ ۱۱۹-۱۱۸ (۵) سیرالعارفین، صہ ۴۸-۴۷ (۶) تاریخ فرشتہ (جلد دوم)، صہ ۳۲۸۔ (۷) جواہر فریدی، از اصغر علی چشتی، صہ ۱۸۸، مطبوعہ، وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۳۰۰ھ۔

Marfat.com

کئی شاہزادے گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزیں ہو گئے۔"(۱)
بابا فرید کے آباؤ اجداد جو طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس افراتفری کے زمانے میں نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ بابا فرید کے دادا جناب قاضی شعیب، شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے لاہور تشریف لائے اور وہاں سے قصور منتقل ہو گئے جہاں سے سلطان نے انہیں کھوتوال کا قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی شعیب کے تین صاحبزادے تھے جن میں سے ایک آپ کے والد جمال الدین سلیمان تھے۔ آپ کے والد سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے(۲)۔ ان کی شادی کھتوال کے شیخ وجیہ الدین خوجندی کی صاحبزادی محترمہ قرسم بی بی سے ہوئی۔ انہی کے ہاں ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء(۳) میں ایک ایسے بچے کی پیدائش ہوئی جس کا شمار آگے چل کر قرونِ وسطیٰ کے معزز مشاہیر میں ہوا۔ یہ شخصیت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی تھی آپ کے والد کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ کو ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے ملی جو کہ ایک نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ نے کھتوال میں گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا(۴)۔ اسی زمانے میں آپ کی تعلیم، ذہانت اور نیکی کا

۱۔ احوال و آثار، شیخ فرید الدین گنج شکر" مصنف خلیق احمد نظامی مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ، صہ ۴۰، المعارف گنج روڈ لاہور سال اشاعت ۱۹۸۳ء / ۱۴۰۳ھ

۲۔ بحوالہ (۱) تذکرہ خواجگان چشت، صہ ۱۷۸ (۲) گلزار فریدی از مولوی گل محمد چشتی (قلمی نسخہ) فارسی مرقوم ۱۹۰۲ء

۳۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے (۱) سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر از وحید احمد مسعود، صہ ۳۰ (مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور) (۲) نزہت الخواطر، صہ ۳۱۲ میں ۵۶۹ھ لکھا ہے۔ جبکہ خلیق احمد نظامی نے فوائد الفواد کے حوالے سے (۹۳ سال عمر بتائی ہے) عمر کا حساب لگا کر سن پیدائش ۵۷۱ھ (۱۱۷۵ء) بیان کیا ہے۔ سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) صہ ۱۳۱ میں بھی ۵۷۱ھ درج ہے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ (اردو نثر کا آغاز و ارتقاء، صہ ۲۶) نے ۵۸۰ھ بیان کی ہے اور مولوی عبدالحق (اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، صہ ۱۳) ۵۶۹ھ درج کرتے ہیں (۴) تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ، صہ ۱۷۰ پر ۵۸۴ھ لکھی ہے۔

۴۔ بحوالہ "سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر" از وحید مسعود، صہ ۳۵، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۱ء

Marfat.com

چرچا پورے شہر میں ہو گیا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملتان تشریف لائے۔ کیونکہ

"اس زمانے میں ملتان تمام عالم کا قبہ اسلام تھا۔ اور علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ بڑے بڑے مشاہیر علماء اور بے نظیر فضلاء یہاں موجود تھے اور ہر طرف طلبہ کے لئے درس گاہیں کھلی ہوئی تھیں۔" (۱)

ملتان میں آپ نے مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام فرمایا اور ان سے کتاب "نافع"(۲) پڑھی۔ یہیں اسی مسجد میں کتاب "نافع" کے مطالعے کے دوران آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے ہوئی جو آپ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا(۳) بابا صاحب نے خواجہ بختیار کاکی کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے روک دیا

۱۔ بحوالہ "سیر الاولیاء" تالیف سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد مترجم غلام احمد بریاں، صہ ۶۷، الکتاب، گنج بخش روڈ لاہور، سال اشاعت ۱۹۸۲ء

۲۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) نزہت الخواطر، صہ ۳۱۲ (۲) پنجاب کے صوفی دانشور، از قاضی جاوید، صہ ۴۵، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول ۱۹۷۹ء لاہور (۳) سیر العارفین، صہ ۴۸ (۴) تذکرہ خواجگان چشت، صہ ۸۷۔

۳۔ قطب الدین بختیار کاکی سے آپ کی ملاقات اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ جناب گنج شکر صاحب کتاب پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا مولانا کونسی کتاب ہے؟ بابا صاحب نے فرمایا یہ "نافع" ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "خدا کرے تمہیں اس سے نفع حاصل ہو۔ بابا صاحب نے فرمایا اس کتاب سے تو نہیں البتہ مجھے آپ سے فیض پہنچے گا اس واقعہ کو روضہ اقطاب، صہ ۵۸، میں یوں بیان کیا گیا ہے ——— "حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر برائے تحصیل علوم قدم بملتان آورد و در مسجد مولانائے منہاج الدین ترمذی قرار گرفت۔ روزے بمسجد مذکورہ بمطالعہ کتاب "نافع" کہ در علم فقہ است مشغول بود کہ یکایک حضرت خواجہ قطب الدین از اوش ہمراہان مسجد ورود نمود و دید کہ جوانے نیکوئے و پاکیزہ روئے بمطالعہ کتابے مشغولست فرمود ای جوان چہ میخوانی وے التماس نمود نافع گفت میدانی کہ ازیں تو نفعے خواہد (باقی برصفحہ ثانی)

Marfat.com

اور فرمایا کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو کیونکہ

"زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہوتا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرو۔"(۱)

کچھ عرصہ کے بعد آپ ملتان سے قندھار تشریف لے گئے اور وہاں پانچ برس تک مسلسل عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور اپنے عہد کے مروجہ ظاہری علوم کی تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی میں قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کی باقاعدہ طور پر بیعت کریں۔ جس وقت بختیار کاکی نے بیعت سے سرفراز فرمایا اس وقت وہاں نامور مشائخ موجود تھے جن میں شیخ بدرالدین غزنوی، قاضی حمیدالدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، مولانا شمس الدین ترک، خواجہ محمود موئینہ شیخ نظام الدین ابوالموید شامل ہیں۔ بابا صاحب کا شمار قطب الدین بختیار کاکی کے بہترین خلفاء میں سے ہوتا ہے کہ جن کو دیکھ کر خواجہ معین الدین اجمیری نے فرمایا تھا کہ

(بقیہ گذشتہ صفحہ) رسید وے عرضداشت کرد کہ مرا نفعے از نگاہ کرم حضرت شیخ خواہد گردید ہمین قدر بگفت و برخاست و در پا افتاد و معتقد شد۔"

یہی واقعہ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) میں یوں لکھا ہے کہ۔" خواجہ قطب صاحب بابا صاحب را در ملتان دیدند خود بخود پرسید ندکہ ای میاں درویش چہ می خوانی؟ بابا صاحب کتاب نافع فرمودند کہ نفعے باب باشی۔" (بحوالہ منتخب شریف فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن حضرت خواجہ تاج محمود چشتی، پاک پتن شریف جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

المنتخب ملفوظ شریف (قلمی) جو ڈاکٹر طاہر تونسوی سے دستیاب ہوا۔ اس میں بھی صفحہ ۲۵۶ میں یہی عبارت اسی طرح درج ہے۔ دونوں قلمی کتابیں ایک ہیں۔ صرف دونوں کے کاتب مختلف ہیں۔ حوالے کے لئے دیکھئے (۱) احوال و آثار شیخ فریدالدین گنج شکر، صہ ۵۱۔ (۲) سیر الاولیاء، صہ ۶۷۔ (۳) پنجاب کے صوفی دانشور، صہ ۴۵۔ (۴) دلی کے بائیس خواجہ، صہ ۳۰۔ (۵) سیر العارفین، صہ ۴۸۔ (۶) تذکرہ خواجگان چشت، صہ ۱۸۸۔ (۷) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۳۶۔ (۸) تذکرہ مشائخ کرام، صہ ۱۴۱۔

۱۔ بحوالہ (الف) پنجاب کے صوفی دانشور از قاضی جاوید، صہ ۴۵ (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۳۸۔

Marfat.com

"بابا بختیار! آپ ایک ایسے عظیم شہباز کو دام میں لاتے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ سے ورے کہیں ٹھکانہ نہیں کرے گا، فرید ایک شمع ہے جس سے درویشوں کا سلسلہ روشن ہو گا۔"(۱)

قطب الدین بختیار کاکی نے بابا فرید کو چلہ معکوس(۲) کا حکم دیا تو بابا صاحب ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں ان کی شہرت نہ ہو اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ اوچ میں "حاج" یا "حج" کی جامع مسجد انہیں مناسب لگی۔ کیونکہ کنواں بھی تھا اور اس کے ساتھ درخت بھی اور وہاں کے مؤذن رشید الدین مینائی انہیں قابل اعتماد معلوم ہوئے چنانچہ بابا فرید نے وہاں چالیس راتیں چلہ معکوس کھینچا۔ وہ مؤذن رات کو آپ کا پاؤں رسّی کے ساتھ درخت سے باندھ کر آپ کو کنوئیں میں الٹا لٹکا دیتے۔ آپ ساری رات عبادت کرتے اور صبح نمازِ فجر سے قبل آپ کو کنوئیں سے باہر نکال دیتے(۳) کچھ عرصہ آپ نے ہانسی میں بھی قیام فرمایا۔ قطب الدین بختیار کاکی نے وصیت فرمائی کہ

"این جامہ من و عصا و مصلا و نعلین چوبیں بہ شیخ فریدالدین دہند۔" (۴)

پھر آپ خواجہ قطب الدین کی وفات کے بعد دہلی تشریف لائے لیکن دہلی کے حالات کے

۱۔ اصل عبارت یوں ہے: "بابا بختیار شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جذبہ سدرۃ المنتہیٰ آشیان نگیرد ایں فرید شمعیت کہ خانوادہ درویشاں منور سازد" تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) سیرالعارفین، صـ ۲۳، (۲) احوال و آثار شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر، صـ ۵۹۔ (۳) سیرالاولیاء، صـ ۷۹۔ (۴) پنجاب کے صوفی دانشور صـ ۴۹۔

۲۔ قاضی جاوید چلہ معکوس کو عبادت اور ریاضت کا ہندوانہ طریقہ قرار دیتے ہیں (ملاحظہ فرمائیے "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" صـ ۲۶

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) احوال و آثار۔ شیخ فریدالدین گنج شکر، صـ ۶۶ تا ۷۰، (۲) اخبار الاخیار، صـ ۱۲۰۔ (۳) پنجاب کے صوفی دانشور، صـ ۵۱۔۵۰۔ (۴) سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، صـ ۲۷، البتہ مرقع مولتان، صـ ۲۲۵، اور تاریخ ملتان از حکم چند، صـ ۱۰۹، کے مطابق یہ کنواں حضرت دیوان چاولی کے مزار کے پاس واقع تھا۔

۴۔ بحوالہ "فوائد الفواد" از میر حسن سنجری (فارسی) جلد چہارم، صـ ۱۸۷۔

Marfat.com

پیش نظر دہاں قیام نہ فرمایا اور اجودہن (موجودہ پاکپتن) تشریف لے گئے۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ

"بابا فرید کا دہلی قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلہ کے حق میں اتنا ہی مفید ہوا جتنا قطب صاحب کا دہلی میں قیام کرنا التمش کی وفات کے بعد عرصہ تک دہلی کے حالات خراب رہے اور علماء و صوفیاء نے مل کر خوب سیاست میں حصہ لیا —— ممکن تھا کہ بابا صاحب بھی ان حالات میں رہ کر سلسلہ کا کام انجام دینے سے قاصر رہتے۔ ہانسی اور بعد کو اجودہن میں رہ کر ان کو سلسلہ کا کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔" (۱)

اجودہن کے لوگوں کے بارے میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ

"یہاں (اجودہن) کے باشندوں کے عقائد نہایت گھٹیا تھے۔ وہ اَن پڑھ بدمزاج، اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ ایک ولی اللہ کے عزلت میں ریاضت ومجاہدہ کے لئے اس سے بہتر اور پُرسکون کوئی جگہ نہ ہوسکتی تھی۔" (۲)

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث کا بیان ہے کہ

"یہاں (اجودہن) کے باشندے تندخو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے۔ آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے مناسب ہے۔ چنانچہ وہیں رہنے لگے۔" (۳)

اجودہن کا علاقہ اگرچہ تھا تو مسلمانوں کے قبضے میں لیکن یہاں ہندوؤں کی آبادی بھی کثرت سے تھی۔ قاضی جاوید امین الدین (مصنف تذکرہ علی ہجویری) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"اس زمانے میں ہندوؤں کا خاص علاقہ تھا جہاں ہندوؤں کا مشہور

۱۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، صہ ۱۵۹۔۱۵۸۔

۲۔ بحوالہ "احوال وآثار، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ" صہ ۸۸

۳۔ بحوالہ "اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مترجمین مولانا سبحان محمود صاحب، دارالعلوم، مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم، صہ ۱۱۰ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

Marfat.com

راج جوگی رہتا تھا جس کا نام سمبھو ناتھ تھا۔ ہندوؤں پر اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد گرامی نے ہدایت خلق اور تبلیغ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ہندوؤں کے اس علاقہ کو اپنی تبلیغ و ہدایت کا مرکز بنایا تاکہ کفر کی تاریکیوں کو اسلام کی ضیا باری سے منور کریں۔ چنانچہ آپ کی مساعی سے اس علاقہ کی کایا پلٹ گئی۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ سمبھو ناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجہ ولایت کو پہنچا۔[1]

بابا صاحب نے اجودھن میں صوفیانہ روایات کے مطابق ایک جماعت خانہ قائم کیا اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس جماعت خانے کے بارے میں قاضی جاوید کا بیان ہے کہ

"اس کو ایسی خانقاہ قرار نہیں دینا چاہیئے جس میں خارجی ماحول سے مطابقت اختیار کرنے میں ناکام رہنے والے مجہول افراد پناہ لیتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ یہ جماعت خانہ اس سماجی، معاشی نظریئے اور آدرش کی تجسیم تھا جس کا پرچار چشتی رہنما کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک فعال اور تخلیقی مرکز تھا۔ قرون وسطیٰ کے برصغیر میں جب کہ سماجی تقسیموں پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا اور اس قسم کے صوفیانہ مراکز انسان دوستی کے آدرش کو برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ رہ گئے تھے۔"[2]

بابا فرید کے قائم کردہ جماعت خانے کا دروازہ ہر شخص کے لئے دن رات کھلا رہتا تھا

"بابا صاحب ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کا آشنا ہے۔ ظاہر و باطن

۱۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۵۳۔

۲۔ بحوالہ —— ایضاً —— صہ ۵۴۔

Marfat.com

کی ہم آہنگی حیرت انگیز تھی۔" (۱)

گلزار فریدی میں لکھا ہے

"خواجہ گنج شکر عجب تقریر دلپذیر و بیان شافی و کافی و فصیح و ملیح داشت۔" (۲)

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس لئے کوئی بھی مسئلہ ہو آپ بڑے سادہ سے لفظوں میں آسانی کے ساتھ سمجھا دیتے تھے۔ بابا صاحب نے اپنے دور کے مروجہ ہر قسم کے علوم حاصل کئے تھے۔ جتنی مشکل کتابیں تھیں سب کو پڑھا ہوا تھا۔ حصولِ تعلیم کی خاطر انہوں نے بغداد اور خراسان کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔ جعفر قاسمی کے مطابق

"یہ بات یقینی ہے کہ شیخ فرید ظاہری و باطنی علوم اسلامی کے عقلی ورثے کے پوری طرح مالک تھے۔ کیونکہ انہوں نے علم دین کی مکمل اور معیاری تعلیم حاصل کی تھی۔" (۳)

بابا فرید نے قرآن مجید کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں آپ کا علم غیر معمولی تھا۔ نہ صرف خود مطالعہ کیا تھا بلکہ اوروں کو بھی پڑھایا تھا۔ نزہت الخواطر میں لکھا ہے کہ،

"حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ سے قرآن مجید کے ۶ پارے پڑھے اور کتاب العوارف کا کچھ حصہ سبقاً پڑھا (۴) اور شیخ عبدالشکور رسالی نے

۱۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص ۱۶۱۔

۲۔ گلزار فریدی (قلمی نسخہ) ص ۲۸

۳۔ "بابا فریدالدین گنج شکرؒ" از جعفر قاسمی (اُردو ترجمہ از طاہر اسدی) ص ۱۲۔ مطبوعہ المعارف لاہور

۴۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں

"میں نے شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے چھ سپارے پڑھے تھے۔ اس کے علاوہ ان سے تین کتابیں اور پڑھی ہیں۔"

(بحوالہ فوائد الفواد، اُردو) ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر حسن علا سنجری، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، ص ۲۴۰ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اوّل ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء)

Marfat.com

کتاب التمہید پڑھی۔(۱)

بابا صاحب کو تصوف کے علم سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" کے مطالعے کو ہر اس درویش کے لئے لازم خیال کرتے تھے جسے اس کا مرشد خلافت دینا چاہتا تھا۔ خلیق احمد نظامی کے خیال میں برصغیر میں سب سے پہلے بابا صاحب نے ہی اس کتاب کے مطالعے کو رواج دیا۔ اور تصوف کے نصاب میں شامل کیا(۲)۔ شیخ نظام الدین اولیاء، حضرت بابا سے "عوارف المعارف" پڑھنے کا ذکر اس طرح کرتے ہیں،

"میں نے عوارف کے پانچ ابواب شیخ کبیر فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ آپ عوارف کے نکات اس طرح بیان کرتے تھے کہ کسی اور سے ایسا بن نہ پڑے گا۔" (۳)

بابا فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات کے دو تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک کا نام "راحت القلوب" ہے جس کو شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین(۴) اولیاء سے منسوب کیا جاتا

۱۔ بحوالہ "نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" (حصہ اول) مؤلفہ مولانا سید عبدالحی بریلوی، لکھنوی، مترجم ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، صہ ۳۱۳، مطبوعہ مقبول اکیڈمی، محکمہ اوقاف لاہور، طبع اول، ۱۹۶۵ء، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، صہ ۱۷۰ تا ۱۷۵۔ (۲) آب کوثر، صہ ۲۲۳۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "احوال و آثار، شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر" صہ ۱۷۲

۳۔ بحوالہ "فوائد الفواد" (اردو ترجمہ) صہ ۱۷۴

۴۔ روضہ اقطاب میں صہ ۴۹ کے مطابق شیخ نظام الدین اولیاء اپنے آپ کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کا خلیفہ اکبر کہتے تھے، الفاظ یہ ہیں۔ "در تصانیف خود ضبط مینماید وے مرید و خلیفہ اکبر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر است۔"

حدیقۃ الاولیاء، صہ ۳۶ میں بھی یہی لکھا ہے کہ "یہ حضرت کے بڑے خلیفہ شیخ فرید الدین گنج شکر پاک پتنی کے تھے۔" (بحوالہ حدیقۃ الاولیاء از غلام سرور لاہوری، صہ ۳۶ مطبع نولکشور ۱۹۵۶ء)

Marfat.com

ہے۔ دوسرے مجموعے کا نام "اسرار الاولیار"[1] ہے۔ جسے حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق نے مرتب کیا۔ بابا صاحب کی شاعری جو اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ سکھوں کی مشہور زمانہ مذہبی کتاب "ادگرنتھ" میں ملتی ہے۔ ان تمام ملفوظات پر شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے[2] لیکن ان ملفوظات کے مندرجات کے حوالے بابا فرید گنج شکر پر لکھی گئی کم وبیش تمام کتابوں میں ملتے ہیں مجھے جناب حبیب فائق کی لائبریری سے بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات پر مبنی ایسا قلمی نسخہ بعنوان "گنج الاسرار" دستیاب ہوا ہے جو ۵ ارجمادی الثانی ۱۲۷۷ھ کا لکھا ہوا ہے اس کی چار فصلیں ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ در معرفت صنع دل

۲۔ در پاس انفاس

۳۔ در شرح ماہیت دل

۴۔ در اظہار وحدانیت وآفرینش حضرت آدم

یہ رسالہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے اور خط نستعلیق کے پختہ خط میں لکھا گیا ہے۔ پہلے عنوان کے تحت معرفت صنع دل میں قرآن کی اس آیت کے حوالے سے قلب مومن کی عظمت اور بزرگی بیان کی ہے

۱۔ یہ کتاب مطبع نامی منشی نولکشور کانپور نے شائع کی تھی اس کا ایک نسخہ مجھے جناب اسعد نظامی کی لائبریری سے ملا۔ یہ چھٹا ایڈیشن ہے جو مارچ ۱۹۱۷ء میں طبع ہوا۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ جیسا کہ اس نسخے کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب نادرالوجود تھی۔ یہ کتاب چورانوے (۹۴) صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی ۲۲ فصلیں ہیں۔

۲۔ اختلافی بحث کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) احوال وآثار، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر از خلیق احمد نظامی، صہ ۲۲۳ تا ۲۳۹۔ (۲) بابا فرید گنج شکر ابراہیم اور فرید ثانی (مضمون) از ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین جلد ۱۴ شمارہ ۲، عدد مسلسل ۵۲۔ فروری ۱۹۳۸ء صہ ۶۔ (۳) برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء، صہ ۲۸-۲۹۔ (۴) آب کوثر، صہ ۲۲۴-۲۲۵۔ (۵) پنجاب کے صوفی دانشور، صہ ۵۸-۵۹۔ (۶) گلزار فریدی (قلمی نسخہ) فارسی، صہ ۵۔

Marfat.com

كما قال الله تعالىٰ قلب المؤمن اكبر من العرش و واسع من الكرسی

اس کے بعد لکھا ہے کہ "مراد ازیں عظمت و بزرگی قلب مومن است کہ عشق الٰہی و اسرار الٰہی و معرفت ذکر الٰہی وادست سوال اگر گویند کہ دل پارہ گوشت است بدیں فراخی کہ نہ در آسمان و نہ در زمین ہا است چگونہ صورت بندد جواب گفتہ اند مراد از وسعت صلاح و راستی است ہرگاہ کہ دل مومن در صلاح ایداز زمین و آسمان وسیع تراست۔ (صہ ۲-۳-)

اسی طرح در پاس انفاس کے ضمن میں ذکر و فکر کو ضروری قرار دیا ہے اور ذکر جلی سے باطن کی پاکیزگی بیان کی ہے۔ دل کے اندر سات پہلو بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے

"گوہر اوّل ذکر است، دوم گوہر محبت است، سوم گوہر عشق، چہارم گوہر سر است، پنجم گوہر روح است، ششم گوہر معرفت است، ہفتم گوہر فقر است دل را بسبب ایں گوہر ہا گنج گفتہ اند" (صہ ۱۰)

تیسری فصل در شرح ماہیت دل میں سالک کے لئے ذکر جلی و ذکر خفی کی کثرت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جس کی بدولت یہ سات گوہر جن کا ذکر دوسری فصل میں کیا گیا ہے۔ روشن ہو جاتے ہیں اور پھر سالک سوائے حق کے کچھ پسند نہیں کرتا۔ سوائے حق کے کچھ نہیں سنتا۔ سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا اور سوائے حق کے کچھ نہیں کرتا۔ (صہ ۱۴-۱۵)

فصل چہارم کی تشریح کرتے ہوئے یہ حدیث درج کی گئی ہے۔

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ تعالیٰ والمؤمنون من نوری، قال اللہ تعالیٰ نور السّمٰوٰت والارض ای منورھا و عادی اصلھا

(صہ ۱۵)

اس کے بعد تخلیق آدم کا واقعہ بیان کیا ہے، ملائک کے سجدے، ابلیس کی سرتابی، دنیا میں انسان کی نیابت وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ آخر میں آدم کی آفرینش کا مقصد وحدانیت کا اظہار قرار دیا ہے۔

(صہ ۱۶ تا ۲۲)

اُردو زبان کی ابتدائی تشکیل و تعمیر کے دور میں جن صوفیاء کا نام آتا ہے ان میں حضرت بابا فرید سر فہرست ہیں۔ ان کے ساتھ نہ صرف جملے اور فقرے منسوب ہیں بلکہ شعر و شاعری کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ بھی ان کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ یہ شاعری

Marfat.com

اس زبان میں ہے جو اس دور میں مروّج تھی اور عوامی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس زبان کو جو نام بھی دیا جائے بہرحال اس میں ملتانی، پنجابی اور ہندی کے الفاظ کثرت سے موجود ہیں اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ اُردو کی ابتدائی ہیئت میں ان زبانوں کو کتنا گہرا دخل رہا ہے۔ بابا صاحب کے جملوں اور شاعری کے نمونوں کو اُردو، سرائیکی اور پنجابی شاعری کے ارتقاء اور اُردو زبان کی ابتدائی نشوونما کے سلسلے میں تاریخی تقدم حاصل ہے اور کم و بیش تمام ماہرین لسانیات نے اپنی کتابوں اور مضامین میں بابا فرید کے جملوں اور شعروں کی مثالیں درج کی ہیں [۱]۔ ان میں سے کچھ اہم مثالیں یہ ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا

"پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے"۔ (۲)

خواجہ بختیار کاکی کے استفسار پر فرمایا

"آنکھ آئی ہے"۔ (۳)

بابا فرید سرسہ کے مقام پر ایک بزرگ کے مزار پر جایا کرتے تھے۔ ایسے میں ہی کسی موقع پر فرمایا،

"سرسہ کبھی سرسہ کبھی نرسہ"۔ (۴)

۱۔ ملاحظہ فرمائیے (۱) پنجاب میں اُردو از حافظ محمود شیرانی، ص ۲۹۹ تا ۳۰۲۔ (۲) تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل) از ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۳۶۔ (۳) اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص ۹۔ ۱۳۔ (۴) ملتانی زبان اور اس کا تعلق اُردو کے ساتھ، ص ۲۲۵۔ ۸ ۳۳۔ (۵) اُردو نثر کا آغاز وارتقاء از ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ص ۲۶۔ ۳۳۔ (۶) سیر الاولیاء، ص ۱۸۲۔ ۱۸۵۔

۲۔ بحوالہ (۱) اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص ۱۰۔ (۲) پنجاب میں اُردو، ص ۳۰۱ (۳) اُردو نثر کا آغاز وارتقاء، ص ۲۷۔ (۴) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی، ص ۲۷۹۔ مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۳۰۱ھ۔

۳۔ "اُردو نثر کا آغاز وارتقاء"، ص ۲۷۔

۴۔ بحوالہ "پنجاب میں اُردو"، ص ۳۰۱

Marfat.com

ایک دفعہ ایک مرید نے بابا فرید سے عقل کا مقام دریافت کیا تو فرمایا

"نیچ سر کے" (۱)

اسی طرح فرمایا

"ایک دو تین چار پنج چھ ہفت" (۲)

پھر فرمایا

"خواہ کھوہ کھاہ خواہ دوہ کھاہ" (۳)

وحید احمد مسعود لکھتے ہیں

"بہر حال نثر کے ان چند فقروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت والا کا مذاق کس قدر بلند تھا اور شستگی کتنی تھی۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اُردو کے معمارِ اوّل تھے اور ساتویں صدی میں یہ زبان اپنے امتیازی خدوخال نمایاں کر چکی تھی" (۴)

اسی طرح بہت سے اشعار اور کافیاں بھی بابا فرید سے منسوب کی جاتی ہیں۔ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے مجھے "گلزار فریدی" (فارسی) کا قلمی غیر مطبوعہ نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ میں اس کتاب سے کچھ مثالیں درج کرتی ہوں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت بابا فرید نے ایک کنوئیں میں چلہ معکوس کاٹا تھا۔ اسی دوران میں ایک کوا آپ کے جسم پر آ بیٹھا اور چونچیں مارنے لگا۔ آپ نے منع نہ کیا۔ لیکن جب کوّے نے ان کی آنکھ پر چونچ ماری تو آپ نے فرمایا (۵)

کانوا کر ننگ ٹکیندیاں سب چن کھائیو ماس

۱۔ بحوالہ "اُردو نثر کا آغاز وارتقاء" صـ ۲۹

۲-۳۔ بحوالہ جواہر فریدی از مولوی اصغر علی چشتی، صـ ۲۸۱، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ

۴۔ "سوانح حضرت بابا فریدالدین گنج شکر" مرتبہ وحید احمد مسعود، صـ ۲۲۱

۵۔ اس واقعہ کی اصل عبارت یوں ہے "نقل است کہ روزے زاغ بدن مبارک در چاہے کہ آویزاں بود سے کندید۔ شیخ منع نفرمود تا بہ چشماں منقار زدن آغاز نہاد شیخ فرمود......" (گلزار فریدی، صـ ۸)

Marfat.com

ایہہ دو نین مت کھائیو ملن دی ہاسے آس

(یعنی اے کوے! تو (میرے) بدن کو کاٹتے ہوئے میرا سارا گوشت چن چن کر کھا لو لیکن میری ان دو آنکھوں کو مت کھانا کہ مجھے (دوست سے) ملن کی آس ہے)

روایت ہے کہ آپ لاہور سے روانہ ہو کر اجودھن (پاک پتن) پہنچے تو آپ نے اس جگہ کو پسند فرمایا۔ حالانکہ وہاں کے لوگ ناقدر شناس اور بد ذوق و بد مزاج تھے چنانچہ آپ نے فرمایا

فریدا اتھاں ٹکیے جتھاں وسن انھے
نہ کوسا کون جانے نہ کوسا کون منے (۱)

(یعنی اے فرید! وہاں رہنا چاہیئے جہاں اندھے رہتے ہوں تاکہ نہ کوئی ہمیں جان سکے اور نہ ہی کوئی ہم کو مان سکے۔)

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی(۲) کا معمول تھا کہ وہ ہر سال بابا فرید کو تحفے کے طور پر گاجریں بھیجا کرتے تھے۔ جبکہ بابا فرید انہیں بیر بھجواتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ ایک سال زکریا ملتانی نے گاجریں نہ بھجوائیں تو بابا نے بھی بیر نہ بھجوائے۔ چنانچہ زکریا ملتانی نے شکایت کی تو اس کے جواب میں بابا فرید نے فرمایا

ہتھڑیں وڈوں ہتھڑے پیراں وڈوں پیر
تساں نہ ملتیاں گاجراں اساں نہ ملتے بیر (۳)

۱۔ بحوالہ "گلزار فریدی" صہ ۲۸

۲۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور بابا گنج شکر کے درمیان موانست اور محبت کا رشتہ قائم تھا۔ مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق "سالہا سال تک دونوں نے یکجا بسر کئے اور سفر و حضر میں ایک دوسرے کے شریک حال رہے۔ ان کا باہمی اخلاق دنیاوی راہ و رسم سے وراء الورا تھا۔" (ملاحظہ فرمائیے "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۴۱)

۳۔ اصل عبارت یوں ہے۔ نقل است مکتوب است کہ مخدوم بہاء الدین ملتانی۔ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

(یعنی ہاتھوں کے بدلے ہاتھ اور پیروں کے بدلے پیر۔ آپ نے گاجریں نہیں بھجوائیں ہم نے بیر نہیں بھجوائے۔)

منشی جیشی رام مشتاق فریدکوٹی چشتی، بدری صابری قادری نے بابا فرید کے کچھ اشلوک گورو گرنتھ سے منتخب کر کے ان کی شرح لکھی ہے۔ یہ کتاب الٰہہ ولسے قومی کشمیری بازار لاہور سے ۱۹۲۷ء بمطابق ۲۷ شوال ۱۳۴۵ھ شائع ہوئی۔ اس کے پہلے چار صفحے غائب ہیں۔ یہ کتاب مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے چند اشلوک درج کرتی ہوں جن سے اس زمانے کی زبان کا انداز معلوم ہوگا۔

فریدا جے توں عقل لطیف ہیں کالے لکھ نہ لیکھ
آن پڑے گریوان میں سر نیواں کر کے دیکھ (۱۱۴)

ویکھ فریدا جو تھیا داہڑی ہوئی بھور
آگا نیڑے آیا پچھا رہیا دور (ص ۱۶)

اپنالا یا پرم نہ لاگے جی لوچے سب کوے
(عشق الٰہی نہیں لگتا اگر ہر کوئی)

اے پرم پیالہ خصم کا جس بھاوے تس دے (ص ۱۹)
فریدا خاک نہ نندتے خاکوں جیڈ نہ کوے

جیو ندیاں پیراں تلے مویاں اپر ہوتے (ص ۲۲)
فریدا بین بھلا واپگ دامت میلی ہو جائے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) بطریق تحفہ میوہ ہا زردکی بطرف جناب گنج شکر میفرستادی وجناب گنج شکر در موسم بہار فیوض دلخواہی مخدوم میوہ ہا کنار بجانب مخدوم بہاءالدین ابلاغ داشتے۔ مدتے بدیں گونہ روشی داشتندے۔ آخر یکے سال مخدوم زردکی ہا نفرستاد آنجناب کنار ہا نیز نفرستاد۔ مخدوم بعد گذشتی موسم کنار شکایت بدینگو نہ نوشت کہ ای مولانا فریدالدین ایں بار۔ میوہ ہا کنار نفرستادہ اند جناب گنج شکر ایں جواب نوشت کہ ای برادم بہاءالدین ہتھیڑیں وٹوں ہتھڑے پیراں وٹوں پیر۔ تساں نہ متیاں گاجلاں اساں نہ متے بیر۔ (بحوالہ "گلزار فریدی، ص ۳۷)

Marfat.com

بھلا روح نہ جاندا سر بھی مٹی کھائے (صـ ۴۰)
رکھی سکھی کھائے کے ٹھنڈا پانی پیو
فریدا دیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جیو (صـ ۴۱)
فریدا کوٹھے منڈپ ماڑیاں اسارتے بھی گئی
کوڑ سودا کر گئے گوریں جا پیئے (صـ ۴۴)
فریدا کوٹھے منڈپ ماڑیاں ایت نہ لائے چت
مٹھی پئی اتو کوئی نہ ہوسی مت (صـ ۵۶)
فریدا کالے میںڈے کپڑے کالا میںڈا بھیس لیس
گہنی بھریا میں پھراں لوک کہن درویش (صـ ۵۹)
فریدا میں توں مار کے منج کر نکی کر کے کٹ
بھرے خزانے رب دے جو بھاوے سو لٹ (صـ ۷۷)
کاگا کرنگ ڈھنڈھولیا سگلا کھایا ماس
ایہہ دو دے نیناں مت چھوہو پر دیکھن کی آس (صـ ۹۴)
کاگا سب تن کھائیوں چن چن کھائیوں ماس
دو نین مت کھائیو پر دیکھن کی آس (صـ ۱۰۰)
کہے فرید سہیلیو سوہ آلائے سی[۱]
ہنس چلسی ڈھنا ایہہ تن ڈھیری تھے سی (صـ ۱۶۰)

فنون لطیفہ میں شاعری کے علاوہ موسیقی سے ان کو خاص شغف تھا۔ سماع میں

۱۔ حق ارشادات فریدی یعنی اشلوک فریدی مؤلفہ منشی جیجنی رام مشتاق فریدی کوٹی، مطبوعہ اللہ والے قومی دکان کشمیری بازار، لاہور، یکم مئی ۱۹۲۷ء بمطابق ۲۷ شوال ۱۳۴۵ھ۔ کیفی جام پوری مرحوم نے اپنی تصنیف " سرائیکی شاعری " میں بابا فرید کی شاعری کے کچھ نمونے درج کئے ہیں جو شلوک بابا فرید سے لئے گئے ہیں (ملاحظہ فرمائیے " سرائیکی شاعری " مطبوعہ بزم ثقافت، ملتان، طبع اول ۱۹۶۹ء)

Marfat.com

ان کی دلچسپی ضرب المثل بن چکی تھی۔ اس سلسلے میں کئی ایک روایات مشہور ہیں۔
اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ

"ایک محفل میں بابا فرید الدین گنج شکر بھی موجود تھے اور لوگ سماع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق علمائے کرام کے اختلاف کا ذکر کر رہے تھے۔ ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سننے کے بعد آپ نے فرمایا، سبحان اللہ ایک جل کر راکھ ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔" (۱)

ایک موقع پر فرمایا کہ

"اہل سماع وہ گروہ ہے کہ جب وہ سماع اور تحیر میں مستغرق ہوتے ہیں اس وقت لاکھ تلوار بھی اس کے سر پہ ماری جاوے تو انہیں خبر نہیں ہوتی۔" (۲)

بابا فرید سے یہ قول بھی منسوب ہے کہ

"رحمت باری تعالیٰ کا نزول تین مواقع پر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک سماع، دوسرا درویشوں کے احوال بیان کرنے کا موقع، اور تیسرا عاشقوں کے انوار تجلی کے عالم میں غرق ہو جانے کا موقع ہے۔" (۳)

بابا فرید گنج شکر کے سن وفات کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔
حدیقتہ الاولیاء، صہ ۷۷، نزہت الخواطر، صہ ۳۱۴، سیر الاولیاء، صہ ۹۱، سفینتہ الاولیاء، صہ ۱۲۳، اور احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، صہ ۱۲۲، معمولات مظہریہ اور محبوب العارفین صہ ۱۴۴، کے مطابق ۵ محرم ۶۶۴ھ (۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ء) سوانح حضرت

۱۔ بحوالہ "اخبار الاخیار" صہ ۱۴۲

۲۔ راحت القلوب۔ مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین مترجم ملک فضل الدین نقشبندی مجددی، صہ ۲۲ مطبوعہ اللہ والے قومی دکان، کشمیری بازار، لاہور۔

۳۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید، صہ ۲۔

Marfat.com

فریدالدین مسعود گنج شکر، صـ ۱۸۱، پر ۵. محرم ۶۶۱ھ (۱۲۶۵ء) درج ہے۔ اخبارالاخیار صـ ۱۲۳ کے مطابق ۵ محرم ۶۶۵ھ تذکرہ خواجگان چشت، صـ ۱۹۸ میں ۵ محرم بروز سہ شنبہ ۶۶۹ھ اور تذکرہ مشائخ کرام، صـ ۶۷، پر ۶۷۹ھ مرقوم ہے۔ لیکن ۵ محرم ۶۶۴ھ صحیح تاریخ وفات ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر فقیر محمد کی تحقیق کے مطابق یہی تاریخ درست ہے۔[1]

۷۔ **مخدوم عبدالرشید حقانی** سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک نامور صوفی بزرگ مخدوم عبدالرشید حقانی ہیں جو بہاء الدین زکریا کے ہم عصر اور عم زاد تھے۔ ان کے سن ولادت کا پتہ نہیں چلتا۔ نورا حمد فریدی کے مطابق،

> "حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کو تین سال گزرے تھے کہ اس خانوادے کے مطلع پر شریعت وطریقت کے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا۔ یعنی شیخ احمد غوث کے مشکوئے معلیٰ میں حضرت مخدوم عبدالرشید تولد ہوئے۔"[2]

۱۔ بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند، جلد ۱۳، صـ ۲۵۶، مرتبہ سید فیاض محمود، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۲۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" صـ ۱۴۱

نورا حمد فریدی کے مطابق بہاء الدین زکریا ملتانی کا سنہ ولادت ۵۶۶ھ ہے اور عبدالرشید حقانی ان کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ کا سن ولادت ۵۶۹ھ بنتا ہے جس کا ذکر کسی اور مؤرخ نے نہیں کیا۔ لیکن میرے پاس خلاصۃ الاحباب کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ موجود ہے جو میں نے مخدوم عبدالرشید حقانی کے سجادہ نشینوں سے حاصل کیا۔ اس کے صفحہ نمبر ۵، پر لکھا ہے کہ جب حضرت غوث بہاء الحق کے والد فوت ہوئے تو آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ آپ کے والد کی وفات ۵۹۰ھ میں ہوئی۔ حضرت عبدالرشید حقانی اس وقت ۹ برس کے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی پیدائش ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ (بحوالہ خلاصۃ الاحباب از محمد افضل اسدی، صـ ۵، میری تحویل میں ہے۔) منبع البرکات (قلمی) میں بھی یہی لکھا ہے کہ۔ "آں وقت در عمر حضرت شیخ بہاء الدین دوازدہ سالہ بود و در عمر مخدوم عبدالرشید نہ سالہ بودند۔" (منبع البرکات (تذکرہ حقانیہ) فارسی قلمی نسخہ از مؤلف شیخ شرف الدین قریشی، صـ ۲۵، میری تحویل میں ہے۔)

Marfat.com

حضرت مخدوم عبد الرشید حقانی کے جد امجد حضرت ہسپار بن اسود اسدی قریشی حضور اکرم ﷺ کے صحابی تھے جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ وہ صحابی کی نسل کے ایک ممتاز شخص تاج الدین محمود غزنوی کے ساتھ ملتان آئے اور سرزمین ملتان کے ایک مفتوحہ علاقے کے حاکم مقرر ہوئے۔ ان کی پانچویں نسل سے ایک بزرگ حضرت کمال الدین کے یہاں دو بیٹے شیخ احمد اور شیخ محمد پیدا ہوئے۔ شیخ احمد کے یہاں حضرت مخدوم عبد الرشید اور شیخ محمد کے گھر حضرت بہاء الدین زکریا تولد ہوئے۔ اس عہد کے معروف علماء، مشائخ اور فقہاء سے تعلیم حاصل کی اور بہت جلد بزرگی کے درجے پر پہنچے۔

آپ پہلے کوٹ کروڑ میں رہتے تھے جن دنوں بہاء الدین زکریا حصولِ علم کی خاطر سفر پر گئے تھے۔ آپ نے اس عرصے میں پہلے کوٹ کروڑ میں قیام فرمایا۔ پھر ملتان تشریف لے آئے اور قلعہ میں اس مقام پر قیام فرمایا جہاں اب بہاء الدین زکریا کا مزار ہے۔ ملتان میں آپ کے علم رشد کا شہرہ دُور دُور تک ہوا اور لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ تقریباً ۶۱۵ھ[1] کے اوائل میں بہاء الدین زکریا ملتان واپس آئے۔

بہاء الدین زکریا کے ملتان واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے والد کی وصیت[2] کے مطابق اپنی ہمشیرہ رشیدہ[3] خاتون کی شادی بہاء الدین زکریا سے کی اور بہاء الدین کی جتنی جائیداد تھی سب آپ کے حوالے کی اور ان سے حرم نبوی جانے کی اجازت طلب کی اور سات ساتھیوں کے ہمراہ مزید علم حاصل کرنے کے لئے حرمین کی طرف روانہ ہوئے۔

۱۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" از نور احمد فریدی، صہ ۶۲

۲۔ منبع البرکات (قلمی) کے مطابق مخدوم عبد الرشید حقانی کو والد نے یہ ہدایت خواب میں کی تھی۔ (بحوالہ کتاب مذکورہ، صہ ۲۷۔)

۳۔ "منبع البرکات" (قلمی) صہ ۲۸ کے مطابق ان کی ہمشیرہ کا نام بصران خاتون تھا۔ ان کے بطن سے سات فرزند تولد ہوئے (۱) شیخ صدر الدین عارف (۲) مولانا برہان الدین (۳) مولانا قدرت الدین (۴) مولانا شمس الدین (۵) مولانا شہاب الدین (۶) مولانا ضیاء الدین (۷) مولانا علاء الدین۔

Marfat.com

راستے میں شیخ نصیر الدین سے جو صاحب مراتب وکشف وکرامات تھے، ملاقات ہوئی انہوں نے سات روز تک مہمان ٹھہرایا۔ توجہ کی اور پھر تبریز کی طرف روانہ کیا(۱) مخدوم عبدالرشید تبریز پہنچے۔ وہاں سید حسینی سے جو کاملوں اور واصلان حق میں سے تھے، صحبت رہی۔ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد حرمین شریف پہنچے، حج ادا کیا۔ پھر روضہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ تین سال تک وہاں کی مجاوری کی اور شیخ کمال الدین کی خدمت میں رہے۔ ایک رات خواب میں حضور کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضری دی(۲) چنانچہ آپ نے ہمدان کی راہ لی۔ اسکندریہ میں ان کی ملاقات ایک سروپا برہنہ فقیر سے ہوئی جو مخدوم عبدالرشید کے عزم سے اپنے کشف کی بدولت پہلے ہی سے واقف تھا۔ اس نے دعا دی، مخدوم آگے بڑھتے گئے اور آخر منزلِ مقصود تک جا پہنچے۔ سید علی ہمدانی کے مرید کثرت سے تھے جو زمانہ قدیم سے ان کی خدمت میں تھے لیکن انہیں وہ مرتبہ اعلیٰ نہ مل سکا جو حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی نے چند ہی روز میں حاصل کرلیا۔ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں تین سال رہے۔ خلافت حاصل کی۔ قادریہ سلسلے میں منسلک ہوئے اور انہیں کی ہدایت پر ملتان واپس آگئے(۳) اور بہاالدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہاءالدین زکریا نے آپ کے واپس آنے کے بعد آپ دونوں کی جتنی مشترکہ جائیداد تھی۔ سب تقسیم کرلی۔ اراضی کا ایک حصہ دریائے راوی کے مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف تھا، قرعہ ڈالا گیا۔ مخدوم عبدالرشید کے حصے میں مشرقی حصہ آیا۔ اس کے علاوہ ایک ایک کروڑ اشرفیاں دونوں کے حصے میں آئیں۔ اجناس اور دیگر سامان علاوہ تھا(۴)

آپ اپنے مرشد کے اثر سے دنیا کی ہر قسم کی آرام وآسائش کی چیزوں سے بیگانہ ہوچکے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی ساری دولت اور اراضی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم

۱-۲- بحوالہ "منبع البرکات" فارسی (قلمی) صہ ۲۸ تا ۳۱ (میری تحویل میں ہے۔)
۳- بحوالہ ـــــــ ایضاً ـــــــ
۴- ـــــــ ایضاً، صہ ۳۳۔

Marfat.com

کر دی۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"دور دور تک آپ کی فیاضی کی دھوم مچ گئی۔ چند ایام میں ہی سارے ترکہ کی کوڑی کوڑی محتاجوں مسکینوں میں بانٹ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔"

(بحوالہ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۱۵۲)

اور دریائے راوی کے مشرقی حصے میں اپنے لئے حجرہ بنا کر رہنے لگے۔ آٹھویں روز حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملاقات کے لئے آئے اور فرمایا آپ کا قبیلہ اور بھائی بہت ہیں ان کے لئے رہائش کا بندوبست ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص آرام سے زندگی گزار سکے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر اپنے عزیزوں اور متوسلین کو وہاں سے دس کوس کے فاصلے پر اراضی خرید کر دی[1]۔ آپ کی مناسبت سے وہ علاقہ مخدوم رشید کہلوایا۔ آپ نے رعایا کی فلاح کیلئے وہاں ایک کنواں بھی بنوایا تھا[2]۔

کہا جاتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے ملتان کے نواحی علاقے راجہ رائے سیتل سے زرعی اراضی خرید کر اس پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ بعد میں جب رشید آباد منتقل ہوئے تو یہ مدرسہ بھی وہاں لے گئے۔ اس مدرسے میں سینکڑوں طالب علم علوم دینی و روحانی حاصل کرتے تھے۔ حضرت مخدوم رشید نے اپنی ساری عمر یہیں درس و تدریس میں صرف کی

(بحوالہ مضمون "حضرت پیر مخدوم عبدالرشید حقانی" از محمد اسلم چوہدری، مطبوعہ روزنامہ جنگ لاہور، ۲۷ جولائی ۱۹۸۲ء)

عبدالرشید حقانی نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی اپنی عم زاد یعنی بہاء الدین زکریا

۱۔ بحوالہ "منبع البرکات" فارسی (قلمی) صہ ۳۳۔ (میری تحویل میں ہے)

۲۔ اس کنوئیں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جو کوئی بھی اس کنوئیں کا پانی پیتا ہے۔ وہ ہر قسم کے مرض سے شفا پاتا ہے۔ یہ کنواں ہر سال عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سارا سال بند رہتا ہے۔ (حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۲۔ (ب) مرقع مولتان، از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۲۲۔ (ج) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۱۹۳۔

Marfat.com

کی ہمشیرہ بی بی کمال خاتون سے، دوسری شاہ تغلق کی صاحبزادی معظم خاتون سے تیسری رائے لونا کی لڑکی راج کنول سے اور چوتھی قوم مڑل کی ایک خاتون سے ہوئی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ مخدوم ابوبکر، مخدوم محمد، مخدوم حسن اور مخدوم صدرالدینؒ(۲)۔ ان میں سے مخدوم حسن کی خانقاہ کہروڑ میں واقع ہے۔ آپ کے خلفاء کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

مخدوم عبدالرشید بھی سماع سے شوق فرماتے تھے۔ فریدالدین گنج شکر فرماتے ہیں کہ

"ایک روز میں اور بھائی عبدالرشید قلعہ ہانسی میں بیٹھے تھے۔ عبداللہ قوال نے یہ بیت پڑھا

آنکس کہ با عبود سراسر نزدیک ست — از جان عدم گشت زموئے باریک

۱۔ ان کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ شاہ تغلق کو کھانے میں کرم نظر آتے تھے۔ آپ کی دعا سے یہ شکایت دور ہوئی تو انہوں نے ازراہ عقیدت اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ (حوالے کے لئے دیکھئے" مرقع مولتان" صہ ۲۲۲۔

(ب) " اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، صہ ۱۹۲۔

(ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۱۔ لیکن منبع البرکات (قلمی) صہ ۳۷-۳۸ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے سامنے جو بھی کھانا پینا رکھا جاتا وہ سارا کا سارا غلاظت میں تبدیل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ بادشاہ جاں بلب ہو گیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس ایلچی بھجوایا گیا کہ اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ وہ ایلچی سمیت مخدوم عبدالرشید حقانی کی خدمت میں پہنچے۔ دونوں نے دہلی جانے کا قصد کیا۔ ابھی لاہور پہنچے تھے کہ تغلق کو اس مصیبت سے چھٹکارا مل گیا۔ دہلی میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور بادشاہ نے اپنی صاحبزادی کو ان کے عقد میں دے دیا۔ ان کے بطن سے مخدوم حسن پیدا ہوئے۔

۲۔ (الف) اولیائے ملتان، از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۲۔

(ب) مرقع مولتان، صہ ۲۲۲۔ اور اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۱۹۳ میں صدرالدین کی بجائے حضرت ایوب قتال کو مخدوم رشید حقانی کا چوتھا فرزند بتایا گیا ہے۔ جبکہ منبع البرکات فارسی قلمی نسخہ، صہ ۵ کے مطابق حضرت ایوب قتال مخدوم عبدالرشید حقانی کے فرزند ابوبکر کے بیٹے تھے گویا ایوب قتال مخدوم رشید کے پوتے تھے۔

Marfat.com

یہ شعر سُن کر بھائی عبدالرشید کا حال متغیر ہوگیا اور بے خودی کی حالت میں رقص کرنے لگے۔"(۱)

مخدوم عبدالرشید حقانی سنے ۶۶۹ھ(۲) میں وفات پائی اور مخدوم رشید میں ہی آپ کا مزار ہے۔ آپ کے مزار پر ہر سال عرس ہوتا ہے اور اس موقع پر عقیدت مند بہت سے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ حکومت نے یہاں ایک فنڈ قائم کر رکھا ہے جس کی آمدنی سے آپ کا روضہ بہت عالی شان بن چکا ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی گئی ہے۔(۳)

۸۔ شاہ شمس سبزواری

شاہ شمس سبزواری ۵۶۰ھ(۴) (۱۱۶۵ء) میں ایران کے شہر سبزوار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید صلاح الدین محمد نور بخش مبلغ تھے اور اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ اپنے چچا عبدالہادی غزنوی سے جو شاہِ مراکش کے پوتے تھے، تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے آپ کو تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے ظاہری علوم اچھی طرح سے پڑھائے۔ ۵۷۹ھ میں ۱۹ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ تبلیغ کے لئے بدخشان گئے۔ پھر وہاں سے تبت چلے گئے۔ وہاں لوگوں کو اسماعیلی عقائد کا درس دیتے رہے۔ کچھ عرصے بعد اپنے وطن سبزوار واپس آئے

۱۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، صہ ۱۹۳۔

۲۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۱۹۵۔ (ب) مرقع مولتان صہ ۲۲۲۔ (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۲۔ اگر نور محمد فریدی کے بیان کو صحیح مان لیا جائے کہ آپ ۵۶۹ میں پیدا ہوئے تھے تو اس لحاظ سے آپ کی عمر ایک سو سال بنتی ہے۔

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "مرقع مولتان" صہ ۲۲۲

۴۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم میں صہ ۶۰ پر آپ کا سن پیدائش ۵۴۰ھ درج ہے جبکہ مندرجہ ذیل کتب میں ۵۶۰ھ بیان کیا گیا ہے۔ (۱) تواریخ ملتان از حکم چند، صہ ۷۵۔ (۲) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۸۹۔ (۳) آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمن، صہ ۱۳۶۔ مکتبہ اشرف المعارف، ملتان۔ (۴) ارضِ ملتان، از اکرام الحق، صہ ۲۲۵۔

Marfat.com

اور مختصر قیام کے بعد تبلیغ کے لئے تبریز تشریف لے گئے جس کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کو شمس تبریزی کہنے لگے[1]۔ تبریز، عراق، عرب اور مصر میں کچھ عرصہ اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کی۔ اسی دوران مرکز میں عباسی حکومت ختم ہو گئی تو ۶۶۴ھ میں آپ کے والد کو ان کے عقائد کی بناء پر قتل کر دیا گیا۔ آپ واپس آئے اور والد کی تجہیز و تکفین کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کے علماء آپ کے خیالات کی وجہ سے مخالف ہو گئے۔ چنانچہ قاضی شرع کے کہنے پر وہاں سے نکل کر کاظمین پہنچے۔ پھر ہندوستان کا رخ کیا اور دیبل (کراچی)[2] کے رستے عمر کے آخری حصے میں ملتان پہنچے۔ آپ کے ملتان آنے کی ایک اہم وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک زمانے میں ملتان قرامطیوں کا گڑھ تھا۔ تقریباً دو سو برس تک قرامطیوں نے ملتان پر حکومت کی۔ اگرچہ محمود غزنوی اور اس کے بعد کے حکمرانوں نے قرامطہ فرقے کو ختم کرنے اور ملتان

۱۔ شاہ شمس سبزواری اور شاہ شمس تبریزی کے بارے میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور انہیں ایک ہی شخصیت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شاہ شمس تبریزی اور شخصیت ہیں۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ

"ملتان (پاکستان) میں جس بزرگ شمس الدین تبریزی کی قبر ہے وہ شمس الدین سبزواری تھے۔ ان کا شمس تبریزی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شمس سبزواری سادات موسوی میں سے تھے۔ ان کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔ یہی لوگ لاہور میں آکر بسے تو اپنے آپ کو شمس سبزواری کی نسبت سے شمسی کہلانے لگے۔"

بحوالہ خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، صہ ۲۹۰، مکتبہ نبویہ لاہور، یہی قضیہ حکایات پنجاب (حصہ سوم) میں اس طرح ہے۔

"ملتان میں ایک مشہور شیعہ خاندان ہے جو اپنے آپ کو ملتان کے ایک بزرگ شمس تبریز نامی کی اولاد بتاتا ہے۔ ۱۷۸۰ء میں اس خاندان کے ایک فرد نے اسی بزرگ کے مزار پر ایک بڑا مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ مقامی شمس تبریز اصل شمس تبریز سے خلط ملط ہو گیا اور اس کے مقبرے اور اس کے متولیوں کو بہت منافع ہوا اور غالباً اس مقبرے کو تعمیر کرنے والے کا مقصد بھی یہی تھا۔"

بحوالہ حکایات پنجاب (حصہ سوم) مرتبہ آر سی ٹمپل ترجمہ میاں عبدالرشید، (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

پر ان کے اقتدار کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔ ان کی کوششوں سے ان کی حکومت تو ختم ہو گئی۔ مگر ان عقائد سے تعلق رکھنے والے ابھی ملتان اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں موجود تھے۔ عقائد کی یہی کشش شاہ شمس سبزواری کو ملتان لے آئی اور وہ یہاں اسماعیلی نقطۂ نظر کی اشاعت کرنے لگے۔ ملتان میں اس زمانے میں بہاء الدین زکریا قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کے اور بہاء الدین زکریا کے عقائد میں بہت فرق تھا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بہاء الدین زکریا کو آپ کی آمد ناگوار گزری۔ ملتان میں اگرچہ آپ کی زیادہ پذیرائی نہ ہوئی تاہم آپ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا جو شمسی کہلائے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مطابق

"شمس الدین تبریزی سبزواری نے ملتان کے ارد گرد کے علاقوں کے کمہاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا۔ اور لوگوں کو "ہندو شمسی" کا لقب دیا۔ ان دنوں شمسی ہندو بھی آغا خاں اسماعیلی کے معتقد ہیں اور اب ان کی نذر و نیاز کا رخ سر آغا خان کی اولاد کی طرف گیا ہے۔"[۱]

اس بات کو شیخ محمد اکرام اس طرح لکھتے ہیں

" پنجاب کی ایک جماعت، جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہیں اور خوجوں کے موجودہ امام آغا خاں کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے۔ اپنے آپ کو شاہ شمس کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) صہ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول ۱۹۶۲ء

۲۔ بحوالہ (الف) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۶۳۔

(ب) آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خاں، صہ ۱۳۷، مکتبہ اشرف المعارف ملتان۔ فرحت ملتانی نے ملتان آمد ۷۴ ۵ ھ میں بتائی ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے۔ آپ بہاء الدین زکریا کے عہد میں ملتان تشریف لائے تھے۔ ویسے بھی آپ کی تاریخ پیدائش ۵۶۰ ھ ہے۔ اور آپ ۵۷۹ ھ میں ۱۹ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ پہلی مرتبہ تبلیغ کے لئے بدخشاں تشریف لے گئے تھے۔

۱۔ بحوالہ "خزینۃ الاصفیاء" صہ ۲۴۰۔

Marfat.com

نام پر شمسی کہتی ہے۔(۱)

آپ کے معتقدین میں اسماعیلیوں کے ساتھ ساتھ خوجے بھی شامل ہیں جو اسماعیلی فرقے کے امام پرنس کریم آغا خان کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"خوجوں کے دوسرے(۲) مبلغ شاہ شمس تھے جو ملتان میں ایک بڑے شاندار روضے میں آرام فرما ہیں۔ انہیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے۔ لیکن خوجہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے"۔(۳)

اسماعیلی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں آپ نے بہت سے لوگوں کو اپنے فرقے میں شامل کیا۔ اور پروفیسر محمد امین کے مطابق آپ نے ملتان میں اسماعیلی تصوف کو رائج کیا۔(۴)

شاہ شمس سبزواری کے بارے میں غضنفر مہدی اور عین الحق فرید کوٹی کا کہنا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے۔ غضنفر مہدی کے مطابق

"بہاء الحق زکریا کے دور میں فارسی، ہندی، کشمیری زبانوں کے بلند پایہ اور سرائیکی زبان کے پہلے شاعر حضرت شاہ شمس تبریزی سبزواری ملتان تشریف لائے"۔(۵)

عین الحق فرید کوٹی نے تو آپ کے سرائیکی کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

۱۔ بحوالہ "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، صد ۳۴۴

۲۔ خوجوں کے پہلے مبلغ کا نام نورالدین یا نور شاہ تھا جو نورست گرو کے نام سے مشہور تھے پہلے انہوں نے گجرات میں تبلیغ کی۔ پھر ایران چلے گئے اور وہاں سے آنے کے بعد ریاست بڑودہ کے شہر نوساری کے قرب و جوار میں ارشاد و ہدایت شروع کی۔ انہوں نے اپنا ہندوانہ نام رکھا۔ لیکن مسلمان انہیں نورالدین یا سید سعادت کہتے ہیں۔ انہوں نے کنبی، کہار اور کولی جیسی گجرات کی نیم ذاتوں کو اسماعیلی مذہب میں شامل کیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، صد ۳۴۰۔

۳۔ بحوالہ "آب کوثر" صد ۳۴۳

۴۔ بحوالہ "تصوف اور ملتان" امروز ملتان نمبر، صلا ، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

۵۔ بحوالہ "ملتان کے قدیم علمی و ادبی محسن"، امروز ملتان نمبر، صد ۸ ، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

Marfat.com

من میرا مصطفےٰ اور اللہ میرا قاضی
کایا ہماری مسیتاں
اندر بیٹھ میں نماز گزاروں
مورکھ کا جانے طاعت ہماری (۱)

ایک جگہ ہنود کو بُت پرستی سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ماتھوں پتھر سوں کیوں بھنو دسے ہندوؤ
اوڑکھو نہ قاسم شاہ اوتار
کیک نگری ماں رہے چھپے ہندوؤ
تے صاحب در داتا

آپ کے دو بیٹے تھے۔ ایک سیّد نصیرالدین اور دوسرے سیّد علاء الدّین جو بے اولاد تھے اور "زندہ پیرؒ" کے نام سے مشہور ہیں۔ سیّد نصیر کا مزار لاہور میں ہے۔ ان کے بیٹے کبیرالدین حسن نے بھی تبلیغ کا کام کیا۔ آپ کا مزار اُوچ شریف میں ہے[۲]۔ ان کے فرزند عالم شاہ المعروف جیتو شاہ شاہ شمس کے مزار کے مغربی حصے میں مدفون ہیں۔

شاہ شمس سبزواری نے تقریباً دس سال ملتان میں تبلیغ واشاعت کا کام کیا۔ اور ۶۷۵ھ[۳] میں وفات پائی۔ اس کے بعد آپ کو یہیں عام خاص باغ کے نزدیک دفن کیا گیا آپ کا مزار ہمیشہ شیعوں اور اسماعیلیوں کے درمیان وجہ نزاع بنا رہا۔ آج کل یہ مزار

۱۔ بحوالہ "اسماعیلی بزرگوں کا عارفانہ کلام" مطبوعہ ماہ نو، اکتوبر ۱۹۸۱ء صہ ۸۔ (یہی مضمون رسالہ "خاتون" خاتون پبلی کیشنز فرید گیٹ بہاولپور میں بھی شائع ہوا ہے۔)

۲۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الف) تاریخ اوچ از مولوی حفیظ الرحمٰن، صہ ۱۵۱۔ (ب) "اسماعیلی بزرگوں کا عارفانہ کلام" از عین الحق فرید کوٹی، مطبوعہ ماہ نو، صہ ۱۰۔

۳۔ حوالے کے لئے دیکھئے (۱) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۹۱۔ (۲) اولیائے ملتان، از بشیر حسین ناظم، صہ ۴۔ (۳) تاریخ ملتان از حکم چند، صہ ۷۶۔ (۴) آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمٰن، صہ ۱۱۷۔ (۵) ارض ملتان، صہ ۲۲۷۔

Marfat.com

اہلِ تشیع کے قبضے میں ہے۔

۹۔ شیخ صدرالدین عارف

ملتان میں سلسلہ سہروردی کے صوفی بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف خلیفہ بنے[1] جو کہ حضرت زکریا کے عم زاد مخدوم عبدالرشید حقانی کی ہمشیرہ بی بی رشیدہ بانو جیسی عفت مآب بی بی کے بطن سے ۶۲۱[2] ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ صدرالدین نے ابتدائی تعلیم اپنے والد غوث العالمین حضرت بہاء الدین زکریا سے حاصل کی۔ جن سے ایک زمانہ علم حاصل کرنے آتا تھا۔ بہاء الدین زکریا نے اپنے تمام فرزندوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ نہ صرف خود تعلیم دیتے بلکہ ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشنے کی خاطر نامور اساتذہ بھی مقرر کئے۔ جن کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ انہیں وقتاً فوقتاً انعام واکرام دیا کرتے تھے۔ صدرالدین کی ابتدائی تعلیم کے متعلق "انوارِ غوثیہ" میں ہے کہ

> "حضرت صدرالدین عارف کی تعلیم و تربیت اپنے قبلہ گاہ حضرت غوث العالمین کی نگرانی میں ہوئی تھی اور وہی آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے۔ قرآن مجید کے آپ حافظ تھے۔ اور علوم دینیہ میں کوئی شخص آپ کا

۱۔ شیخ محمد اکرام "آب کوثر" صہ ۲۶۲ پر لکھتے ہیں کہ "شیخ بہاء الدین کی وفات ۱۲۶۲ء میں ہوئی اور آپ کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین جانشین ہوئے۔ (غالباً ہندوستان میں موروثی سجادہ نشینی کی یہ پہلی اہم مثال ہے، جس پر بعد میں اوچ کے قادری پیروں نے بھی عمل کیا۔" ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ "شیخ صدرالدین پسر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بعد از وفات پدر بر مسند ارشاد نشست۔" (بحوالہ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا، صہ ۵۲۔)

۲۔ بحوالہ (الف) تذکرہ صدرالدین عارف، جلد اوّل از نور احمد خان فریدی، صہ ۱۰، مطبوعہ قصر الادب، جگووالا تحصیل شجاع آباد۔ (ب) مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از ایوب قادری، صہ ۷، جبکہ اخبار الاخیار، صہ ۱۳، اور اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صہ ۱۵ میں آپ کا سن ولادت ۵۹۹ بتایا گیا ہے۔ قلمی کتاب خلاصۃ الاحباب (فارسی) از محمد افضل اسدی۔

Marfat.com

ہم پلہ نہ تھا۔ جب علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ کے پیر و مرشد بھی تھے۔ آپ کو علوم باطنی اور اسرار معرفت کی تعلیم دینا شروع کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں والد بزرگوار کی نگاہِ فیض سے وہ مقام حاصل کر لیا جو دوسروں نے سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد پایا تھا۔" (۱)

بہاء الدین زکریا نے آپ کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات سنوارنے کے لئے بچپن سے ہی خیال رکھا۔ نزہت الخواطر میں لکھا ہے

"نہایت مناسب ماحول میں تربیت علمی و روحانی حاصل کی۔ اوائل بلوغ ہی سے خورد و نوش اور لباس میں توسط تھا۔ جس پر صدا قائم رہے۔ ورع و تقویٰ اور نماز و روزہ داری ہر ایک میں کمال تھا۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہتا۔ امور شرعیہ اور اوامر و نواہی سب کا خیال رکھتے۔" (۲)

آپ کا نام تو صدرالدین تھا لیکن شیخ عارف کہلواتے تھے جس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے

"کہ جب وہ کلام اللہ پڑھتے تھے تو اس پر بہت غور و فکر فرماتے اور جس وقت بھی قرآن کریم تلاوت کرتے تو ان پر دوسرے معانی و مطالب ظاہر ہوتے۔" (۳)

۱۔ بحوالہ "تذکرہ صدرالدین عارف" جلد اول، ص ۲۰۔

۲۔ بحوالہ "نزہت الخواطر"، ص ۲۸۸۔

۳۔ بحوالہ "تاریخ فرشتہ" (جلد دوم) ص ۸۰۴۔ اسی بات کو مخدوم جہانیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"شیخ عارف صدرالحق کو ہر بار کلام اللہ پڑھنے میں دوسرے معانی ظاہر ہوتے تھے۔ سوائے ان معانی کے جو اس سے پہلے ظاہر ہوتے تھے۔ ایک دن انہوں نے شیخ کبیر (حضرت غوث العالمین) سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ان معانی کو حیطۂ تحریر میں لے آؤں۔ حضرت نے منع فرمایا کہ لوگ سمجھ نہیں سکیں گے اور چونکہ یہ معانی بجائے خود درست ہوں گے۔ اگر کسی نے انکار کر دیا تو گنہگار ہوگا۔" (بحوالہ الدر المنظوم، ص ۵۰۸)

Marfat.com

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق

"چوں ہر بار ختم قرآن مجید می کرد یا معانی تازہ ای رو برد می شد باسم عارف نام برادر شد۔" (۱)

شیخ صدرالدین عارف ذاتی کردار اور شخصی اوصاف کی بدولت اپنے والد گرامی سے اس اعتبار سے مختلف تھے کہ آپ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و دولت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ بابا فرید گنج شکر کی قلندرانہ روش اور صوفیانہ روایت کے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ شیخ صدرالدین عارف نے ساری عمر اپنے لئے کوئی دولت جمع نہ کی بلکہ سخاوت کی وجہ سے قرض ہی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ تاریخ فیروز شاہی کیمطابق

"شیخ صدرالدین اپنے روحانی کمالات اور تکمیل کے ساتھ انتہا درجے کے سخی تھے۔ ان کی بخشش اس قدر زیادہ تھیں کہ باوجود اس کثیر دولت کے جو اُن کو اپنے والد سے ترکے میں ملی تھی، وہ اکثر مقروض رہتے۔" (۲)

اگرچہ بے شمار نذرانے ان کی خانقاہ میں آتے تھے۔ لیکن آپ انہیں فوراً دوسروں پر خرچ کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے پاس کچھ نہ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے والد بہاءالدین زکریا سے جو دولت ورثے میں ملی تھی وہ بھی آپ نے فوراً لوگوں میں بانٹ دی۔ نزہت الخواطر کے مطابق

"اپنے والد مرحوم سے جو مال و زر اور سامان و مکانات ملے ان میں ستر لاکھ دینار بھی تھے۔ آپ نے یہ سب نقود و جائداد و غیر منقولہ اور سامان مساکین اور دوسرے حق داروں کو لٹا دیا۔ اور اپنے اہل و عیال کے لئے تن کے لباس کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔ اس پر ایک مرید نے عرض کیا کہ آپ کے والد نے سونے چاندی کے ڈھیر جمع کر لیے، نامی گرامی گھوڑے، مویشی

۱۔ بحوالہ "احوال و آثار" شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (حاشیہ) ص۵۱۔

۲۔ بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" از ضیاءالدین برنی (اردو ترجمہ) ص ۵۰۸ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول، اکتوبر ۱۹۶۲ء

Marfat.com

اور مال اور حویلیاں سربفلک چھوڑیں۔ مگر آپ نے سب مال و منال ایک دن میں ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ نہ رہنے دیا!

جواب (ہنس کر فرمایا) میرا باپ دنیا پر اس قدر غالب آیا کہ اس کے حصول میں کبھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ مگر میں کبھی اس منزل تک نہ پہنچ سکا کہ مبادا دنیا مجھ پر غالب آجائے۔"(۱)

ساری دولت غرباء و مساکین پر لٹانے کے باوجود آپ نے بہاء الدین زکریا کی مہمان نوازی فیاضی اور دسترخوان کی درازی والی روایت کو ختم نہ ہونے دیا۔ شیخ عارف کا دسترخوان بھی سلاطین سے کسی طرح کم نہ ہوتا۔ آپ اگرچہ خود بہت کم غذا کھاتے لیکن اسے بھی اتنا آہستہ آہستہ کھاتے کہ اگر انہوں نے جلدی دسترخوان سے ہاتھ اٹھالیا تو لوگ بھی ان کی تقلید میں کھانا کھانا ختم کر دیں گے۔

شیخ عارف نے نہ صرف کھانے کے معاملے میں شیخ زکریا کی تقلید کی بلکہ والد کے بعد ان کے درس و تدریس کے سلسلے کو بھی جاری رکھا اور انہی کی مسند پر بیٹھ کر آپ لوگوں کو درس دیا کرتے۔ جہانیاں جہاں گشت کے مطابق

"شیخ عارف ہر مبتدی اور منتہی کو بلا کسی امتیاز کے تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی نحو یا صرف پڑھتا تو پڑھاتے۔ تصریف جدولی ان کی ہی تصنیف ہے۔"(۲)

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

"شیخ صدر الدین عارف مانند پدر بزرگوارش بعد از فراغت از اوراد و افکار بہ درس و تدریس مشغول می شد۔"(۳)

۱۔ بحوالہ "نزہت الخواطر" صہ ۲۸۸، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) سیر العارفین (اردو ترجمہ) صہ ۸۱۔ (ب) تذکرہ صدر الدین عارف (جلد اوّل) صہ ۴۶۔ ۴۷۔ (ج) بزم صوفیہ صہ ۱۰۔۲۸

۲۔ بحوالہ "الدر المنظوم، صہ ۲۸۔

۳۔ بحوالہ "احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صہ ۵۲۔

Marfat.com

حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

"شیخ عارف کی محفل درس و تدریس میں بھی ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ انہوں نے ہزاروں طالبانِ خدا کو منزلِ مقصود تک پہنچایا۔" (۱)

صدرالدین عارف کو ابنِ عربی کے نظریات سے بھی کچھ واقفیت تھی۔ بقول شیخ محمد اکرام

"ہندوستان کے مشائخ میں شائد سب سے پہلے آپ تھے جنہیں شیخ ابنِ عربی کے نظریوں اور تصانیف کے متعلق اطلاع ملی۔" (۲)

اس کا سبب آپ کے بہنوئی اور مشہور شاعر فخرالدین عراقی بتائے جاتے ہیں جو ملتان سے بلادِ روم کی طرف واپس گئے تو قونیہ میں ان کی ملاقات ابنِ عربی کے خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی سے ہوئی۔ ان کی صحبت میں رہ کر آپ کو "فصوص الحکم" کے بارے میں معلومات ہوتی رہیں۔ عراقی نے اس سے متاثر ہو کر ایک کتاب "لمعات" لکھی۔ عراقی ہی نے خط و کتابت کے ذریعے شیخ عارف کو اس کتاب سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق،

"شیخ صدرالدین عارف از مشائخ شبہ قارہ پاکستان و ہند اوّلین کسی بودہ باشد کہ از نظریات ابنِ عربی متوفی ۶۳۸ھ آگاہی پیدا کردہ بود چوں او با عراقی مکاتبہ داشت و تصانیف ابنِ عربی را ہم خواندہ بود۔" (۳)

شیخ عارف کو بھی اپنے والد ہی کی طرح شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا۔ تاریخ فرشتہ اور تاریخ معصومی(۴) کے مطابق فیروز شاہ تغلق نے شیخ صدرالدین عارف کو شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا۔ لیکن "تذکرہ صدرالدین عارف(۵)" کے مطابق جس صدرالدین کو فیروز شاہ تغلق نے

۱۔ حدیقۃ الاولیاء، صہ ۱۵۰۔

۲۔ بحوالہ "آبِ کوثر" صہ ۲۶۲ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے "تذکرہ صدرالدین عارف" صہ ۱۱۵

۳۔ "احوال و آثار۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، و خلاصت العارفین" صہ ۵۲۔

۴۔ (الف) تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اوّل، صہ ۴۵۶۔ (ب) تاریخ معصومی، صہ ۶۹۔

۵۔ بحوالہ "تذکرہ صدرالدین عارف" جلد اوّل، صہ ۲۸۴۔

Marfat.com

شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا تھا وہ شاہ رکن عالم کے بھتیجے اور شیخ صدر الدین عارف کے پوتے شیخ صدر الدین محمد تھے۔ فیروز شاہ تغلق کی حکومت کا زمانہ ۲۳ محرم ۷۵۲ھ تا ۱۳ رمضان ۷۹۰ھ ہے۔ جبکہ صدر الدین عارف کا ۶۸۴ھ میں وصال ہوا تھا۔ اس لئے تاریخ فرشتہ اور تاریخ معصومی کی یہ روایت درست نہیں کہ شیخ عارف کو فیروز شاہ تغلق نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ آپ کو بھی شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خطاب کس نے دیا تھا۔ بہر حال بہاء الدین زکریا کے عہد سے ہی یہ خطاب اسی خاندان میں چلا آتا رہا۔

شیخ صدر الدین عارف کی ایک زوجہ فرغانہ کی شہزادی تھیں جو آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری اور عبادت گزاری سے متاثر ہوئی تھیں اور بی بی راستی پاک دامن[1] کے نام سے مشہور ہوئیں۔ قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ابو الفتح آپ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق

"بی بی راستی بخاطر زہد و طاعت خود بہ رابعۂ عصر معروف بود۔" (۲)

آپ کی دوسری بیوی شہر کے قاضی کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے آپ کے دوسرے فرزند شیخ عماد الدین اسماعیل پیدا ہوئے جن سے آپ کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس کے علاوہ ایک اور صاحبزادے شیخ شہاب الدین بھی پیدا ہوتے۔ لیکن ان کا کمسنی میں ہی انتقال ہوگیا۔ شیخ عارف کا نکاح سلطان شمس الدین التمش کی پوتی سے بھی ہوا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا خضر خان جو خان شہید کے لقب سے مشہور ہوا۔ جب ملتان کا حاکم بن کر آیا تو اس زمانے میں شیخ صدر الدین عارف بھی ملتان میں تھے۔ خان شہید نے ایک دن نشے کی حالت میں بیوی کو، جو التمش کی پوتی تھی طلاق دے دی۔ لیکن بعد میں بہت پچھتایا اور علماء سے رجوع کیا جنہوں نے بتایا کہ حلالہ کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ خان شہید بہت پریشان ہوا۔ آخر کار اپنے قاضی اثیر الدین

۱۔ آپ کا مزار ملتان میں پاک مائی کے نام سے سٹی ریلوے اسٹیشن کے پاس موجود ہے۔

۲۔ بحوالہ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صفحہ ۵۴۔

Marfat.com

خوارزمی کے کہنے پر شیخ عارف سے اس کا نکاح کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا کہ وہ دوسرے دن اسے طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ شیخ عارف نے نکاح کر لیا۔ دوسرے دن وہ بی بی شیخ عارف کے پیروں پر گر پڑی اور کہا کہ مجھ کو اپنی خدمت سے علیحدہ نہ کریں میں اس شخص کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی۔ چنانچہ شیخ عارف نے اسے طلاق نہ دی خان شہید کو علم ہوا تو وہ آپ کا دشمن ہوگیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن اس پر عمل کرنے سے پہلے ہی مغلوں کے حملے میں مارا گیا۔[1]

مولانا نور احمد خان فریدی کا خیال ہے کہ "شہزادہ خضر اور حضرت صدرالدین عارف کے درمیان یہ چپقلش دراصل سیاسی نوعیت کی تھی۔ کیونکہ "خانقاہ غوثیہ" پر ہر وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمی مقیم رہتے تھے اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ شہزادے کو ان سے بغاوت کا خدشہ لاحق ہوا۔ حاسدین نے واہمہ کو یقین سے بدل دیا اور جب شیخ الاسلام کو شہزادے کے ان خیالات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کے دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ یہ شکر رنجی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شہزادہ ان کی جان کا دشمن ہوگیا۔"[2]

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فقر و شاہی میں تصادم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ،

> "شہزادہ خضر نے کسی بات پر ناراض ہو کر امیر حسن سنجری کو تازیانے سے پٹوایا تھا۔ شیخ عارف کو یہ بات بری لگی اور انہوں نے شہزادے کو برا بھلا کہا۔ اس سے بات بڑھتی چلی گئی۔"[3]

بہر حال سبب کوئی ہو یہ تصادم ہوا۔ حالانکہ شیخ صدرالدین عارف اپنے والد بزرگوار کی طرح مقتدر طبقے سے اچھے روابط اور تعلقات قائم رکھنے کی حکمت عملی کے قائل تھے۔

شیخ صدرالدین عارف کے بھی کئی خلفاء ہیں۔ جن میں سب سے مشہور شیخ

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) سیر العارفین (اردو ترجمہ) صـ ۱۹۰ تا ۱۹۲۔ (۲) تاریخ معصومی صـ ۵۶ ۔ ۵۷ (۳) مرات الاسرار (جلد دوم) صـ ۲۵۷۔ (۴) ارض ملتان، صـ ۲۰۶۔ (۵) پنجاب کے صوفی دانشور، صـ ۱۰۴۔

۲۔ بحوالہ "تذکرہ صدرالدین عارف" جلد اول، صـ ۲۲۵

۳۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید، صـ ۱۰۳۔

Marfat.com

جمال الدین[1] اچی تھے۔ آپ کے دوسرے مرید خود آپ کے صاحبزادے ابوالفتح رکن الدین تھے۔ ان کے علاوہ شیخ احمد بن محمد قندھاری، شیخ علاءالدین خجندی، شیخ حسام الدین ملتانی اور صدرالدین سیستانی کا نام آتا ہے جو کشمیر کی پہاڑیوں کے رہنے والے تھے۔ میر حسینی کا شمار بھی آپ کے مریدوں میں ہوتا ہے جو آپ کے والد کے بھی خلیفہ تھے انہوں نے اپنی مشہور مثنوی "کنز الرموز" میں بہاءالدین زکریا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ صدرالدین نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں دی۔ ان کے مرید شیخ خواجہ ضیاءالدین نے ان کے ملفوظات کو ایک مجموعے "کنزالفوائد" میں جمع کیا۔ اس کتاب میں پند و نصائح اور اسرار و معارف کا وہ خزانہ ہے جو آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں پر نچھاور کیا کرتے تھے۔ اس کے اقتباسات "اخبارالاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں درج ہیں لیکن اصل کتاب ناپید ہے۔ انہوں نے مبتدیوں کے لئے ایک رسالہ "تصریف جدولی" بھی لکھا جو اس زمانے کے مدارس میں شامل تھا۔ لیکن افسوس کہ اب یہ بھی دستیاب نہیں۔[2] حضرت شیخ صدرالدین عارف کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ میر محمد معصوم بکھری نے بلبن کے زمانے کی ایک روایت درج کی ہے جس کے مطابق

> "شیخ عثمان اور شیخ بہاءالدین زکریا کے فرزند ارجمند شیخ صدرالدین ایک محفل میں موجود تھے۔ وہاں بہترین اشعار سُن کر وہ اور دوسرے درویش وجد میں آگئے۔ اور سب رقص کرنے لگے۔ اس موقع پر بادشاہ

۱۔ شیخ جمال الدین خنداں رو۔ اچ کے رہنے والے تھے۔ وہاں انہوں نے مدرسہ قائم کیا تھا۔ جہاں بہت سے لوگ درس لینے آیا کرتے تھے۔ ان میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت نمایاں ہیں جنہوں نے ابتدائی تعلیم آپ سے حاصل کی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن بھی آپ کا مرید تھا۔

۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) احوال و آثار شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، صـ ۵۲ - ۵۳ - (ب) تذکرہ صدرالدین عارف، صـ ۲۵۶ - ۲۷۰ - (ج) پنجاب کے صوفی دانشور از قاضی جاوید، صـ ۹۹ - ۱۰۰۔

Marfat.com

سینے پر ہاتھ رکھے ان کے سامنے کھڑا رہا اور زار و قطار روتا رہا۔"(۱)

آپ نہ صرف یہ کہ شاعری کو پسند فرماتے تھے بلکہ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ

"شیخ صدرالدین عارف بہ شعر ہم علاقہ داشت و شعر ہم گفتہ است عراقی دراشعار خود (نورعرب) و (سہ بیت) شیخ عارف راستودہ است"(۲)

نور احمد خان فریدی نے حضرت شیخ العارف کے ایک عربی قصیدے کا ذکر بھی کیا ہے جو انہوں نے حضرت سلطان التارکین حمیدالدین حاکم سے متعلق موزوں کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے "نورعرب" اور "سہ بیت" کے عنوان سے بھی چند اشعار موزوں فرمائے۔ اس کلام کو عراقی نے خراج تحسین ادا کیا(۳) لیکن اب یہ کلام دستیاب نہیں ہے۔

شیخ صدرالدین عارف نے ۳ ذوالحجہ ۶۸۴ھ(۴) میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ خلاصۃ الاحباب کے مطابق آپ نے ایک سو دس سال کی عمر پائی

۱۔ بحوالہ "تاریخ معصومی" از میر محمد معصوم بکھری مترجم اختر رضوی، صہ ۵۶، مطبوعہ سندھی ادبی کراچی، اشاعت اوّل، ۱۹۵۹ء

۲۔ بحوالہ "احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صہ ۵۳۔ شعر یہ ہیں

زندہ کردی شکستہ را بسہ بیت　　　کہ زدم عیسوی نشان دارد
حرز جان ساختم سہ بیت ترا　　　کہ ز صد فتنہ در امان دارد

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "تذکرہ صدرالدین عارف" صہ ۲۷۰ تا ۲۷۳۔

۴۔ بحوالہ (۱) مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۲۵۷۔ (۲) سفینۃ الاولیاء، صہ ۱۵۳۔ (۳) نزہت الخواطر، صہ ۲۹۰۔ (۴) اخبار الاخیار، صہ ۱۳۸۔ (۵) بزم صوفیہ صہ ۱۱۹۔ (۶) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۱۴۵۔ ان سب نے آپ کا سن وفات ۶۸۴ھ لکھا ہے۔ لیکن ارض ملتان از محمد اکرام الحق، صہ ۲۰۸ پر سنہ وفات ۷۰۹ھ درج ہے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اپنی کتاب "احوال و آثار۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صہ ۵۳ پر ۶۸۶ھ لکھا ہے اور قلمی نسخہ خلاصۃ الاحباب (فارسی) میں ۶۸۴ھ درج ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ نے صہ ۱۵۹ پر ۷۷۶ھ لکھا ہے۔

Marfat.com

کیونکہ اس قلمی نسخے کے مطابق آپ کی ولادت ۵۰۴ھ اور وفات ۶۸۴ھ میں ہوئی۔(۱)
ہم صدرالدین عارف کا ذکر قاضی جاوید کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ

"اس عظیم شخصیت نے پنجاب کے ہزاروں لوگوں کو راست بازی، نیکی، خیر، اخلاقی جرأت اور اصلاح و تبلیغ کی راہ پر لگا دیا تھا۔ پنجاب بلکہ پورے برصغیر میں صوفیانہ مابعدالطبیعات کی تشکیل میں ان کا یہ کردار قابلِ ذکر ہے کہ شیخ صدرالدین عارف ہی اوّل اوّل شیخ محی الدین ابن عربی کے افکار سے متعارف ہوئے تھے۔(۲)

۱۰۔ خواجہ حسن افغان

بہاءالدین زکریا ملتانی کے خلفاء میں خواجہ حسن افغان ایک خاص اہمیت کے حامل تھے جن کا ذکر خود بہاءالدین زکریا بھی اس انداز میں کرتے ہیں کہ

"اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو میں عرض کروں گا کہ خواجہ حسن کا صدق اور اعتقاد راست لایا ہوں۔"(۳)

خلاصۃ العارفین (فارسی) قلمی میں لکھا ہے

۱۔ اصل الفاظ یہ ہیں، "ولادت ایشان در سال پانصد و چہار ہجری و وفات ایشان روز سہ شنبہ و لتولی روز چہار شنبہ ماہ ذی الحجہ سال ششصد و ہشتاد و چہار ہجری و مدت عمر شریف ایشان یک صد و دہ سال و قبر مبارک ایشان متصل قبر پدر بزرگوار خود طرف مشرقی واقع است" (ملاحظہ فرمائیے کتاب خلاصۃ الاحباب (فارسی) از محمد افضل قریشی اسدی از اولاد حضرت بہاءالدین زکریا، صـ ۵، سن تالیف ۱۱۶۲ھ (قلمی نسخہ خانقاہ عبدالرشید حقانی کے سجادہ نشینوں سے حاصل کیا گیا۔)

۲۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صـ ۱۰۱۔

۳۔ بحوالہ تذکرہ بہاءالدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی، صـ ۱۵۔ (مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) فوائد الفواد، صـ ۵۸۔ (۲) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صـ ۸۴۔ (۳) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صـ ۲۱۹۔ (۴) آبِ کوثر، صـ ۲۷۴۔

Marfat.com

"شیخ بہاء الدین فرمود کہ اگر فردا قیامت مرا گویند کہ در درگاہ ما چہ آوردی من بگویم کہ صدق حسن افغان آوردی ام"(۱)

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے الفاظ میں

"حسن افغان در زہد و عبادت و ذوق و شوق و عشق و محبت نظیر نداشت۔ مدتی ریاضت کشید و در خدمت پیر خود بسر برد تا آنکہ بہ مرتبہ "ولایت" رسید"(۲)

خواجہ حسن افغان بالکل ان پڑھ تھے لیکن علوم باطنی میں کامل ہونے کی وجہ سے قرآنی آیات کو باآسانی پہچان جاتے تھے۔ لوگ آپ کے پاس اس قسم کی تحریر لاتے جس میں کسی سطر پر قرآنی آیت ہوتی اور کہیں غیر قرآنی سطریں ہوتیں۔ مگر آپ اپنے فہم و فراست اور ذوق و شوق کی بدولت بڑی آسانی سے قرآنی آیت کو پہچان جاتے اور فرماتے کہ قرآنی آیت کو دیکھ کر مجھے ایسا نور نظر آتا ہے جو لامکاں تک پھیلا ہوا ہے۔ حدیقت الاسرار فی اخبار الابرار میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

(ترجمہ) "ان کا ظاہر و باطن صاف اور دل روشن تھا۔ اگرچہ ظاہری علوم سے لاچار تھے۔ لیکن ان کا باطن اس قدر روشن تھا کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک دفعہ ان کا امتحان لینے کی خاطر تین سطریں لکھ کر ان کے سامنے رکھی گئیں۔ پہلی سطر میں قرآن کی آیت تھی۔ دوسری میں حدیث شریف اور تیسری میں مشائخ عظام کے اقوال و احوال درج تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا پہلے قرآن کی آیت ہے کیونکہ اس کا نور عرش سے بھی بڑھ گیا ہے۔ دوسری حدیث ہے۔ کیونکہ اس کا نور ساتویں آسمان تک ہے اور تیسری مشائخ کے احوال کے بارے میں ہے کہ اس کا نور آسمان تک ہے۔ سب حیران ہو گئے اور

۱۔ خلاصۃ العارفین (قلمی) صہ ۷۷۔ یہی عبارت خلاصۃ العارفین، مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے صہ ۱۶۹ پر دو ایک لفظوں کی تبدیلی کے ساتھ درج ہے۔

۲۔ احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، صہ ۷۰۔

Marfat.com

بجھ گئے کہ آپ کامل ولی ہیں۔

(بحوالہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی) چمن ششم، صہ ۱۹۲)

خواجہ حسن افغان کی پیدائش ۶۰۲ھ[1] میں ملتان میں ہوئی۔ آپ کے خاندان کے بارے میں شیخ محمد اکرام "مخزن افغانی" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"حسن اصل میں خوجند کے ایک سید زادہ تھے۔ وہاں کی ایک خاتون کے ساتھ جس کی ہمشیرہ ملتان میں بیاہی ہوئی تھیں۔ آپ قحط سالی کے زمانے میں یہاں آئے۔ اس خاتون نے غرغشتی قبیلہ کے ایک افغان (دادی) سے شادی کرلی اور حسن بھی افغانوں میں بس کر اور شادی بیاہ کرکے افغان ہی ہو گئے۔ ان کی اولاد کو خوندی، خووندی یعنی خوجندی کہتے ہیں۔ مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ آپ شروع شروع میں ان بچوں کی طرح جو ماں باپ کی نگرانی سے محروم رہ گئے ہوں، آوارہ و آزاد ہو گئے بلکہ چوری اور ڈکیتی کا پیشہ شروع کیا اور غرغشتی قبیلے کے لوگوں نے پشتو میں آپ کا عرف ہی ہچو یعنی چور رکھ دیا۔ لیکن پھر عنایت الٰہی شاملِ حال ہوئی۔ گناہوں سے یک قلم توبہ کی اور شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ایک عرصہ ان کی خدمت میں گزارا اور بالآخر ایک کامل ولی ہو گئے۔ اس کے بعد مرشد نے حکم دیا کہ جاکر افغانوں میں ہدایت وارشاد کا سلسلہ شروع کرو۔ چنانچہ وہ اپنے وطن واپس آئے اور غرغشتوں میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔" (۲)

خواجہ حسن افغان کو جب بہاء الدین زکریا سے ولایت ملی تو آپ ان کے حکم سے غرغشتوں کی اصلاح کے لئے تشریف لے گئے۔ ان قبائل کو نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھایا اور بقول

۱۔ بحوالہ "اخبار الاخیار (اردو) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، صہ ۱۶۸۔
حدیقۃ الاسرار، صہ ۱۹۲، کے مطابق آپ ملتان میں پیدا ہوئے۔

۲۔ بحوالہ "آب کوثر" صہ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔

Marfat.com

نور احمد خاں فریدی

" اپنے زہد و ورع کے سبب خوندی کے لقب سے مشہور ہوتے ؟"

خواجہ نظام الدین اولیاء آپ کی بزرگی و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ،

" ایک دفعہ یہی حسن ایک گلی میں جا رہے تھے کہ ایک مسجد کے پاس پہنچے مؤذن نے تکبیر کہی۔ امام آگے بڑھا اور لوگ اس کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہو گئے۔ خواجہ حسن بھی مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز ہو گئی اور لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تو خواجہ حسن امام کے قریب گئے اور اس سے کہا اے خواجہ! جب تم نے نماز شروع کی تو میں تمہارے پیچھے صف میں تھا۔ تم نماز کے دوران میں یہاں سے دہلی گئے۔ وہاں لونڈی غلام خرید کئے۔ وہاں سے واپس آئے اور ان لونڈی غلاموں کو خراسان لے گئے وہاں سے تم ملتان لوٹے اور پھر اس مسجد میں آ گئے۔ میں تمہارے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر یہ کیا نماز ہے ؟ ؟ [1]

امام صاحب آپ کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔ خواجہ حسن افغان کے ساتھ کوئی تصنیف منسوب نہیں ہے۔ انہوں نے ۶۸۹ھ میں وفات پائی اور ملتان میں بہاء الدین زکریا کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

۱۱۔ سید جلال الدین سرخ بخاری | قصبہ اُچ [2] کی ایک اہم شخصیت

۱۔ بحوالہ " فوائد الفواد " (اُردو ترجمہ) صـ ۵۸

مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) اخبار الاخیار، صـ ۱۶۹۔ (۲) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صـ ۵۷۔ (۳) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم صـ ۸۲۔ (۴) آب کوثر، صـ ۲۷۵ (۵) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، صـ ۲۲۰۔

۲۔ بستی اُوچ، ریاست بہاولپور کا اہم تاریخی، مذہبی اور الیا روحانی شہر ہے ... (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

حضرت جلال الدین سرخ بخاریؒ[1] اپنے دور کے نامور بزرگ اور ولی کامل تھے۔ آپ ۵۹۵ھ[2] میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بخارا ہی میں اپنے والد حضرت سید علی ابوالموید بن جعفر حسینی کی نگرانی میں حاصل کی۔ بخارا میں سید قاسم بخاری کی صاحبزادی فاطمہ سے آپ کی شادی ہوئی جن کے بطن سے آپ کے دو بیٹے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے۔ بیوی کی وفات کے بعد ۶۳۵ھ[3] میں بخارا سے پہلے ملتان[4] اور پھر وہاں سے بھکر پہنچے۔ وہاں کے ایک رئیس بدرالدین بن صدرالدین خطیب کی بیٹی سے شادی کی

(بقیہ گزشتہ صفحہ) جو ایک زمانے میں بڑا تجارتی اور فوجی مرکز تھا مسعود حسن شہاب اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"یہ شہر (اُوچ) ریاست بہاولپور کی حدود میں چناب اور راوی کے سنگم کے قریب ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ کسی زمانے میں یہ سیاست، تمدن، تجارت اور علم و آگہی کا گہوارہ تھا۔ سیاحوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ فاتحین نے یہاں ڈیرے ڈالے۔ راجاؤں، مہاراجاؤں اور امراء و سلاطین کے عروج و زوال کی داستانیں اسی سرزمین پر مرتب ہوتی رہیں۔ علم و عرفان کے سوتے یہاں سے پھوٹے۔ روحانیت کے چشمے یہاں جاری ہوئے اور وہ کونسی دنیا کی دولت اور علم و عرفان کی نعمت تھی جو اس کے حصہ میں نہیں آئی۔"

(بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، صـ ۲۰، اُردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اوّل ۱۹۶۷ء)

۱۔ محمد ایوب قادری نے خزینۃ الاصفیاء جلد دوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ "یہ بزرگ مختلف القاب اور اسماء میر سرخ، شریف اللہ، ابوالبرکات، ابواحمد، میر بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر اور عظیم اللہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ (بحوالہ، مخدوم جہانیاں جہاں گشت از محمد ایوب قادری، صـ ۷، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف، بار اوّل ۱۹۶۳ء کراچی۔

۲۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، صـ ۲۰۳۔

۳۔ بحوالہ ——— ایضاً ——— صـ ۲۰۳۔

۴۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صـ ۷۔ (۲) تحفۃ الکرام، صـ ۳۶۷۔ (۳) سیر العارفین کے مطابق آپ پہلے ملتان تشریف لاتے پھر وہاں سے بھکر گئے جبکہ (۱) خطۂ پاک اُوچ، صـ ۲۰۳، (۲) اخبار الاخیار، صـ ۱۳۷۔ (۳) گلزار ابرار، صـ ۵، کے مطابق آپ پہلے بخارا سے بھکر تشریف لاتے۔

Marfat.com

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی آپ کی آمد اور عقد کے بارے میں لکھتے ہیں

"سید جلال الدین ایک ولی کامل ہیں (ایک بار) وہ اپنے دو فرزندوں سید علی اور سید جعفر کے ساتھ ملتان سے بھکر آئے ہوئے تھے۔ جہاں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں سید بدرالدین کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے شادی کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سید (بدرالدین) کو بھی خواب میں ایسا ہی ارشاد ہوا۔ (چنانچہ) سید جلال نے اس قرابت کا شرف حاصل کیا۔"(۱)

بخارا سے ملتان آکر آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا سے بیعت کی۔ محمد غوثی شطاری لکھتے ہیں کہ

"آپ شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید اور مخدوم جہانیاں کے دادا ہیں۔ قدس سرہم کہتے ہیں کہ تقدیر الٰہی آپ کو بخارا سے بھکر(۲) کھینچ لائی تھی۔" (۳)

جناب جلال سرخ بخاری کے بہاء الدین زکریا کے پاس آنے کی وجہ مسعود حسن شہاب یہ بتلاتے ہیں کہ جب بہاء الدین زکریا حصولِ علم کی خاطر بخارا تشریف لے گئے تو وہاں

۱۔ بحوالہ "تحفۃ الکرام" از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، مترجم اختر رضوی، صـ ۳۶۷، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

۲۔ بھکر میں آپ کی شہرت اور مقبولیت سے لوگ حسد کرنے لگے تو آپ کو وہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ محمد غوثی شطاری کے مطابق

"آسمانی گردش سے بھائیوں کے دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوا۔ اس سبب سے سید جلال الدین بہ ترک سکونت اوچہ معین آکر گوشہ گزین ہوئے۔ بہت مدت تک خدا پرستی میں مشغول رہے اور رحلت کے بعد بھی یہی شہر آپ کی خواب گاہ بنا۔"

(بحوالہ گلزار ابرار، صـ ۵۸)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (الف) اخبار الاخیار، صـ ۱۳۷-۱۳۸- (ب) آب کوثر، صـ ۲۲۹

۳۔ بحوالہ "گلزار ابرار" از محمد غوثی شطاری مانڈوی، مترجم فضل احمد جیوری، صـ ۵۷۔

Marfat.com

جلال الدین بخاری کے والد سید علی آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ والد کی طرح سید جلال بھی آپ کو پسند کرتے تھے اور یہی پسندیدگی آپ کو ملتان لے آئی۔ اس کے علاوہ آپ بہاء الدین زکریا کے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے عقیدت مند بھی تھے(۱) سید جلال، بہاء الدین زکریا کے بہترین خلفاء میں سے تھے جو خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹوی لکھتے ہیں

"سید جلال بخاری جنہیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے۔ وہ شیخ بہاء الدین ملتانی کے مرید اور یار ہیں۔ یہ (بزرگ آپس میں) چار یار (کہلاتے) ہیں — شیخ بہاء الدین، شیخ فرید الدین، سید عثمان مروندی (قلندر شہباز) اور سید جلال سرخ۔" (۲)

آپ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں تیس سال تک رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ صدر الدین عارف کے کہنے پر اوچ شریف منتقل ہو گئے جہاں آپ آخری وقت تک رہے۔ محمد ایوب قادری آپ کے پوتے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی کتاب "الدر المنظوم" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"شیخ کبیر بہاء الحق والدین نے دعاگو کے دادا کو بعد تیس برس کے اچہ کی طرف بھیجا بعد وفات شیخ کبیر کے شیخ صدر الدین نے چند زمانہ رکھا بعد اس کے اجازت دی کہ اچہ میں ساکن ہو۔"(۳)

جس زمانے میں سید جلال الدین بخاری اوچ تشریف لائے۔ ان دنوں اوچ کے گرد و نواح میں ہندوؤں کا تسلط تھا جو مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ لیکن سید جلال نے ہمت و حوصلے سے کام لیتے ہوئے پوری خود اعتمادی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ اور ان کفار کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری قبول کی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "خطہ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، صہ ۲۰۲

۲۔ "تحفۃ الکرام" صہ ۲۶۷۔

۳۔ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، صہ ۷۹۔

Marfat.com

اور اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کی۔ مولوی حفیظ الرحمٰن لکھتے ہیں کہ

"حضرت جلال سرخ نے اوچ میں قیام کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری مستعدی کے ساتھ شروع کیا۔ علاقہ اوچ کی چدھڑ، ڈہر اور سیال وغیرہ نے حضرت کی ہدایت پر متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔"(۱)

ان کے علاوہ مولانا نور احمد خان فریدی نے "تذکرہ صدر الدین عارف" میں اسی علاقہ کے راجہ گھلو کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا ہے

"جس کی اولاد ٹھٹھ گھلواں، اوبارہ، چھنڈہ میانی، بیٹو واہی، چوٹالہ، خان واہ، ملک پور، صبرا، کرام علی والا اور سعد اللہ پور (ضلع ملتان) کے مواضعات میں پھیلی ہوئی ہے۔"(۲)

مسعود حسن شہاب نے خزینۃ الاصفیاء (جلد دوم) کے حوالے سے یوں ذکر کیا ہے۔

"ہزارہا مخلوق خدا را بہ ہدایت ہادی حقیقی براہ راست آورد و شہر جھنگ سیالاں کے در پنجاب مشہور و معروف است بنا فرمود،

ترجمہ —— ہزاروں لوگوں کو ہدایت حق سے راہ راست پر لائے اور شہر جھنگ سیالاں کی جو پنجاب کا مشہور ضلع ہے۔ بنیاد بھی آپ ہی نے رکھی۔"(۳)

سید جلال بخاری جب اچ تشریف لے گئے تو اصلاح و تبلیغ کے کام کے لئے انہوں نے ایک "خانقاہ بخاریہ" کی بنیاد رکھی۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق

"اُچ میں حضرت سید جلال سرخ بخاری نے خانقاہ بخاریہ کی بنیاد رکھی اس خانقاہ میں علمی اور روحانی استفادہ کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور اس کثرت سے رجوع خلق حضرت شیخ کی جانب ہوا کہ بہت جلد اوچ کا وہ حصہ جہاں حضرت والا فروکش ہوئے تھے، اوچ بخاری کے نام

۱۔ بحوالہ "تاریخ اوچ" صہ ۹۸۔

۲۔ بحوالہ "تذکرہ صدر الدین عارف" صہ ۱۷۱۔

۳۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" صہ ۲۱۰۔

Marfat.com

سے دور و نزدیک مشہور ہو گیا۔"(۱)

اس خانقاہ کے علاوہ مسعود حسن شہاب اوچ مرکز علم و عرفان کے ضمن میں ایک اور خانقاہ جلالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"حضرت سید جلال سرخ بخاری کی آمد پر یہاں خانقاہ جلالیہ کی بنیاد پڑی جس میں خود حضرت مخدوم اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت سید احمد کبیر زیب مسند رہے۔

اس درس گاہ کو غیر معمولی شہرت حضرت سید احمد کبیر کے فرزند اور حضرت مخدوم جلال سرخ بخاری کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے زمانے میں حاصل ہوئی۔ اس عہد میں ہند اور بیرون ہند سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال دہلی کے سوا اور کہیں نہیں ملتی ان طلبہ میں بعض حضرات اپنے زمانہ کے ممتاز اہل علم و فضل اور نامور اصحاب شریعت تھے اور جن جن علاقوں میں گئے وہاں ایک دنیا ان کے فیوض علمی و عملی سے بہرہ ور ہوئی۔"(۲)

جلال الدین سرخ بخاری اپنی عمر کے آخری حصے تک اوچ میں مقیم رہے اور یہیں ۱۹ جمادی الاوّل بمطابق ۲۰ مئی ۱۲۹۱ء (۶۹۰ھ)(۳) میں وفات پائی۔ حدیقۃ الاولیاء میں دیئے ہوئے قطعہ تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

چو رفت از جہان در بہشت بریں ۔۔۔ جلال ولی صاحب حال و قال
بتاریخ او میر (۶۹۰) دولت بگو ۔۔۔ دگر قبلۂ اہل (۶۹۰) جنت جلال(۴)

۱۔ بحوالہ " خطہ پاک اوچ " صہ ۲۱۱۔

۲۔ بحوالہ ـــــ ایضاً ـــــ صہ ۱۶۷۔

۳۔ حوالے کیلئے دیکھئے (۱) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صہ ۸۱۔ (۲) خطہ پاک اوچ، صہ ۲۱۲ (۳) آب کوثر از شیخ محمد اکرام صہ ۲۶۷ (۴) سیر العارفین صہ ۲۴۲ (۵) تذکرہ اولیائے ہند و پاک صہ ۸۴، البتہ اخبار الاخیار از مولوی عبد الحق محدث دہلوی صہ ۱۲۶ پر آپکا سن وصال ۶۵۲ھ لکھا ہے ـــــ ۴ ـــ حدیقۃ الاولیاء، از غلام سرور لاہوری، صہ ۴۷، مطبوعہ نولکشور۔

Marfat.com

آپ کے پانچ فرزند تھے جن میں سے سید احمد کبیر سہروردی کو شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے اپنے والد اور صدرالدین عارف دونوں سے خلافت حاصل کی تھی۔ سید احمد کبیر ہی کے دو فرزند سید صدرالدین راجو قتال اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اوچ شریف کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنہیں دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

وصال کے بعد سید جلال بخاری کو قصبہ چناب رسول پور میں، جہاں وہ رہتے تھے دفن کیا گیا۔ لیکن دریا کی طغیانی کے سبب یہ حصہ متاثر ہوا تو آپ کو سیونک بیلا منتقل کر دیا گیا۔ یہ علاقہ بھی دریا کی زد میں آیا تو آپ کے جسد مبارک کو آپ کے پوتے سید راجو قتال کے مزار کے ساتھ دفن کیا گیا۔ پھر مخدوم محامد نو بہار اوّل نے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) میں زبردست مخالفت کے باوجود آپ کے جسد مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا جہاں اب ان کا مزار موجود ہے۔ آپ کے مقبرہ کی موجودہ عمارت کو نواب بہاول خاں ثالث رئیس بہاولپور نے پختہ بنوایا اور احاطے میں ایک کنواں اور تالاب بھی بنوایا۔ ۱۳۰۰ھ میں نواب صادق محمد خاں رابع نے اس کو وسیع کرتے ہوئے اس کی مرمت بھی کروائی۔[1]

شیخ رکن الدّین ابوالفتح

قاضی جاوید کے مطابق شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی

> "ایک لحاظ سے شیخ زکریا کے خاندان کے آخری نامور بزرگ تھے انہوں نے دینی اور دنیاوی معاملات میں اپنے خاندان کی روایات کو برقرار رکھا ـــــ شیخ بہاءالدین زکریا نے تصوف اور سیاست میں قریبی ربط پیدا کرنے کی جس کوشش کا آغاز کیا تھا۔ ان کے پوتے کے زمانے میں وہ نصب العین بن کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ اسے صوفیانہ آدرش پر بھی ترجیح دی جانے لگی۔"[2]

غوث بہاءالحق کے پوتے اور شیخ صدرالدین عارف کے بیٹے شیخ رکن الدین ابوالفتح

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) مخدوم جہانیاں جہاں گشت صہ ۱۲ (ب) خطہ پاک اوچ، صہ ۲۱۲۔

۲۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۱۰۵ تا ۱۰۹۔

Marfat.com

اپنے والد کی وفات کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے اور ۵۲ سال تک سجادہ نشین رہے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ

"پنجاہ و دو سال بر سجادہ پدر وجد بزرگوار نشستہ بادشاہ طالبان قیام داشتند"[1]

آپ محترمہ بی بی راستی، جو بی بی پاک دامن کے نام سے مشہور ہیں کے اکلوتے فرزند تھے جنہیں حضرت بہاء الدین نے آپ کی پیدائش سے دو ماہ قبل خوشخبری سنادی تھی کہ ان کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوگا جو ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے خانوادے کی شمع[2] ہے

آپ ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ (۱۲۵۱ء)[3] بروز جمعہ کو پیدا ہوئے تو آپ کے دادا بہاء الدین زکریا نے آپ کا نام رکن الدین رکھا۔ بعد میں آپ "ابو الفتح"[4] کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ شمس سبزواری نے آپ کی سعادت مندی سے متاثر ہو کر آپ کے نام کے ساتھ "والعالم" کا اضافہ کیا۔ اسی نسبت سے آپ رکن عالم بھی کہلوائے[5]

۱۔ بحوالہ "سفینۃ الاولیاء" فارسی (قلمی) ص۱۶۷ مرقومہ یار محمد مرید حضرت شیخ خواجہ حافظ غلام حسن مرقومہ ۱۲۸۰ھ

۲۔ بحوالہ "سیر العارفین" ص۱۰۲۔ "سفینۃ الاولیاء" (فارسی) از دارالشکوہ ص۱۸۷ مطبوعہ نولکشور میں "شمع" کی جگہ "شفیع" کا لفظ استعمال ہوا ہے جملہ یوں ہے: "او چراغ خاندان و شفیع دودمان ماست"۔

۳۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الف) "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم" از نور احمد فریدی، ص۱۸، مطبوعہ قصر الادب، جگو والا ضلع ملتان (ب) مخدوم جہانیاں جہاں گشت از محمد ایوب قادری ص۱۷ (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص۴۷۔ البتہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، ص۱۹۵۔ اخبار الاخیار ص۱۴۲ پر ۶۳۵ھ درج ہے۔ جبکہ احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، از ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص۵۴ میں سن پیدائش ۶۳۷ھ دیا گیا ہے۔

۴۔ بشیر حسین ناظم کے مطابق "آپ ابو الفتح کے گرامی لقب سے بدیں باعث مشہور ہوئے کہ آپ اپنے باطنی انوار و تجلیات سے اپنے تمام متوسلین اور ارادت مندوں کے دلوں کے احوال و خطرات معلوم کر لیتے تھے۔ (بحوالہ "اولیائے ملتان" ص۵۰)

۵۔ بحوالہ "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم" ص۱۹۔

Marfat.com

حضرت بہاء الدین زکریا نے جس طرح اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا تھا۔ اسی طرح شاہ رکن عالم کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ آپ نے اپنے والد اور چچاؤں کی طرح اپنے دادا کی قائم کی ہوئی درس گاہ، مدرسہ بہائیہ میں تعلیم حاصل کی جہاں جید علماء ہزاروں طالبان علم کی پیاس بجھانے کو موجود تھے۔ قرآن مجید ساتوں قرأتوں کے ساتھ والد محترم صدرالدین عارف سے پڑھ کر حفظ کیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی تربیت کا بھی خیال رکھا جاتا۔ چنانچہ آپ کے والد تہجد، اشراق چاشت، زوال، بین العشائین اور دیگر نوافل ادا کرتے وقت آپ کو بھی ساتھ شامل رکھتے نور احمد خاں فریدی بزم صوفیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"انہوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے کہ ان کو مخزن شہود الٰہی، منبع جود لا متناہی، ادریس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن صفات لاریب، لولوئے سبحۂ دریائے غیب زبدۃ المشائخ، مفتاح کل اور حق الیقین کے القابات سے یاد کیا جانے لگا تھا۔" (۱)

مدرسہ بہائیہ میں آپ نے اس زمانے میں مروجہ تمام دینی کتابوں پر کامل عبور حاصل کر لیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت پر جو خصوصی توجہ دی گئی اس نے آپ کی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ آپ

"عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و پرہیزگاری میں یکتائے زمانہ تھے۔ پند و نصائح، شفقت و موافقت، الفت و محبت، مروت و مودت، بردباری و تحمل، حسن خلق اور حسنِ ظن میں لاثانی تھے ــــــ رب العزت نے آپ کو حلم و حیاء، صدق و وفا، عفو و وفا اور جود و سخا کا ایک بحر بیکراں بنا دیا تھا۔ آپ کا اکثر وقت ذکر خفی

اور ذکر جلی

میں گزرتا۔ ریاضت و مجاہدہ میں اس

۱۔ بحوالہ "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم" صد ۴۴۔

Marfat.com

جفاکشی اور جانفشانی سے کام لیتے کہ دیگر اہل مجاہدہ حیران و ششدر رہ جاتے۔ دس برس کی عمر میں احوال و کشف قبور اور کشف قلوب میں فائق ہوئے اور اس کے پندرہ برس بعد کمالات صوری اور معنوی کا اسوۂ کاملہ بن گئے۔"(۱)

قطب الاقطاب شاہ رکن عالم کو وہ خرقہ خلافت اپنے والد کی طرف سے ملا جو بہاءالدین زکریا کو شہاب الدین سہروردی کی طرف سے عطا ہوا تھا اور آپ نے بہاءالدین زکریا کی وہ دستار پہنی جو بچپن میں کھیلتے ہوئے آپ نے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی تو صدرالدین عارف نے آپ کو ٹوکا۔ لیکن بہاءالدین زکریا نے فرمایا کہ اسے نہ روکو۔ یہ حقیقت میں اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ بہاءالدین زکریا نے وہ دستار صندوق میں رکھوا دی جو بڑے ہو کر آپ کے سر پر رکھی گئی۔(۲)

شاہ رکن عالم سخاوت اور غرباء پروری میں بھی اپنے والد سے کسی طرح کم نہ تھے۔ آپ نے ساری زندگی اپنے لئے کوئی مال و دولت جمع نہ کیا بلکہ آپ کو جہاں کہیں سے بھی جو کچھ ملتا اسے فوراً مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ آپ نے دہلی کا سفر بھی اختیار کیا اور جب آپ دہلی تشریف لے گئے تو سلطان علاءالدین نے آپ کی خدمت میں پہلے دو لاکھ تنکے پیش کئے جو آپ نے فوراً تقسیم فرما دیئے۔ پھر واپسی کے وقت اس نے تین لاکھ تنکے پیش کئے وہ بھی آپ نے فوراً تقسیم فرما دیئے۔ ضیاءالدین برنی تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) میں لکھتے ہیں

"یہ شیخ دو مرتبہ علاءالدین کے عہد میں دہلی آئے۔ ہر مرتبہ سلطان نے آتے وقت دو لاکھ اور واپسی کے وقت پانچ لاکھ تنکے پیش کئے۔ یہ سب

۱۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، صہ ۳۹ - ۴۰۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ (الف) سیرالعارفین، صہ ۲۰۰۔ (ب) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۳۹۔ (ج) تذکرہ قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، صہ ۲۲ - ۲۳۔

Marfat.com

رقوم شیخ نے فقراء میں تقسیم کر دیں۔(۱)

شاہ رکن عالم کے تعلقات نہ صرف علماء مشائخ سے تھے بلکہ آپ سلاطین کے ساتھ بھی تعلق رکھا کرتے تھے(۲)۔ اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کی شکایات کو سلطان تک پہنچایا جائے اور ان کی مشکلات کو حل کیا جائے۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار کے مطابق

"۔۔۔ رفتن حضرت نزد بادشاہ محض برائے حاجت براری اہل حاجات بودے کہ ذات پاک ایشان محض خیر خواہ خلق اللہ است"۔(۳)

چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا خصوصی طریقہ تھا۔ "سیر الاولیاء" کے مصنف اپنے والد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"جب میں ان بزرگواروں کے سامنے کھانا لے گیا تو شیخ رکن الدین کے ڈولے پر محتاجوں کی عرضیوں اور کاغذات کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا۔ میں روٹیاں رکھنے اور جگہ وسیع کرنے کے لئے ان کاغذات کو ایک جگہ جمع کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سلطان المشائخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم جانتے ہو کہ یہ کاغذ کیسے ہیں۔ بعدہٗ خود فرمایا کہ اس زمانہ کے مساکین کی عرضیاں ہیں جب میں بادشاہ

۱۔ بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" صـ ۴۹۸ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول، اکتوبر ۱۹۶۹ء

۲۔ آپ کے خاندان کے بزرگ شیخ الاسلامی کے منصب کے باعث دہلی کی حکومت کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے سیاست میں بھی آپ کے والد اور دادا کا خاص کردار ہوتا تھا۔ قاضی جاوید کے مطابق "سہروردیہ مکتبہ فکر کی توجہ کا مرکز حکمران تھے۔ ان کے ہی مفادات انہیں عزیز تھے۔ اصل یہ ہے کہ سہروردی اکابرین اور خصوصاً شیخ رکن الدین بنیادی طور پر ایسے جاگیردار تھے جنہیں ورثے میں روحانی اقتدار بھی ملا۔ اس اقتدار کو انہوں نے اکثر و بیشتر دنیاوی حاصلات کے لئے استعمال کیا"۔

(بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صـ ۱۱۴)

۳۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی) صـ ۱۹۵۔

Marfat.com

> کے پاس جاتا ہوں تو محتاج لوگ اپنی عرضیاں دیتے ہیں تاکہ ان کی مہمات انجام کو پہنچیں۔"(۱)

آپ کے سامنے سلطان خادم سے عرضیاں پڑھواتا اور مناسب فرمان جاری کرواتا حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کی اہم سیاسی و مذہبی شخصیت تھے۔ سلاطین کے درباروں میں بھی اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ

> "شیخ رکن الدین در زمان خود شخصیت ارجمندی لشمار میرفت۔ سلطان علاء الدین خلجی و پسرش قطب الدین خلجی احترام زیادی برای او قابل بودند۔ شیخ باسلاطین تغلق هم روابط خوبی داشت۔"(۲)

ایک مرتبہ جب سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نے ملتانیوں کے قتل عام کا حکم دیا تو آپ برہنہ سر سلطان کے دربار میں پہنچے۔ سلطان نے انہی تعلقات کی بناء پر قتل عام کا حکم روک دیا(۳)۔ قاضی جاوید لکھتے ہیں

> "اس واقعہ کے بعد شیخ رکن الدین ملتان میں مقیم رہے۔ یہ ان کی زندگی کے سب سے زیادہ پُرسکون دن تھے۔ ان کی روحانیت اور سیاسی اہمیت کے چرچے پورے مسلم ہند میں پھیل چکے تھے۔ ان کے

۱۔ بحوالہ "سیر الاولیاء" صہ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔

۲۔ بحوالہ "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصت العارفین" صہ ۵۵۔

۳۔ سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ کے زمانے میں کشلو خاں نے ملتانیوں اور بلوچوں کے ساتھ مل کر ملتان اور بھکر میں بغاوت کر دی۔ ۷۲۸ھ میں سلطان نے خود حملہ کر کے اس بغاوت کو فرد کیا۔ کشلو خاں اس حملے میں مارا گیا اور اس کی فوج بکھر گئی۔ بادشاہ نے ملتانیوں کے قتل عام کا حکم دیا تو شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ملتانیوں کی سفارش کے لئے برہنہ سر سلطان کے دربار میں آ کھڑے ہوتے آخر سلطان نے آپ کی سفارش مان کر ملتانیوں کا قصور معاف کر دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) تاریخ معصومی، صہ ۶۵ (۲) آب کوثر، صہ ۲۶۴۔ (۳) قطب الاقطاب رکن عالم، صہ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔

(۴) مرقع ملتان، از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۱۴۔

Marfat.com

ارادت مندوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ملتان اور اس کے گردونواح میں ان کی جاگیریں پھیلی ہوئی تھیں۔ سلطان محمد تغلق بھی ملتان کے واقعہ کے بعد دہلی جاتے ہوئے شیخ کی خدمات کے عوض اپنے باپ کا تعمیر کردہ پُرسکون مقبرہ اور سو دیہات نذرانے کے طور پر دے گیا تھا۔" (۱)

شاہ رکن عالم کی دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے پانچ (۲) مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ دہلی کے سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے کچھ رنجش پیدا ہوئی تو انہوں نے دہلی میں ان کا اثر ورسوخ کم کرنے کے لئے ملتان سے شاہ رکن عالم کو بلوایا۔ شاہ رکن عالم جب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات نظام الدین اولیاء سے ہوئی جو آپ کے استقبال کے واسطے حوض علائی کے مقام پر تشریف لائے تھے۔ شاہ رکن عالم کی جب سلطان سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا کہ آپ کی ملاقات اس شہر کے بزرگوں میں سب سے پہلے کس سے ہوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ

"جو اس شہر کے تمام باشندوں میں زیادہ بہتر و بزرگ تھا۔" (۳)

کہا جاتا ہے کہ یہ سُن کر سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے جو رنجش تھی وہ دُور ہوگئی۔ اس کے بعد آپ جب بھی دہلی تشریف لاتے تو خواجہ صاحب سے ضرور ملاقات کرتے۔ اس دوران آپ دونوں کے درمیان علمی

۱۔ "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۱۱۳۔

۲۔ سید خورد مبارک کرمانی نے "سیر الاولیاء" میں آپ دونوں کی پانچ ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے ——————— (ملاحظہ فرمایئے "سیر الاولیاء" صہ ۱۴۳ تا ۱۴۸)

۳۔ بحوالہ "سیر الاولیاء" صہ ۱۴۳۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، صہ ۱۴۵ تا ۱۴۸۔ (۲) گلزار ابرار، صہ ۵۸۔ ۵۹۔ (۳) اخبار الاخیار، صہ ۱۴۶ تا ۱۴۹ (۴) "آب کوثر" صہ ۲۶۳۔

Marfat.com

نکات کا تبادلہ بھی ہوتا جسے سننے کے لئے کئی لوگ جمع ہوتے۔

قیام دہلی کے دوران ہی میں ایک مرتبہ آپ نے سماع کی محفل میں شرکت فرمائی آپ دہلی میں تھے کہ بابا فرید کے عرس کا زمانہ آگیا تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے دہلی میں ہی عرس کا انتظام کیا جس میں شاہ رکن عالم بھی شامل ہوئے۔ اسی عرس کے موقع پر محفل سماع کا بھی انتظام کیا گیا۔ سماع کے دوران وجد میں آکر خواجہ نظام الدین اولیاء اٹھنے لگے تو رکن عالم نے انہیں پکڑ کر بٹھالیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اٹھے تو آپ نے انہیں نہیں روکا بلکہ خود بھی دوسرے مشائخ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے بعد میں مولانا علم الدین نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ

"میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا۔ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ میں نے ان کو عالم جبروت میں دیکھا اور اپنا ہاتھ روک لیا۔" (۱)

شاہ رکن عالم کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو حاصل ہے جو ابتدائی تعلیم اوچ سے حاصل کرنے کے بعد آپ کے مدرسہ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملتان میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ وجیہ الدین عثمان سنامی کا نام بھی آتا ہے جن کا مزار دہلی میں ہے۔ آپ شاہ رکن عالم کے ساتھ ملتان تشریف لے آئے اور دو سال یہاں قیام فرمایا۔ اسی دوران قرآن مجید حفظ کیا اور آپ سے عوارف المعارف پڑھی۔ پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے شیخ کے حکم سے دہلی میں قیام فرمایا جہاں خواجہ نظام الدین اولیاء رہتے تھے۔ آپ سماع کے بہت شوقین تھے۔ حالانکہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ شیخ مجد الدین طاہر بھی آپ کے مرید تھے جن کا مزار قصبہ کنور میں ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں حمید الدین حاکم، حاجی صدر الدین چراغ ہند جون پوری،

۱۔ بحوالہ "سیر العارفین" صد ۲۰۴۔

Marfat.com

مولانا ظہیرالدین محمود سہروردی اور حضرت علی بن احمد غوری شامل ہیں۔ انہوں نے بہاء الدین زکریا کی کتاب "الاوراد" کی شرح "کنزالعباد" کے نام سے لکھی۔ یشخ رکن الدین نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ قاضی جاوید نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے

"یشخ رکن الدین ابوالفتح کی زندگی زیادہ تر سیاسی ہنگاموں کی نذر ہو گئی تھی۔ درس و تدریس سے انہیں زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ان کی یادگاروں میں کوئی تصنیف بھی موجود نہیں۔ صوفیانہ مسائل اور فلسفیانہ نکتہ طرازیوں سے انہیں دلچسپی نہیں تھی۔"

(بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور"، صہ ۱۱۴۔)

البتہ اخبارالاخیار، صہ ۴۷، پر "مجمع الاخیار" کے نام سے ایک کتاب ان سے منسوب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کا بیان ہے کہ

"درباره تصانیف یشخ تذکره نویسان چیزی ننوشته اند۔ فقط در کتاب اخبارالاخیار، صہ ۴۷، اسمی از "مجمع الاخیار" برده شده منتهی از آں نقل شدہ است وایں کتاب را بہ یشخ رکن الدین نسبت داده اند۔"(۱)

شاہ رکن عالم نے اپنی عمر کے آخری دس سال خانقاہ نشین ہو کر گزارے اور اس دوران آپ کے خلفاء آپ کے گرد جمع رہے۔ وفات سے کچھ مہینے قبل آپ نے سب کو جمع کر کے دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کے بارے میں وعظ فرمایا اور اس کے بعد اپنے بھتیجے اور یشخ عماد اسماعیل کے بیٹے یشخ صدرالدین محمد(۲) کے سر پر وہی دستار مبارک رکھ کر انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا جو آپ کو آپ کے دادا نے دی تھی۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کا بیان ہے

"یشخ رکن الدین چوں صاحب فرزندی نمود لبعد از او خلفائی عظام او بہ جانشینی او در رسیدند و حقیقتاً یاد در گذشت او سلسلۂ سہروردیہ از ملتان بہ

۱۔ بحوالہ "احوال و آثار۔ یشخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صہ ۵۵

۲۔ بحوالہ (الف) مرآت الاسرار، جلد دوم، صہ ۲۶۳ (ب) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، صہ ۲۵۰۔

Marfat.com

اوچ منتقل شدہ و ایں خطہ بصورت مرکز روحانی ہند و پنجاب در آمد"۔(۱)

اس کے بعد وصال تک تقریباً تین ماہ کا عرصہ آپ نے زیادہ تر اپنے حجرے میں عبادت کرتے ہوئے گزارا۔ صرف فرض نمازوں کے لئے باہر تشریف لاتے۔ وصال والے دن مولانا ظہیر الدین محمد کو جو آپ کو وضو کرا رہے تھے فرمایا کہ جاؤ میری تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ وہ سُن کر باہر آئے اور دوسرے خلفاء کو بھی یہ بات بتائی۔ سب سمجھ گئے کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد صلوٰۃ اوابین ادا کر رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو سجدے میں سر رکھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی وفات ۷۳۵ھ (۱۳۳۴ء)(۲) میں ہوئی۔ آپ کا روضہ قلعہ قدیم پر ہے۔ جہاں آپ کے دادا اور آپ کے والدِ محترم کے مزار بھی ہیں۔ آپ کے مزار کی عمارت غیاث الدین تغلق نے اپنے مقبرے کے لئے تعمیر کرائی تھی لیکن وہ دہلی میں فوت ہوا اور اسے وہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بیٹے محمد بن تغلق نے یہ عمارت آپ کے روضے کے لئے دے دی(۳) ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

"در مقبرہ ای کہ سلطان غیاث الدین متوفی ۱۳۲۰ء برائی خودش بود مدفون شدہ"(۴)

آپ کے مقبرہ کی عمارت کافی اونچی ہے اور شہر میں دُور دُور سے نظر آتی ہے۔ اولاد علی

۱۔ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" صہ ۵۵ ۔ ۵۶۔

۲۔ بحوالہ (۱) سیر العارفین، صہ ۲۰۹ (۲) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، صہ ۲۵۔ (۳) آب کوثر، صہ ۲۶۷۔ (۴) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صہ ۳۱۔ (۵) مرآت الاسرار، صہ ۲۶۳۔ (۶) سفینۃ الاولیاء صہ ۱۵۴۔ (۷) اولیائے ملتان، صہ ۵۱۰۔ (۸) تاریخ فیروز شاہی، صہ ۴۹۸۔ (۹) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، صہ ۴۸۴۔ (۱۰) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۱۴۵ اور جبکہ اخبار الاخیار، صہ ۱۴۲ پر سنہ وفات ۶۹۰ھ اور احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، صہ ۵۶، پر ۷۳۴ھ درج ہے۔

۳۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الف) آب کوثر، صہ ۲۶۶۔ (ب) مرقع ملتان، صہ ۲۱۵۔

۴۔ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی" صہ ۵۵۔

Marfat.com

گیلانی کے مطابق

"آپ کے روضہ مبارک کی عمارت ہندوستان کی بہترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ عظیم الشان عمارت مثمن شکل کی ہے۔ اس کا مرکزی قطر ۵۱ فٹ ۹ انچ لمبا ہے۔ ہر ایک زاویہ پر عمودی ستون کھڑے ہیں اس سے اوپر کے حصہ میں ایک اور مثمن شکل کی عمارت استادہ ہے۔ جس کا باہر کی طرف کا گھیر تقریباً ۲۵ فٹ کا ہے اور اونچائی میں ۲۶ فٹ ہے۔ اوپر کے گنبد کی بیرونی گولائی ۵۸ فٹ ہے اور کل مقبرہ کی بلندی سو فٹ اور دو انچ ہے۔ چونکہ مقبرہ بہت بلندی پر واقع ہے۔ اس لئے ارد گرد کی آبادی سے یہ کوئی ڈیڑھ سو فٹ کے قریب بلند ہے۔ ملتان سے ۱۲ یا ۱۵ میل کے فاصلے سے یہ عمارت نظر آتی ہے۔"[1]

۱۲۔ شیخ حسام الدین ملتانی

مولانا حسام الدین ملتانی کا تعلق سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے دس خلفاء میں ہوتا ہے۔[2] آپ ۶۸۷ھ (۱۲۶۸ء)[3] میں پیدا ہوئے۔ چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے تعلق رکھتے تھے۔[4] آپ علوم ظاہر و

۱۔ بحوالہ "مرقع ملتان" از سید محمد اولاد علی گیلانی، ص ۲۱۴ - ۲۱۵۔

۲۔ (الف) مرآت الاسرار (جلد دوم) ص ۳۱۳۔ (ب) شیخ محمد اکرام کے مطابق،
"حضرت سلطان المشائخ کے تین خلفاء کے نام (سید موسیٰ وراق الحسنی والچشتی مخدوم سید حسین خنگ سوار، شیخ حسام الدین عثمانی، پٹن کے بزرگوں میں ملتے ہیں۔ لیکن اوّلیت کا شرف شیخ حسام الدین کو حاصل ہے۔ ان کا وطن ملتان تھا اور حضرت سلطان المشائخ کے خاص خلیفہ تھے۔" (بحوالہ آب کوثر، ص ۳۳۱)

۳۔ "نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" مؤلفہ علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی مترجم ابو یحییٰ امام خاں، ص ۲۱۶، مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور، طبع اول ۱۹۶۵ء۔

۴۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص ۱۷۸۔

Marfat.com

باطن میں مشہور تھے۔ مصنف سیرالاولیاء لکھتے ہیں کہ

"زاہد روحانی عابد سبحانی مولانا حسام الملتہ والدین ملتانی سلطان المشائخ کے ممتاز و اولوالعزم خلیفہ ہیں جو علم تقویٰ اور ورع و زہد میں ایک کامل آیت تھے۔ آپ کو علم فقہ میں انتہا درجہ کی مہارت تھی۔ ہدایہ کی دونوں جلدیں حفظ تھیں اور ان کے تمام مطالب نوک زبان تھے۔ علم سلوک میں قوت القلوب اور احیاء العلوم دونوں جامع جلدیں از بر تھیں اور باوجود ان تمام بزرگوں اور فضائل کے زائرالحرمین اور صاحب نصیبین تھے۔" (۱)

شیخ حسام الدین نے اپنی عبادت گزاری اور درویشی کی زندگی کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ ان کے ذریعہ معاش کے بارے میں گلزار ابرار میں لکھا ہے

"ہمیشہ ٹاٹ بیچنے سے روز مرّہ کی قوت پہنچاتے تھے اور جو کچھ بہم پہنچتا تھا اس میں سے بھی آدھوں آدھ کسی اور شخص کو دے دیا کرتے تھے جو مستحق ہوتا تھا اور رسمی علوم کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ رحلت کے وقت یہی روش و رفتار اور کاروبار رہا۔" (۲)

مولانا نے اپنی باعمل زندگی سادگی اور درویشی میں گزاری۔ محنت سے کام لیتے اور جتنا وقت بچتا عبادت میں گزار دیتے۔ آپ نے کبھی ضرورت سے زائد اپنے گھر میں نہیں رکھا تھا۔ بعض اوقات تو جب کچھ نہ ملتا تو کئی کئی دن فاقے میں گزار دیتے۔ لیکن کبھی کسی سے کچھ لینا گوارا نہ کرتے بلکہ جو کچھ بھی کہیں سے حاصل ہوتا اسے لوگوں پر خرچ کر دیتے آپ نے بہت عرصہ تک خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھا تاکہ لوگوں کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے اور جب لوگوں کو آپ کے بارے میں علم ہوا (۳) تو

۱۔ بحوالہ "سیرالاولیاء" اُردو ترجمہ غلام احمد بریاں مؤلفہ سید محمد مبارک کرمانی "میر خورد" صہ ۲۵۷۔

۲۔ بحوالہ "گلزار ابرار" از محمد غوثی شطاری (اُردو ترجمہ) صہ ۱۰۳۔

۳۔ آپ کی کیفیت ظاہر ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ۷۲۵ھ میں ایک شخص سلطان نظام الدین اولیاء کے پاس دہلی گیا اور عرض کیا کہ میرا گھر نہروالا (پٹن گجرات) (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

پھر کھل کر لوگوں کی خدمت بھی کی اور ان کی رہنمائی کو اپنا شعار بھی بنالیا۔ آپ کے زہد وتقویٰ، درویشی، پارسائی اور بزرگی کی وجہ سے ہی نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شہر دہلی شیخ حسام الدین کی حمایت میں ہے۔[1] جب آپ کے مرشد سلطان المشائخ کا وصال ہوا تو اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے تمام مشائخ کو اکٹھا کیا اور دہلی سے دیوگیر کی طرف بھجوا دیا جہاں اس نے دولت آباد کے نام سے نیا شہر بسایا تھا[2] لیکن مولانا حسام الدین ملتانی گجرات تشریف لے گئے جہاں آپ نے آخری عمر تک قیام فرمایا۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ حسام الدین کے وجود مسعود سے ملتان اور اچہ کے کئی اور بزرگ یہاں تشریف آور ہوتے۔"[3]

پٹن گجرات[4] میں آپ نے آٹھ ذیقعد ۷۳۶[5] ھ میں وفات پائی۔ اور آپ کا مزار پٹن گجرات[6]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) میں ہے لڑکی کی شادی اتنی نزدیک آگئی ہے کہ مدت معلوم اس قدر مسافت طے کرنے کے واسطے کافی نہیں۔ آپ نے فرمایا شیخ حسام الدین نہر والا کے رہنے والے ہیں۔ ہر روز صبح نماز کے واسطے ہماری مسجد میں آتے ہیں اور پھر چاشت کے وقت اپنے مکان پر پہنچ جاتے ہیں تم ان کے ساتھ جانا تاکہ جلد گھر پہنچ جاؤ۔ دوسرے روز وعدہ پورا ہوا اور یہ بات کرامت حسامیہ کو ظاہر کرنے کا باعث ہوئی۔

(حوالے کے لئے دیکھئے "گلزار ابرار" صہ ۱۰۳)

۱۔ بحوالہ "سیر الاولیاء" صہ ۲۵۸۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "تاریخ فرشتہ" جلد اوّل، از محمد قاسم فرشتہ، مترجم عبدالحی خواجہ، صہ ۴۳۲، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۳۔ بحوالہ "آب کوثر" صہ ۲۳۱۔

۴۔ پٹن گجرات کا قدیم نام "نہر والا" ہے۔ بحوالہ گلزار ابرار، صہ ۱۰۳۔

۵۔ بحوالہ "مرآت الاسرار" (جلد دوم) صہ ۳۱۷..... (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

میں ہے۔ آپ کے خلفاء اور مشہور ساتھیوں میں شیخ حسن بدایونی شامل ہیں جو آپ کے شاگرد تھے۔

شیخ حسام الدین ملتانی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے بزرگ تھے جو سلطان محمد بن تغلق شاہ کے بعد تخت نشین ہوئے۔ بزم مملوکیہ کے مصنف بلبن کے عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس (بلبن) کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ وسادات جمع ہو گئے تھے کہ مؤرخوں نے ان کے وجود سے اس عہد کو "خیر الاعصار"[1] لکھا ہے۔ حضرت بابا گنج شکر کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) لیکن اخبار الاخیار، صہ ۱۹۵ میں آپ کی تاریخ وفات ۵۳، ھ درج ہے۔ تذکرہ اولیائے ہندوپاک' صہ۱۴۴ پر سن وفات ۷۲۵ھ دیا ہے۔

۶۔ "نزہت الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر" صہ ۲۱۶ میں آپ کی جائے وفات بدایوں لکھی ہے اور فوائد الفواد کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے

"انہوں نے رؤیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، وضو فرما رہے ہیں اور اس کا پانی شہر سے باہر فلاں نالی سے گزر رہا ہے۔ جونہی آنکھ کھلی بھاگ کر اس مقام پر آئے تو پانی کا اثر پایا۔ اور اپنے احباب سے وصیت کی کہ میرے انتقال پر مجھے اسی جگہ دفن کریں اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔"

لیکن یہ روایت درست نہیں ہے "فوائد الفواد" کی جلد چہارم کی اٹھویں مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے بدایوں کی جس بزرگ شخصیت کے حوالے سے یہ قصہ بیان فرمایا ہے ان کا نام قاضی جمال ملتانی (بحوالہ "فوائد الفواد" صہ ۳۹۲، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اول ۱۹۷۳ء) مولانا حسام الدین ملتانی کا مزار گجرات میں ہے۔ حوالے کے لئے دیکھئے (۱) گلزار ابرار، صہ ۱۰۳۔ (۲) مرآت الاسرار (جلد دوم) صہ ۳۱۷۔ (۳) تاریخ مشائخ چشت، صہ ۱۷۸۔ (۴) سیر الاولیاء، صہ ۲۶۳۔

۱۔ بلبن کے عہد کو خیر الاعصار، تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی صہ ۴۶ کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

علاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین، شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ ابوالموید، نظام الدین، شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابر، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ نجیب الدین سہروردی، شیخ ابوبکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہوگیا تھا۔"(۱)

۱۴۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سرزمین ملتان کے بزرگ صوفیاء میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو بطور ایک روحانی پیشوا بلند پایہ سیاست داں، مصلح دین اور مذہبی دانشور، ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے تصوف کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ کیونکہ ان کا خاندان کئی پشتوں سے مسلکِ تصوف کا پیرو کار رہا۔ سیر و سیاحت تعلیم و تعلّم، حکمرانوں سے روابط، دینی اور دنیاوی مشاغل میں انہماک نے ان کے علم و عمل کو ایک خاص گہرائی اور گیرائی عطا کی۔

سیّد جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے پوتے اور سیّد احمد کبیر کے بڑے فرزند تھے(۲) آپ ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ (۱۳۰۸ء)

۱۔ بزم صوفیہ، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن، ص ۴۲۸ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء۔

۲۔ "کیفیت سلسلہ حضرات سہروردیہ حضرت مخدوم جہانیاں را اجازت ایں طریقہ از جد خود حضرت سیّد جلال الدین بخاری و ایشاں را از رکن الدین شاہ رکن عالم و ایشاں را از پدر خود شیخ صدر الدین و ایشاں را از پدر خود بہاء الدین بہاء الحق زکریا ملتانی و ایشاں را از شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی و ایشاں را از شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی و ایشاں را از شیخ ممشاد دینوری و ایشاں را از ابوالقاسم سید الطائفہ جنید بغدادی و ایشاں را از خال خود سری سقطی و ایشاں را از معروف کرخی را در تصوف دو نسبت ست یکے با مام علی موسیٰ رضا تا بہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(بحوالہ معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، ص ۲۰، مطبع محمدی، لاہور ۱۳۱۰ھ)

Marfat.com

کو اوچ میں پیدا ہوئے (۱)۔ آپ کا نام آپ کے دادا سید جلال الدین سرخ بخاری کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن آپ عام طور پر اپنے لقب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے نام سے مشہور رہے۔ شیخ اکرام نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ

"آپ کا بہت سارا زمانہ سیر و سیاحت میں گذارا۔ اس لئے آپ کو "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کہتے ہیں"۔ (۲)

حدیقت الاولیاء کے مصنف کے بقول

"آپ نے تمام روئے زمین کی سیاحت کی تھی"۔ (۳)

۱۔ ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حوالے کیلئے دیکھئے۔ (۱) سیر العارفین (اُردو ترجمہ) صہ ۲۲۴۔ (۲) مخدوم جہانیاں جہاں گشت' از ایوب قادری، صہ ۸۸ (۳) خطہ پاک اوچ از مسعود حسن شہاب، صہ ۲۲۴۔ (۴) تاریخ سندھ از اعجازالحق قدوسی، صہ ۴۰۳۔ (۵) گلزار ابرار (اُردو ترجمہ) مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۴۱۵۔ (۶) اخبار الاخیار (اُردو ترجمہ) صہ ۲۷۰، لیکن "معمولات مظہریہ و محبوب العارفین" میں تاریخ پیدائش چہارشنبہ ذوالحج ۷۰۵ھ درج ہے (بحوالہ معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، صہ ۱۴۵، مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۰ھ)

۲۔ بحوالہ "آب کوثر" صہ ۲۷۸، لیکن تحفۃ الکرام، صہ ۳۶۸، کے مطابق "انہیں مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن انہوں نے شیخ بہاء الدین کے روضہ پر جا کر عیدی طلب کی (اس پر) آواز آئی کہ خدائے تعالیٰ نے تجھے مخدوم جہانیاں، بنایا ہے۔ یہی عیدی تیرے لئے کافی ہے"۔ (پھر وہاں سے) جب وہ شیخ صدرالدین کے روضہ پر گئے تو وہاں بھی یہی سنائی دیا۔ (چنانچہ جب وہ) باہر آئے تو ہر شخص انہیں "مخدوم جہانیاں، کہنے لگا"۔ سفینۃ الاولیاء۔ (فارسی قلمی) صہ ۱۷۰، میں بھی یہی واقعہ درج ہے، لکھا ہے۔ "روز عید بروضۂ شیخ بہاءالدین و صدرالدین رفتہ التماس عیدی کردند آواز آمد کہ حق تعالیٰ ترا مخدوم جہانیاں کردہ عید تو ایں است چوں بروضۂ شیخ رکن الدین رفتند از آنجا نیز ہمیں آواز آمد چوں بیرون آمدند ہمہ کس مخدوم جہانیاں میگفتند"۔ مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمایئے (۱) خطہ پاک اوچ، صہ ۲۲۸۔ (۲) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صہ ۹۰۔ (۳) تاریخ سندھ، صہ ۴۰۳۔ (۴) سیر العارفین صہ ۲۲۸۔ (۵) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، صہ ۸۹۔

۳۔ بحوالہ "حدیقت الاولیاء" از مفتی غلام سرور لاہوری، صہ ۱۵۶

Marfat.com

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تعلیم و تربیت پر ان کے والد سید احمد کبیر نے خصوصی توجہ دی۔ جب آپ سات برس کے ہوئے تو وہ آپ کو اوچ کے مشہور عالم بزرگ شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں لے گئے۔ آپ بچپن سے ہی ذہین اور حاضر جواب تھے۔ جب آپ جمال خنداں رو کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حاضرین کے سامنے کھجوریں پیش کیں۔ آپ کے حصے میں جو کھجوریں آئیں وہ آپ گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ جمال خنداں رو نے مسکرا کر سبب پوچھا تو آپ نے برجستہ عرض کیا

"جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہوں، مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ ان کی گٹھلیوں کو پھینک دوں۔" (۱)

حضرت شیخ جمال خنداں ایک بچے کے منہ سے یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوتے اور فرمایا

"تم اپنا، فقرا کا، اپنے خاندان کا نام روشن کرد گے۔" (۲)

چنانچہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے ابتدائی تعلیم شیخ جمال خنداں رو اور اوچ کے ایک اور بزرگ قاضی شیخ بہاء الدین سے حاصل کی۔ شیخ جمال ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، مشکوات المصابیح اور عوارف المعارف کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے حدیث کا درس بھی لیا تھا اور قاضی بہاء الدین نے آپ کو ہدایہ اور بزدوی کا کچھ حصہ پڑھایا تھا اس کے متعلق مخدوم جہانیاں جہاں گشت فرماتے ہیں

"مولانا بہاء الدین قاضی اچہ دعاگو کے استاد تھے۔ میں ان کے پاس پڑھتا تھا اور تواضع کرتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ تو سر

۱۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" صہ ۲۲۴۔ مزید حوالے کے لئے دیکھئے (الف) مخدوم جہاں گشت، صہ ۹۰۔ (ب) تذکرہ اولیائے پاک و ہند، صہ ۴۸۷۔

۲۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" صہ ۲۲۴ —— مزید حوالے کے لئے دیکھئے۔ (الف) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صہ ۹۰۔ (ب) تذکرہ اولیائے پاک و ہند، صہ ۴۸۷۔

Marfat.com

کو بلند کر کے سلام کر، نیچا کر کے سلام مت کر کیونکہ مکروہ ہے؟ ل

ابتدائی تعلیم مکمل کی تھی کہ قاضی بہاء الدین وفات پا گئے اور آپ مزید تعلیم کے لئے ملتان تشریف لے آتے۔ ملتان میں آپ نے ایک سال قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ نے شاہ رکن عالم ملتانی سے تعلیم حاصل کی جنہوں نے آپ کی مزید تربیت کیلئے مولانا موسیٰ نبیرہ ،حضرت زکریا ملتانی اور ان کے چچا زاد بھائی مولانا مجدالدین سے درس دلوایا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے الدر المنظوم میں اپنے ایک اور استاد نورالدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نے ان سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کر لی تو سلطان محمد تغلق نے ان کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ (۲)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تحصیل علم کی خاطر کئی ممالک کا سفر اختیار کیا۔ اس دوران میں کتنے ہی علماء سے انہوں نے فیض حاصل کیا اور مختلف نوعیت کے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری کے مطابق آپ کے سفر کا آغاز شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ہوا جو کہ محمد تغلق کا زمانہ تھا اور آپ کے مرشد شیخ رکن الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سن ۷۳۵ھ تھا۔ جبکہ

۱۔ بحوالہ "الدر المنظوم" صہ ۳۶۰۔ جامع العلوم از مولانا علاء الدین عصلی حسین، اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم مطبع الفاری دہلی (۱۳۰۹ھ) صہ ۳۶۰۔

۲۔ بحوالہ "الدر المنظوم" صہ ۲۴۵ ،صہ ۲۵۵۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور چالیس خانقاہیں آپ کی تحویل میں دیں۔ اور سیوستان اور اس کے اردگرد کا علاقہ آپ کی تحویل میں دیا۔ اخبار الاخیار کے مطابق سیوستان اور اس کے اردگرد کا علاقہ آپ کی جاگیر قرار دیا گیا۔ وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس کا نام "خانقاہ محمدی" رکھا۔ پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حجاز چلے گئے۔ (بحوالہ "اخبار الاخیار" صہ ۳۰۸) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ (الف) مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، صہ ۱۱۱ - (ب) تحفت الکرام ، صہ ۳۶۹ - (ج) خطہ پاک اوچ ، صہ ۲۲۶ - (د) تاریخ سندھ (جلد اول) از اعجاز الحق قدوسی ، صہ ۴۰۳۔

Marfat.com

سیاحت سے واپسی ۷۵۱ھ سے کچھ پہلے ہوئی۔[1] آپ نے کئی ممالک کا سفر کیا جس کی تفصیل قاضی جاوید اس طرح دیتے ہیں

"مخدوم جہانیاں نے طویل سیاحت کی تھی۔ غالباً اس معاملے میں پنجاب کا کوئی دوسرا صوفی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ محتاط طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پنجاب سے نکل کر ہند کے بعض حصوں، سعودی عرب[2]، یمن، لبنان شام، ایران، خراسان، اور سوویت یونین کے مسلم علاقوں کی سیاحت کی تھی۔ دوران سفر انہوں نے بے شمار ولیوں، عالموں اور دانشوروں سے ملاقات کی۔ بہت سے لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ بہت سے

۱۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص ۱۱۱ سیر و سیاحت کی وجہ اس طرح بتائی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک رات آپ نے خواب میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ توجہ کر چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ (الدر المنظوم، ص ۶۰۹) ــــ مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) خطہ پاک اوچ، ص ۲۴۷۔ (ب) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص ۱۱۲۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سفر کے دوران جدہ شریف پہنچے۔ دیکھا کہ لوگ کسی کا جنازہ اٹھائے جا رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت بدر الدین یمنی کا جنازہ ہے۔ پتہ چلا کہ وہ حج سے واپس آئے تھے عصر کے وقت قرآن شریف پڑھا اور اس کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ آپ نے (جہانیاں جہاں گشت) فرمایا دفن نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی مرے نہ ہوں۔ انہوں نے واپس جا کر جنازہ مسجد میں رکھ دیا۔ آپ نے لوگوں کو باہر نکال کر مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور نماز و نوافل پڑھنے کے بعد قرآن خوانی شروع کر دی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے

یخرج الحیّ من المیّت و یخرج المیّت من الحیّ

تو شیخ بدر الدین یمنی میں حرکت پیدا ہوئی اور اُٹھ بیٹھے (بحوالہ حدیقت الاسرار فی اخبار الابرار، (فارسی) ص ۱۹۷۔ مزید حوالے کے لئے دیکھئے "تذکرہ اولیائے ہند و پاک" ص ۴۸۹ - ۴۹۰۔

Marfat.com

لوگوں کو بہت کچھ سکھایا۔"(۱)

شیخ محمد اکرام کے مطابق

"آپ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) نے شمالی ہندوستان بہار و بنگال کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراقین، بلخ و بخارا کی سیر کی اور چھ حج کیے۔ متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔"(۲)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تقریباً دس بارہ برس سیاحت کی۔ اس دوران میں سات سال مکہ معظمہ میں رہے اور دو سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔۔۔۔سیر العارفین کے مصنف آپ کے سفر کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں

"حضرت سلطان المشائخ جلال الدین مخدوم جہانیاں نے تین سو سے زیادہ اہلِ کمال سے ملاقات کی اور ان سے فیض کلی حاصل کیا۔ دنیا کی ہر سمت میں سفر کیا اور اس حقیر (جمالی) نے بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور بہت سے دوسرے مقامات پر ان (مخدوم جہانیاں) کے متبرک حجرے پائے اور وہاں نماز دوگانہ ادا کی ہے۔"(۳)

سفر میں علوم ظاہری کی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے سلوک کی منزلیں بھی طے کیں۔ آپ نے کئی علمائے کرام سے خلافت حاصل کی۔ اخبار الاخیار کے مطابق آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے (۴) جبکہ مصنف "گلزار ابرار" سید شرف الدین مشہدی کے رسالے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"مخدوم کو کچھ اوپر چار سو چالیس اصحاب سے خلافت ملی۔ منجملہ ان کے جس قدر بیان صحت کو پہنچا ہے اور شجرہ میں لکھا ہوا دیکھا ہے یادداشت

۱۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۱۲۰

۲۔ بحوالہ "آبِ کوثر" صہ ۲۷۸۔

۳۔ بحوالہ "سیر العارفین" صہ ۲۲۶۔

۴۔ بحوالہ "اخبار الاخیار" صہ ۳۰۸۔

Marfat.com

میں لکھ لیا ہے"(۱)

مخدوم جہانیاں نے سب سے پہلے اپنے والد سیّد کبیر بخاری سے خلافت حاصل کی پھر چچا سیّد محمد بخاری سے اس کے بعد ملتان تشریف لے آئے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دادا اور والد کی طرح سہروردیہ سلسلے سے منسلک ہوئے

"مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدرالدین بن شیخ بہاءالدین کی خدمت میں تربیت حاصل کی اور انہیں کے ہاتھ سے سہروردیہ پیروں کا خرقہ پہنا"(۲)

شیخ رکن الدین سے آپ کو اس درجہ عقیدت تھی کہ خواب میں ہی ان کے کہنے پر آپ نے شیخ الاسلام کا لقب اور سیوستان کی جاگیر چھوڑ چھاڑ کر حجاز کا رُخ کیا۔ وہاں آپ نے مکّہ میں شیخ عبداللہ یافعی سے خلافت حاصل کی اور سات سال اُن کے ساتھ گزارے۔ پھر دو سال شیخ عبداللہ مطری کی صحبت میں گزارے اور وہاں سے خلافت حاصل کی۔ مکّہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے بارے میں سنا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے سفر سے واپسی پر ان سے چشتیہ سلسلے کا خرقہ حاصل کیا۔

سفینۃ الاولیاء (فارسی) کے مطابق

"از مکّہ معظمہ کہ باز با ہندوستان آمدند در دہلی با حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی ملاقات نمودہ خرقۂ متبرکہ چشت را از ایشان پوشیدہ اند"(۳)

۱۔ بحوالہ "گلزارابرار" (اُردو ترجمہ) صـ ۱۱۳۔

۲۔ بحوالہ "مرات الاسرار" (جلد دوم) صـ ۱۴۱۔

۳۔ (۱) سفینت الاولیاء (فارسی) صـ ۱۱۷۔ (۲) سیرالعارفین، صـ ۲۳۶ میں لکھا ہے کہ

"ایک دن شیخ عبداللہ یافعی نے بیت اللہ میں کہا کہ اگرچہ اس زمانے میں دہلی میں جو درویش تھے اُنکا انتقال ہو گیا لیکن ان کا اثر اور ان کی برکتیں حضرت شیخ نصیرالدین میں ہیں اور وہ اس زمانے میں اس شہر (دہلی) کے چراغ ہیں کہ مشائخ کے طریقوں (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

"سفینت الاولیاء" (قلمی نسخہ) صہ ۱۷۹، مرقومہ ۱۲۸۰ھ میں بھی یہی عبارت درج ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سیر و سیاحت کے تجربات حاصل کر کے واپس آئے تو ان تجربات سے لوگوں کو فیض یاب کرنے کے لئے اُوچ میں ایک درسگاہ مدرسہ جلالی کے نام سے قائم کی۔ اس مدرسے میں مختلف علوم اسلامی کی تدریس کی جاتی تھی۔ الدرالمنظوم کے مطابق

"حضرت مخدوم کی مجلس مبارک میں علوم و معارف کے رموز و غوامص حل فرمائے جاتے تھے۔ درس و تدریس کا باقاعدہ انتظام تھا۔ دُور و نزدیک سے طلباء "مدرسہ جلالی" میں آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نامور عالم و واعظ مطالب قرآن و احادیث حل کرتے تھے، مریدین و معتقدین بالالتزام تفسیر و حدیث اور کتب تصوف کا درس لیتے تھے۔ خاص مریدوں کے لئے تہجد ورنہ عموماً فجر کے بعد حضرت کا درس شروع ہوتا تھا۔ حضرت مخدوم کے یہاں قرآن حکیم، تفسیر مدارک، صحاح ستہ، مشارق الانوار شرح کبیر چہل اسم، مشکوٰۃ المصابیح، رسالہ مکیہ، قصیدہ لامیہ، کتاب منفق، عقائد نسفی، شرح نود نہ نام، فقہ اکبر، عوارف المعارف، اوراد شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔ حضرت مخدوم صرف و نحو اور لغت کی طرف خاص طور سے توجہ دلاتے تھے تاکہ عربی زبان کی تحصیل آسان ہو اور اس میں اچھی طرح مہارت و قدرت حاصل ہو جائے۔"(۱)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کو اپنے وجود سے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اسی وقت حضرت سید (جلال الدین) نے نیت کی کہ اگر سفر سے واپس ہوا تو پہلے شہر دہلی میں آؤں گا اور حضرت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) سے ملوں گا۔"

۱۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، صہ ۱۹۱ تا ۱۹۳۔

Marfat.com

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت درس وتدریس کے لئے زیادہ تر عربی وفارسی زبان اختیار کرتے تھے لیکن ضرورت اور موقع محل کے مطابق دیسی زبانیں استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان کے ملفوظات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ تعلیم بھی دیتے تھے۔ الدر المنظوم کے مطابق ایک مرتبہ ایک سندھی بیعت کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اُسے سندھی میں تلقین فرمائی۔ اسی طرح ایک لڑکے کو ہندی (اُردو زبان) زبان میں اور ایک شخص کو ملتانی میں تلقین فرمائی[۱]۔ الدر المنظوم (اُردو ترجمہ) میں لکھا ہے کہ

"دہلی کے قیام کے زمانہ میں ایک موقع پر فیروز شاہ تغلق سے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتوں، اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور خادموں کے لئے وظائف مقرر کرائے اور اسی موقع پر بادشاہ کے حضور میں ایک چھوٹے ہندو بچہ کو بھی پیش کیا۔ سلطان نے کہا کہ یہ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس زمانہ میں یہ بچہ دعاگو کے پاس آیا تھا تو دعا کی گئی تھی کہ خدائے تعالیٰ اسے اسلام سے مشرف فرمائے۔ حضرت مخدوم کی یہ تمام گفتگو سلطان فیروز شاہ تغلق سے ہندی (اُردو) میں ہوئی"۔[۲]

جمعات شاہی (ملفوظات شاہ عالم فارسی ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء) میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا ایک قول محفوظ چلا آتا ہے جو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی راجو قتال کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ

"اساں خوجے تساں راجے"۔ [۳]

۱۔ بحوالہ "الدر المنظوم" فی ترجمہ ملفوظ المخدوم بعنوان جامع العلوم از سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مرتبہ مولانا علاء الدین دہلوی، اُردو ترجمہ از مولوی ذوالفقار احمد، صہ ۲۱۶ جلد دوم، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ء)

۲۔ ــــــ ایضاً ــــــ صہ ۸۱۱۔

۳۔ بحوالہ مضمون "اُردو زبان کا اصلی مولد۔ سندھ" از پیر حسام الدین راشدی، مطبوعہ رسالہ "اُردو" صہ ۱۴۰، اشاعت ۱۹۵۱ء (انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی)

Marfat.com

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے پروفیسر حسن عسکری (پٹنہ) کے ایک مضمون کے حوالے سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہندی قول کے سلسلے میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ کسی شخص نے آپ سے گذارش کی کہ جو اوراد و اعمال آپ ادا کرتے ہیں وہی وہ بھی ادا کرتا ہے لیکن اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت نے فرمایا

" کھانڈا ہے پھانڈا کہاں "

یعنی خندق موجود ہے ۔ اس سے نکلنے کا ذریعہ کہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے سچے عرفان کی کمی ہے"(۱) مسعود حسن شہاب نے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن کے ایک قلمی رسالے" مناقب برہان " کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنی سیاحت گجرات کے دوران جب بٹوا پہنچے تو آپ نے اسی جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے ۔ آپ نے اس جگہ فرمایا

" ایتھاں اساڈے ہاڈاں دی خوشبو ہے " (۲)

اُردو زبان کے آغاز و ارتقاء کے ابتدائی دور میں اس قسم کے جملے اور فقرے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اُردو زبان کی ابتدائی نشو و نما کے سلسلے میں دوسرے صوفیاء کے ساتھ جہانیاں جہاں گشت کا نام گرامی بھی بڑے تسلسل کے ساتھ آتا ہے ۔

حضرت مخدوم نے اپنی سیاحت کے دوران کئی نادر کتب بھی جمع کی تھیں جن کو اپنے ساتھ اُوچ لائے اور یہاں ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ عوارف المعارف کا وہ نسخہ بھی اس کتب خانے میں موجود تھا جو خود صاحب کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی کے درس میں رہا تھا۔ شیخ قطب الدین دمشقی نے رسالہ مکیہ مکمل کیا تو اس کی ایک نقل مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو بھجوائی تھی۔ عبدالرحمٰن ظفاری کے پاس ایک نادر کتاب " اسرار الدعوات " تھی۔ اس کی ایک نقل بھی حضرت مخدوم نے حاصل کی ۔ ایک فقیہہ و محدث نے سات جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تھی

۱۔ بحوالہ " اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء " صہ ۲۴ مطبوعہ مجلس تحقیقات اُردو ، حیدرآباد دکن ۔

۲۔ بحوالہ " خطہ پاک اوچ " صہ ۲۰۰ ۔

Marfat.com

اس فاضل نے یہ ساتوں جلدیں حضرت مخدوم کو پیش کر دیں جو اس کتب خانے میں ہیں[1]

حضرت جہانیاں جہاں گشت نے اگرچہ خود تو کوئی کتاب نہیں لکھی تاہم ان کے شاگردوں نے ان کے صوفیانہ تجربات، فقہی مسائل، حدیث، تفسیر، اخلاقیات اور رشد و ہدایت سے متعلق ارشادات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ ان ملفوظات کے مجموعوں میں جامع العلوم، سراج الہدایہ، مقر نامہ، خزانہ جلالی، جواہر جلالی، مظہر جلالی، اربعین صوفیاء، مناقب مخدوم جہانیاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جامع العلوم کے مرتب ابو عبداللہ علاء الدین علی بن سعد بن اشرف دہلوی ہیں جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے قیام دہلی کے دوران ان کے پاس مقیم رہے اور ۲۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) سے ۱۰ محرم ۷۸۲ھ (۱۳۸۰ء) تک ملفوظات جمع کرتے رہے۔ اس کتاب میں نہ صرف ہم عصر شخصیات اور واقعات کا ذکر موجود ہے بلکہ تصوف کی نہایت بلند پایہ کتابوں کے بکثرت حوالے بھی ملتے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم" کے نام سے دو جلدوں میں ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں مطبع انصاری دہلی سے چھپا۔ "سراج الہدایہ" احمد برنی کی مرتب کردہ ہے۔ ملفوظات کا یہ مجموعہ نو ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں تصوف اور مذہب کے بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ مقر نامہ، حضرت جہانیاں جہاں گشت کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ بیالیس مکتوبات میں حضرت مخدوم نے تصوف کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔ یہ مکتوبات تاج الدین بن معین سیاہ پوش کے بعض استفسارات کے جواب میں تحریر کئے گئے تھے۔ خزانہ جلالی حضرت جہانیاں کے مرید احمد المدعو بہ بہار بن حسن بن محمود بن سلیمان ملتی نے مرتب کیا۔ یہ کتاب بھی رشد و ہدایت اور علم و معرفت کا انمول خزانہ ہے۔ جواہر جلالی کے مرتب فضل اللہ بن ضیاء العباسی تھے جو حضرت کے مرید اور خلیفہ تھے، انہوں نے یہ کتاب ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں مرتب کی۔ مظہر جلالی کے مرتب کا نام معلوم نہیں ہے۔ اس کتاب میں توحید، طہارت، فضائل اسلام، اقامت وغیرہ

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (الف) جہانیاں جہاں گشت' از محمد ایوب قادری، صہ ۱۹۴ تا ۱۹۶ (ب) پنجاب کے صوفی دانشور، صہ ۱۲۲۔

Marfat.com

کے بارے میں تشریحات درج ہیں۔" اربعین صوفیا" حضرت مخدوم کے درس میں رہتی تھی۔" مناقب مخدوم جہانیاں" حضرت مخدوم کے ملفوظات کا نادر مجموعہ ہے جس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی لائبریری میں ہے۔ حضرت مخدوم کے ساتھ قرآن کریم کا ایک فارسی ترجمہ اور کئی سفرنامے بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔[1]

موسیقی کے بارے میں حضرت جہانیاں جہاں گشت کا رویہ بین بین تھا۔ سماع کی اجازت مشروط انداز میں دیتے تھے۔ یعنی ایک دفعہ چند قوالوں نے اشعار پڑھے تو سنتے رہے۔ لیکن جب تالیاں بجانی چاہیں تو منع فرمادیا۔ الدرالمنظوم کے مطابق مزامیر کا بجانا اور اس کا سننا گناہ ہے اور طبل کا بجانا بھی گناہ ہے۔ مگر لڑائی اور قافلہ میں اجازت ہے۔ اسی طرح دف کا بجانا بھی روا نہیں ہے۔ مگر نکاح کے وقت دف بجانا درست ہے۔ البتہ قضاۃ، ائمہ، اور صاحب اخیار حضرات کے حق میں یہ بھی منع ہے۔[2] قاضی جاوید کے مطابق

"موسیقی کے بارے میں ان کا رویہ لچک آمیز تھا۔ وہ سریلی آواز سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ لیکن آلات موسیقی کے استعمال کو ناجائز تصور کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ رویہ ان کی شخصیت میں چشتیہ اور سہروردیہ روایات کے امتزاج کا مرہون منت تھا۔" (۳)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۸۰ سال کی عمر میں ۷۸۵ھ ۱۳۸۴ء میں وفات پائی۔[4] لوح مزار پر یہ شعر درج ہے جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ تاریخ بود ہفت صد ہشتاد پنج سال

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، صـ ۲۳۷ تا ۲۶۳ (ب) "خطہ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، صـ ۲۲۹ تا ۲۴۳۔

۲۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" صـ ۱۶۸ ۔ ۱۶۹۔

۳۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صـ ۱۸۸۔

۴۔ آپ کی تاریخ پیدائش کی طرح تاریخ وفات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

Marfat.com

۱۵- سیّد صدرالدّین راجو قتال

سیّد جلال الدّین سرخ بخاری کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے چھوٹے بھائی سیّد صدرالدین راجو قتال کا شمار بھی اُوچ کے ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ آپ ۲۰ شعبان ۷۲۰ھ (۵۹ ۱۳ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور چند سالوں کے اندر ان تمام علوم کو حاصل کر لیا جو ایک صوفی بزرگ کے لئے ضروری تھے۔ سیّد صدرالدین راجو قتال نے اپنے والد سیّد احمد کبیر اور بڑے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے خلافت پائی اور ان کی وفات کے بعد خلافت آپ کے حصے میں آئی۔ آپ نے اپنے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی صحبت میں رہ کر بھی بہت کچھ سیکھا۔ راجو قتال علم و عمل اور شریعت و طریقت میں بے مثال تھے۔ آپ کے متعلق آپ کے بڑے بھائی

> "مخدوم جہانیاں اکثر و بیشتر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کی خدمت میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو اپنی ذات میں مصروف کر دیا ہے۔ چنانچہ سیّد صدرالدین پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ اور جدا رہتے تھے۔"(۲)

۱- محمد ایوب قادری نے "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" صہ ۲۱۱ پر ایک قلمی نسخے "مناقب الولایت" صہ ۱۲ کے حوالے سے یہ تاریخ پیدائش بتائی ہے جبکہ مسعود حسن شہاب نے "خطہ پاک اوچ" صہ ۲۲۸ پر ۲۶ شعبان ۷۳۰ھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار، صہ ۳۲۵ پر ۷۴۱ھ بتائی ہے "شاہ رکن عالم ملتانی" از نور احمد خاں فریدی، صہ ۴۴۵ پر ۶۲۰ھ درج ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ تاریخ وفات ۸۲۷ھ درج ہے۔ ظاہر ہے حضرت کی عمر ۲۰۷ سال تو نہیں تھی۔

۲- بحوالہ "اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اُردو ترجمہ) صہ ۳۲۵ — مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) خطہ پاک اوچ، صہ ۲۳۸ (ب) مرات الاسرار (جلد دوم) صہ ۵۳۲ (ج) حدیقۃ الاولیاء، صہ ۸۷، نولکشور۔

Marfat.com

سید صدرالدین کے نام کے ساتھ "قتال"[1] لکھنے کی وجہ مختلف لوگ بتاتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمن چشتی نے مولانا سید محمد ذوقی شاہ جو آپ کی اولاد میں سے ہیں، کے حوالے سے کہا ہے کہ

"آپ قتال اس لئے کہلاتے ہیں کہ مریدین سے نہایت سخت مجاہدہ لیتے تھے۔"[2]

جبکہ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"انہوں نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے۔ اس لئے انہیں قتال یعنی قتالِ نفس کہتے ہیں۔"[3]

مسعود حسن شہاب کے مطابق

"چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب تھا۔ اس لئے قتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔"[4]

قتال کہلوانے کی وجہ کچھ بھی ہو یہ تو آپ کے عمل سے ظاہر ہے کہ آپ ایسے بزرگ تھے جو بڑے رعب و جلال والے تھے۔ سید راجو قتال نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے بہت کام کیا اور کئی لوگوں کو مسلمان کیا۔ اشاعت اسلام کا یہ کام صرف اوچ اور ملتان تک محدود نہیں رہا بلکہ گجرات تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ آپ نہ صرف ان لوگوں کو مسلمان کرتے بلکہ ان کی ایسی تربیت کرتے کہ وہ آپ کے مشن کو آگے لے جاتے تھے۔

۱۔ محمد ایوب قادری، مناقب الولایت کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ لفظ "راجن کتال ہے قتال نہیں ہے۔ اور سریانی زبان کا لفظ ہے جس میں کتال کے معنی بزرگ اور راجن کے معنی ہیبت ناک ہے۔" (بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" صد ۲۳۲)

۲۔ بحوالہ "مرات الاسرار" (جلد دوم) از شیخ عبدالرحمن چشتی، مترجم کپتان واحد بخش سیال، صد ۵۳۵، صوفی فاؤنڈیشن، لاہور۔

۳۔ بحوالہ "آب کوثر" صد ۲۸۲

۴۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" صد ۲۲۸۔

Marfat.com

مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق

"حضرت کے دستِ حق پرست پر تین لاکھ چالیس ہزار تین سو اشخاص نے بیعت کی تھی۔" (۱)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں

"آپ کا اصل کام اُچہ میں اشاعت اسلام اور گجرات وغیرہ کے صاحبِ ہمت بزرگوں کی تربیت ہے۔ جنہیں آپ نے علوم باطنی سے مالا مال کرکے گجرات کے قدیمی دارالخلافے میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا۔" (۲)

محمد ایوب قادری نے آپ سے منسوب اوراد کا ایک مجموعہ "مجموعہ تکبیرات راجو قتال" کا حوالہ دیا ہے جو نمبر ۸۸۴ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے (۳)۔ اس کے علاوہ آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے شیخ کبیر الدین اسماعیل کو "عوارف" پڑھایا کرتے تھے آپ کے چار فرزند تھے جن میں سے ایک ابو اسحاق نے بچپن ہی سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے بیٹوں کی بجائے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے سید ناصر الدین محمود کو خلیفہ اور سجادہ نشین مقرر کیا جن کا مزار بھی اوچہ میں ہے۔

یوں تو بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی لیکن جن خاص لوگوں نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا اور آپ کے نامور خلفاء ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ شیخ کبیر الدین اسماعیل، برہان الدین قطب عالم گجراتی، مخدوم فضل الدین، حاجی سید عبد الوہاب، شیخ علاء الدین، شاہ داؤد قریشی، شیخ اسماعیل قریشی، مخدوم جہاں شاہ اور شیخ سارنگ وغیرہ آپ نے ۱۶ ربیع / جمادی الآخر ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ء) (۴) کو انتقال فرمایا اور اوچ شریف میں دفن

۱۔ بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتانی" صہ ۴۴۸۔

۲۔ بحوالہ "آب کوثر" صہ ۲۸۶۔

۳۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، صہ ۲۳۶۔

۴۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) خطۂ پاک اوچ، صہ ۲۳۸ (ب) مرات الاسرار، جلد دوم، صہ ۵۳۵ (ج) آب کوثر، صہ ۲۸۶۔ (د) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، صہ ۲۳۵۔

Marfat.com

ہوئے جہاں آپ کا مقبرہ موجود ہے۔

۱۶۔ شیخ حسام الدین متقی ملتانی

شیخ حسام الدین ملتانی کا تعلق حضرت شاہ عالم محمد بن برہان الدین قطب العالم گجراتی کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ ۸۷۲ھ[1] میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے عالم، زاہد، پرہیزگار اور باعمل شخص تھے۔ مولانا نوراحمد خان فریدی کے مطابق:

"آپ صحیح معنوں میں عالم ربانی زاہد اور متقی تھے۔" (۲)

آپ کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگایا۔ "حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار" میں لکھا ہے کہ

"حضرت حسام الدین متقی ملتانی نے ساری زندگی حلال کی روزی کھائی۔ ان کا قول تھا کہ جب تک خوراک حلال نہ ہو کسی کام کی نہیں۔" (۳)

آپ کی گزر بسر کا ذریعہ خراجی زمین تھی جس میں آپ کاشت کرتے اور خراج ادا کیا کرتے لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہوگیا تو آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کر دیا۔ اسی طرح جب بھی اپنے پیران طریقت کی زیارت کو جاتے تو شاہ رکن عالم کے مزار کے سائے میں کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ آپ کے خیال میں مزار کی تعمیر میں بیت المال کا روپیہ لگا ہوا تھا۔ (۴)

۱۔ "اخبار الاخیار" صہ ۵۰۴، مترجمین مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دارالعلوم مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۲۔ بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتانی" صہ ۵۹۹۔

۳۔ اصل عبارت یوں ہے:۔ "میفرمودند تا قوت حلال نباشد ہیچ بندگی بکار نیاید"۔ بحوالہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، صہ ۱۱۔ (اس کتاب کا ٹائیٹل صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع اور ایڈیشن کا پتہ نہیں لگ سکا۔ یہ کتاب جہازی سائز میں ہے اور جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی ہے)

(باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

میر عبدالقادر سروری نے حدیقت الاولیاء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"شیخ سفر میں جس گاؤں کے قریب سے گزرتے پہلے باہر ہی سے وہاں کے لوگوں کے طور طریق دریافت کر لیا کرتے۔ اگر وہ زیور شریعت سے آراستہ ہوتے تب اس گاؤں کے اندر داخل ہوتے۔ ورنہ پھر باہر ہی باہر چلے جایا کرتے۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت اور طالبوں کو فیض پہنچانے میں صَرف ہوا کرتا" (۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق

"عالم و زاہد و متقی تھے۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم کے پایہ سے فاتقوا اللہ حق تقاتہ کے مرتبہ میں پہنچے ہوئے تھے" (۲)

آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابندی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے شیخ بایزید بھی پرہیزگاری اور تقویٰ میں بےمثال تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی کے تلامذہ میں شیخ علی متقی بہت مشہور ہیں۔ جنہوں نے ابتدائی تعلیم اور تقویٰ کی تربیت آپ سے حاصل کی۔ بعد ازاں ہندوستان چھوڑ کر

(بقیہ گذشتہ صفحہ) ۴۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے اس کی تاویل یوں پیش کی ہے "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم قدس سرہ کا مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق نے تعمیر کرایا تھا۔ اس پر اس کا خالص حلال سرمایہ صَرف ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شیخ کو ان عمارتوں کے بارے میں غلط اطلاع دی ہوگی اور چونکہ وہ ان امور میں بے حد احتیاط برتتے تھے اس لئے سائے سے بھی استفادہ نہ کیا۔"

(بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتانی" صہ ۶۰۲)

۱۔ بحوالہ "تحفت الکرام" صہ ۳۶۳۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے شاہ رکن عالم صہ ۵۹۹ – ۶۰۰

۲۔ بحوالہ "انوار صوفیہ" یعنی اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجم محمد لطیف ملک شعاع ادب، لاہور، بار سوم، ستمبر ۱۹۶۷ء صہ ۴۱۵۔

Marfat.com

مکّہ معظمہ میں رہائش پذیر ہوئے اور دسویں صدی ہجری میں وہیں انتقال فرمایا۔ شیخ علی متقی ہی سے آپ کی تعلیمات کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ کیونکہ شیخ علی متقی کے فیض یافتگان میں ایسی ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کا شمار بڑے بڑے علماء اور محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کا مختصراً تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ان میں پہلی شخصیت تو مولانا محمد طاہر پٹنی کی ہے جو اپنے عہد کی عظیم علمی وادبی شخصیت تھے۔ آپ نے لغت حدیث پر ایک مبسوط اور جامع کتاب "مجمع بحار الانوار" کے نام سے لکھی جو فن لغت اور حدیث میں سند کا درجہ رکھتی ہے اور اسے صحاح ستّہ کی ادبی شرح بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسماء الرجال میں المخینی اور موضوع حدیثوں کے سلسلے میں "تذکرۃ الموضوعات" بھی لکھیں

شیخ حسام الدین متقی کے خلفاء میں شیخ میلون کا نام بھی آتا ہے۔ جن کی خلافت مخدوم جہنن، مخدوم برہان، مخدوم طیب سے ہوتی ہوئی شیخ عبدالکریم سہروردی تک پہنچی۔ شیخ عبدالکریم کے دو خلفاء بہت مشہور ہیں۔ ایک حبیب ملتانی جن سے ایک فرقہ حبیب شاہیہ مشہور ہوا۔[۱] ان کا مزار شاہ شمس سہروردی کے مقبرہ کے قریب ہے۔ دوسرے خلیفہ مولانا محمد اسماعیل جو میاں وڈا کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے لاہور میں حفظِ قرآن کے لئے ایک مدرسہ "درس میاں وڈا" کے نام سے کھولا جو آج تک قائم ہے

شیخ حسام الدین متقی ملتانی نے ۹۶۱[۱] ھ میں وفات پائی اور ضلع ملتان کے ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن گیلے والہ میں ان کا مزار[۲] موجود ہے۔ مولانا نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں

> "اپنے عہد کا یہ ابو ذر غفاری گیلے والا اور روانی کے درمیان ایک گمنام گوشے میں پڑا سوتا ہے۔ گرد و پیش کے لوگ آپ کا مقام تو بجائے خود رہا صحیح نام سے بھی واقف نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ پیر سام دین

۱۔ بحوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۲۴۰، جبکہ تذکرہ اولیائے ہندوپاک صفحہ ۲۲۵ کے مطابق وفات ۹۶۰ھ میں ہوئی۔

۲۔ (۱) تحفۃ الکرام کے مطابق حسام الدین کی نسبت سے یہ علاقہ حسام پورہ کہلوایا، صفحہ ۳۶۳۔

(۲) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، صفحہ ۱۱۱۔

Marfat.com

کا قبرستان ہے۔"(۱)

۱۷- دیگر صوفیاء:- ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے علاوہ جن کا ذکر سابقہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے، پیر دربار شاہ، شیخ حسین کاہ بر حضرت شاہ دانا شہید، حضرت سلطان ایوب قتال، حضرت شاہ علی محمد، ملتان کے ان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو کسی نہ کسی طرح متاثر کیا۔ اور لوگوں کو فیض و برکت سے شاد کام کیا۔ پیر دربر شاہ، جلال فیروز کی صوبیداری کے زمانے میں ملتان تشریف لائے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ آپ نے ۶۴۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شیخ بہاء الدین زکریا اور شاہ رکن عالم کے مزاروں کے درمیان قلعہ کہنہ قاسم پر واقع ہے۔ چونکہ دو عظیم بزرگوں کے مزاروں کے درمیان آپ کا مزار ہے اس لئے اس نسبت سے وصفی نام پیر دربر شاہ مشہور ہو گیا۔

بہاء الدین زکریا کے ہی فیض یافتہ اور ہم عصر ایک اور بزرگ شیخ حسین کاہ بر کا شمار بھی ملتان کے اولیاء میں ہوتا ہے۔ ان پر ہمیشہ بے خودی اور مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس حالت سے پہلے آپ گھاس کھود کر روزی کمایا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ملتان ہی میں ہوا۔ آپ کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر ہے۔

بہاء الدین زکریا ہی کے ایک اور مرید اور خادم حضرت شاہ دانا شہید بھی بڑے کشف و کرامات والے بزرگ تھے جن کا مزار اندرون دہلی گیٹ میں واقع ہے۔ آپ کے صوفیانہ مسلک پر حضرت بہاء الدین زکریا اور حضرت بابا فرید گنج شکر کی شخصیتوں کے اثرات تھے۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ

"اندر غوث بہاء الحق باہر قطب فرید — جے توں بہت اُتاولی منگ شاہ شہید"(۲)

آپ کی پرورش بہاء الدین زکریا نے کی تھی۔ بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد آپ شیخ

۱- بحوالہ "رکن الدین عالم ملتانی" صہ ۶۰۳۔

۲- بحوالہ "مرقع مولتان" از سید اولاد علی گیلانی، صہ ۲۱۹۔

Marfat.com

صدرالدین عارف کے معتمد خاص کی حیثیت رکھتے تھے اور انہی کے دور میں آپ نے وفات پائی۔

مشہور صوفی بزرگ عبدالرشید حقانی کے پوتے حضرت سلطان ایوب قتال کا شمار بھی ملتان کے صوفیائے کرام میں ہوتا ہے جو بڑے کشف وکرامات والے تھے۔ سلطان ایوب قتال کا مزار دنیا پور کے نزدیک ہے۔ آپ نے وہاں اپنے دادا کے حکم سے بکریاں چرا کر روزی کماتے ہوئے ساری عمر بسر کی اور ۷۶۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دنیا پور کے نزدیک جنگل میں واقع ہے اور ہر سال ۲۲ چیت کو آپ کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں زائرین دور دور سے آتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ کے بزرگ شاہ علی محمد بن حسین شاہ ۹۵۰ھ میں مشہد مقدس سے ملتان تشریف لائے اور حضرت مخدوم سید محمد غوث بندگی گیلانی اچوی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرشد کی اجازت سے دریائے چناب کے کنارے شیر شاہ کے مقام پر چلے گئے جہاں آپ مسلسل بارہ سال تک ریاضت و مجاہدے میں مصروف رہے اور آپ کی نسبت سے ہی یہ علاقہ "چاہ چلہ والا" کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے ملتان ہی میں وفات پائی اور دریائے چناب کے کنارے شیر شاہ کے مقام پر شہنشاہ اکبر نے آپ کا مزار تعمیر کروایا جو سیلاب آنے کے باعث منہدم ہو گیا۔ اسی وجہ سے آپ کا تابوت دوسری مرتبہ مبارک چاہ شریفاں والا نزد شیر شاہ میں دفن کیا گیا۔ آپ شیر شاہ کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ صاحب کرامات تھے۔ لاکھوں انسان آپ کے عقیدت کیش تھے۔ ان کی یاد میں ہر سال ان کے مزار پر میلہ لگتا ہے جسے شیر شاہ کا میلہ کہتے ہیں۔ آپ کے چھ بیٹے تھے جن میں سے صرف ایک بیٹے شاہ شیر محمد کے ہاں اولاد پیدا ہوئی۔ ملتان کے ایک اور صوفی بزرگ پیر جیون سلطان تھے جن کا مزار کہروڑ سے لودھراں کی جانب چھ میل پر ہے۔ آپ شاہ علی محمد کے خلیفہ تھے۔

دسویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ایک اہم شخصیت حضرت حافظ شیخ محمد اسمٰعیل کا نام آتا ہے جو ۹۲۶ھ میں ملتان تشریف لائے۔ آپ نے بغداد کے مشہور معلم خواجہ کمال سے تعلیم حاصل کی جو کہ قرأت میں ماہر اور حافظ قرآن تھے اور اٹھارہ سال وہاں

Marfat.com

رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی۔ ملتان میں آپ نے حرم دروازے کے باہر ایک مسجد میں قرآنی درس دینے کے لئے مدرسہ کھولا۔ آپ کی کوششوں سے ہی کُند دماغ طالب علم بھی چند دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لیتے تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی لوگوں کو درس دینے کے لئے وقف کر دی تھی۔ فرحت ملتانی کے مطابق

"آپ نے اپنے خرچ پر غریب الدیار اور بے وطن طلباء کے لئے ایک عظیم درس گاہ بنوائی اور خود ہی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے پھر ان پردیسی اور بے وطن طلباء اور دیگر مسافروں کے لئے ایک بڑا لنگر خانہ قائم کیا جس میں پانچ سو آدمی ایک وقت میں کھانا کھاتے تھے!"[1]

حافظ اسماعیل کا پیشہ طب تھا جو آپ کی روزی کا وسیلہ بھی تھا۔ حافظ صاحب نے اپنی ساری اولاد کے لئے حفظ قرآن اور طب کی تعلیم کو لازمی قرار دیا تھا۔

حافظ اسماعیل کا شمار ان بلند پایہ صوفیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے جو درس دیا اس کو عملی طور پر لوگوں کے سامنے نمونہ بن کر بھی پیش کیا۔ آپ کے ہاں امیر غریب کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ بادشاہ ہو یا غریب انسان دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے۔ خود رزقِ حلال کمایا اور دوسروں کو بھی تلقین کی اور اپنی اولاد کو بھی یہی سکھایا۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی ہیں۔ آپ کی ایک بیاض قلب فارسی اور رسالہ مرات الحق تصوف کے موضوع پر ہے آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ امام بخش، حضرت خواجہ احمد یار کے نام ملتے ہیں۔

آپ نے ۱۱۰۱ھ[2] میں ملتان میں وفات پائی اور ریلوے اسٹیشن کے جنوب کی طرف مسجد طوطلاں کے عقب میں آپ کا مزار موجود ہے۔

کچھ ایسے لوگوں کی ملتان میں آمد کا پتہ چلتا ہے جو اپنے صوفیانہ مرتبے اور روحانی فیوض سے زیادہ اپنے شعری، ادبی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اثرات کی بدولت مشہور ہوئے۔ ان میں حضرت امیر خسرو اور حسن دہلوی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

۱۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" صہ ۱۵۷۔

۲۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، صہ ۱۵۸۔

Marfat.com

۱۸۔ حضرت امیر خسرو

حضرت امیر خسرو ایک عہد ساز شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کی صورت اور سیرت میں اہلِ تصوف کا طریقہ عیاں تھا۔ اور اگرچہ بظاہر بادشاہوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن حقیقت میں ان لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے جو تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے (۱)۔ تاریخ فیروز شاہی کے مطابق

وہ (امیر خسرو) مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ صوم و صلوٰۃ اور قرآن خوانی میں گزرا۔ وہ مستعدی اور لازمی عبادات میں یکتا تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے وہ شیخ نظام الدین کے خاص مریدوں میں تھے۔ صاحبِ سماع اور صاحبِ حال و وجد تھے۔ گانے اور راگ وغیرہ ایجاد کرنے (علم موسیقی گفتن و ساختن) کے فن میں کمال رکھتے تھے۔" (۲)

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں

"سلسلۂ چشتیہ میں عجیب صاحبِ کمال، وسیع مشرب، صاحبِ دل اور صاحبِ ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔" (۳)

امیر خسرو کے آباؤ اجداد ترکی النسل تھے اور لاچین قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ منگولوں کا فتنہ اٹھا تو یہ تیرھویں صدی عیسوی میں ہجرت کر کے دریائے سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ پہلے شمال مغربی حصے میں قیام کیا پھر التمش کے عہد میں دہلی آگئے خسرو کے والد سیف الدین محمود التمش کے دربار سے وابستہ تھے۔ امیر خسرو مومن پور پٹیالی (ہندوستان) کے مقام پہ ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور تربیت اسی شہر میں ہوئی۔ آٹھ برس کے تھے کہ والد وفات پا گئے۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے نانا عماد الملک کے زیرِ سایہ ہوئی۔ عماد الملک التمش کے عہد سے لے کر

۱۔ بحوالہ "سیر الاولیاء" ص ۲۹۹۔

۲۔ بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" ص ۵۲۲۔

۳۔ بحوالہ "اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" ص ۱۶۔

Marfat.com

بلبن کے عہد تک دربار کے ساتھ وابستہ اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ آپ طنطنے اور شان و شوکت کے حامل تھے۔ ان کا دسترخوان اور مجلس رئیسانہ اور شاہانہ تھیں۔ امیر خسرو نے بھی اسی شاہانہ ماحول میں پرورش پائی اور ان مجلسوں میں علماء، شعراء اور ماہرین موسیقی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ انہیں صحبتوں کا اثر تھا کہ آپ نے بہت ہی کم عمری میں شعر کہنے شروع کر دیئے۔ آٹھ برس کی عمر میں والد کی وفات پر ایک مرثیہ کہا۔ امیر خسرو ہفت زبان تھے۔ فارسی، عربی، ترکی، ہندی، سنسکرت سے ان کی واقفیت ثابت ہے۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور آٹھ حکمرانوں کا عہد دیکھا[۱]۔ علامہ شبلی نعمانی کے مطابق

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناں گوں اوصاف کے جامع ایران اور روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ہی پیدا کیے ہوں گے۔"[۲]

امیر خسرو مذہب، فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو اور ادب و شعر پر مہارت رکھتے تھے۔

امیر خسرو سب سے پہلے غیاث الدین بلبن کے بھتیجے اور امیر کشلو خاں چھجو کے دربار کے ساتھ وابستہ ہوئے اور دو سال ان کی ملازمت میں رہے۔ بعد میں بلبن کے بیٹے بغرا خاں کو بنگالے کی حکومت عطا ہوئی تو امیر خسرو دہلی چلے آئے اور بلبن کے دوسرے بیٹے ملک محمد قاآن کے شعرائے خاص میں شامل ہوئے۔ جب سلطان محمد ملتان کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر خسرو اور حسن دہلوی کو اپنے ساتھ ملتان لے آئے۔ یہاں پانچ برس تک ان کا قیام رہا[۳]۔ خسرو لکھتے ہیں

"پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحور لطائف فانی

۱۔ "تاریخ ادب اردو" (جلد اول) صـ ۲۴ کے مطابق گیارہ حکمرانوں کا زمانہ تھا۔

۲۔ بحوالہ "شعر العجم" (جلد دوم) از شبلی نعمانی، صـ ۱۱۸ مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد بار اول ۱۹۷۲ء۔

۳۔ بحوالہ "شعر العجم" (جلد دوم) صـ ۱۰۲۔

Marfat.com

آب داوم۔"(۱)

ہلاکو خاں کے پوتے ارغون خان نے جو ایران کا حکمران تھا اپنے ایک امیر تیمور خاں کو لشکر کے ساتھ ہندوستان بھیجا۔ وہ لاہور اور دیپال پور کو فتح کر کے ملتان پہنچا اور یہاں حملہ آور ہوا سلطان محمد خان شہید اس جنگ میں شہید ہو گئے اور چونکہ امیر خسرو اور حسن دہلوی اس معرکے میں شریک تھے۔ وہ تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور بلخ پہنچ گئے۔ دو سال بعد رہائی حاصل کر کے دہلی آئے۔ یہاں خان جہاں صوبہ دار اودھ کی ملازمت اختیار کرلی۔ دو سال ان کے پاس رہے۔ پھر جب جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو خواجہ حسن دہلوی کے ساتھ ساتھ امیر خسرو بھی اس کے دربار کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ جب علاء الدین خلجی اپنے چچا کے قتل کے بعد تخت نشیں ہوا تو امیر خسرو نے ان کی ملازمت اختیار کر لی۔ پھر شہاب الدین، قطب الدین مبارک اور غیاث الدین تغلق نے بھی ان کی قدر دانی کی۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوا تو امیر خسرو تغلق کے پاس بنگال میں تھے۔ وفات کا سنتے ہی دہلی پہنچے اور خواجہ صاحب کی قبر کے مجاور بن گئے۔ اپنے مرشد کی وفات کے چھ ماہ بعد یعنی ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء)(۲) میں انتقال فرمایا اور انہیں کی پائنتی کی جانب دفن ہوئے۔

تاریخوں کے مطابق امیر خسرو نے ۹۹ کتابیں لکھیں۔ ۵ لاکھ کے قریب اشعار کہے اور ہندی زبان میں بے شمار کلام چھوڑا۔ تذکرہ مشائخ کرام کے مطابق

"امیر خسرو نے ننانوے کتابیں سلک نظم میں منتظم کیں اور مشہور رہے کہ امیر خسرو نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم تر اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔"(۳)

۱۔ بحوالہ "بزم مملوکیہ" صہ ۳۰۳۔

۲۔ بحوالہ (الف) حیات صوفیہ اردو ترجمہ نفحات الانس، صہ ۵۲، (ب) اقبال کے محبوب صوفیاء صہ ۲۹۸۔ (ج) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، صہ ۱۲۳۔ (د) شعر العجم (جلد دوم) صہ ۱۱۰۔

۳۔ "تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ" صہ ۱۲۴۔ سفینۃ الاولیاء (فارسی) صہ ۹۹ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ "تصانیف میر از نظم و نثر نود و ہنر است و اشعار میر انچہ مشہور است از پنج لک کم و از چہار لک زیادہ است۔"

Marfat.com

امیر خسرو کی مصدقہ تصانیف میں دیوان تحفۃ الصغر، دیوان وسط الحیات نہایۃ الکمال قرآن السعدین، مطلع الانوار، شیریں خسرو، آئینہ اسکندری، لیلیٰ مجنوں، ہشت بہشت سہ پہر، افضل الفوائد، اعجاز خسروی، تاج الفتوح، تغلق نامہ، خزائن الفتوح، مناقب ہند، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ فن ریاضی اور فن موسیقی پر بھی انہوں نے کتابیں لکھیں۔ طوطی ہند امیر خسرو شاعری میں ایک نابغۂ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ شبلی نعمانی کے مطابق

> " فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری، بےشبہ، قلیم سخن کے جم و کے ہیں۔ لیکن ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتے فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا۔ حافظ، عرفی، نظیری، غزل کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع بدائع کا تو شمار نہیں۔" (۱)

امیر خسرو کی فارسی شاعری سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف اس شاعری پر نگاہ ڈالی جائے جس میں انہوں نے ہندی زبان کا استعمال کیا تو ان کی حیثیت صف اوّل کے ان محسنین میں مسلّم ہے کہ جنہوں نے اُردو زبان وادب کی تدریج میں ابتدائی کاوشیں کیں۔ مولوی عبدالحق نے تذکرہ نکات الشعراء کے حوالے سے ایک قطعہ درج کیا ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارا	کچھ گھڑیئے سنواریئے پکارا
نقد دل من گرفت وبشکست	پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ

> ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اُردو کی ابتدا ہوتی ہے —— اس کے علاوہ بیسیوں پہیلیاں انملیاں اور کہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس

۱۔ بحوالہ " شعرالعجم " (جلد دوم) صہ ۱۱۸ — ۱۱۹۔

Marfat.com

وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انہیں کی ہیں تو صدہا سال سے لوگوں کی زبان پر رہنے سے ان کے الفاظ اور زبان میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے اور یہ بظاہر اس وقت کی زبان معلوم نہیں ہوتی مثلاً

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں — بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں
دس ناری ایک ہی نر — بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم — منہ میٹھا تاثیر گرم

لیکن ان کے فارسی کلام میں بہت سے ہندی لفظ بے تکلف استعمال ہوتے ہیں اور ان کی مثنوی تعلق نامہ "ہے ہے تیر مارا" کا جملہ اس وقت کی ہندی یا دہلوی زبان کی شان کو بتاتا ہے۔" (۱)

فنون لطیفہ میں شاعری کے ساتھ ساتھ امیر خسرو کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کے بقول

"موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب ان کے بعد آج تک کوئی شخص حاصل نہ کر سکا۔" (۲)

موسیقی کی دنیا میں ان جیسا نادر کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے نہ صرف کئی ساز ایجاد کئے بلکہ بے شمار راگ ان کی بدولت دنیائے موسیقی میں متعارف ہوئے۔

تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بھی امیر خسرو کے کارنامے کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ انہوں نے صوفیانہ زندگی کی اس روش کو عام کیا جس نے انسان دوستی اور دنیاوی زندگی کے تقاضوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے تخلیقی تجربات کا اظہار روحانی یا فکری سطح پر کرنے کی بجائے جمالیاتی اور جذباتی سطح پر کیا اور دوسری طرف انہوں نے

۱۔ بحوالہ "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" صـ ۱۷-۱۸۔

۲۔ بحوالہ "شعر العجم" جلد دوم، صـ ۱۲۰۔

Marfat.com

سید علی ہجویری اور بابا فرید گنج شکر کی طرح ہندو مسلم ثقافت کے ملاپ کے عمل کو تیز کیا۔
قاضی جاوید کے مطابق

"امیر خسرو ہندو مسلم تہذیب کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے شعوری طور پر اس ثقافتی بیگانگی کو ختم کرنے کی کوشش کی جو برصغیر کے دو بڑے ثقافتی گروہوں کے درمیان چلی آ رہی تھی۔" (۱)

اس تہذیبی ملاپ کے لئے انہوں نے سب سے بڑا ذریعہ زبان کو بنایا۔ اُردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں امیر خسرو کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ انہوں نے ایک مشترکہ زبان کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نہ صرف ہندی الفاظ و تراکیب کو بکثرت استعمال کیا بلکہ فارسی زبان کو بھی برصغیر کے مزاج اور صورت حال کے مطابق ڈھالنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی غزلیں مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں جن میں ایک مصرع فارسی کا اور ایک مصرع ہندی کا ہے۔

"ز حال مسکیں مکن تغافل دو رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جان نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جا ساوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چوں شمع سوزاں چوں ذرہ حیراں زمہر آں ماہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
پسیت من کہ درائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں" (۲)

امیر خسرو کے یہاں مقامی زبانوں کے الفاظ کے استعمال اور تصوف میں جو تجربات ملتے

۱۔ بحوالہ "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" صـ ۵۴

۲۔ بحوالہ "تاریخ ادب اُردو" (جلد اوّل) از ڈاکٹر جمیل جالبی، صـ ۲۸۔

Marfat.com

ہیں ان کی مثال کہیں نظر نہیں آتی ۔ امیر خسرو کو ملتان میں پانچ سال قیام کرنے کا موقع ملا اس دوران میں انہوں نے ملتانی زبان کے الفاظ بھی سیکھے اوران الفاظ کو اپنی شاعری میں برتا۔ مولانا محمود شیرانی نے امیر خسرو کی ایک نظم درج کی ہے۔(۱)

وہ گئے بالم وہ گئے ندیو کنار — آپے پار اتر گئے ہم تو رہے اروار
بھائی رے ملاحو ہم کوں پار اتار — ہاتھ کا دیو ونگی مندرا گل کا دیوں ہار
دیکھ میں اپنے حال کوں روؤں زاروزار — بی گنونتا بہت ہیں ہم ہیں اوگنہار
نابل بھیجی میں دنج کوں تاناڈ کو بھول — ہو چھا دنجہ دیا جیاناں لدھا مول
چکوا چکوی دو جنے انکوں مارو نہ کو — اوہ ماریے کرتار کے رین بچھوڑی ہو
سیج وچھتی دیکھ کے روؤں دن رین — پیا کرتی ہیں پہروں پل بھر سکھ نہ چین
سنبھ ناریں سو سکھ سیویں کنتاں کوں گل لا — میں دو کھیاری جنم کی دو کھی گئی بہاہ
تازی چھوٹا دیس میں قصبے پڑی پکار — دروازے دیتے رہ گئے نکس گئے سوار
گوری سوئے پلنگ پر مکھ پر دارے کیس — چل خسرو گھر اپنے سانجھ پڑی چودیس

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق

نشان زدہ الفاظ اور ترکیبیں اصل کے لحاظ سے تو ہندی ہیں لیکن اس لحاظ سے خالص ملتانی ہیں کہ یہ دوسری زبانوں میں ان معنوں میں یا ان ترکیبوں سے استعمال نہیں ہوتیں اگرچہ ملتانی زبان میں یہ عام ہیں۔ " دروازے دیتے رہ گئے " میں دروازہ دینا بمعنی دروازہ بند کرنا غالباً اُردو کا نہ محاورہ ہے اور نہ کسی دوسری زبان کا " نہ لدھا مول " یعنی اصل بھی حاصل نہ ہوا خالص ملتانی زبان ہے۔ گل لاون بمعنی گلے ملنا یا گلے لگانا آج بھی ملتانی میں سنا جاسکتا ہے۔ نے یا بیا بمعنی " اور " اگرچہ پراکرت سے آیا ہے مگر جدید ہند آریائی زبانوں میں سوائے سندھی کے اور کسی زبان میں اس کی کوئی شکل موجود نہیں۔(۲)

گویا امیر خسرو کے یہاں زبانیں مخلوط کرنے کے بے شمار تجربات ملتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ بحوالہ " پنجاب میں اُردو " صفحہ ۱۷۴

۲۔ بحوالہ " ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق " صفحہ ۵۳۔ ۵۴ مطبوعہ اُردو اکیڈمی بہاولپور، بار اول، ۱۹۶۷ء

Marfat.com

امیر خسرو کا شعر ہے۔

من کہ بر سر نے نہا دم گل   بار بر سر نہاد گفت چل

یہ شعر غالباً اس موقع پر کہا جب منگول انہیں گرفتار کر کے بلخ لے جا رہے تھے۔ اب اس شعر میں "چل" کا لفظ خالصتاً ملتانی زبان کا ہے۔ جس کا مطلب ہے "چل"۔ اسی طرح خالق باری[1] ان کی منظوم لغت ہے۔ جس میں عربی، فارسی، الفاظ کے معنی اور مترادفات برج بھاشا، ہندی، سرائیکی اور پنجابی میں بیان کئے گئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

نیلا پیلا زرد کبود   تانا بانا بن ست و بود
قوت نیرو زور بل آن   سارق دزد چور ہے جان
ترا بگفتم میں تجھ کہیا   کجا بھاندی تو کت رہیا
بیا برادر آو رے بھائی   بنشین مادر بیٹھ رے بھائی
خدر خسارہ ہندوی بول جو کہیئے گال   آج امروز بدان فرداتو گوئی گال
تمنا و ہم آرزو چاؤ کہیئے   یہ دو دست ہاتھ و قدم پانوں کہیئے
عاقبت انجام آخر کام ہے   ہم پیالہ نام ساغر جام ہے
کشتی وزورق تو بدان کاؤ ہے   زخم و جراحت تو بدان گھاؤ ہے
مولوی صاحب سرل پناہ   گدا بھکاری خسرو شاہ[2]

غرض شاعری، موسیقی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی سطح پر امیر خسرو کے تخلیقی تجربات انہیں نہایت اہم صوفیاء کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں جنہوں نے انسان دوستی کے رویئے کو اپنایا اور فنون لطیفہ کے علاوہ زندگی کے چلن کو بھی متاثر کیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ میں

۱۔ بعض لوگوں نے اس کا امیر خسرو کی تصنیف ہونے پر شبہ کا اظہار کیا ہے لیکن جناب ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق یہ امیر خسرو کی لغت ہے۔ اس بحث کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ ادب اُردو" جلد اوّل، صہ ۲۹۔ تا ۳۲۔

۲۔ بحوالہ خالق باری، قلمی مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور، بار اوّل فروری ۱۹۱۰ء صہ ۱ تا ۲۷۔

Marfat.com

"امیر خسرو ــــ فارسی کے ایسے باکمال شاعر تھے کہ خود اہل زبان ان کا لوہا مانتے تھے۔ موسیقی کے ایسے استاد بے بدل کہ ان کی ایجادات واختراعات آج تک علم موسیقی کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اُردو زبان وادب کے وہ شاعر اوّل جن کی مٹھاس آج بھی زبان میں شہد گھول رہی ہے۔ امیر خسرو دو تہذیبوں کے امتزاج کے وہ گل نورس ہیں جو ابھرتی پھیلتی تہذیبوں کے ایسے ہی موڑ پر ظہور میں آتے ہیں اور خود تہذیب کی علامت بن جاتے ہیں۔ امیر خسرو ہندو مسلم ثقافت کی وہ زندہ علامت ہیں کہ رہتی دنیا تک اس تہذیب کے اوّلین نمائندے کی حیثیت سے یادگار رہیں گے ــــ ان کا اُردو کلام ایک تبرک کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ امر کہ بعد میں بہت سا کلام ان کے نام سے منسوب ہوگیا، خود اس بات کا اشارہ ہے کہ امیر خسرو ہمارے طرز احساس کے ایسے نمائندے ہیں جو تہذیبوں کے خون میں شامل ہو کر خود کلچر بن جاتے ہیں۔" (۱)

۱۹- حسن دہلوی

شہزادہ سلطان محمد کے دربار میں امیر خسرو کے ساتھ ساتھ اس دور کے ایک اور بڑے شاعر اور بزرگ حسن دہلوی کا نام بھی آتا ہے۔ شہزادہ محمد جب امیر خسرو کو دہلی سے ملتان لاتے تو حسن بھی ساتھ تھے۔ حسن ۶۵۲ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے لیکن پرورش دہلی میں پائی۔ حسن امیر خسرو کے ہم عصر بھی تھے اور پیر بھائی بھی۔ کیونکہ وہ بھی نظام الدین اولیاء سے بیعت تھے۔ عبدالرحمٰن جامی نے انہیں "سعدی ہندوستان"(۲) کہا ہے۔ مولانا جامی تاریخ ہند کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"عمدہ مکارم اخلاق اور لطافت وظرافت مجالس اور عقل کی استقامت اور صوفیاء کے دستور و آداب اور قناعت کے لزوم اور پاکیزہ اعتقاد اور دنیاوی

۱- "تاریخ ادب اُردو" جلد اوّل، صہ ۳۴۔

۲- بحوالہ "تاریخ ادب اُردو" از ڈاکٹر جمیل جالبی، صہ ۳۴۔

Marfat.com

علائق سے تجرّد اور تفرّد میں ظاہری اسباب کے بغیر خوش رہنے اور اچھے گزران کے ساتھ رہنے میں حسن جیسا دوسرا آدمی بہت ہی کم دیکھا ہے وہ ایسی شیریں مجلس والا باادب اور مہذب تھا کہ جو راحت مجھے ان کے پاس بیٹھ کر ملتی تھی وہ کسی دوسرے کی مجلس میں نہ پاتا تھا۔"(۱)

حسن دہلوی اپنے وقت کے نہایت اہم اور قادر الکلام شاعر تھے۔مرات الاسرار کے مطابق

"تمام شعرائے وقت میں سے فی البدیہہ کوئی آپ سے بہتر شعر نہیں کہتا تھا۔ شاہان دہلی آپ کے کلام کے عاشق تھے۔"(۲)

آپ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ امیر خسرو کی طرح حسن نے بھی فارسی اور ہندی کو ملا کر شعر کہے ہیں۔ مثلاً

ہر لحظہ آید در دلم دیکھوں اسے ٹک جائے کر
گویم حکایت ہجر خود با آن صنم جیو لائے کر
آن سیم تن گوید مرا در کوئے ما آئی چرا
ماہی صفت تر پھوں جو ٹک نہ دیکھوں —— جائے کر
تا کہ خورم خون جگر کاسیں کہوں دکھ جائے کر
سوزم فتادہ در تنم پیہ دے گئے سلگائے کر
گشتم ہوں جوگی دربدر یابم اگر جائے خبر
پھر پھر رہیا بہو توں نگر اجہوں نا ملیا آئے کر
بسیار گفتم ایں سخن اے دل بکس رغبت مکن
ان کی تباہی ات کٹھن بہو توں کہے سمجھائے کر
بس حیلہ کردم اے حسن بے جان شدم از دم بدم
کیسے رہوں تجھ جیو بن تم لے گئے سنگ لائے کر

۱۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" اُردو ترجمہ نفحات الانس صہ ۵۲، ۵۳، مترجم محمد ادریس انصاری۔

۲۔ بحوالہ "مرات الاسرار" (جلد دوم) صہ ۲۵۴۔

Marfat.com

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

"ممکن ہے نقل در نقل کے سبب اس غزل کے بعض الفاظ وہ نہ رہے ہوں جو حسن نے لکھے تھے۔ لیکن لفظوں کے اِدھر اُدھر ہونے یا خفیف تبدیلی سے زبان کے مزاج اور اٹھان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ جو بات قابل توجہ ہے وہ نیا لہجہ ہے جو "عربی ایرانی تہذیب" کا عطیہ ہے جس نے مردہ لفظوں میں جان بھی ڈال دی ہے اور ایک ایسی جھنکار پیدا کر دی ہے جو کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے جس نے زبان کو نئے سفر اور نئی منزلوں کا راستہ بتا دیا ہے۔" (۱)

حسن دہلوی نظام الدین اولیاء کے کاتب بھی تھے۔ انہوں نے نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو "فوائد الفواد" کے نام سے جمع کیا۔ اس کے علاوہ عربی میں "قواعد النحو" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ آپ نے ۷۳۶ھ میں دیوگیر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ (۲)

اگلے باب سے ہم دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کا ذکر شروع کر رہے ہیں۔

۱۔ بحوالہ "تاریخ ادب اُردو" جلد اوّل، صہ ۳۵۔

۲۔ بحوالہ "تذکرہ اولیائے ہند و پاک" از مرزا محمد اختر دہلوی، صہ ۱۲۳، مطبوعہ سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشر بمبئی والے لاہور۔

Marfat.com

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر / ایڈیشن نمبر
۱۔	آرنلڈ، ٹی، ڈبلیو، پروفیسر عنایت اللہ شیخ، ڈاکٹر (مترجم)	دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام)	محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۷۲ء
۲۔	آفتاب بیگ مرزا	تحفۃ الابرار	مطبع رضوی، دہلی، ۱۳۲۳ء
۳۔	اصغر علی چشتی	جواہر فریدی	وکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ
۴۔	امام بخش مولوی	حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار،	اس کتاب کا ٹائٹل صفحہ غائب ہے۔ اس لئے پریس کا پتہ نہیں چلتا۔
۵۔	امیر خسرو	خالق باری بہ قلم جلی	مطبع مفید عام لاہور، بار اول، فروری ۱۹۱۰ء
۶۔	بدرالدین اسحاق، خواجہ	اسرار الاولیاء	اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
۷۔	ایضاً	اسرار الاولیاء (فارسی)	نولکشور کانپور، چھٹا ایڈیشن ۱۹۱۷ء
۸۔	بدر، کرم الٰہی	تاریخ ملتان	امتزاج پبلی کیشنز لاہور، بار اول ۱۹۷۸ء
۹۔	برنی، ضیاء الدین سید معین الحق، ڈاکٹر (مترجم)	تاریخ فیروز شاہی	مرکزی اردو بورڈ لاہور
۱۰۔	ٹیمپل آر۔ سی میاں عبدالرشید (مترجم)	حکایات پنجاب (حصہ سوم)	مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۲ء
۱۱۔	جمالی حامد بن فضل اللہ قادری، محمد ایوب (مترجم)	سیر العارفین	مرکزی اردو بورڈ لاہور
۱۲۔	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۷۵ء
۱۳۔	جعفر قاسمی، طاہر اسدی (مترجم)	بابا فرید الدین مسعود گنج شکر	"المعارف" لاہور

Marfat.com

۱۴- جیتی رام مشتاق فرید کوٹی ، ارشادات فریدی یعنی سلوک فریدی، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
بدری، صابری، قادری ۱۹۲۷ء

۱۵- حسن رضا گردیزی شاہ یوسف گردیز کاروان ادب ملتان، بار اوّل ۱۹۸۳ء

۱۶- حکم چند تواریخ ملتان

۱۷- خواجہ حسن دہلوی فوائد الفواد (فارسی) نولکشور ۱۳۰۲ھ

۱۸- خواجہ حسن دہلوی فوائد الفواد علماء اکیڈمی، اوقاف پنجاب، لاہور
امیر حسن علاء سنجری (مترجم) محمد سرور، پروفیسر ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

۱۹- خواجہ غریب نواز خواجہ غریب نواز شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم ۱۹۷۸ء

۲۰- حضرت الہدایہ ابن شیخ تذکرہ خواجگان چشت، اردو نفیس اکیڈمی کراچی
عبدالرحیم/درروائی ، ترجمہ "سیر الاقطاب"
محمد معین الدین پروفیسر

۲۱- رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر اردو نثر کا آغاز وارتقاء ، کریم سنز پبلشرز، کراچی ۱۹۷۸ء
(۱۹ ویں صدی کے اوائل تک)

۲۲- شارب، ظہور الحسن، ڈاکٹر معین الہند تاج پبلشرز، دہلی

۲۳- ایضاً دلی کے بائیس خواجہ ایضاً

۲۴- شبلی نعمانی، علامہ شعر العجم (جلد دوم) نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

۲۵- شطاری، محمد غوثی، مانڈوی، گلزار ابرار (فارسی) اردو ترجمہ اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
فضل احمد جیوری (مترجم) "اذکار ابرار" سن اشاعت ۱۳۶۵ھ

۲۶- شمیم محمود زیدی، ڈاکٹر احوال و آثار شیخ بہاء الدین انتشارات مرکز تحقیقات فارسی،
زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) ایران و پاکستان

۲۷- شہاب مسعود حسن خطہ پاک اوچ اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اوّل ۱۹۶۷ء

۲۸- صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم مملوکیہ "معارف" اعظم گڑھ ۱۳۷۴ھ
سید (مرتبہ) ۱۹۵۴ء

۲۹- عبدالحی، سید، مولانا نوشہروی نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، مقبول اکیڈمی، شاہ عالم مارکیٹ،

Marfat.com

ابویحییٰ امام خاں (مترجم) — لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۵ء

۳۰۔ عبدالرحمٰن چشتی، مولوی — تذکرہ اولیائے ہند — لکھنؤ ۱۹۱۴ء

۳۱۔ عبدالرحمٰن شیخ، سیال، — مرات الاسرار (جلد دوم) — صوفی فاؤنڈیشن لاہور، سن اشاعت
واحد بخش کپتان (ترجمہ وتحقیق) — ۱۹۸۲ء

۳۲۔ عبدالرحمٰن، منشی — آئینہ ملتان — مکتبہ اشرف المعارف، ملتان۔

۳۳۔ عتیق فکری، علامہ — نقش ملتان (جلد اوّل) — فکری اکیڈمی بشراکت مجلس ثقافت
وتاریخ ملتان، سن اشاعت جنوری ۱۹۸۲ء

۳۴۔ علاء الدین علی حسین، مولانا — الدرالمنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم، ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت
ذوالفقار احمد، مولوی (مترجم) — اُردو ترجمہ از جامع العلوم — مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ

۳۵۔ غلام سرور لاہوری — خزینۃ الاصفیاء — مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

۳۶۔ ایضاً — خزینۃ الاصفیاء (جلد دوم) — نولکشور پریس، کان پور

۳۷۔ ایضاً — حدیقۃ الاولیاء — ایضاً

۳۸۔ فرحت ملتانی — اولیائے ملتان — مکتبہ تنویر ادب ملتان، بار سوم ۱۹۸۴ء

۳۹۔ فقیر محمد اشفاق حسن — جمالِ یوسف — مطبع الٰہی آگرہ ۱۳۲۶ھ

۴۰۔ فرشتہ محمد قاسم، — تاریخ فرشتہ (جلد دوم) — شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
خواجہ عبدالحی (مترجم)

۴۱۔ ایضاً — تاریخ فرشتہ (جلد اوّل) — ایضاً

۴۲۔ فرشتہ، محمد قاسم — تذکرہ مشائخ کرام — احسن برادرز لاہور ۱۹۶۵ء

۴۳۔ ایضاً — ترجمہ تاریخ فرشتہ (اُردو) جلد اوّل — نولکشور پریس لکھنؤ۔

۴۴۔ فریدی، نور احمد، مولانا — تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی — قصر الادب جگووالا، ضلع ملتان

۴۵۔ ایضاً — تذکرہ صدر الدین عارف (جلد اوّل) — ایضاً

۴۶۔ ایضاً — تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی — محکمہ اوقاف پنجاب لاہور طبع اوّل ۱۹۸۰ء

۴۷۔ فیاض محمود سید (مرتبہ) — تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند جلد ۱۲، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۴۸۔ قادری، داراشکوہ، شہزادہ — سفینۃ الاولیاء (فارسی) — نولکشور

Marfat.com

۴۹۔ قادری، داراشکوہ، شہزادہ محمد علی لطفی (مترجم)	سفینۃ الاولیاء	نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ششم ۱۹۸۲ء
۵۰۔ قادری، محمد ایوب	مخدوم جہانیاں جہاں گشت	ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی، باراوّل ۱۹۶۳ء
۵۱۔ قاضی جاوید	پنجاب کے صوفی دانشور	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۵۲۔ ایضاً	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	بک ٹریڈرز، ادارہ ثقافت پاکستان لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۷ء
۵۳۔ قانع ٹھٹوی، علی شیر میر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم)	تحفۃ الکرام	سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
۵۴۔ قدوسی، اعجاز الحق	تاریخ سندھ (دو جلدیں)	مرکزی اُردو بورڈ لاہور
۵۵۔ قدوسی، اعجاز الحق	اقبال کے محبوب صوفیاء	اقبال اکادمی، لاہور، طبع اوّل جنوری ۱۹۷۶ء
۵۶۔ قلندر، حمید شاعر	خیر المجالس (اُردو ترجمہ) مسطاب سراج المجالس	واحد بک ڈپو، جونا مارکیٹ کراچی
۵۷۔ کیفی جام پوری	سرائیکی شاعری	بزم ثقافت ملتان، طبع اوّل ۱۹۶۹ء
۵۸۔ گیلانی، اولاد علی سید	مرقع ملتان	سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے ۱۹۳۸ء میں شائع کی۔
۵۹ محمد اکرام شیخ	آب کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ساتویں بار ۱۹۷۵ء
۶۰۔ محمد امین، پروفیسر	اشارات فلسفہ	کاروان ادب ملتان ۱۹۷۸ء
۶۱۔ محدث دہلوی، عبدالحق شیخ ملک محمد لطیف (مترجم)	انوار صوفیہ یعنی اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	شعاع ادب لاہور، بار سوم، ستمبر ۱۹۶۷ء
۶۲۔ محدث دہلوی، عبدالحق شیخ سبحان محمود صاحب، مولانا	اخبار الاخیار	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

Marfat.com

	محمد فاضل صاحب، مولانا (مترجمین)		
۶۳۔	مسعود، وحید احمد	سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر	رضا پبلی کیشنز لاہور، سنہ اشاعت ۱۹۸۱ء
۶۴۔	محمد اختر دہلوی، مرزا	تذکرہ اولیائے ہند و پاک	سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشرز بمبئی والے لاہور
۶۵۔	محمد بلاق، صاحبزادہ (سید)	روضہ اقطاب	محب ہند دہلی، طبع اوّل ۱۲۴۱ھ
۶۶۔	محمود شیرانی، حافظ	پنجاب میں اُردو	اشرف پریس لاہور، طبع چہارم ۱۹۷۲ء
	وحید قریشی، ڈاکٹر (مرتبہ)		
۶۷۔	محمود شیرانی، حافظ	مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اوّل و دوم	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۶ء
۶۸۔	معین الدین احمد	لمعات خواجہ	معین الادب کراچی، طبع اوّل جون ۷۸ء
۶۹۔	معین الدین، مولانا	جواہر فریدی	وکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ
۷۰۔	مولوی عبدالحق، ڈاکٹر	اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام	
۷۱۔	مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر	مقالات دینی و علمی (حصہ اوّل)	مزدور پرنٹنگ پریس لاہور
۷۲۔	مہر عبدالحق، ڈاکٹر	سرائیکی زبان اور اس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، سن اشاعت ۱۹۷۷ء
۷۳۔	میر خورد، سید محمد بن مبارک کرمانی بریاں غلام احمد (مترجم)	سیر الاولیاء	المکتاب گنج بخش روڈ لاہور، سال اشاعت ۱۹۸۲ء
۷۴۔	ناظم، بشیر حسین	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
۷۵۔	نظام الدین اولیاء (خواجہ) ملک فضل الدین نقشبندی (مترجم)	راحت القلوب	اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
۷۶۔	نظامی، خلیق احمد قاضی محمد حنیف اللہ (مترجم)	احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر	المعارف گنج بخش روڈ لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۳ء

Marfat.com

اُردو ترجمہ "دی لائف اینڈ ٹائمز
آف شیخ فریدالدین گنج شکرؒ

۷۷۔ وقائع شاہ معین الدین چشتی (فارسی) نولکشور پریس ۱۳۰۰ھ

۷۸۔ بزم صوفیہ معارف، اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

۷۹۔ معمولات مظہریہ ومحبوب العارفین مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۱ھ

قلمی نسخے

۱۔ زکریا بہاء الدین (ملتانی) دیوان فارسی

۲۔ ضیاء الدین بن حافظ خلاصۃ العارفین (فارسی) ملفوظات حضرت بہاء الدین زکریا
مولوی عبداللہ قادری ملتانی، ۲ر شعبان ۱۲۹۰ھ

۳۔ شرف الدین قریشی، شیخ منبع البرکات (تذکرہ حقانیہ) (فارسی)

۴۔ فرید مسعود اجودھنی گنج الاسرار (ملفوظات بابا فرید گنج شکر) ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ

۵۔ گل محمد چشتی مولوی گلزار فریدی (فارسی) ملفوظات
بابا فرید گنج شکر

۶۔ محمد افضل قریشی خلاصۃ الاحباب (فارسی)

۷۔ یار محمد مرید خواجہ المنتخب ملفوظ شریف (فارسی) اس کے دو نسخے حاصل ہوئے ایک
تاج محمود چشتی پاکپتنی جناب اسد نظامی سے اور دوسرا ڈاکٹر
طاہر تونسوی سے۔

۸۔ قادری، داراشکوہ سفینۃ الاولیاء (فارسی) کاتب یار محمد مرید غلام حسن شہید،
۳۰ر رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ

رسائل

۱۔ دیوانہ، موہن سنگھ، ڈاکٹر بابا فریدالدین گنج شکر ابراہیم پنجاب یونیورسٹی میگزین،
اور فرید ثانی فروری ۱۹۳۸ء

Marfat.com

۲- راشدی، حسام الدین، پیر اُردو زبان کا اصلی مولد، سندھ "اُردو" انجمن ترقی اُردو کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء

۳- عین الحق فرید کوٹی اسماعیلی بزرگوں کا عارفانہ کلام "ماہ نو" اکتوبر ۱۹۸۱ء

اخبارات

۱- عتیق فکری، علامہ برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات "امروز" ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

۲- غضنفر مہدی ملتان کے قدیم علمی و ادبی محسن ایضاً

۳- محمد امین، پروفیسر تصوف اور ملتان ایضاً

۴- محمد اسلم چوہدری حضرت پیر مخدوم عبدالرشید حقانی روزنامہ "جنگ" لاہور ۲، جولائی ۱۹۸۲ء

Marfat.com

Marfat.com

باب سوم

ملتان کے صُوفیاء

دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کا احوال ،

اُن کی

علمی ، ادبی اور تہذیبی خدمات کے حوالے سے

Marfat.com

دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیائے کرام

(الف) پس منظر

سابقہ باب میں جن صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کی وجہ سے سرزمین ملتان میں تصوف کی ایک مستقل اور پائیدار روایت قائم ہوگئی۔ ان صوفیاء کی بدولت ملتان کی تہذیبی، ثقافتی، علمی، ادبی، اخلاقی اور مذہبی اقدار کی جو اصلاح ہوئی اس کے واضح نتائج سامنے آئے۔ مختلف صوفیاء کی خانقاہیں مرجع خلائق بن گئیں اور لوگوں نے اپنی مذہبی اور روحانی تشنگی کو دور کرنے کے لئے مختلف سلسلوں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا شروع کیا۔ ملتان کے علاوہ تونسہ، اوچ، سخی سرور، کوٹ مٹھن، پاک پٹن، عبدالحکیم اور خیرپور ٹامیوالی وغیرہ تصوف کے مرکز بن گئے۔

دسویں صدی ہجری کے بعد بھی تصوف اور مسلک تصوف کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا بلکہ حضرت حافظ جمال، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ غلام فرید، حضرت خواجہ خدا بخش اور غلام حسن شہید وغیرہ کی بدولت یہ سلسلہ نہ صرف قائم رہا بلکہ آگے بڑھتا رہا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کی بدولت تعلیم و تعلّم، رشد و ہدایت اور فلسفہ و فکر کے ساتھ ساتھ زبان و ادب اور علم و فضل کی بھی ترویج ہوئی۔ اس دور کے ملفوظات اگرچہ زیادہ تر فارسی ہی میں ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے تراجم ہو چکے ہیں اور بہت سے صوفیاء کا اُردو کلام بھی دستیاب ہے۔

لیکن اگر ایک طرف تصوف نے تہذیبی اور علمی سطح پر اپنے دیرپا نقوش مرتسم کئے تو دوسری جانب عالمی سطح پر مسلمانوں کے مادی اور دنیاوی زوال کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور انیسویں صدی میں یہ زوال اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ پوری دنیا کے مسلمان بالعموم اور برصغیر کے مسلمان بالخصوص اس زوال کی زد میں آئے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، اور اقتصادی اقدار میں تبدیلیاں لایا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں آزادی کی تحریکیں تیز تر ہوئیں

Marfat.com

اٹلی، فرانس اور جرمنی نے انقلاب دیکھے اور ان کے یہاں معاشرتی تہذیبی اور سیاسی سطح پر انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں لیکن اس کے برعکس ہندوستان کے مسلمان بتدریج اقتصادی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی طور پر زوال کی طرف بڑھتے گئے ——— سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی اور نئی نئی قومیں ابھر کر سامنے آ رہی تھیں۔ اس انحطاط کا سبب بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور پست ہمتی تھی اور جب مرکزی ڈھانچہ کمزور ہو جاتے تو طرح طرح کی سازشیں، گروہ بندیاں جنم لیتی ہیں۔ پھر ہر کوئی جوڑ توڑ کرنے لگتا ہے تو بیرونی طاقتیں آپس کے انتشار کا فائدہ اٹھا کر اپنا مفاد حاصل کرنے لگتی ہیں۔ کچھ یہی صورت حال ہندوستان میں بھی پیدا ہوئی۔ صوبوں کے گورنر، جاگیردار اور امراء خود مختار ہو گئے۔ یہ لوگ نہ صرف مرکز سے باغی ہوتے بلکہ اپنے اقتدار اور عیش پرستی کے نشے میں غریبوں پر ظلم بھی کرنے لگے جس سے عوام میں پریشانی پھیلی اور اقتصادی بدحالی میں اضافہ ہوا۔ ان کی دیکھا دیکھی سکھ مرہٹے، جاٹ اور روہیلے بھی سر اٹھانے لگے۔ اور اپنے اپنے طور پر ہر ایک نے لُوٹ مچا دی سکھوں کی غارت گری خصوصاً تاریخ کا ایک تاریک دَور ہے۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں ان کی حکومت بہت پھیل گئی۔ ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء میں ملتان پر بھی اس نے قبضہ کر لیا۔[1]

اندرونی سازشوں کے علاوہ بیرونی حملہ آوروں نے برصغیر کی سیاسی اور اقتصادی بدحالی اور انتشار میں مزید اضافہ کیا۔ جس سے لوگوں میں خوف و ہراس، اضطراب اور یاسیت پیدا ہوئی ان حالات میں جبکہ ملکی، سیاسی، سماجی فضا اس قدر بگڑ چکی تھی، برطانوی سامراج کی یلغار کو روکا نہ جا سکا۔ یوں سیاسی، سماجی اور اقتصادی بدحالی کے ساتھ ساتھ غلامی کا طوق بھی ان کے گلے میں پڑ گیا۔ انگریزوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے غیر منقسم ہندوستان میں اٹھنے والی حریت پسند تحریکوں کو ناکام بنا دیا۔ انہیں زیادہ فائدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نااتفاقی اور غداروں کی مفاد پرستی اور ضمیر فروشی نے پہنچایا۔ انگریزوں کا نشانہ زیادہ تر مسلمان تھے کیونکہ وہ تقریباً پانچ سو سال تک ہندوستان پر حکومت کر چکے تھے۔ انگریزوں کو اب بھی

۱۔ بحوالہ "انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم" از ولیم ایل لینگر، ترجمہ اُردو غلام رسول مہر، ص ۲۳۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء۔

Marfat.com

خطرہ انہیں سے تھا۔ ادھر مسلمان ۱۷۵۰ء کی جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کی شکست کے بعد پھر سیاسی طور پر مجتمع نہ ہو سکے۔ ۱۷۵۰ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان پوری صدی مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زوال کی صدی ہے۔ اکا دکا تحریکیں وجود میں آئیں لیکن ان کے کوئی خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہو سکے۔ بے عملی، انتشار اور طوائف الملوکی نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جو بساط الٹی تو دوبارہ بچھائی نہ جا سکی۔ ادھر احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے حملوں نے اقتصادی بدحالی میں اضافہ کیا۔ غیر منقسم ہندوستان ہمیشہ غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ غیر ملکیوں نے کبھی تجارت کے نام پر اور کبھی طاقت کے بل بوتے پر اس ملک کا استحصال کیا۔ اقتصادی لوٹ مار کا سلسلہ پندرہویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں کی آمد سے شروع ہوا۔ پھر آئندہ صدیوں میں ولندیزی اور فرانسیسی لوٹتے رہے اور رہی سہی کسر انگریزوں نے پوری کر دی۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک کی اقتصادی بدحالی اخلاقی اقدار کو بھی پامال کر دیتی ہے۔ یہی کچھ ہندوستان میں بسنے والی اقوام کے ساتھ ہوا، لیکن اس کی زد میں مسلمان نسبتاً زیادہ آئے۔ کیونکہ انگریزوں کے اقتدار کے بعد شعوری سطح پر مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو ہر میدان میں آگے بڑھایا گیا اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا گیا۔ غرض عبدالمجید سالک کے مطابق

"مرہٹوں کی بغاوت، سکھوں کی سرکشی، نادر شاہ کا حملہ، دہلی کا قتل عام، احمد شاہ ابدالی کا معرکہ پانی پت، روہیلوں کا دور، ایرانی و تورانی امراء کی کشمکش بنگال و بہار میں انگریزوں کا تسلط اور پھر سارے ہندوستان پر چھا جانا تاریخ ہند کے ہر طالب علم کو معلوم ہے۔ سلاطین و امراء کی نالائقی، علماء کی غفلت و مداہنت، عمال حکومت کی نمک حرامی اور اخلاق باختگی نے پورے معاشرے کو عقائد فاسدہ اور اعمال شنیعہ کے گرداب میں غرق کر دیا۔"[1]

مسلمانوں کی اس عمومی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی پستی و پسماندگی کا

۱۔ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" ص ۶۰۲ ۔ ۶۰۳

Marfat.com

تقاضا یہ تھا کہ ایک بار پھر باعمل اور باعلم صوفیاء کا ایسا گروہ سامنے آئے جو مسلمانوں کو اس بحران سے باہر نکالے۔ کیونکہ دسویں صدی ہجری سے پہلے وہ نامور بزرگ اور صوفیاء جن کا ذکر پچھلے باب میں کیا جاچکا ہے۔ اپنا فرض ادا کر کے دنیائے فانی سے کُوچ کر چکے تھے اور اب ان کی وفات سے برصغیر کی اخلاقی اور روحانی زندگی میں جو خلاء پیدا ہوا تھا اس کو پورا کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اب اس باب سے جن بزرگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ وہ اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ انہوں نے نہ صرف اپنے اپنے علاقے میں روحانی اور اخلاقی قدروں کی نشوونما میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ عملی طور پر باطل قوتوں کے ساتھ نبرد آزما بھی رہے۔ چونکہ ہمارے پیش نظر اس وقت سرزمین ملتان کے صوفیاء کی خدمات اور کارنامے ہیں۔ اس لئے یہاں ملتان ہی سے متعلق چند اہم صوفیاء کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے نہ صرف ملتان کی تہذیبی زندگی کو متاثر کیا، نہ صرف اپنی تعلیمات سے رشد و ہدایت کی شمع فروزاں رکھی بلکہ اپنے علم و ادب کے ذریعے ادبی و فنی زندگی کو بھی متاثر کیا۔ ادب و شعر میں تصوف اور حقائق و معارف کی جو روایت زمانۂ قدیم سے اُردو زبان میں رائج تھی اس کو بھی آگے بڑھایا۔

Marfat.com

(ب) صوفیائے کرام کا احوال

۱۔ حضرت موسیٰ پاک شہید گیارہویں صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی سب سے پہلے جس بزرگ شخص نے دنیائے فانی سے منہ موڑ کر دارالبقاء کا رخ کیا وہ حضرت محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید ہیں جنہیں ان کے سن وفات ۱۰۱۰ھ کی بنا پر دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء میں شمار کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کی ساری زندگی دسویں صدی ہجری کے وسط سے لے کر اختتام تک کے روز و شب میں گزری۔ جیسا کہ معلوم ہے ملتان برس ہا برس تک سلسلہ سہروردیہ کے زیر اثر رہا۔ اسی طرح اوچ شریف کا علاقہ چشتیہ اور قادریہ سلسلوں کا محور اور مرکز بنا رہا۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اوچ کے تمام اولیاء اور صوفیاء کا تعلق خاص ملتان سے رہا۔ چنانچہ اوچ شریف کی تمام نامور شخصیات نے یا تو تعلیم کے حصول کی خاطر ملتان میں قیام کیا یا ملتان کے اولیاء اور صوفیائے کرام سے رشد و ہدایت پا کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ان نامور بزرگوں میں جلال الدین سرخ بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت وغیرہ شامل ہیں۔ بہرحال ملتان اور اوچ کے صوفیاء میں ایک خاص قسم کا روحانی اور فکری تعلق رہا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تصوف کی تاریخ میں اوچ ملتان ہی کا ایک حصہ رہا۔ اُوچ سے ملتان آنے والے نامور بزرگوں میں حضرت موسیٰ پاک شہید کا نام گرامی بڑا اہم اور فضیلت کا حامل ہے۔ آپ کا شجرہ نسب اور سلسلۂ طریقت حضرت غوث الاعظم سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے حوالے سے نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن سے جا ملتا ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کے ایک جد امجد حضرت شیخ محمد غوث گیلانی خراسان سے

Marfat.com

منتقل مکانی کرکے اوچ تشریف لائے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ آپ ولی کامل اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ منقول اور معقول کے جامع تھے۔ آپ کے حلقہ عقیدت میں ہند کا حکمران سکندر لودھی اور حاکم ملتان حسین لنگاہ بھی شامل تھے۔ ان کی وفات ۹۲۳ھ میں اُوچ شریف میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم عبدالقادر ثانی سجادہ نشین بنے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم سید عبدالرزاق مسند نشیں ہوئے۔ ان کا سن وفات ۹۴۲ھ ہے۔ سید عبدالرزاق کے فرزند مخدوم سید حامد المعروف سید حامد گنج بخش[۱] سجادہ نشین ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے مانے ہوئے بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں میں ہمایوں بادشاہ ہند کے علاوہ حضرت سید داؤد بندگی کرمانی، حضرت شیر شاہ ملتانی اور نواب میراں حاکم ملتان شامل تھے ——— ایسے برگزیدہ انسان کے گھر میں ایک برگزیدہ تر انسان حضرت موسیٰ پاک شہید کی صورت میں ۹۵۲[۲]ھ میں پیدا ہوا۔ آپ کا پورا نام حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک تھا۔ فرحت ملتانی کے مطابق

"ابوالفضل تاریخی مادہ ہے، سلطان المحققین، عمدۃ الواصلین، قطب العالم جمال الاسلام القاب ہیں، ابوالحسن کنیت ہے۔"[۳]

کتاب "بحر السرائر" از سید سعد اللہ رضوی میں ان کے نام کے ساتھ یہ القاب درج ہیں۔

"سلطان المحققین، عمدۃ الکاملین، اسوۃ الواصلین، قطب العالم، شیخ المشائخ والاولیاء، سلطان الشہداء، وغوث الدنیا والدین، جمال الاسلام والمسلمین، ابوالحسن شیخ موسیٰ شہید قدس سرہ۔"[۴]

۱۔ بحر السرائر از سید سعد اللہ رضوی، صہ ۱۸۷، پر حامد گنج بخش کی بجائے حامد جہاں بخش اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے فرزند کا نام حامد گنج بخش لکھا ہے۔

۲۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے سب تذکرہ نگار اس سن پر متفق ہیں۔

۳۔ "اولیائے ملتان" صہ ۱۸۱، مکتبہ تنویر ادب ملتان، بارسوم، ۱۹۸۴ء۔

۴۔ "بحر السرائر" از سید سعد اللہ رضوی فارسی (قلمی نسخہ) صہ ۱۸۷، ۱۲۹۱ھ رمضان المبارک کے مہینے میں خلیفہ محمد امین کاتب نے مکمل کی (۲۰۶ دوہرے صفحات پر مشتمل فوٹوسٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی کے ذاتی کتب خانے سے دستیاب ہوئی۔)

Marfat.com

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم ظاہری کی تحصیل شروع کی۔ صرف و نحو، کافیہ اور جملہ علوم متداولہ نو عمری میں حاصل کر لیے۔ سلوک کے مدارج بھی والد محترم کی ہدایت میں طے کئے۔ حضرت شیخ حامد نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ "بحر السرائر" میں خود موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے۔

"—— حضرت والد ماجدم را مشغول خاطر بود بفقر و ہشت سالہ بودم کہ در سنہ صغر بخدمت خود ہمراہ کردند و از آں وقت در سفر و حضر از خود جدا نمی ساختند —— شب و روز در کفار رحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت می یافتم وہم در آں ایام طفولیت سخنان ایں طائفہ در جان ما ریختہ تربیت باطنی ضمیمہ شفقت ظاہری می خواستند۔"(۱)

اس تعلیم و تربیت کی بدولت حضرت موسیٰ پاک شہید شروع ہی سے ریاضت اور عبادت کے عادی ہو گئے۔ والد ماجد اپنے سامنے بٹھا کر سات سات وظائف اور اوراد پڑھاتے۔ ذکر جہر اور اشتغال باطنی کراتے۔ اسمائے الٰہی اور ادعیہ مسنون کی تلقین کرتے اور تعلیم و تربیت رشد و ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے (۲)۔ غلام سرور لاہوری کے مطابق

"جب باپ کے روبرو انہوں نے تکمیل ظاہری و باطنی پائی تو بخطاب جمال الدین ابوالحسن مخاطب ہوئے۔"(۳)

جب حضرت حامد گنج بخش نے آپ کی تربیت کی طرف سے اطمینان حاصل کر لیا تو اپنے بڑے بیٹے سید عبدالقادر کی بجائے آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنا خاص خرقۂ مبارک، سجادہ اور انگوٹھی عطا فرمائی۔ حکم چند لکھتے ہیں

"تھوڑے عرصہ میں ہر ایک علم تفسیر و حدیث و فقہ و معانی وغیرہ میں ہوتے اور علم باطنی بھی حاصل کیا۔ والد بزرگوار حضرت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔

۱۔ "بحر السرائر" فارسی (قلمی) صـ ۱۸۷۔

۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "بحر السرائر" قلمی، صـ ۱۸۸ - ۱۸۹۔

۳۔ "حدیقۃ الاولیاء" صـ ۴۱۔ تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔

Marfat.com

بلکہ اپنی حیات میں ہی انہوں نے ان حضرت کو جائے نشین اپنا فرمایا. باوجودیکہ بڑے بھائی ان کا نظام الدین عبدالقادر موجود تھے۔"(۱)

عبدالحق محدث لکھتے ہیں کہ

"شیخ حامد در حالت حیات خود امر خلافت و سجادہ نشینی را بولد شریف خود سپرد۔"(۲)

بحر السرائر میں خود حضرت موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے

"........ بعد ازاں خرقہ خاص مبارک وجائے نماز و تسبیح خود و انگشتری کہ در انامل کامل داشتند واسناد و فرامین اوقات لنگر متبرکہ حضرت غوث الثقلین ووظائف کہ دبادشاہان متعین کردہ بوُدند ہمہ را باین سر و سامان عنایت فرمود" (۳)

موسیٰ پاک کی عمر ابھی چھبیس (۲۶) سال کی تھی کہ ۹۷۸ھ میں آپ کے والد وفات پا گئے والد کی وفات کے بعد بڑے بھائی سید نظام الدین عبدالقادر نے جانشینی کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ یہ جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ معاملہ دربار اکبری تک جا پہنچا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کو بیرم خاں اور خان خاناں کے حکم کے تحت فتح پور سیکری طلب کیا گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے ثبوت کے طور پر اپنے والد کا قرآن مجید، مجموعہ اوراد اور چند تبرکات پیش کئے جبکہ موسیٰ پاک شہید کے پاس خرقۂ مبارک اور انگوٹھی تھی۔ آخر طے پایا کہ جھگڑے کا فیصلہ قرآن مجید کی روشنی میں کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید کھولا گیا تو سورہ القصص کی یہ آیت نکلی کہ

فخرج منہا خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظلمین ۝

ترجمہ: پھر نکلا (موسیٰ) وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا، بولا اے رب! خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے۔

چنانچہ اس آیت کے معانی کے مطابق فیصلہ موسیٰ پاک کے حق میں ہوا۔ اور ۲۲ر

۱۔ "تواریخ ملتان" صہ ۸۱

۲۔ "اخبار الاخیار" صہ ۲۰۶۔

۳۔ "بحر السرائر" فارسی (قلمی) صہ ۱۹۰

Marfat.com

ربیع الاوّل ۹۸۵ھ کے شاہی فیصلے کے مطابق آپ کو سجادہ نشین تسلیم کر لیا گیا۔ مولانا نور احمد خاں فریدی اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں

"اگرچہ حضرت موسیٰ پاک شہید کو والد بزرگوار اپنی زندگی میں ہی جانشین نامزد فرما چکے تھے لیکن آپ کے بڑے بھائی سید عبدالقادر نے اس معاملہ میں نزاع پیدا کیا اور دربار شاہی تک جا پہنچا۔ شہنشاہ اکبر نے ان بزرگوں کو فتح پور سیکری میں طلب کیا اور علماء قضاۃ اور رؤسائے دربار کو تحقیق و تفتیش پر مامور کیا۔۔۔۔۔۔ اراکین مجلس شوریٰ نے فیصلہ آپ کے حق میں لکھ کر دربار میں پیش کر دیا۔ چونکہ اس واقعہ سے دونوں بھائیوں میں شکر رنجی پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس لئے بادشاہ نے مصلحتاً سید عبدالقادر کو اپنے پاس رکھا اور حضرت موسیٰ پاک شہید کو لشکر کے ساتھ دکن بھیج دیا۔ کچھ عرصہ تک سید عبدالقادر فتح پور میں رہے۔ مگر دربار شاہی کا رنگ ڈھنگ انہیں پسند نہ آیا اور بغیر اجازت لئے اوچ کو روانہ ہوئے۔ دکن کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ پاک آگرہ آئے تو بادشاہ نے پانصدی کا منصب عطا کر کے نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ آگرہ سے مرخص ہو کر آپ دہلی وارد ہوئے۔" (۱)

عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

"و در یں ایام شیخ موسیٰ بعد از زہد و عبادت و مشیخت چنداں سالہ ارادت متعارف رسمی بہ بادشاہ آورد و شغت سپاہ گری یافتہ و تسلیم نوکری کردہ داخل امرائے پانصدی شدہ۔" (۲)

گویا حضرت موسیٰ پاک شہید صرف مذہبی اور روحانی رہنمائی تک محدود نہ رہے۔ بلکہ انہوں نے عملی طور پر مہمات میں بھی حصہ لیا۔ اور یوں علم کے ساتھ عمل، دین کے ساتھ دنیا اور روحانی مدارج

۱۔ مضمون بعنوان "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہیدؒ" از مولانا نور احمد فریدی، مطبوعہ امروز، ۲ جون ۱۹۸۳ء (موسیٰ پاک شہید کے عرس کے موقع پر خصوصی ایڈیشن شائع ہوا۔)

۲۔ "منتخب التواریخ" جلد سوم از عبدالقادر بدایونی، صہ ۹۲، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ۔

Marfat.com

طے کرنے کے ساتھ ساتھ رزم گاہ حیات میں بھی سرخرو ہوئے۔ آگرہ میں آپ نے بہت عرصہ قیام فرمایا اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ دین کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ موسیٰ گیلانی ایک عرصے تک لشکر شاہی اور دارالسلطنت میں اسلام کا بول بالا کرتے رہے اور کئی شہر نشینوں کو اس بادیہ پیما کی بدولت روحانی تازگی اور استقامت نصیب ہوئی۔" (۱)

دہلی میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے جید عالم بھی شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بشیر حسین ناظم لکھتے ہیں کہ

"آپ کی صحبت میں وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور عرفا بیٹھا کرتے تھے اور آپ بڑے بڑے نکات اور ادق مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے۔ جن بزرگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ان میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔" (۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی معروف تصنیف "اخبار الاخیار" میں مرشد سے عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

"اگر دیگراں کتب اند۔ او قطب الاقطاب است۔ و اگر ایشان سلاطین، او سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام زندہ گرداند و ملت کفر بمیراند۔" (۳)

یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ پاک گیلانی دین اسلام کی خاطر جس طرح کام کرتے رہے اس کا اظہار صرف عقیدت کے طور پر نہیں کیا گیا بلکہ آپ واقعی حق گو، بے باک اور نڈر انسان تھے۔ آگرہ اور دہلی میں ان کے قیام کا زمانہ وہی ہے جب اکبر "دین الٰہی" کو مروج کئے ہوئے تھا

۱۔ "رود کوثر" از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۵۰، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، ساتویں بار ۱۹۷۹ء

۲۔ "اولیائے ملتان"، صہ ۹۸، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۳۔ (۱) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" از عبدالحق محدث دہلوی، صہ ۲۰۶، در مطبع مجتبائے دہلی ۱۳۳۲ھ (۲) بحر السرائر (قلمی) صہ ۱۹۵۔

Marfat.com

اگرچہ تاریخوں سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ حضرت موسیٰ پاک شہید نے عملی طور پر اس دین کے خلاف کوئی اقدام کیا یا اس کے خلاف کوئی فتویٰ دیا۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکبر کی موجودگی میں دیوان خانہ خاص و عام میں نماز کے وقت خود آذان دے کر باجماعت نماز پڑھاتے مگر کسی کو آپ کو ٹوکنے کی جرأت نہ ہوتی۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

"درحضور بادشاہ درعین دیوان خانۂ خاص و عام اگر وقت نماز می رسید خود آذان گفتہ نماز بحضور خلیفۂ وقت بہ جماعت می گزارد۔ و ہیچ کس چیزے نمے توانست گفت"۔[1]

موسیٰ پاک گیلانی نے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا پھر وہاں سے اُوچ کی جانب روانہ ہوگئے۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) کی دیکھا دیکھی دہلی شہر کی ہزاروں سعید روحیں بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئیں۔ چند یوم یہاں قیام کرنے کے بعد آپ اُوچ کو روانہ ہوئے اور والد ماجد کی آرام گاہ پر حاضر ہو کر مرقد اطہر کی خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا اور پھر ان کی مسند پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کا دروازہ کھول دیا"۔[2]

موسیٰ پاک کا دور بڑی افراتفری اور بے چینی کا تھا۔ پورے ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ قزاقوں نے ہر طرف لوٹ مار اور راہزنی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس سے لوگ بڑے خوف اور انتشار کا شکار رہتے تھے۔ موضع منگے ہٹی میں آپ کے مریدوں کی ایک بستی پر ایک مرتبہ قزاقوں نے حملہ کیا۔ "بحر السرائر" میں لکھا ہے کہ

"............ قوم لنگاہاں جمع شدہ در شب برائی غارت برآں دہ افتادند آنحضرت بسمع شور شر از خادمی پرسید ند او عرض کرد کہ لنگاہاں دہ را غارت می کند فرمودند انشاءاللہ صبح شد و زمان وصال آمد۔ حضرتش سوار بر فصیل شدند و خود را بچند کس معدودہ میاں آں ؟ رسانید ——— آں ہا بمجرد دیدن سواری حضرتش

۱۔ منتخب التواریخ، جلد سوم، صہ ۹۲۔

۲۔ مضمون بعنوان "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید" مطبوعہ امروز، ۳ جون ۱۹۸۳ء۔

Marfat.com

او بہ ہزیمت نہادند و گریختند، دریں اثنا از دست سلطان نام لنگاہ تیرے بوجود کرامت آموز بجائی پہلو مبارکش رسیدہ بحق پیوست شد"۔(۱)

چنانچہ اسی تیر کی وجہ سے آپ نے شہادت پائی۔ آپ کی تاریخ وفات چہارشنبہ شعبان ۱۰۱۰ھ(۲) ہے۔ پہلے آپ کو آپ کے والد کے پہلو میں اُوچ میں دفن کیا گیا۔ لیکن ۱۵ سال بعد آپ کے صاحبزادگان سید یحییٰ اور سید عیسیٰ نے ان کی نعش کو منگو ہٹی منتقل کر دیا۔ پھر وہاں سے ان کے فرزند سید مخدوم حامد گنج نے جو ملتان میں رہتے تھے آپ کی نعش وہاں سے نکلوا کر ملتان میں پاک دروازے کے پاس دفن کرائی اور حضرت موسیٰ پاک شہید کی نسبت سے یہ علاقہ پاک دروازہ کہلوایا۔

موسیٰ پاک شہید کے چار بیٹے تھے۔ سید حامد گنج بخش، سید یحییٰ، سید عیسیٰ اور سید جان محمد ان میں سے بڑے صاحبزادے سیّد حامد گنج بخش کو اپنی زندگی میں خلافت اور سجادگی سپرد کی اور اشتغال باطنی وا وضاع ظاہر بھی ان کو تفویض کیے۔ "بحر السرائر" کے مطابق

"درحالت حیات خود امر خلافت و سجادگی بخلف اعظم خود بندگی شیخ الاسلام..... شیخ حامد گنج بخش سپرد و جمیع لوازم و توابع ایں امر شریف را از اشتغال باطنی و اوضاع ظاہر بحضرت الیشان تفویض فرمودند"۔(۳)

۱۔ بحوالہ "بحر السرائر" قلمی، صہ ۱۹۰۔

۲۔ بحوالہ (۱) تواریخ ملتان از حکم چند، صہ ۱۸ (۲) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، صہ ۹۹۔ جبکہ مرقع مولتان از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۱۰ پر وفات کے وقت ان کی عمر ۵۸ سال بتائی گئی ہے۔ اس طرح سن ولادت کے مطابق سنِ وفات ۱۰۱۰ھ بنتا ہے۔ البتہ رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام میں صہ ۳۵۱ پر ۱۰۰۲ھ لکھی ہے۔ جبکہ فرحت ملتانی نے اولیائے ملتان، صہ ۸۴ پر غلام سرور لاہوری نے حدیقۃ الاولیاء میں صہ ۱۴ پر اور مسعود حسن شہاب نے "خطہ پاک اُوچ" میں صہ ۳۱۸ پر سنِ وفات ۱۰۰۱ھ لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ آپ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ وفات کے وقت عمر ۵۸ سال تھی اور سن ولادت ۹۵۲ھ تھا اس کے مطابق آپ کا سنِ وفات ۱۰۱۰ھ درست ہے۔

۳۔ "بحر السرائر" صہ ۱۹۸۔

Marfat.com

آپ کا اور سید یحییٰ کا مزار بھی پاک دروازے کے پاس ہے۔ موسیٰ پاک شہید کے چوتھے بیٹے سید جان محمد دہلی چلے گئے تھے۔ ان کا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی اولاد میں سے ان کے بڑے بیٹے اور خلیفہ سید حامد گنج بخش کے فرزند نواب سید موسیٰ پاک دین کو بھی پاکیزگی اور بزرگی کے لحاظ سے مرتبہ بلند حاصل ہوا۔ ان کا شمار بھی گیارہویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا اصل نام ابوالغیاث سید فتح علی تھا۔ اور والدہ محترمہ کا نام امۃ الرزاق فاطمہ — آپ قابل، ذہین دلیر اور بہترین منتظم تھے۔ آپ کی قابلیت اور حسن تدبیر سے متاثر ہو کر شاہجہاں نے ۱۰۶۸ھ میں ملتان کی صوبیداری آپ کے سپرد کی تھی۔ بقول بشیر حسین ناظم

"آپ علم و فضل کا مرقع تھے۔ ان کے عرفان و کمال کے پیش نظر شاہ ہند شاہجہاں نے کئی جاگیریں اور وظائف دے رکھے تھے۔ آپ کے پوتے حضرت سید عبدالرزاق کو بھی منصب نوابی عطا ہوا۔ لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا۔"[۱]

موسیٰ پاک دین نے ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی اور موسیٰ پاک شہید کے روضے ہی میں غربی پہلو کی جانب دفن ہوئے۔

محمد سبطین رضا گیلانی از اولاد حضرت موسیٰ پاک شہید نے تو د اپنے ہاتھ سے بحرالسرائر (قلمی) کے ابتدائی صفحوں پر حضرت موسیٰ پاک شہید کے حالات زندگی اور کارناموں کے بارے میں مختصر طور پر لکھا ہے، اس مضمون میں درج ہے کہ

"شیخ الکل (حضرت موسیٰ پاک شہید مراد ہے) نے ملتان میں سادات حسنیہ قادریہ کی ایک ایسی مسند ارشاد کی بنیاد رکھی جس نے ایک مستقل دینی، ملی اور ادبی انسٹی ٹیوشن کی حیثیت اختیار کرلی۔

جس نے نہ صرف ایک ایسی مذہبی و روحانی درسگاہ کا کام کیا جہاں دینیات خصوصاً علم الحدیث کا اہتمام کیا گیا بلکہ اہل ملتان تو کجا ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں سے آنے والوں کے لئے تہذیب اخلاق اور تعمیر کردار کی تربیت گاہ کا بھی فریضہ سرانجام دیا اور اس انسٹی ٹیوٹ

۱۔ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، صہ ۱۰۷۔

Marfat.com

کے نامور فارغ التحصیل شاگردوں کے قول و عمل سے ہزاروں گم گشتگان کو صراطِ مستقیم نصیب ہوا اور یہ سب اس ادارہ کے ناظم اعلیٰ حضرت شیخ الکل موسیٰ پاک شہید گیلانی کی عظمت و کرامت کا اعجاز تھا۔" (۱)

لیکن کسی تاریخ یا سوانحی کتاب میں سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی کہ واقعی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان میں قیام پذیر رہے اور انہوں نے کوئی مدرسہ قائم کیا یا تربیتی ادارہ بنایا۔ اس لئے اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ملتان میں حضرت موسیٰ پاک شہید کا روحانی سلسلہ ان کی اولاد کی بدولت ابھی تک جاری ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی ایک تصنیف "تیسیر الشاغلین" کے نام سے موجود ہے میرے پاس مطبع صدیقی فیروز پور کا چھپا ہوا نسخہ (۱۳۰۹ھ) موجود ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں چھ چھ فصلیں ہیں۔ ابواب کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ باب اوّل ، اس میں اذکار و ادعیہ صلوٰۃ وغیرہ کا بیان ہے۔
۲۔ باب دوم ، میں نماز ہائی سنن وغیر موقتہ کا ذکر ہے۔
۳۔ باب سوم ، آداب تلاوت قرآن و بیان روش اذکار جہر و شغل باطن و ذکر خفی و ذکر مراقبہ کے بارے میں ہے۔

اس کتاب میں ان باتوں کا بیان ہے جو حضرت موسیٰ پاک شہید کے آباؤ اجداد سے روایتاً چلی آتی تھیں۔ تیسیر الشاغلین تصوف پر ایک قابل قدر کتاب ہے جسے سلسلہ قادریہ کے نصاب کی حیثیت حاصل ہے۔

تیسیر الشاغلین ——— دراصل عبادات اور حصول روحانیت کے طریقوں پر مشتمل ہے اس میں مختلف اوراد اور دعائیں درج کی گئی ہیں۔ ساری باتیں آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی اطاعت کے نسخہ ہائے کیمیا درج ہیں مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے ذکر حق زبان پر ہونا چاہیئے تاکہ تجھ پر لمحہ بہ لمحہ تازہ بہ تازہ رحمتیں نازل ہوتی رہیں ، الفاظ یہ ہیں

۱۔ بحوالہ قلمی مضمون بحر السرائر (قلمی) کے ابتدائی صفحوں میں لکھا ہوا ، از سبطین رضا گیلانی ، ایم۔ اے ، ایل ایل۔ بی ، دربار پیراں پیر صاحب ملتان۔

Marfat.com

"باید کہ در آمد و رفت و برخاست و نشست و ہر طور کہ باشی زبانت بذکر حق تر باشد تا رحمت ہائے تر و تازہ بے اندازہ دم بدم بر تو نثار شود خصوصاً نیم شب و آخر شب و وقت سحر پاسداری کہ ایں وقت محمود است"۔ (۱)

اسی طرح شب بیداری اور عبادت گزاری کا ذکر ایک اور جگہ یوں کیا ہے

"نیم شب و آخر شب کہ برخیزی بذکر ش آوزی کہ ایں وقت محمود است —— باید کہ نیم شب و سحرگاہ باستغفار و دعا و بنالہ باشی کہ اثرے عجیب دارد"۔ (۲)

ایک اور جگہ درج ہے کہ

"عملے کہ بے موافقت دل بود و ریا نزد حق تعالیٰ جلّ و علا قدرے نیست و لبشاغل فائدہ ندہد"۔ (۳)

یعنی وہ عمل جو دل کی رغبت سے نہ کیا جائے خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جب کسی کو عبادت و ریاضت کا زعم ہو جائے تو وہ مغرور ہو جاتا ہے اور دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے حضرت موسیٰ پاک شہید ایسے شخص کو نہج اسلام سے مردود قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں

"......... پندارد کہ مقصد اعلیٰ ازیں کسب ایں ست کہ بفریب شیطان و نمرود او مغرور گردد و بدیگرے بنظر حقارت نگرد۔ نعوذ باللہ"۔ (۴)

آگے چل کر اسے توبہ استغفار کا مشورہ دیتے ہیں۔ اقوال ادب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تحسین اقوال اور تہذیب افعال کا نام ہے پھر افعال کی دو اقسام بتائی ہیں۔ ایک کا تعلق ظاہر

۱۔ تیسیر الشاغلین، مصنفہ حضرت موسیٰ پاک شہید، صہ ۳۔ حسب فرمائش منشی غلام محی الدین خاں قادری مطبع فیروز پور۔ ۱۳۰۹ھ

۲ —— ایضاً —— صہ ۳۸

۳ —— ایضاً —— صہ ۲۶

۴ —— ایضاً —— صہ ۵۵

Marfat.com

کے ساتھ اور دوسرے کا باطن کے ساتھ اور دونوں کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے، فرماتے ہیں

"لفظ ادب عبارت است از تحسین اقوال و تہذیب افعال و افعال دو قسم اند در افعال قلوب و آنرا نیات خوانند، و افعال قوالب و آنرا اعمال خوانند و اخلاق و نیات بباطن تعلق دارد۔ و اقوال و افعال بظاہر نسبت دارد، پس مرد درست آنست کہ ظاہر و باطن و قول و فعل و نیت او بحسن اخلاق آراستہ بود۔ چہ خلقش مطابق قول وی بود و نیتش موافق عمل چنانکہ نماید باشد و چنانکہ باشد نماید۔"[۱]

حضرت موسیٰ پاک شہید نے حفظ آداب کو صحبت کا ثمر بھی قرار دیا اور تخم بھی فرمایا

"حفظ آداب ہم ثمرہ محبت است و ہم تخم محبت۔"[۲]

غرض یہ کتاب اس قسم کی خوب صورت باتوں سے پُر ہے۔ دلچسپ اور پُر لطف لیکن سنجیدہ اسلوب میں لکھی ہوئی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کا انمول خزانہ ہے۔ ان باتوں پر عمل کر کے انسان دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتا ہے۔

۱۔ تیسیر الشاغلین، مصنفہ حضرت موسیٰ پاک شہید، ص ۶۶۔ ۶۷۔

۲۔ ——— ایضاً ——— ص ۶۷۔

Marfat.com

حافظ محمّد جمال ملتانی

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ

" جب حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی[1]) دہلی گئے ہوئے تھے اور ایک دن حضرت مولانا صاحب (مولانا فخرالدین دہلوی) کی مجلس میں حافظ صاحب

۱- اٹھارہویں صدی ہجری میں پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو پھیلانے میں سب سے اہم کردار خواجہ نور محمد مہاروی نے ادا کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد اتنی زیادہ تھی اور ان سب کا اثر اتنا ہمہ گیر تھا کہ یہ سلسلہ دُور دُور تک پھیلتا چلا گیا۔

شاہ نور محمد ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ کو قوم کھرل میں چوٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھوٹے تھے کہ آپ کے والد نے چوٹالہ چھوڑ کر مہار میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ مسعود صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد موضع ڈیراں، موضع بلانہ، ڈیرہ غازی خاں، لاہور اور دہلی میں تحصیل علم کیا۔ انہی دنوں آپ کی ملاقات شاہ فخرالدین دہلوی سے ہوئی جن سے آپ نے قطبی کا درس لینا شروع کیا۔ ۱۶۶۵ھ میں قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر آپ نے شاہ فخرالدین سے بیعت کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مرشد کے ساتھ مہار اور پھر پاک پٹن رہے۔ پھر شاہ فخر جہاں نے آپ کو مہار شریف میں مستقل رہائش کا حکم دیا۔

مہار شریف میں آپ نے خانقاہ قائم کی اور تلقین و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی محفل میں دُور دُور سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے اور فیض پاتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کی تربیت ان کے مزاج کے مطابق کرتے تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ " مریدوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ عجیب و غریب تھا۔ جس طرح حکیم مرض کی تشخیص کرتا ہے۔ درجہ حرارت اور برودت مرض کو سمجھتا ہے اور اس کے ازالے کے لئے گرم یا سرد مزاج کی مناسبت سے دوا تجویز کرتا ہے اسی طرح ذات مبارک ہر شخص کو اس کے مناسب حال اشغال کی تلقین فرماتے۔

(تکملہ سیر الاولیاء (اُردو ترجمہ) از مولوی گل محمد احمد پوری، ص ۱۴۵۔

آپ کے خلفاء اور مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ تقریباً سارے پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ " مناقب المحبوبین " (فارسی) قلمی، ص ۳، پر لکھا ہے، (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

(حافظ محمد جمال ملتانی) کے ساتھ موجود تھے، تو یہ بات چلی کہ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف نہیں چلتا۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ "اے میاں نور محمد! اب تک ملتان کی ولایت حضرت بہاء الدین زکریا کے سپرد تھی۔ مگر اب ملتان ہمارے سپرد ہو گیا ہے۔ لازم ہے کہ اپنے مریدوں سے ایک مرید اس جگہ بھیجیں اور کہیں کہ عین خانقاہ بہاء الدین زکریا ملتانی میں خلق کو بیعت کریں۔ جب حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی) دہلی سے مہار شریف واپس آتے تو حافظ جمال الدین کو خلافت دے کر ملتان کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے مولوی خدا بخش ملتانی کو جو ان کے نامور خلفاء میں سے تھے۔ عین حضرت بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں مرید کیا۔" (۱)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) "حضرت قبلہ عالم را بجز خلفاء مجازین دیگر مریدان کامل و صاحب نسبت ہم بسیار بودند"

آپ نے ۳، ذی الحج ۱۲۰۵ھ میں وفات پائی۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

حیف واویلا جہاں بے نور گشت (۱۲۰۵ھ)

آپ کا مزار تاج سرور میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں حافظ محمد جمال، شاہ سلیمان تونسوی، شیخ نور محمد نارو والہ، میاں غلام حسین بھٹی، مولوی نور محمد بہاولپوری، قاری عزیز اللہ، قاری صبغت اللہ، نواب لطف اللہ خاں، مخدوم نوبہار اوچی، شیخ جمال چشتی فیروز پوری، مولوی تاج محمود ساکن گڑھی حافظ عظمت میرن شاہ قابل ذکر ہیں۔ خواجہ خدا بخش ٹامیوالی بھی اپنے مرشد حافظ محمد جمال کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے رہے۔ نور محمد مہاروی کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) مناقب المحبوبین (فارسی) قلمی (۲) تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) از مولوی گل محمد احمد پوری، صہ ۱۲۱ تا ۱۳۰، مطبوعہ در مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ (۳) مشائخ چشت، صہ ۵۱۲ تا ۵۶۰ (۴) گلشن ابرار (فارسی قلمی) (۵) خلاصۃ الفوائد فارسی قلمی از قاضی محمد عمر حکیم (خواجہ نور محمد مہاروی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جناب اسد نظامی سے حاصل ہوا۔)

۱۔ بحوالہ (۱) مناقب المحبوبین، از حاجی نجم الدین سلیمانی، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، صہ ۱۲۱-۱۲۲، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۹ء (۲) گلشن ابرار فارسی (قلمی) صہ ۳۹۹، پر یہ واقعہ درج ہے۔

Marfat.com

گویا ملتان پر صدیوں سے قائم سہروردی سلسلے کے ساتھ ساتھ پہلی بار حافظ محمد جمال کی بدولت ملتان میں چشتیہ سلسلے کی مقبولیت بھی شروع ہوئی۔ یوں حافظ محمد جمال ملتانی بارہویں صدی ہجری میں ملتان میں سلسلۂ چشتیہ کے باقاعدہ پہلے اہم بزرگ قرار پاتے ہیں۔ انہوں نے ملتان میں رہ کر اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور نہ صرف اپنی علمی اور روحانی قابلیت سے دوسروں کو فیض یاب کیا بلکہ احیائے اسلام کے لئے عملی طور پر بھی جہاد کیا اور ساری زندگی سکھوں کے خلاف صف آراء رہے۔ آپ کے والد کا نام محمد یوسف ولد حافظ عبدالرشید تھا۔ اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا اعوان کاری سے ہجرت کر کے ملتان شہر میں قلعہ کے مشرقی حصے میں آکر سکونت پذیر ہوئے جہاں آج کل حافظ محمد جمال کا روضہ ہے۔ جن دنوں آپ کے والد ملتان ہجرت کر کے آئے اس وقت یہاں پر سلطنت دہلی کی طرف سے میاں ابوالقاسم اور ابوالہاشم حاکم تھے۔ آپ کے والد ان کے معتمد وزیر تھے۔ چونکہ یہ دونوں حضرات بے اولاد تھے اس لئے انہوں نے محمد یوسف کو اپنی جائیداد کا وارث بنایا[1]۔ آپ کے والد کا ذریعہ آمدنی تجارت تھا۔ منشی غلام حسن شہید کے مطابق

" قبلہ گاہ آں حضرت معاش خود بہ تجارت بسر مے برد "۔[2]

۱۔ آپ کے خاندان کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے۔ جو تھوڑی بہت باتیں ملتی ہیں ان کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ (۱) گلزار جمالیہ اُردو ترجمہ " انوار جمالیہ "، از عبدالعزیز پرہاروی مترجم فقیر محمد برخوردار، ص ۵، مطبع اوالعلائے آگرہ، ۱۳۲۵ھ۔ اصل کتاب عربی میں ہے مترجم نے فارسی اور اُردو میں ترجمہ کر کے اصل عربی عبارت کے ساتھ اسے شائع کر دیا ہے۔ (۲) " گلشن ابرار " (فارسی قلمی) از مولانا امام بخش، اُردو ترجمہ بعنوان " حدیقت الاخیار " مترجم صالح محمد تونسوی، مطبوعہ صدیقیہ پریس۔ (۳) نور جمال (سرائیکی) از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۵۔

۲۔ " انوار جمالیہ " فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید بقلم اللہ بخش مرید غلام حسن شہید، (۱۲۴۵ھ میں لکھی گئی) ملکیہ جناب فیض الحسن سجادہ نشین خانقاہ حضرت شہید (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی وساطت سے دستیاب ہوئی۔

Marfat.com

محمد یوسف نے ساری عمر ملتان میں گزاری۔ یہیں ان کے گھر ۱۱۹۰ھ[1] میں حافظ محمد جمال پیدا ہوئے حافظ محمد جمال بچپن سے ہی لائق اور ذہین تھے۔ آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور درسی علوم کتاب دائرۃ الاصول تک مکمل پڑھ لی تھی۔ پھر معقولات و منقولات کی تعلیم لینی شروع کی۔ " انوار جمالیہ" کے مطابق

"چوں ذات جامع الصفات آنحضرت از دولت حفظ کلام مجید بہرہ یاب سعادت گشت بر کسب علوم معقول و منقول کمر جہد محکم بست"[2]

آپ کی ذہانت اور قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے ایک ہم مدرس مولوی محمد حسین نے آپ کو علامۃ العصر[3] کہا۔ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں کہ

"نہایت ہی دقیق اور مشکل مسائل میں از روئے فکر آپ احسن الناس تھے جب ہمیں کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ پیش ہوتا گو وہ کسی علم کا ہو ہم آپ کی طرف رجوع کرتے آپ اس کے حل اشکال میں ایسی واضح اور اچھی تقریر فرماتے کہ جس سے بہتر ناممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہے۔ آپ تحصیل علم کے وقت یعنی طالب علمی میں علم و ذکاوت میں تمام طلباء سے افضل و اکمل سمجھے جاتے۔ ادراک علوم میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ تمام مدارس میں مستثنیٰ خیال کئے جاتے

۱۔ " نور جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، صـ ۱۷، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۹۷۴ء۔ حافظ محمد جمال کی سنہ پیدائش کے متعلق اختلاف ہے۔ "ظہور جمال" مرتبہ مخدوم زادہ محمد سلیم جمالی، صـ ۱۴۔ مطبوعہ جمال لائبریری ملتان میں ۱۱۶۲ھ درج ہے۔ جبکہ عمر کمال خاں نے اپنی کتاب" نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" صـ ۲۸۱ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان میں سنہ پیدائش ۱۱۲۵ھ لکھا ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کا سنِ وفات ۱۲۲۶ھ کے مطابق، جس پر آپ کے تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔ آپ کی عمر ۱۰۱ سال بنتی ہے۔ حافظ صاحب کی اتنی طویل عمر کا ذکر کہیں نہیں ملتا

۲۔ " انوار جمالیہ" قلمی فارسی، صـ ۶۔

۳۔ (۱) گلشن ابرار (ترجمہ) صـ ۱۶۲۔ (۲) مشائخ چشت، از خلیق نظامی، صـ ۶۰۰۔

Marfat.com

مناظرہ و مباحثہ کا یہ حال تھا کہ جو معارضہ میں آتا آخر خاموشی و ندامت حاصل کرتا۔ کتاب دائرۃ الاصحاب تک علم حاصل کیا تھا" (۱)

حافظ محمد جمال نے خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت کی تھی۔ اس بیعت کا سلسلہ حسن بصری تک پہنچتا ہے۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید میں جو سلسلہ درج ہے وہ اس طرح ہے۔

حسن بصری

خواجہ ابوالفضل عبدالواحد ابن زیدؓ

سلطان ابراہیم ادہم

خواجہ سدیدین حذیفۃ المرعشیؓ

خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؓ

خواجہ ممشاد علو دینوریؓ

خواجہ ابواسحاق شامی چشتی

خواجہ قطب الحق والدین حضرت خواجہ عبدالصمد

خواجہ ناصر الحق والدین ابی محمد بن ابی احمد الچشتیؓ

خواجہ ابو یوسف چشتیؓ ۔ مودود چشتیؓ

۱۔ "گلزار جمالیہ" اردو ترجمہ "انوار جمالیہ" مترجم قاضی محمد برخوردار، ص ۷، ۸۔

Marfat.com

حاجی محمد شریف زندانی

حضرت خواجہ عثمان ہارونی

خواجہ معین الدین حسن سنجری رض

حضرت قطب الدین بختیار اوشی کاکی

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر

حضرت خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین دہلوی

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی

خواجہ کمال الدین

خواجہ سراج الحق والدین رض ـــــ خواجہ علم الحق والدین رض ـــــ شیخ راجن رض ـــــ شیخ جمن رض

حضرت شیخ حسن رض ـــــ حضرت شیخ محمد ـــــ حضرت شیخ یحییٰ مدنی رض

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی رض

حضرت خواجہ نظام الحق اورنگ آبادی ـــــ حضرت خواجہ فخر الحق والدین رض

Marfat.com

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح

حضرت خواجہ جمال الحق والدین ملتانی رح

حضرت مولوی خدا بخش ملتانی (۱)

آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت کی خاطر شاہ رکن عالم کے مزار کے پاس رات گزارتے تھے اور ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے۔ ایک رات آپ کو خواب میں خواجہ نور محمد مہاروی کے مزار پر حاضری دینے کا اشارہ ہوا تو آپ مہار شریف خواجہ نور محمد کی خدمت میں تشریف لے گئے اور مولوی محمد حسین کی وساطت سے ان سے ملاقات کی اور ان کے دست حق پر بیعت کر لی۔ (۲)

خواجہ نور محمد مہاروی نے مزید تربیت دینے کے لئے کچھ عرصہ آپ کو ہر جگہ اپنے ساتھ رکھا۔ سفر حضر میں بھی ساتھ لے جاتے۔ جہاں آپ ریاضت اور مجاہدے کے ساتھ ساتھ قبلہ عالم

۱۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، صہ ۳، ۴۔

۲۔ (۱) مناقب المحبوبین (ترجمہ) صہ ۱۳۱۔ (۲) مشائخ چشت از علامہ خلیق نظامی، صہ ۵۹۹۔
(۳) گلشن ابرار (ترجمہ) صہ ۱۶۱، ۱۶۲۔

حافظ محمد جمال جب خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود کو کم علم ظاہر کیا لیکن آپ کے ہم مدرس مولوی محمد حسین نے بتایا کہ آپ بہت پڑھے لکھے اور عالم شخص ہیں۔ یہ سن کر خواجہ نور محمد مہاروی نے پوچھا کہ حافظ صاحب! آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا۔ اس پر حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ فقراء علماء سے نفرت کرتے ہیں اس لئے میں نے اپنا علم ظاہر نہ کیا۔ اس پر خواجہ نور محمد مہاروی نے فرمایا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ ہم تو علماء و فقراء کو چاہنے والے اور ان کی قدر کرنے والے ہیں۔ ("نور جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالحق)
حوالے کے لئے دیکھئے "گلشن ابرار" (ترجمہ) صہ ۱۶۲

Marfat.com

کی دن رات خدمت کرتے جن میں آفتابہ بھرنا اور وضو کرانا بھی شامل ہے[1] ساتھ ہی ساتھ حافظ محمد جمال نے قبلہ عالم کی خانقاہ کے لنگر کا انتظام بھی سنبھال لیا تھا۔

حضرت نور محمد مہاروی وقتاً فوقتاً ان کی قابلیت و اہلیت کا امتحان لیتے رہتے تھے۔ حافظ جمال اللہ ان کی خدمت اور فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ یہاں تک کہ حضرت نور محمد مہاروی کی عنایات ان پر بڑھتی گئیں۔ گلشن ابرار (قلمی) میں لکھا ہے

"...... چوں آنحضرت جمال اللہ بخدمت حضرت قبلہ عالم در سفر و حضر بجان میکوشید آں حضرت قبلہ بنا براعطار نعمت باطنی ——— امتحان قابلیت واہلیت ایں معنی نمود ہر گاہ بفضلہ تعالیٰ در لیاقت تام و کامل عیارے دید با عطار نعمت سرفراز فرمود"[2]

کچھ عرصہ اسی طرح آپ قبلہ نور محمد مہاروی کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو رشد وہدایت کی خاطر ملتان واپس جانے کا حکم دیا۔ ملتان جاکر آپ نے بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں بیٹھ کر سب سے پہلے مولوی خدا بخش کو مرید کیا۔ مجاہدے اور ریاضت کی بدولت روحانیت کو ترقی دی، خلقت جوق در جوق ان کی خدمت میں آنے لگی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء ان کے آستانے پر حاضری دینے لگے۔ گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں لکھا ہے،

"بمجاہدات شاقہ وریاضیات حاقہ قالب عنصری رامیفر سود ولطافت روحانی مے افزود تا آنکہ کار بجائے رسید کہ عالمی بدامن فیض میامن آنجناب اعتصام گزید وخلقی درسایہ رحمتش بیارامید......... علمائے کبار کہ غلغلہ کوس علو درجت ایشاں بہ سامعے زمین و زمان رسیدہ بود در حضرتش کسب علوم ظاہر و باطن

۱۔ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) میں لکھا ہے کہ ..... "مدت تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں لوٹا اٹھانے اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے رہے"۔ (صہ ۱۳۱)

۲۔ بحوالہ "گلشن ابرار، صہ ۲۲۹۔ خواجہ نور محمد مہاروی نے حافظ جمال کے صبر اور حوصلے کا امتحان کئی جگہ لیا۔ لیکن آپ ہر آزمائش میں پورے اترے۔ صبر اور حوصلے کے امتحان کے کئی واقعات گلشن ابرار (قلمی) میں صفحہ ۲۲۸ تا ۲۲۳ میں درج ہے۔

Marfat.com

نمود ندے۔(۱)

ملتان میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کر کے خود ہی وہاں قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس مدرسے کا شمار ملتان کے اچھے مدرسوں میں ہوتا ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"بندہ دو سال تک ملتان میں کسب علم کرتا رہا ہے اور آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوا ہے۔"(۲)

آپ لوگوں کو قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارک کے متعلق تفصیل سے بتایا کرتے تھے آپ علم و ذکاوت میں برتر تھے۔ دقیق اور مشکل مسائل کو بیان کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی محفلوں میں علم و فلسفے کے باریک سے باریک مسائل پر بحث ہوتی اور آپ بڑی تفصیل وضاحت اور روانی کے ساتھ آسان لفظوں میں ان کے جواب دیتے۔ بحث و مباحثے اور مناظرے میں بھی آپ کسی سے کم نہ تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود خاص طور پر آپ کا موضوع تھا۔ "انوار جمالیہ" میں لکھا ہے کہ

"حافظ ممدوح مسئلہ وحدت الوجود میں اجل العلماء تھے۔ آپ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ عبدالرحمٰن جامی قدس سرہما کی کتابوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ نیز نفحات الانس، مثنوی شریف، لوائح جامی، اشعۃ اللمعات، الفقرات اور فصوص الحکم طیب خاطر تھیں۔ فصوص الحکم کا فص محمدی تو خصوصی طور پر پسند تھا یہاں تک کہ فص محمدی کو اگر کوئی آپ کے سامنے پڑھتا تو آپ وجد میں آکر جھومتے اور دونوں لبوں کو ازراہ تلذذ چوستے۔ جب اپنے کسی مرید کو مذکورہ بالا کتب میں سے کسی ایک کتاب سے مسئلہ وحدت الوجود کا درس دیتے تو ایسے مسائل بیان فرماتے کہ عقول و افکار حیران و ششدر رہ جاتے۔ مجھے اپنی عمر

۱۔ "گلشن بہار" فارسی قلمی، ص ۲۳۴۔

۲۔ بحوالہ "تکملہ سیر الاولیاء" از خواجہ گل محمد احمد پوری مترجم مسعود حسن شہاب، ص ۱۵۲ مکتبہ الہام، بہاولپور۔

Marfat.com

کی قسم کہ آپ علم کا بحر ذخار تھے۔ اور ایک ادنیٰ سے لفظ سے بھی علوم و معانی کی کئی اقسام استنباط فرماتے۔"(۱)

مناقب المحبوبین کے مطابق

• حافظ صاحب اپنے زمانہ میں مسئلہ وحدت الوجود میں بزرگ ترین عالم تھے حضرت مولانا جامی اور محی الدین ابن عربی کی تصانیف کو دوست رکھتے تھے"(۲)

وحدت الوجود پر مشتمل تصانیف کا درس دیتے وقت آپ جس طرح گفتگو فرماتے اس سے آپ کے تبحر علمی کا اظہار ہوتا۔ آپ کے طریق درس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ تفصیل، وضاحت اور تمثیل کے ذریعے مشکل چیزیں سمجھایا کرتے تھے"(۳) حافظ جمال کے قائم کردہ مدرسے میں آپ کے مرید بھی شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے جس سے آپ کے مدرسے کی شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ دُور دور سے بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے در پر حاضری دینے لگے۔ آپ کی قابلیت کا شہرہ اس درجہ بلند تھا۔

"کہ ملک کے بڑے بڑے عالم، اور فاضل بھی جن کی شہرت کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے ظاہری اور باطنی علوم کے درس حاصل کرنے میں زانوئے ادب طے کرتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے صوفی اور متقی آکر چشمہ فیض سے سیراب ہوتے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق ظرف پر کرتے تھے"(۴)

"گلشن ابرار" ہی میں آگے چل کر لکھا ہے

"ہر مذہب و ملت کے برگزیدہ انسان آپ کے آستان فیض نشان کی طرف

۱۔ "انوار جمالیہ" از شیخ عبدالعزیز پرہاروی مترجم محمد اعظم سعیدی، صہ ۲۷، ۲۸ سرائیکی اردو رائٹرز گلڈ آف پاکستان، کراچی۔

۲۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" صہ ۱۳۲۔

۳۔ "انوار جمالیہ" از عبدالعزیز پرہاروی، صہ ۹۔

۴۔ "گلشن ابرار" (ترجمہ) از خواجہ امام بخش، صہ ۱۹۶ (گلشن ابرار فارسی (قلمی) صہ ۱۰۱)۔

Marfat.com

رجوع فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کی مجلس علماء، صلحاء، امراء کے لئے آفتاب جہاں تاب کی طرح یکساں نور افروز تھی۔ فقر اور تصوف کے علاوہ ان کی مجلس میں شعر و سخن فصاحت اور بلاغت کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔"(۱)

حافظ محمد جمال نہ صرف درس دیتے تھے بلکہ آپ نے اپنے مریدوں کو جہاد کے لئے عملی تربیت بھی دی۔ کیفی جام پوری لکھتے ہیں

"کہ آپ کی درس گاہ میں علم و فن کی تدریس کے ساتھ ساتھ فن سپاہ گری بھی دی جاتی تھی۔ آپ علمی و نظری طور پر اس کے قائل تھے کہ

ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

چنانچہ اس درس گاہ سے ہزاروں نمازیان اسلام جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر جگہ جگہ پھیل گئے۔" (۲)

آپ خود بھی فن تیر اندازی میں ماہر تھے اور یہی فن آپ نے اپنے مریدوں کو بھی سکھایا اگرچہ سلسلہ چشت کے مشائخ کے ہاں عملی جہاد کی تلقین یا ترغیب نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کا مقصد صرف عوام کی ذہنی و اخلاقی تربیت کرنا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ معاشرے کو سنوارا جائے۔ اس مقصد کے لئے عملی جہاد اور لوگوں کے کردار کو سنوارنا ان کے پیش نظر تھا خود خواجہ سلیمان جو کہ آپ کے مرشد نور محمد مہاروی کے خلیفہ تھے۔ اس بات کے قائل تھے کہ ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ حاکم کون ہے یا جو حکومت ہم سے چھن گئی ہے اس کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے بلکہ وہ اپنے مریدوں کو حکومت اور سرکاری معاملات سے لاتعلقی اختیار کرنے کا درس دیتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم پر کافر حکمران مسلط کئے گئے ہیں تو یہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہیں کیونکہ ہم اسلامی شعائر سے دور ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ انہیں برا بھلا کہنے کی بجائے سب سے پہلے اپنے کردار، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کریں (۳)۔ جبکہ ان کے برعکس حافظ محمد جمال لوگوں کا اخلاق سنوارنے،

۱۔ گلشن ابرار (ترجمہ) از خواجہ امام بخش، صہ ۱۶۸ (گلشن ابرار فارسی (قلمی) صہ ۲۰۲)

۲۔ بحوالہ "سرائیکی شاعری" از کیفی جام پوری، صہ ۲۵۵ - ۲۵۶۔

۳۔ اس سلسلے میں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "نافع السالکین" صہ ۳۴ تا ۴۰۔

Marfat.com

انہیں درس دینے کے ساتھ ساتھ فن تیر اندازی بھی سکھاتے تھے تاکہ وقت پڑنے پردہ اپنے علاقے کی حفاظت کر سکیں۔ ارضِ ملتان کے مطابق

"آپ کے ہاں تیغ و قلم ایک سائے میں تربیت پاتے تھے۔ علم و فراست کے باوجود شمشیر و سپر سے بیگانہ نہ تھے۔ تیر اندازی میں ماہر تھے۔ نہ صرف وقتِ ضرورت کام آتے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے۔" (۱)

حافظ محمد جمال کے زمانے میں پنجاب سکھوں کے زیر تسلط تھا۔ پورے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور پنجاب سکھوں کے ہاتھوں میں تھا۔ انگریز مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے درپردہ سکھوں کی امداد کر رہے تھے۔ ملتان میں اس وقت نواب مظفر خاں کی حکومت تھی۔ رنجیت سنگھ نے طاقت حاصل کر کے غارت گری، لوٹ مار کے ذریعے پورے پنجاب میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ ملتان جیسا زرخیز علاقہ بھی اس کی نظر میں تھا۔ چنانچہ اس نے کئی مرتبہ ملتان پر حملہ کیا۔ کبھی تو وہ لوٹ مار کر کے واپس چلا جاتا اور کبھی بھاری تاوان لے کر ٹل جاتا تھا (۲)۔ حافظ جمال کے زمانے میں مسلمان سکھوں کے ہاتھوں مصائب کا شکار تھے۔ بار بار کی لوٹ مار، قتل و غارت گری سے وہ لوگ کافی پریشان تھے۔ ایسے موقع پر حافظ جمال نے صرف درس و تدریس پر اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں عملی جہاد کے لئے بھی تیار کیا۔ آپ انہیں فن تیر اندازی کی تربیت بھی دیتے تھے بلکہ بوقت ضرورت خود بھی تیر کمان لے کر میدان جنگ میں اتر آتے۔ مناقب المحبوبین میں ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جب آپ خود بھی میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ ایک موقع پر جب آپ کو سکھوں کے حملے کی اطلاع ملی تو آپ تیر کمان لے کر میدان میں آگئے۔ لکھا ہے کہ

۱۔ بحوالہ "ارضِ ملتان" از شیخ اکرام الحق، صہ ۲۳۹، مطبوعہ الاکرام، ملتان۔

۲۔ ملتان پر رنجیت سنگھ کے حملوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) "تاریخ پنجاب" از سید محمد لطیف صہ ۴۰۷ تا ۴۱۰، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۲ء (۲) "تاریخ پنجاب" از کنہیا لعل صہ ۱۵۹ تا ۴۵۸، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور (۳) "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" از عمر کمال خاں، صہ ۱۳۶ تا ۲۳۳، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان۔

Marfat.com

"حضرت حافظ صاحب در قلعہ تیر و کمان گرفتہ موجود می بودند........ می گویند کہ دراں وقت جنگ حافظ صاحب مرحوم در برج قلعہ ملتان تیر و کمان بدست خود گرفتہ تیر بر کافراں می انداختند"۔ (۱)

غرض آپ کے زمانے میں سکھوں نے بار بار اسلحے سے لیس ہو کر ملتان پر حملے کئے۔ لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ ایک مرتبہ تو لوگوں نے سکھ حملے سے گھبرا کر ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ

"........ آواز جنگ بکفار عام است واکنوں جنگ بائیان فرض عین کرد پس الحال بیروں نمی رویم کہ ما دو درجہ است یکے درجہ غزا، دوم شہادت"۔ (۲)

انوار جمالیہ کے مطابق

"حضرت حافظ جمال اللہ کا شمار بہادر ترین لوگوں میں تھا۔ ایک رات خطرناک ہنگامہ کی طرف آپ کو بلایا گیا تو آپ تلوار ہاتھ میں پکڑے قوم کے نوجوانوں سے بھی آگے نکل گئے ——— اسی شب قلعہ کا برج کفار بدکردار کی نقب کی وجہ سے گر پڑا تو وہ ملعون کفار اژدہام کی شکل میں قلعہ میں داخل ہو گئے۔ لوگ شدید خوف زدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ بہادری اور دلیری کے دعویدار بھی تھر تھر کانپنے لگے۔ مگر جیسے ہی آپ نے سنا تو دوڑ کر گرے ہوئے برج کی جگہ پر جا پہنچے۔ حالانکہ آپ کے سوا وہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچا تھا۔ یعنی آپ تن تنہا تھے"۔ (۳)

حافظ جمال کی زندگی میں ملتان پر سکھوں کے حملے ناکام ہوتے رہے۔ ایک دفعہ یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملتان کفار کے ہاتھوں مسخر ہو گیا ہے۔ یہ بات حضرت قاضی محمد عاقل تک احمد پور میں پہنچی۔ کیونکہ وہاں کے رئیس الملک محمد صادق خان عباسی نے انہیں اپنے پاس

۱۔ مناقب المحبوبین (فارسی) از حاجی نجم الدین، صـ ۱۲۴، مطبع محمد حسن رام پور۔

۲۔ ——— ایضاً ———، صـ ۱۲۴، مطبع محمدی لاہور

۳۔ "انوار جمالیہ" از عبد العزیز پرہاروی، مترجم محمد اعظم سعیدی، صـ ۴۲۔

Marfat.com

پشت پناہی کے لئے بلا بھیجا تھا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ

"کفار ظفریاب شدہ اند"

تو آپ نے فوراً کہا

"دروغ ست"

پھر فرمایا

"تحقیق گردانند کہ آیا حضرت حافظ جمال درعین حیات ہستند یا نے، عرض نمود کہ درحیات مستند، خود بدولت فرمود تا آنکہ آنجناب درعین حیات مے باشند ہرگز قلعہ ملتان مسخر کفار نخواہد شد القصہ بعد ساعتی دیگر عریضہ اش دررسید کہ ملتان تسخیر کفار نگردید کہ اہل اسلام ظفریاب شدند و کفار رد بفرار نہار" (۱)

گویا حافظ صاحب کی موجودگی مسلمانوں کے لئے باعث نصرت و ظفریابی تھی۔ البتہ حافظ صاحب کی وفات کے بعد ملتان سکھوں کے قبضے میں آگیا (۲) — یہ حقیقت ہے کہ آپ کی شجاعت اور بہادری ہی تھی جس سے لوگ حوصلہ نہیں ہارتے تھے اور اسی دلیری کا درس آپ لوگوں کو بھی دیتے تھے۔ خلیق نظامی کے مطابق

"ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں کے مضمحل اعضاء میں نئی روح پھونک دی تھی۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ انہوں نے انتہائی مردانگی اور عالی ہمتی سے کیا۔ جب حالات بہت خراب ہو گئے تو خود میدان جنگ میں اتر آئے۔" (۳)

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "گلشن ابرار" فارسی (قلمی) صہ ۲۵۹ تا ۲۶۱۔

۲۔ خاتم سلیمانی، صہ ۹۹ پہ لکھا ہے کہ "نواب مظفر والی ملتان کے عہد نوابی میں ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کئی مرتبہ ملتان پر حملہ کیا مگر چونکہ حافظ جمال الدین صاحب قلعہ میں موجود تھے۔ اس واسطے ان کی برکت سے سکھوں کا قبضہ نہ ہو سکا مگر ان کی وفات کے بعد بہت جلد سکھوں نے ملتان تسخیر کیا۔

۳۔ "تاریخ مشائخ چشت" از علامہ خلیق نظامی، صہ ۶۰۳۔

Marfat.com

حافظ صاحب صرف بہترین عالم، استاد اور مجاہد ہی نہ تھے بلکہ بحیثیت انسان بھی آپ دلجوئی کرنے والے ایسے شخص تھے کہ جن کا اخلاق دوسروں کے لئے مثال تھا۔ "مناقب فخریہ" میں لکھا ہے کہ

"......... حافظ محمد جمال ملتانی علیٰ ہذالقیاس کمال باطن و تہذیب اخلاق و بکمالات آراستہ" (۱)

اچھے اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ ایک صوفی بزرگ کے لئے جو چیز اہم ہے وہ اس کی گفتگو کا انداز ہے۔ حافظ جمال حسن و اخلاق کے ساتھ ساتھ شیریں گفتار بھی تھے اور عالمانہ سطح پر گفتگو کرتے اور ہر شخص کے مزاج کے مطابق اس سے بات کرتے اور کبھی کبھی حاضرین کی خوشی کی خاطر ظرافت اور خوش طبعی کا انداز بھی اختیار کر لیتے تھے لیکن اس میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں کہ

"آپ شیریں گفتار تھے۔ آپ مختصر اور ایسی نافع کلام کرتے جو حکمت اور معرفت کے چشموں پر مشتمل ہوتی۔ آپ مخاطب کے مزاج و مذاق کے موافق کلام فرماتے" (۲)

آپ اپنی گفتار اور عمل میں شریعت کا خاص خیال رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے ایک مرتبہ اپنے خلیفہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی، جی ہاں۔ مگر ایک تو وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور دوسرے ہماری برادری کے کچھ سربرآوردہ لوگ مخالفت کر رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا

"کہ ہر دو غلط است زیرا کہ نکاح سادات با غیر سادات در شرع جائز است تو گفتہ جاہلاں راچہ اعتبار می کنی" (۳)

حافظ صاحب اکثر لوگوں کو تصوف و سلوک کی باتیں بتاتے رہتے تھے۔ آپ کے چند ارشادات

۱۔ "مناقب فخریہ" فارسی (قلمی) بہ حالات حضرت خواجہ فخرالدین دہلوی، صہ ۴۶۔ (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

۲۔ بحوالہ "گلزار جمالیہ" مترجم قاضی محمد برخوردار ملتانی، صہ ۱۹۔

۳۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (فارسی) صہ ۱۲۷۔

Marfat.com

یہ ہیں۔

فرمایا کہ درویشی کیا ہے؟ اس سے نہ کسی کے کف پا کو درد ہو اور نہ پشت پا کو گرد لگے۔ پھر یہ کہ درویشی عجز وخاکساری میں استواری کا اور تحلیل ومٹ جانے میں کمال حاصل کرنے کا نام ہے۔ ان کے مطابق اصول سلوک چار چیزوں سے عبارت ہے۔ قلتِ طعام، قلت منام، قلت کلام، قلتِ صحبت مع الانام۔

اسی طرح فرمایا عرفان حق کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرنا اور باطن کو رجحانات ذمیمہ سے پاک کرنا، خواہشات نفس کو ریاضت یا خاموشی کے ذریعے کم کرنا۔

اسی طرح ارشاد ہے کہ طبیب کا ایمان ضعیف ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مریض کی شفا اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس سے مغتر ہوتا ہے۔ اگر اس وہم سے سلامت رہے تو پھر مشکور ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں بہت اچھا شغل، ندا وصدا کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی امر وجود میں ظہور پذیر ہو فرمایا کہ حدیث صحیح مرفوع میں آیا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت بایں اخلاص ونورانیت کرے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے کہ تو اسے دیکھے تو یہ اعتقاد تو ہو کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔[1]

حافظ جمال کے بہت سے ملفوظات ملتے ہیں جن میں سے یہ مجموعے زیادہ مشہور ہیں "انوار جمالیہ" کے نام سے حافظ جمال کے بارے میں دو کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں ایک آپ کے خلیفہ منشی غلام حسن شہید نے آپ کی حیات اور ملفوظات پر فارسی میں تحریر کی۔ یہ قلمی ہے جو آپ کے سجادہ نشین جناب فیض الحسن کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ اور ۱۲۴۵ھ میں غلام حسن شہید نے اپنے مرید اللہ بخش کاتب سے اسے لکھوایا تھا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے،

۱۔ آپ کے ارشادات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (۱) تکملہ سیر الاولیاء از خواجہ گل محمد احمد پوری، صہ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ (۲) انوار جمالیہ از عبدالعزیز پرہاروی اردو ترجمہ "گلزار جمالیہ" صہ ۲۵ تا ۳۰۔ (۳) ارض ملتان از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۴۰۔

Marfat.com

مقدمہ در نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و ذکر اسمائے متبرکہ خواجگان سلسلہ علیہ چشتیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و بیان بعضے القاب مخصوصۂ ایشاں

باب اول ــــــ مشتملیہ مناقب خدام حضرت خواجہ محبوب اللہ کی خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ جمال الحق والدین است رضی اللہ تعالیٰ عنہما و خاتمہ الکتاب متضمن است بر ذکر اولاد و امجاد حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ، و ذکر خلفاء با صفار ایشاں و بر اکثرے از اسرار توحید و فوائد سلوک و اشعار و عبارات نثر و دیگر فوائد کہ ارباب سلوک را بکار آید و اصحاب ارادت را قوت باطن افزاید۔

حافظ محمد جمال کی حیات پر عبدالعزیز پرہاروی نے بھی " انوار جمالیہ " کے نام سے ایک کتاب عربی میں لکھی[1] ــــــ اس کتاب کے دو ترجمے ملتے ہیں۔ ایک فقیر محمد برخوردار نے " گلزار جمالیہ " کے نام سے اُردو اور فارسی میں ترجمہ کیا۔ اور اس کی ترتیب یوں رکھی ہے کہ ہر صفحے پر تین کالم بنائے ہیں۔ پہلے کالم میں اُردو ترجمہ دیا ہے۔ دوسرے میں فارسی ترجمہ درج کیا ہے۔ اور تیسرے کالم میں " انوار جمالیہ " کا اصل متن (عربی) دیا ہے۔ یہ کتاب مطبع ابو العلائے آگرہ سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی۔ اسی طرح علامہ محمد اعظم سعیدی نے انوار جمالیہ (عربی) کو سرائیکی اور اُردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کتاب کا نام " انوار جمالیہ " ہے۔ اس میں پہلے سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے، پھر اُردو اور پھر دو کالم بنا کر ایک میں اُردو ترجمہ اور دوسرے میں عربی متن دیا ہے۔ یہ کتابچہ سرائیکی رائٹرز گلڈ کراچی نے پہلی بار ستمبر ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ــــــ ان کے علاوہ آپ کے ملفوظات کے یہ دو مجموعے ہیں۔

(۱) فضائل رضیہ از مولوی عبدالعزیز پرہاروی۔

(۲) " اسرار الکمالیہ " ــــــ یہ مخدوم سید زاہد شاہ (المتوفی ۱۲۴۵ھ) کی تصنیف ہے۔ مخدوم زاہد شاہ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ کتاب حضرت جمال اللہ

۱۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب جناب عبدالعزیز پرہاروی نے حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کی وفات کے تین روز بعد لکھنا شروع کر دی تھی۔

(حوالے کے لئے دیکھیے " گلزار جمالیہ " صد ا۔

Marfat.com

ملتانی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جو ۴۶ صفحوں پر مشتمل ہے دو باب ہیں۔ باب اوّل میں سب سے پہلے وضو اور طہارت کے بارے میں ہدایات درج ہیں۔ پھر حضرت جمال اللہ ملتانی کے اقوال و احوال کا بیان ہے۔ یہ سب کچھ صہ 1 سے صہ ۲۰ تک ہے۔

باب دوم میں توحید کی تشریح کی گئی ہے جو صہ ۲۰ سے شروع ہو کر صہ ۴۶ تک جاتی ہے۔ یہ نایاب مخطوطہ پیر محمد اجمل چشتی ساکن چشتیاں کی ملکیت ہے جس کی فوٹوسٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی سے مجھے دستیاب ہوئی ہے۔

حافظ محمد جمال کے شعری سرمائے میں سے ایک نظم " سی حرفی " (سرائیکی) دستیاب ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کے پاس تھا۔ اوراق بہت بوسیدہ تھے۔ محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔ لہٰذا اس کا فوٹوسٹیٹ نسخہ تیار کر لیا گیا۔ اس کو کسی زمانے میں آگرہ کے ایک چھاپہ خانے سے شائع کیا گیا تھا۔ لیکن غلط کتابت اور ناقص طباعت کی وجہ سے ناقابلِ فہم ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ سیٹھ عبدالرحمٰن (بہاولپور) کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔[1]

مزار کے دروازے پر لکھے ہوئے عربی و فارسی کے یہ اشعار ان کے اپنے ہیں۔

(۱) حافظ بہ کنج میکدہ وارد قرار گاہ
کالطیر فی الطریقہ واللیث فی الملاہ

(۲) ایں جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم[2]

کیفی جام پوری نے بھی یہ تین اشعار آپ سے منسوب کئے ہیں۔

ماڑ نہ کر سہاگ داتے بہہ نہ بانھہ در گھیر
چوڑے والی کئی جنٹی بانہوں بٹیاں سے ڈھیر
اتھاں پانہ کیتا ای اتھاں منگسن سیر

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " نور جمال " از ڈاکٹر مہر عبدالحق، صہ ۴۲

۲۔ " نور جمال " از ڈاکٹر مہر عبدالحق صہ ۱۴۱ - ۴۲ -

Marfat.com

آدن نہ ڈیسن پکڑے کتن نہ ڈیسن پھیر

بھنیں بھنیں میں پتڑاں جاداں میرے پلے نہیں مزوری
نام خدا دے پار پچاؤ میں ونجنے ڈھوک ضروری (۱)

حافظ محمد جمال کو محفل سماع بھی بہت پسند تھی اور اکثر شوقیہ سماعت فرماتے تھے۔ گلشن ابرار کے مطابق

"آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور شوقیہ سنا کرتے تھے۔ مولانا جامی کی غزلیں زیادہ مرغوب تھیں۔" (۲)

حافظ محمد جمال کا انتقال تپ صفراوی کی وجہ سے ۵۔ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء (۳) کو ہوا۔ آپ کے مریدوں میں ایک میاں عبداللہ بزدار بھی تھے جب اسے حضرت کے وصال کی خبر ملی تو بے حد افسردہ ہوا اور فوراً حضرت سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس قدر رویا کہ بات بھی نہ کر سکا۔ حضرت سلیمان نے اسے تسلی دی اور فرمایا

"ای عبداللہ چندیں گریہ مکن کہ دین مردان خدا ہرگز نمیرند" (۴)
(اے عبداللہ اس قدر نہ رو کیونکہ ایسے مردان خدا ہرگز نہیں مرتے۔)

آپ کے خلیفہ منشی غلام حسن شہید نے تاریخ وصال ان الفاظ میں لکھی ہے۔

ان المتقین فی جنات
۱۲۲۶ھ

آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی۔

آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کی پہلی شادی

۱۔ بحوالہ سرائیکی شاعری از کیفی جام پوری، صـ ۲۵۷۔

۲۔ بحوالہ "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ)، صـ ۱۸۳

۳۔ آپ کی تاریخ وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ کے تمام سوانح نگار اسی تاریخ وصال پر متفق ہیں

۴۔ بحوالہ "المنتخب ملفوظ شریف حضرت سلیمان تونسوی" مرتبہ یار محمد (فارسی قلمی) صـ ۴۶۱ - ۴۶۲۔

Marfat.com

موضع لانگ کے بزرگ میاں محمد موسیٰ المعروف میاں پہلوان صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی لیکن ان سے اولاد نرینہ نہ ہوئی۔ آپ کے خلیفہ مولوی محمد خدا بخش نے آپ کی دوسری شادی کروائی جن سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں لیکن کچھ عرصے کے بعد دوسری بیوی اور اس کی اولاد فوت ہو گئے۔ آپ نے اپنے برادر نسبتی مخدوم میاں مہر علی کو اپنا بیٹا اور جانشین مقرر فرمایا۔ وہی آپ کے پہلے سجادہ نشین بنے اور مولانا خدا بخش صاحب آپ کی راہنمائی کرتے تھے۔

حضرت حافظ محمد جمال کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں پانچ خلفاء کا ذکر ہے، لکھا ہے

"خلیفہ اوّل مولانا حضرت محمد خدا بخش ملتانی ثم خیرپوری نور اللہ مرقدہٗ کہ خلیفہ مطلق وسجادہ نشین برحق آنجناب است .... خلیفہ دوم .... مولوی عبدالرزاق .... کہ درحین حیات آنحضرت مظہر جمال اللہ از دار الفنا رفت اقامت بدار البقا گشید .... خلیفہ سوم .... مولوی حامد ..... خلیفہ چہارم .... سید زاہد شاہ .... خلیفہ پنجم .... سید بلند شاہ" (۱)

کچھ ایسے خلفاء ہیں جنہیں بیعت تو حضرت نور محمد مہاروی سے تھی۔ لیکن خرقۂ خلافت اور اجازت حضرت حافظ جمال سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح بعض وہ ہیں کہ جنہیں بیعت تو حضرت حافظ جمال سے تھی لیکن انہیں اجازت حضرت خواجہ خدا بخش سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ گلشن ابرار فارسی (قلمی) کے مطابق

"خلفائے دیگر آنحضرت بسیار اند مگر بعضی کسانند کہ بیعت بخدمت حضرت قبلہ عالم (حضرت نور محمد مہاروی) میداشتند وخرقۂ خلافت واجازت از آنجناب یافتہ بودند و بعضی کسانند کہ شرف بیعت آنجناب مشرف گشتند

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے گلشن ابرار فارسی (قلمی) ص ۲۶۸ تا ۲۷۱، مصنفہ مولانا امام بخش (المتوفی ۱۳۰۰ھ) اس کتاب کا اصل نسخہ حضرت حافظ کریم بخش مہاروی ساکن مہار شریف از مضافات چشتیاں موجود ہے۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی سے حاصل ہوئی۔

Marfat.com

واجازت از حضرت محبوب اللہ مولانا محمد خدا بخش وصول کردہ اند "(۱)

ایسے لوگوں میں مولوی عبیداللہ ملتانی، منشی غلام حسن شہید، قاضی محمد عیسیٰ خان پوری نزد شجاع آباد، صاحبزادہ غلام فرید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حافظ محمد جمال کا مقبرہ بیرون دولت دروازہ عام خاص باغ کے مشرق کی طرف ہے وہاں قلعہ نما فصیل کے اندر ۲۷ فٹ مربع کا مقبرہ ہے جو تقریباً سوا سو سال پہلے کا بنا ہوا ہے لیکن وقتاً فوقتاً اس کی مرمت اور اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ سنگ مرمر اور سنگ موسی کا فرش ہے اور شمالی وجنوبی دروازے بھی سنگ مرمر کے ہیں۔ چھتوں پر نقش ونگار بنے ہوتے ہیں۔ ایک طرف مجلس خانہ ہے جس کی چھت منقش ہے۔ مقبرے کی تعمیر کے بارے میں ایک روایت شیخ محمد اکرام نے درج کی ہے

"کہ تعمیر کے وقت ایک کونے کی ڈاٹ صحیح نہیں آتی تھی، معمار اس کی بجائے لکڑی کے مضبوط ٹکڑے پر جس کو معماری اصطلاح میں " چھتن" کہا جاتا ہے دیوار اٹھانا چاہتے تھے۔ آپ کے مرید اور خلیفہ اوّل خواجہ خدا بخش خیرپوری کو جو مقبرہ بنوا رہے تھے، خبر ہوئی تو باوجود ضعف پیری کے خود آئے اور کہا بابا میرے پیر کے مکان کو عیب نہ لگاؤ، مشکل سے ڈاٹ پر چڑھ بیٹھے اور کہا،

از زمین خشک رویاند گیاہ　　　　آسماں را بے ستوں دارد نگاہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو خشک زمین سے سبزہ اگانے کی قدرت ہے اور آسمان کو بغیر ستون کے سنبھالے ہوتے ہے۔

پھر اپنے ہاتھ سے محرابی اینٹ لگائی جو صحیح بیٹھ گئی اور ڈاٹ مکمل ہوگئی۔"(۲)

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے گلشن ابرار فارسی (قلمی) صہ ۲۶۸ تا ۲۷۱ مصنفہ مولانا امام بخش (المتوفی ۱۳۰۰ھ) اس کتاب کا اصل نسخہ حضرت حافظ کریم بخش مہاروی، ساکن مہار شریف، از مضافات چشتیاں موجود ہے۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی سے حاصل ہوئی۔

۲۔ بحوالہ "ارض ملتان" صہ ۱۴۲۔

Marfat.com

حافظ محمد جمال — بحیثیت شاعر

اگرچہ حافظ محمد جمال ملتانی کے تمام ملفوظات فارسی زبان میں محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بلند مرتبہ خلیفہ اور شاگرد حضرت غلام حسن شہید نے بھی، جو سرائیکی اور اُردو زبان کے شاعر تھے۔ ان کی تعلیمات اور صفات کے بیان کے لئے "انوار جمالیہ" فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ان کی مادری زبان سرائیکی تھی اور وہ اُردو زبان سے بھی پوری طرح واقف تھے چنانچہ ان کے ادبی اور شعری سرمائے میں جہاں عربی اور فارسی کے کچھ اشعار شامل ہیں وہاں سرائیکی زبان میں کہی ہوئی "سی حرفی" بھی پائی جاتی ہے۔ حضرت حافظ جمال کا فارسی، عربی اور سرائیکی کلام ایک قلمی دیوان کی صورت میں موجود تھا اور یہ حضرت مولانا عبدالرشید طالوت نسیم کی تحویل میں تھا۔ لیکن ان کی اچانک وفات کے بعد ان کے لواحقین نے جہاں ان کے سرمایۂ کتب کو ضائع کر دیا۔ وہاں یہ دیوان بھی باقی نہ رہا[1] — قیاس کہتا ہے کہ اس قلمی دیوان میں اُردو کی کچھ چیزیں بھی یقیناً شامل ہوں گی کیونکہ "سی حرفی" میں اُردو الفاظ و تراکیب کا بکثرت اور بے دریغ استعمال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت حافظ جمال اُردو زبان کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یوں بھی انہوں نے حضرت فخر الدین دہلوی اور نور محمد مہاروی کی محفلیں اور صحبتیں دیکھی تھیں اس لئے وہ اُردو زبان و ادب سے نابلد کیسے رہ سکتے تھے۔ تاہم اُردو زبان کی ایسی کوئی چیز دستیاب نہیں ہو سکی جس سے ان کی اُردو شعر گوئی یا زبان دانی کا ثبوت مل سکتا۔

حضرت حافظ جمال کی سرائیکی "سی حرفی" کو جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق نے "نور جمال" کے عنوان سے ایک کتابچے میں درج کیا ہے۔ یہ نظم ۲۹ بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ ہر بند کے چوتھے مصرعے میں حافظ صاحب اپنا تخلص "جمال" باندھتے ہیں۔ اس نظم میں جو بحر استعمال کی گئی ہے وہ سرائیکی زبان کے ڈوہڑے کی مشہور بحر متدارک ہے جو فعلن فعلن کے سات بار تکرار سے

۱۔ بحوالہ "نور جمال" (سرائیکی)، از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۴۲ - ۴۳۔

Marfat.com

وجود میں آتی ہے"(۱) ـــــــ اس نظم کی ایک فنی خوبی یہ بھی ہے کہ انتیس (۲۹) بندوں میں پہلا حرف حروف ابجد کے بالترتیب استعمال سے بنتا ہے۔ مثلاً الف سے "اٹھی" ب، سے بنھ (باندھ) ت، سے تلہائی، ج، سے "جوان" ح، سے حلیمی، خ، سے خوبی، د، سے دنمائی، ط، سے طبع علی الھذا علیٰ قیاس ـــــــ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر کرسٹوفر شیکل نے اس کتاب (نور جمال) کو انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

اسے بزم ثقافت ملتان نے شائع کیا ہے۔

اس نظم سی حرفی کا موضوع تصوف کے حوالے سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ یعنی مرکزی موضوع زندگی کی بے ثباتی، فنا اور عارضی پن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فانی اور عارضی دنیا سے کوچ ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ دنیا ایک میدان عمل ہے جس میں ہر انسان کو ایک مخصوص امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگلی دنیا کے لئے زاد راہ کا حصول اعمال صالح کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نظم میں جہاں زندگی کی بے ثباتی کا ذکر بار بار کیا گیا ہے وہاں نیک اعمال کی تلقین بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس نظم کا مخاطب مرد نہیں عورت ہے اور وہ بھی بیٹی جو ماں باپ کے گھر میں پرورش پاتی ہے لیکن بالآخر اپنے سسرال چلی جاتی ہے۔ بیٹی کی تربیت اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال سے نہ صرف اپنے ماں باپ کے نیک نام کی لاج رکھ سکتی ہے۔ بلکہ سسرال والوں کے دل بھی موہ سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی عاقبت بھی سنوار سکتی ہے۔ اس لئے اس نظم میں حضرت حافظ جمال کا تخاطب بیٹی کے ساتھ ہے جس کو صبح سویرے اٹھ کر چرخا کاتنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پہلا بند اسی طرح شروع ہوتا ہے۔

الف اٹھی دھیانت جاگ سویلے توں سنڑ دھی سیانڑیں
گھن چرکھا، پاکتنڑ دکھوڑی، لمبی رات وھانڑیں
ایہو ویلا ہتھ تیڈے ناں آسی دھی بلیپانڑیں
اُٹھ جمال سہاگنڑ سوہے، جو شوہ دے من بھانڑیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے سیانی اور عقل مند بیٹی! اب اٹھ جا چرخا لے کر بیٹھ، آرام

۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "نور جمال" (سرائیکی) صـ ۴۲ تا ۵۰۔

Marfat.com

کی لمبی رات گزر چکی، عمل اور حرکت کا وقت آن پہنچا، مزید وقت ضائع نہ کر کہ وقت کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اگر عاقبت نیک اور انجام بھلا چاہتی ہے تو اپنے خداوند حقیقی کو راضی کر (اور ظاہر ہے کہ وہ نیک عمل سے راضی ہوتا ہے۔)

دراصل حافظ جمال نے تصوف کے معاملات کو علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ چرخا اور اس کے لوازم کو فرائض کی ادائیگی، محنت، حرکت اور نیک اعمال کے حصول کا اشارہ، میکے گھر کو مادی دنیا کی، سسرال کو عاقبت اور زندگی کے بعد موت کی، شوہ (شوہر) کو خداوند حقیقی کی علامت بنایا ہے اور یوں اس نظم کے ذریعے کردار کی تعمیر کا فرض ادا کیا ہے۔ ہر ہر بند میں خوش اخلاقی، نیک سیرتی، دیانت داری، حلیمی، نرم مزاجی، سلیقہ شعاری، اور روحانی ترفع کی تلقین کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تصوف کی عملی تعلیمات کا ناگزیر حصہ ہے

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ پہلے بند میں بیدار ہونے اور کام میں جت جانے کی تلقین ہے۔ اس کے بعد ہر بند میں کوئی نہ کوئی نصیحت کی گئی ہے۔ مثلاً دوسرے بند میں کاہلی اور سستی کو چھوڑنے اور سوت کاتنے (فرائض کی ادائیگی) کا مشورہ ہے۔ تیسرے بند میں بدمزاجی ترک کرنے اور عجز و انکساری اختیار کرنے کی نصیحت ہے۔ چوتھے اور پانچویں بند میں اعمال نیک کی تعریف کی گئی ہے۔ چھٹے بند میں حلیمی، نرم مزاجی اور خوش خلقی کی صفات کو سراہا گیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں بند میں فخر و غرور اور مکر و فریب سے اجتناب کی تلقین ہے۔ تو نویں اور دسویں بند میں بے پروائی چھوڑ کر اعمال نیک کے ذریعے عاقبت سنوارنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ گیارہویں اور بارہویں بند میں مال و دولت کے لالچ کو ترک کرنے کا مشورہ ہے بکندر کی تلمیح کے حوالے سے زندگی کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔

ز، زر دولت، مال خزینہ کر کر کائی سمالے
لاتھی رہی اکٹھی اتھاں کہیں نہ نیتی نالے
کن گیا سلطان سکندر جیں ملک زمیں پر تلے
ڈیکھ جمال احوال تنھاں دا موت مٹی دنج گالے

یعنی لوگ سونے چاندی کے خزانے زر و دولت تو جمع کرتے ہیں لیکن یہ سب کے سب یہیں رہ جاتے ہیں اور کوئی بھی انہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ سکندر جیسے سلطان نے

Marfat.com

ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھے۔ دنیا جہان کے ملکوں کو اس نے زیر وزبر کر دیا لیکن ذرا ان لوگوں کا انجام دیکھو کہ اب سب مٹی میں گل سڑ چکے ہیں۔

تیرہویں اور چودھویں بند میں اللہ کی محبت اور عشق کا درس دیا ہے۔ پندرہویں بند میں بری صحبت سے بچنے اور سولہویں بند میں سلیقہ شعاری اور سگھڑاپا اختیار کرنے کی تلقین ہے سترہویں بند میں موت کے برحق ہونے کا اعلان ہے تو اٹھارہویں اور انیسویں بند میں یکسوئی کے ساتھ خداوند کریم سے محبت کرنے کی نصیحت ہے۔ بیسویں بند میں حُسن اور جوانی کے عارضی اور گزراں ہونے کا اور اگلے تین بندوں میں زندگی کی بے ثباتی اور فنا کا ذکر ہے۔ چوبیسویں، پچیسویں اور چھبیسویں بند میں شوق اور جذبے سے کام کرنے کی تلقین ہے، ستائیسویں اور اٹھائیسویں بند میں حُسن اور جوانی کی گریزپائی اور بڑھاپے کی آمد کا اعلان ہے اور آخری بند میں الوداعی دعا کی گئی ہے۔

ی، یاری رب ڈیوی دھیا گھر ور ہوویں سکھی
طالع بخت سُوتے ہو وئیں رات نہ ڈیکھیں ڈکھی
شوہ دے نال محبت دل دی شالا پوری ڈھکے
نت جمال دعا کرے، ناں تنگی رہیں نہ بھکے

یعنی اے بیٹی! آخر میں میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ گھر میں سکھی رہو تمہارا مقدر چمکے۔ تمہیں دکھوں بھری رات سے واسطہ نہ پڑے۔ خدا کرے خاوند حقیقی کے ساتھ تمہاری محبت ہر آزمائش پر پوری اترے اور اللہ تمہیں دنیا اور آخرت میں تنگی ترشی اور بھوک ننگ سے محفوظ رکھے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق سی حرفی کے موضوع کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں

"ایں نظم دا ماحصل اے ہے جو عجز تے انکساری نال وقت گزاریا ونجے غرور تے فخر کوں نیڑے نہ آنونڑ ڈ ویجے، تے جوں وس لگے نیکی دے کم کر کے خوش اخلاقی ورت کے تے دنیا اچ صحیح عمل کر کے آپڑاں آگھاں دے سفر دا زاد راہ بنڑیا ونجے۔" (۱)

۱۔ "نور جمال" صہ ۴۸۔

Marfat.com

(اس نظم کا ماحصل یہ ہے کہ عجز اور انکساری کے ساتھ وقت گزار دیا جائے۔ غرور اور فخر کے قریب نہ پھٹکا جائے۔ جتنا بس چلے نیکی کے کام کرکے خوش اخلاقی سے کام لے کے اور دنیا میں صحیح عمل کر کے عاقبت کے سفر کے لئے زاد راہ بنایا جائے۔)

حافظ محمد جمال کا اسلوب نہایت سادہ، رواں دواں اور دلنشیں ہے۔ موضوع کے ساتھ میل کھاتے الفاظ، بامحاورہ زبان اور علامتوں کا استعمال اس نظم کے عام خصائص ہیں جہاں ایک طرف سرائیکی ڈکشن کی مٹھاس پائی جاتی ہے تو دوسری طرف عام فہم اور مانوس اُردو الفاظ و تراکیب کے ذخیرے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہاں ایسے چند الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے جو اُردو اور سرائیکی میں مشترک طور پر مستعمل ہیں۔ ان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سرائیکی اور اُردو میں کتنی مشابہت، مناسبت اور اشتراک پایا جاتا ہے۔

لمبی رات، جمال، نکا، پرائی، بدکردار، نیکیاں بدیاں، جملہ، پرائے، وکیل، کرن، لفافہ، خوبی، خلق، کیسر (زعفران)، عمل، دغا، احوال، نیت، ذکر و فکر، ابتر، شرم، مکلاوا (آخری الوداع)، لچاوا، دعوا (دعویٰ)، قبیلہ، زر و دولت، مال خزینہ، سلطان، ملک، زمین، سوداگر، وپار (تجارت)، لعل، صد ہزار، پسارنا، شرم، سہیلیاں، رل مل، ناز بھری البیلیاں، حویلیاں، ستر (سوت)، جگ (دنیا)، مجلس، فائدہ، ازل، ظلم، خویش قبیلہ، سنگ سہیلی، محل حویلی، فضل، بیلی (دوست)، نفس، غریبی، حرص، معذوری، دُوری، محبت، پاک کمائی، صورت، حُسن جوانی، راج، داغ، غفلت، عیب، ادھار، وقت، تھوک، وداع، نشانی، ہوش، پلک، طالع بخت، ننگی،

ایک سو سولہ (۱۱۶) مصرعوں پر مشتمل مختصر سی نظم میں اُردو الفاظ کا یہ ذخیرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت حافظ جمال اُردو زبان سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے اور اگر ان کا دیوان دستیاب ہو جاتا تو یقیناً اس میں اُردو کلام بھی شامل ہوتا۔ تاہم سرزمین ملتان میں اُردو شعر و ادب کی ترویج کے سلسلے میں حافظ محمد جمال کا حصہ قابل ذکر بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔

Marfat.com

خواجہ خدا بخش

حضرت خواجہ خدا بخش بارہویں صدی ہجری کی ایک اہم روحانی اور عوامی شخصیت ہیں۔ جنہیں حافظ محمد جمال ملتانی سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا۔ حافظ محمد جمال نے انہیں خانقاہ بہاء الحق زکریا کے سامنے بیٹھ کر سلسلہ چشتیہ کے حق میں بیعت لینے کا حکم دیا اور مرشد کے حکم سے انہوں نے ملتان میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید کا حق ادا کیا۔ اور یوں حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ خدا بخش کی بدولت ملتان میں سلسلۂ سہروردیہ کے ساتھ ساتھ سلسلۂ چشتیہ کا اثر و رسوخ بھی قائم ہوا۔ خواجہ خدا بخش حافظ جمال ملتانی کے نہایت نامور خلفاء میں سے ایک تھے۔ بلکہ گلشن ابرار کے مطابق

"خلیفہ اوّل ذات ملکی صفات، سراج الواصلین، فخر العاشقین، سند العارفین، محبوب اللہ سیدنا و مولانا حضرت محمد خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری نور اللہ مرقدہ کہ خلیفۂ مطلق و سجادہ نشین برحق آنجناب (حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ) ست"(۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے۔

"چوں در او آخیر عمر حضرت محب اللہ محمد جمال کہ مزاج شریف عارضہ مرض الموت لاحق شد بہر یک غلام خاص و عوام خود بآواز بلند بطریق وعظ فرمود کہ ما کلید ...... ہر دو جہاں بحضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) تفویض کراں ام"۔ (۲)

خواجہ خدا بخش کے آباؤ اجداد محمد بن قاسم کے عہد میں عرب سے ہجرت کر کے سندھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد ملتان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اپنی بہادری اور علمی قابلیت کی بنا پر اس خاندان کے لوگوں کا دخل حکومت کے معاملات میں ہر زمانے میں کسی نہ کسی طور رہا۔ یہ لوگ کبھی تو کسی فتنے کو ختم کرنے کے لئے حکومت کا ساتھ دیتے تو کبھی اپنی قابلیت کی بنا پر کسی اعلیٰ عہدے پر فائز رہتے۔ مسعود حسن شہاب ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

۱۔ گلشن ابرار فارسی (قلمی) از خواجہ امام بخش، صہ ۲۶۸

۲۔ ———— ایضاً ———— صہ ۱۰ ۴

"یہ خاندان عالی قدر اپنی شجاعت و فطانت اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر دور حکومت میں ممتاز و مفتخر رہا ہے۔ شیر شاہ سوری نے اس خاندان کے بعض افراد کو جلیل القدر عہدے دے رکھے تھے۔ جب سلطان ناصر الدین قباچہ نے قطب الدین ایبک سے سرکشی کی اور ملتان و سندھ پر اپنا تسلط قائم کیا تو اس خاندان نے اس کے خلاف احتجاج کیا جس کی پاداش میں قباچہ نے اس خاندان کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور مجبوراً اس خاندان کو ترک سکونت کر کے ضلع ہزارہ میں پناہ لینی پڑی۔ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں یہ خاندان ضلع ہزارہ سے تلمبہ آ گیا۔ جہانگیر نے تلمبہ کا قلعہ اسی خاندان کے ایک بزرگ قاضی علاء الدین کے سپرد کیا اور انہیں دس ہزاری کا منصب دیا۔ یہ منصب شاہ عالم ثانی کے عہد تک اس خاندان میں رہا۔ مولوی عنایت اللہ اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے جو ۱۱۹۱ھ میں اس سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔"[1]

اس خاندان میں خواجہ خدا بخش ۱۱۵۰ھ میں مولانا قاضی جان محمد کے ہاں پیدا ہوئے[2] آپ قریشی النسل[3] تھے۔ آپ کے والد مولانا جان محمد نیک، پرہیز گار اور باعمل تھے۔ ابتدائی تعلیم

۱۔ اولیائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب، صـ ۱۶۸، مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور، بار دوم۔

۲ ——— ایضاً ——— صـ ۱۶۹۔

جبکہ عمر کمال خاں نے اپنی کتاب "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" صـ ۲۸۲، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان اور محمد الیاس قیصر نے "خیر البلاد" صـ ۱۱، مطبوعہ قصر الادب، خیر پور ٹامیوالی (بہاولپور) میں آپ کا سن ولادت ۱۱۶۸ھ لکھا ہے۔

۳۔ آپ کے سن ولادت کی طرح نسل کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اولیائے بہاولپور صـ ۱۶۸، میں احوال و آثار (قلمی) کے حوالے سے بتایا ہے کہ آپ قریشی نسل سے تھے۔ آپ کی والدہ کا تعلق قوم ملنہاس سے تھا جو تلمبہ کی رہنے والی تھیں۔ اس لئے آپ کا مادری سلسلہ قوم ملنہاس سے ملتا ہے لیکن والد کی طرف سے آپ قریشی نسب سے تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) "ذکر کرام" از مولوی حفیظ الرحمن، صـ ۴، مطبوعہ دہلی، رجب المرجب ۱۳۵۲ھ

(باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

آپ نے انہی سے حاصل کی حضرت غلام حسن شہید اپنی کتاب انوار جمالیہ فارسی (قلمی) کے باب دوم میں حضرت خواجہ خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری ملقب بہ محبوب اللہ کی منقبت میں لکھتے ہیں

"پدر بزرگوار آنحضرت از علمائے کبار و اتقیائے روزگار بود چوں ایں اختر سعادت کاشانہ صولتش را بہ ضیائے وجود مسعود نورانی ساخت توجہ بتربیت او مصروف داشت و عمرے ہمت والا ابرار ایں کار برگاشت تا آنکہ بمقتضائے علو فطرت و صفائی طینت از کسب فضائل بہرہ وافی برداشت و از معقول و منقول و فروع و اصول آنچناں کمالے بہم رسانید کہ از فحول علمائے دہر سر آوردہ در فضلائے عصر محبوب گردیدند و بہ اقتضائے والا ہمتی اغلب بتدریس علوم متداولہ و تعلیم فنون متعارفہ از تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد و علم ہیئت و صرف و نحو و منطق، و معانی و بدیع و بیان و غیرہ ذالک من العلوم المتعارفہ متوجہ گردیدہ و از فیض بخشی و فیض رسانی داد و بوصف جامعیت کمالات انسانی بر السنۂ اخاصی و ادانی اشتہار یافت۔"(۱)

والد گرامی سے حصول تعلیم کے بعد آپ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ میں مزید علم کے حصول کی خاطر تشریف لے گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دہلی میں رہ کر آپ نے بہت سے مشائخ سے صحبت حاصل کی اور فیض اٹھایا۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر علم حاصل کیا۔ پھر آپ واپس تلمبہ تشریف لے آئے اور والد کی حیات تک وہیں رہے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے ملتان کے محلے کمہار پورہ میں رہائش اختیار کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان میں آپ جس مسجد میں درس دیتے تھے وہ آج تک قائم ہے اور درس والی مسجد کے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اس کتاب کا پہلا صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع کا نام پتہ نہیں چلتا۔ صرف دہلی کا نام رہ گیا ہے۔ (۲) گلشن ابرار (اردو ترجمہ) حدیقۃ الاخیار، از خواجہ امام بخش مترجم صالح محمد تونسوی، صـ ۲۷۹ مطبع صدیقیہ۔ (۳) خیر البلاد از الیاس قیصر، صـ ۱۱۔

۱۔ بحوالہ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، صـ ۷، ۸۔

Marfat.com

نام سے مشہور ہے جو دولت دروازے کے اندر واقع ہے۔ مولوی عبدالغفور انصاری (متوفی ۱۳۱۷ھ) کی ایک منظوم قلمی کتاب "در تعریف خواجہ خدا بخش خیر پور ٹامیوالی" (سرائیکی) مجھے اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس میں ملتان میں خواجہ خدا بخش کے تدریسی مشاغل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں انہوں نے اپنی ایک مسجد بنائی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں طالب علم آنے لگے اور یوں ان کا فیض ہدایت عام ہوا[1] اور تمام شہر والوں نے اپنے اپنے نصیب کے مطابق فیضان حاصل کیا۔ اشعار یوں ہیں

جو ہک مسجد اونہاں اپنی بنائی — پڑھن کیتے بہوں مخلوق آئی
اوس وچ درس شروع کیتونے — ہزاراں طالباں کوں رنگ لیونے
جیسے طالب اونہاں توں سبق گھدا — چودہ کونین عجب اس فیض لدھا
کوڑے ہابے بہرہ ازل کولوں — پیتا اس نے پیالہ فضل کولوں
تمام شہر فیض انہاں ونڈا یا — حسب قسمت نصیبا اونہاں پایا[2]

لیکن ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ مولوی خدا بخش صاحب

"حافظ جمال اللہ کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ کے اوّل مدرس اور مہتمم و منصرم تھے آپ نے ملتان میں سالہا سال رشد و ہدایت کے سلسلے کو نہایت کامیابی سے چلایا پھر جب ملکی حالات خراب اور بدامنی انتہا کو پہنچ گئی تو حافظ صاحب نے انہیں نقل مکانی کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ بہاولپور کے بے آب و گیاہ ریگزاروں کی طرف شمع ہدایت و تبلیغ لے کر چل پڑے اور خیر پور ٹامیوالی میں متمکن ہو گئے جہاں انہوں نے مدرسہ قائم کر لیا۔" (۳)

۱۔ سرِ دلبراں، صہ ۵ پر لکھا ہے کہ "چنداں تدریس علم کرد کہ عالم را از علم خود بہرہ داد" (سرِ دلبراں از مولانا عبیداللہ ملتانی، صہ ۵، مطبوعہ فیض عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ۔

۲۔ "در تعریف خواجہ خدا بخش" (قلمی سرائیکی منظوم) از مولوی عبدالغفور انصاری المتخلص عبداللہ صہ ۶، مرقومہ ۱۳۰۵ھ (۵۰ صفحے پر مشتمل کتابچہ ہے۔)

۳۔ ملتان کے اسلامی دورِ حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں، صہ ۶، مطبوعہ امروز ملتان نمبر ۱۹۷۸ء

Marfat.com

اپنے طریق تدریس کی بنیاد پر بہت جلد آپ کی شہرت دُور دراز تک پھیل گئی۔ سیّد عبدالحی ندوی آپ کے درس کے متعلق لکھتے ہیں کہ

" الشیخ العالم خدابخش الچشتی الملتانی احد من کبار المشائخ حی عصرہ ولانشار "بملتان" وقرار العلم علی من بہا من العلماء ثم تصدر بتدریس و درس بمدینۃ العلم "ملتان" اربعین سنۃ "(۱)

گلشن ابرار کے مطابق

" مولانا صاحب اپنے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق علوم ظاہری کی تدریس میں مشغول ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف ونحو، منطق ومعانی، بدیع وبیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دیتے تھے اور لوگوں کے فیض رسانی میں مشغول رہے اور آپ کے علمی کمالات کے چرچے خاص وعام میں پھیل گئے۔ عنفوان شباب سے لے کر آخیر بڑھاپے تک لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور لوگوں کے فیض دینے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ہمیشہ رضائے الٰہی کے طالب رہے۔ ان لوگوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہے۔ جنہوں نے آپ کے مدرسہ سے فارغ ہو کر دستار فضیلت باندھی۔ عام طالب علموں کا تو شمار نہیں۔ آپ جود وکرم اور فیض اتم کے ایک سمندر بے کنار تھے جن کے علوم کے سیلاب سے ہزاروں پیاسوں نے اپنی طلب اور شوق کی پیاس بجھائی۔ ان کے دل کا ایک ایک قطرہ درنایاب اور ان کے سینے سے ایک ایک علم بحر قلزم تھا۔"(۲)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق

" آپ علم ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علوم دینیہ و باطنیہ کے بہت بڑے فضلاء میں شمار ہونے تھے۔"(۳)

۱۔ "نزہت الخواطر" جلد ششم از سید عبدالحی ندوی، صہ ۲۶۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن۔

۲۔ گلشن ابرار (اُردو ترجمہ) از خواجہ امام بخش، صہ ۲۸۴۔

۳۔ "ملتان کے اسلامی دور حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں" صہ ۶، مطبوعہ امروز۔

Marfat.com

وہ علوم جن کا شمار آج سائنسی علوم میں ہوتا ہے۔ خواجہ خدا بخش ان میں مہارت رکھتے تھے۔ دین اور دنیا کا یہ ملاپ بہت کم صوفیاء میں دکھائی دیتا ہے۔ اس لحاظ سے خواجہ خدا بخش کی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ وہ ہر خاص و عام کو حساب، رسالہ ہائے اسطرلاب کرہ، حکمت اور اقلیدس وغیرہ کی تعلیم دیتے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ علوم متروک ہو گئے تھے اور لوگ ان علوم کے حصول میں سستی سے کام لیتے تھے اور چونکہ حضرت خواجہ خدا بخش کو یہ علوم بڑی دشواری سے حاصل ہوئے تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ دوسرے ان سے حاصل کریں۔ اکثر فرماتے

؎ بیکار مباش کچھ کیا کر — خون دل عاشقاں پیا کر "(۱)

اس بات کی تصدیق مولانا عبیداللہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو سر دلبراں صـ ۹ پر موجود ہے۔ اس کا ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال کے الفاظ میں لکھتی ہوں کہ

"حضرت اقدس نے علوم اسلامیہ کے علاوہ مجھے فنون (دنیاوی علوم) کی بھی تعلیم دی۔ مثلاً ریاضی، جغرافیہ، ہیئت، نجوم، طب، علم زچگی، اقلیدس وغیرہ"(۲)

دنیوی درس و تدریس کے دوران آپ روحانیت کی طرف مائل ہوئے تو مرشد کی تلاش بھی ہوئی۔ چنانچہ کئی جگہوں کا سفر کیا۔ بہت سے بزرگوں سے ملاقات بھی ہوئی اور آخر حافظ جمال کی شکل میں مرشد نظر آیا تو حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار کے سامنے بیٹھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سلوک کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔" قصر عارفان" میں لکھا ہے کہ

" در ملتان مولوی خدا بخش از مریدان ایشاں (حضرت حافظ جمال) مے باشند"(۳)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "گلشن ابرار" فارسی (قلمی) صـ ۳۹ ۔ دوسرا مصرع یوں مشہور ہے کہ " کچھ نہیں تو کپڑے پھاڑ کر سیا کر" لیکن خواجہ صاحب کے تصرف سے شعر میں زیادہ گہرائی پیدا ہو گئی ہے۔

۲۔ سر دلبراں (اردو ترجمہ) صـ ۵۲ مطبوعہ صوفی فاؤنڈیشن بہاولپور، اشاعت اول محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

۳۔" قصر عارفان" (فارسی) جلد دوم، صـ ۱۲، مؤلفہ مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین لاہور، مطبوعہ پنجابی اکیڈمی لاہور۔

Marfat.com

حافظ محمد جمال کے ساتھ آپ کئی مرتبہ ان کے مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں مہار شریف تشریف لے گئے۔ وہ آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اکثر حافظ جمال سے فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے ایک شیر کو جال میں پھنسایا ہے۔ اس کے علاوہ بارہا اپنی زبان سے خواجہ خدابخش کے اوصاف، فطری صلاحیت اور قابلیت کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا نوار جمالیہ میں لکھا ہے کہ

"باوجود کمالات فنون ظاہر شوق تحصیل علوم باطن نیز دامن کش خاطر مبارک بود باقتضائے ہدایت ازلی بشرف بیعت جناب مخدومی قدس اللہ سرہ العزیز (حضرت حافظ جمال) مشرف گشتند و قربے بلند و قبولے ارجمند یافتند بلکہ در جناب قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ (خواجہ نور محمد مہاروی) نیز مرغوب و مقبول شدند چنانکہ نقل است کہ در ایامے کہ جناب مخدومی بہ قصد زیارت حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کہ دراں زبان پیرایہ حیات صوری در بہ داشتند ہمراہ بردند۔ در اولین صحبت مورد فیض و منظر قبول آنجناب گردیدند چنانچہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر زبان مبارک خود ایشاں را مستثنائی سلسلۂ عالیہ فرمودند و نیز بہ حضرت جناب مخدومی مبارک دادند کہ شیر عظیم بہ چنگال تو درآمدہ و بارہا ذکر مکارم اوصاف ایشاں بر زبان کرامت ترجمان حضرت قبلہ عالم رفتنہ و بہ کرامت مرأت قابلیت جبلیّ و استعداد فطری ایشاں مرغوب جناب قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتاد۔" (۱)

خواجہ خدابخش نے خواجہ نور محمد مہاروی سے بھی بہت فیض حاصل کیا۔ حافظ جمال فرماتے تھے کہ،

"خواجہ خدابخش کو میرے ساتھ تو فقط بیعت کا تعلق ہے ان کو جو بلند مرتبے حاصل ہوئے ہیں۔ خود قبلہ عالم سے ملے ہیں۔" (۲)

تحفۃ الابرار میں لکھا ہے کہ

"آپ کامل ترین خلیفہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی تھے۔ آپ عالم متبحر اور رموز تصوف

۱۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، صہ ۸ - ۹۔

۲۔ "اولیائے بہاولپور" از مسعود حسن شہاب، صہ ۱۲۳۔

Marfat.com

کے اعلیٰ درجے کے ماہر تھے۔"(۱)

آپ کو اگرچہ حافظ محمد جمال سے بیعت کرنے کی اجازت مل چکی تھی لیکن آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ مرشد کے ہوتے ہوئے براہ راست لوگوں کو بیعت کرنا درست خیال نہیں کرتے تھے۔

خواجہ خدا بخش نور محمد مہاروی کے خلیفہ خواجہ سلیمان تونسوی کے ہم عصر تھے اور اکثر عرس وغیرہ کے موقع پر اکٹھے ہوتے تھے۔ جیساکہ "منتخب ملفوظ شریف" میں لکھا ہے کہ

"......... مؤلف مناقب شریفہ در ایں جا می آرد کہ یکے مرتبہ حضرت فخرالاولیاءؒ قدس سرہ (حضرت سلیمان تونسوی) بر عرس حضرت قبلۂ عالم بر خانقاہ متبرکہ اوشاں تشریف فرما بودند کہ کسی عالم چند سوال از مسائل بخدمت آں فخرالاولیاء قدس سرہ عرض نمودہ جواب باصواب یافتہ بود و دراں مجلس حضرت مولوی صاحب مولوی خدا بخش خیرپوری کہ خلیفہ اعظم حضرت حافظ صاحب حافظ محمد جمال ملتانی بود موجود بودند۔"(۲)

خواجہ خدا بخش، خواجہ سلیمان تونسوی کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلیمان نے ایک سفارشی چھٹی ان کے نام لکھی جس میں خواجہ خدا بخش کے ایک مرید سے کام تھا۔ خواجہ صاحب اس خط کے ملتے ہی بذات خود اپنے مرید کے مکان پر پہنچے وہ حیران رہ گیا کہ حضور نے خود کیوں زحمت کی لیکن خواجہ صاحب حضرت سلیمان کی خوشنودی چاہتے تھے اس لئے اس کو بلانے کی بجائے خود جانا مناسب سمجھا۔(۳)

خواجہ خدا بخش بہت عرصہ ملتان میں رہ کر درس و تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے۔ ملتان پر جب سکھوں نے رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں بار بار حملے کئے تو دوسرے

۱۔ "تحفۃ الابرار" جلد دوم ثانی، صہ ۱۵۲، مطبوعہ مطبع رضوی، دہلی۔

۲۔ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ حضرت خواجہ یار محمد بن تاج محمود چشتی، پاکپتن، صہ ۵۔ یہ قلمی نسخہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے، کتاب "مناقب سلیمانی" فارسی (قلمی) صہ ۵۴۔ ۵۵، کاتب خدا بخش ذرقی۔

Marfat.com

علماء کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی یہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب تک ملتان میں رہے حافظ محمد جمال اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ گویا بقول مولوی حفیظ الرحمٰن

"آپ علم و عمل کے دونوں زیوروں سے بہترین طریق پر آراستہ تھے۔"[1]

سکھوں نے جب قلعہ ملتان کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ بھی حافظ جمال کے شانہ بشانہ لڑتے رہے۔ جیسا کہ حافظ جمال کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب سکھ قلعہ کا محاصرہ کرنے کے باوجود فتح نہ کر سکے اور ہزیمت کھا کر پسپا ہو گئے تو منجمین کے حوالے سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملتان میں ایک قطب ہے اور جب تک وہ موجود ہے اس کی زندگی میں قلعہ تسخیر نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ یہ بات حضرت حافظ جمال کے بارے میں کہی گئی تھی لیکن انہوں نے خواجہ خدا بخش کو قطب قرار دیا۔ حضرت غلام حسن شہید لکھتے ہیں

"بزبان کرامت بیان رفت کہ بے شک ذات حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) قطب زمانہ است پس رتبۂ قطبیت ایشاں بدلیل ناطق و برہان صادق باثبات رسیدہ۔"[2]

گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"در ایّام کہ قلعہ دارالامان ملتان محصور کفار مقہور گشت دراں ایام خدام کرام جناب حضرت حافظ صاحب محمد جمال نور اللہ مرقدہ نیز دراں قلعہ محصور بودند القصہ بعد رفع ہنگامہ محاصرہ برالسنۂ عوام شہرت یافت کہ بعضی منجمان لشکر کفار گفتہ اند و ہم بعضی مجاذیب خبر دادہ کہ در ملتان قطبے است از اقطاب اللہ کہ ملتان در ظل حمایت او مامون ست تا حین حیات او تسخیر قلعہ دشوار ست چنانچہ ایں سخن بگوش پر ہوش آنجناب حضرت حافظ صاحب قدس سرہ در رسید اگرچہ بالیقین اشارت قطب بہ نفس نفیس آنجناب بود لیکن بر زبان

۱۔ "ذکر کرام" از مولوی حفیظ الرحمٰن، صـ ۴۷۔

۲۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، صـ ۹۔

Marfat.com

کرامت بیان چناں رفت کہ بیشک ذات حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدابخش) قطب زمانہ ست پس رتبہ قطبیت آنحضرت بدلیل ناطق و برہان صادق بہ اثبات رسیدہ "(۱)

جب آپ نے ملتان چھوڑا تو پہلے موضع دنیاپور المعروف راوے والا میں کچھ عرصہ قیام فرمایا گلشن ابرار کے مطابق

"جناب حافظ صاحب (حافظ جمال) نے حافظ غلام حسن بھٹی کو ایک خط لکھا کہ جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ پہ واضح ہو کہ جناب مولانا صاحب ملتان سے چلے گئے اور کوثر و سلسبیل کی طرح وہاں کے لوگوں کو سیراب کر رہے ہیں۔ آپ پر واجب ہے کہ جو کچھ ہو سکے ان کی نذر گزاریں۔ ان کو اپنے مکان پر لے آئیں اور اپنے تئیں بھی ان کے چشمۂ رحمت سے سیراب ہوں۔ نیز اس موقع کو غنیمت سمجھیں۔ جب یہ نامۂ نامی آپ کی خدمت میں پہنچا تو تعمیلاً جو کچھ بھی گھر میں موجود تھا از قسم زیورات و پارچات وغیرہ جناب مولانا صاحب کی خدمت میں لے گئے، نذر کر دی۔ آپ بہت ہی التجا اور آرزو کے ساتھ ان کو اپنے ڈیرہ چیلا وہن میں لے گئے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے"(۲)

یہاں سے آپ بہاولپور کی طرف گئے تو وہاں کے والیٔ ریاست محمد صادق خاں نے آپ کو خیرپور میں ٹھہرایا۔ آپ کے خادموں کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر کا تمام خرچ اپنے ذمے لے لیا اس کے بعد آپ تمام عمر خیرپور میں ہی رہے۔ وہاں آپ نے ایک مؤذن مسجد، ایک محفوظ کنواں، مہمان سرائے، فقراء کے حجرے اور دیگر لوگوں کے لئے عمارتیں تعمیر کرائیں۔(۳)

خواجہ خدابخش نے خیرپور میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق

۱۔ گلشن ابرار، فارسی (قلمی)، صہ ۴۰۹ - ۴۱۰۔

۲۔ گلشن ابرار (اُردو ترجمہ) صہ ۲۹۳ (گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں صہ ۴۱۶ پر یہ واقعہ درج ہے)

۳۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) گلشن ابرار، صہ ۲۹۵ (۲) خیر البلاد، صہ ۳۱۔

Marfat.com

"آپ کی تمام عمر درس و تدریس میں صرف ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو اور منطق و معانی آپ کے درس کے خاص موضوعات تھے۔ آخری عمر میں تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری کیا۔ اس دور کی ایک مشہور کتاب توفیقیہ آپ کی یادگار ہے۔ اس میں شریعت کے احکام، طریقت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کرنے کے علاوہ وحدت الوجود کے مسئلے کو بھی بڑے عالمانہ اور عارفانہ انداز میں حل فرمایا ہے۔" (۱)

مولوی امام بخش لکھتے ہیں کہ

"ضعف بدنی کے باعث جب آپ میں درس و تدریس کی طاقت نہ رہی تو ورد و وظائف سے جو وقت بچ رہتا اپنی مشہور تصنیف توفیقیہ کے لکھنے میں مصروف رہتے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کہ شریعت کے احکام، طریقت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کئے ہیں۔ اس رسالہ میں توحید کے ایسے دقیق مسئلے بیان کئے گئے ہیں کہ رازداران معرفت نے کم لکھے ہوں گے جو بھی صاحب مذاق آپ کے پاس آتا اسے اس کے مسودہ دکھاتے اور فرماتے کہ ان کی تصحیح کرو۔ بعض کو تو در مقصود ہاتھ لگ جاتا اور بعض کا انکار اہل اللہ کے کمالات پر ٹوٹ جاتا اور بعض بیچارے گمراہی اور ضلالت میں رہ کر محروم رہ جاتے۔" (۲)

خواجہ خدا بخش تمام عمر درس دیتے رہے۔ پہلے ملتان میں اور پھر خیرپور میں۔ اس موقع پر آپ نے ہر طرح کے موضوع پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ آپ علم کا دریا تھے۔ ہر موضوع پر بے تکان بولتے اور حدیث و فقہ کے حوالے دے کر بات کرتے تھے۔ لوگوں نے کسی مسئلے کے متعلق آپ کی رائے پوچھی، آپ باقاعدہ حوالے دے کر بات کرتے اور آپ کی یہ بات فتوے کی صورت اختیار کر جاتی۔ چنانچہ آپ نکاح، طلاق، قبروں پر اذان دینے جیسے مسئلوں پر بھی فتوے جاری کر چکے تھے۔ آپ کی باتیں شیریں اور انداز شگفتہ ہوتا جو سننے والے کے دل پر اثر کرتا

۱- "اولیائے بہاولپور" از مسعود حسن شہاب، صہ ۱۷۵

۲- "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ) صہ ۲۸۴ - ۲۸۵-

Marfat.com

موقع بہ موقع اشعار بھی پڑھتے تھے۔ مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں کہ

"آپ کی مجلس میں ہمیشہ اسرار و معارف کا بیان ہوتا تھا اور باتوں باتوں میں آپ ایسے نکتے حل فرما دیتے تھے جن کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر برمحل اشعار سے خشک موضوع کو بھی شگفتہ بنا دیتے تھے۔ صبح دم یہ اشعار زبان مبارک پر ہوتے تھے۔

سحر برخیز ذکر بے ریا کن | بداں درگاہ خود را آشنا کن
اگر گوئی کہ من درویش عالم | نظر بر خاندان مصطفےٰ کن
اگر گوئی کہ برمن ظلم رفت است | نظر بر گشتگان کربلا کن"[1]

چشتیہ سلسلے کے صوفیا ر کی سماع سے دلچسپی بے مثال ہے۔ جنون کی حد تک سماع میں دلچسپی رکھتے تھے۔ خواجہ خدا بخش کو بھی سماع سے دلچسپی تھی اور سماع کی محفل میں سب سے پہلے ان پر ذوق طاری ہوتا تھا۔ بہر حال موقع ہوتا تو سُن لیتے لیکن فرمائش کر کے کسی کو گانے بجانے کی تکلیف نہیں دیتے۔ "انوار جمالیہ" کے مطابق

"باوجود استیلائے ذوق و تعطش سماع گاہے کسے را تکلیف قوالے و طنے و نغنے نفر مودند"۔[2]

"سر دلبراں" میں لکھا ہے کہ قوالی کی خواہش خود نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی شخص اشعار یا قوالی سنوانے کا آرزو مند ہوتا تو سُن لیتے۔[3] اسی طرح آپ سماع کی سریلی آواز یا نے کے حاجت مند نہ تھے۔ کیونکہ سماع کے بغیر بھی الحان اور سُر آپ کے ذوق لطیف کا حصہ تھے۔ چنانچہ آپ دوستوں کی خوشی اور خوشنودی کی خاطر سماع سنتے تھے اور بس۔ کسی نے انہیں کبھی سکر یا وجد کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ "سر دلبراں" میں لکھا ہے کہ

۱۔ "اولیائے بہاولپور" صہ ۱۷۷ - ۱۷۸۔

۲۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، صہ ۹۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "گلشن ابرار" فارسی خطی، صہ ۱۱۴ تا ۱۲۴۔

۳۔ "سر دلبراں" (فارسی) از حضرت عبید اللہ ملتانی، صہ ۲۹، فیض عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ

Marfat.com

"آنحضرت را با سماع الحانات حاجت بنود چہ بے سماع الحانات حاجت بنود چہ بے سماع الحانات در ذوق می بود و اگر می شنود برائے موافقت یاران و خوشی دوست داراں می شنود، از دیدن سکر و وجد او خلق در دیند رسوم و عادات محتجب بود" ۔(۱)

آپ کے حلیہ مبارک کے بارے میں حافظ غلام حسین بھٹی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حضرت غوث بہاء الدین زکریا کی زیارت نہ کی ہو تو وہ حضرت مولانا محبوب اللہ کو دیکھ لے کہ دونوں شیخین کے درمیان صوری اور معنوی طور پر بال برابر کا بھی فرق نہیں ہے ۔(۲)

خواجہ خدا بخش خیر پور میں تقریباً ۱۹، ۲۰ برس تک درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ البتہ آخری عمر میں ضعف کی وجہ سے تمام شغل ترک ہو گئے اور زبان پر صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد جاری رہا۔ آخر غرہ ماہ صفر ۱۲۵۰ھ(۳) میں آپ نے وفات پائی اور خیر پور میں ہی آپ کا مزار بنا جو آج تک مرجع خلائق ہے۔ مولوی عبدالغفور انصاری لکھتے ہیں

ڈھاڑے عرس عجب مخلوق آندی ۔۔۔ وچ اس دربار عالی نہ سماندی
بزرگاں سازیاں دے عرس تھیندے ۔۔۔ مثل عرس اونہاں ہرگز نہ ڈیندی
سماع ہوندا عجب مجلس وچالے ۔۔۔ دل آندا جذبے وچ از حد خیالے(۴)

ترجمہ : یعنی عرس کے دن اتنے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ اس دربار عالی مرتبت میں سما بھی

۱۔ "سر دلبراں" (فارسی) از حضرت عبیداللہ ملتانی، صہ ۳ فیض عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ

۲۔ اصل عبارت یوں ہے "اگر کسے زیارت حضرت غوث بہاء الدین زکریا نکردہ باشد زیارت حضرت محبوب اللہ (خواجہ خدا بخش) مشرف شود کہ فی ما بین ہر دو شیخین صورتاً و معنی بقدر تار مو فرق نیست" (گلشن ابرار فارسی، قلمی، صہ ۴۱۷ - ۴۱۸)

۳۔ (۱) گلشن ابرار (اُردو ترجمہ) صہ ۳۳۲ (۲) اولیائے بہاولپور، صہ ۱۷۹۔ لیکن عمر کمال خاں نے اپنی کتاب "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" صہ ۲۸۳، اور مولوی عبدالغفور انصاری نے اپنی کتاب "در تعریف خواجہ خدا بخش" میں صہ ۴۹، پر آپ کا سن وفات ۱۲۵۱ھ لکھا ہے۔

۴۔ بحوالہ "در تعریف خواجہ خدا بخش" قلمی منظوم سرائیکی، صہ ۷۔

Marfat.com

نہیں سکتے۔ یوں تو تمام بزرگوں کے عرس تہذیب کی علامت ہیں لیکن ان جیسا عرس کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اس مجلس میں ایسا سماع ہوتا ہے کہ دل جذبات سے مملو ہو جاتا ہے)

خواجہ خدا بخش کے ہاں صرف ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور یہ ہیں قاضی محمد عبیداللہ ملتانی، منشی غلام حسن شہید، مولوی عظیم بخش احمد پوری، مولوی محمد موسیٰ ملتانی، مولوی خدا بخش ملتانی، قاضی محمد عیسیٰ خان پوری، مولوی محمد حسین پنوار۔ مومن شاہ احمد پوری، مولوی نوراللہ خیر پوری، مخدوم حامد شاہ گیلانی اور مولوی نور محمد بھنڈی والہ۔

آپ کی تصانیف توفیقیہ، توحیدیہ اور ذوقیہ آپ کے خیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان میں سے توفیقیہ بہت عرصہ پہلے چھپی تھی جو اب نایاب ہے۔ البتہ اس کے قلمی نسخے کئی لوگوں کے پاس ہیں۔ آپ کی دوسری تصنیف ذوقیہ نایاب ہے۔ آپ کی ان کتابوں میں سے حقیقت و معرفت کے اسرار، شریعت کے احکام، طریقت کے آداب اور توحید سے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ ان تینوں کتابوں کے قلمی نسخے جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخش جب گفتگو فرماتے تھے تو اس میں علمیت کے علاوہ ادبیت کا رنگ بھی ہوتا تھا۔ اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے سے نہ صرف بات میں حُسن پیدا ہو جاتا تھا بلکہ اس میں گہرائی بھی آجاتی تھی۔ مثلاً ایک بار فرمایا

"نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند یکے ہمے رود و دیگرے ہمیں آید مراد از سرو مرشد ست کہ از اوست و مراد از لالہ عاشق است کہ بداغ ہجراں مبتلاست یعنی جہان از طالبان و مطلوباں خالی نباشد۔" (۱)

ایک اور موقع پر فرمایا

"عاشقاں ہر چند مشتاق جمال دلبرند، دلبراں بر عاشقاں عاشق ترانند۔" (۲)

۱۔ "گلشن ابرار" فارسی (قلمی) صہ ۱۴۱ ۔ ۲۴۲ ۔

۲۔ ـــــ ایضاً ـــــ صہ ۲۴۲ ۔

Marfat.com

حضرت خواجہ خدا بخش جب کوئی تلقین کرتے یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت فرماتے تو اس کے لیئے براہ راست قرآن و حدیث کے حوالے سے بات کرنے کی بجائے قصوں، شعروں یا حکایتوں کے ذریعے بالواسطہ طور پر اظہار فرماتے تاکہ کم عقل اور جاہل لوگوں تک بات کو باحسن طریق پہنچایا جا سکے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو مولانا روم نے اختیار کیا تھا۔ گویا وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

ان کے ملفوظات پر مبنی ایک کتاب کا نام بھی "سر دلبراں" ہے جسے ان کے خلیفہ اوّل مولانا عبیداللہ ملتانی نے مرتب کیا۔ حضرت عبیداللہ ملتانی کے مطابق آپ بڑے دردمند انسان تھے۔ دوسروں کے دکھ میں دکھ محسوس کرتے اور دوسروں کو راحت میں دیکھ کر راحت پاتے گویا سارا عالم آپ کے اجزا تھے۔ لکھا ہے

"......... بتضرر دیگرے متضرر میشد و نفع میشد گویا ہمہ عالم اجزائے اوست"(۱)

یہ نظریہ حیات وحدت الوجود کی بنیاد اور روح ہے۔ آپ خلق عظیم کے حامل تھے اس کے باوجود کہ کوئی شخص آپ سے بے ادبی برتتا یا غصہ دکھاتا آپ دوستوں سے بڑھ کر اس پر شفقت اور کرم فرماتے۔ آپ ہمیشہ یہ تلقین کرتے۔

"اگر مردی احسن الامن اسا"

یعنی اگر تو مرد ہے تو اس کے ساتھ نیکی کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی۔(۲)

آپ کے مرید آپ سے ملنے کے لئے آتے تو آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے اس سے راہ کی ساری کلفتیں بھول جاتیں۔ مولوی عبیداللہ ملتانی لکھتے ہیں کہ وہ جب کبھی زیارت کے لئے حاضر خدمت

۱۔ سر دلبراں از مولانا عبیداللہ ملتانی، ص ۴، فیض عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوئی۔) اس کا اردو ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال نے کیا ہے جسے صوفی فاؤنڈیشن بہاولپور نے محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں پہلی بار شائع کیا۔ (یہ کتاب مجھے اسد نظامی سے ملی۔)

۲۔ سر دلبراں از عبیداللہ ملتانی، ص ۱۷۔

Marfat.com

ہوتے تو آپ مرحبا مرحبا فرماکر یہ شعر پڑھتے

؎ آمدی و آمدنت بس خوش است　　دیدن روئے تو عجب دلکش است[1]

ان کے اخلاق، انکساری، شفقت اور محبت کے کتنے واقعات مولانا عبیداللہ ملتانی نے "سر دلبراں" میں قلم بند کئے ہیں۔[2]

حضرت خواجہ خدا بخش اپنی گفتگو میں موقع محل کے مطابق فارسی اشعار پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی فارسی شعر کہتے تھے۔ اسی طرح اُردو اور سرائیکی اشعار بھی استعمال کرتے تھے اور ان میں تصرف بھی فرماتے تھے۔ مثلاً

؎ بیکار مباش کچھ کیا کر　　خون دل عاشقاں پیا کر[3]

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا

؎ وقت سحر وقت مناجات ہے　　خیز دراں دم کہ بر برکات ہے
نفس مبادا کہ گوید ترا　　خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے[4]

ایک دفعہ بطریق استعارہ فرمایا

؎ در کوئے دوست گرچہ عطا بھیڑ بھاڑ ہے　　تو بھی گھڑ گھڑ کے آنجا گھساڑ چشم[5]

پھر فرمایا

؎ عطا از مفلسی و دو ٹوک رہتے　　سمجھتے بوجھتے پہچانتے رہ[6]

اسی طرح ایک موقع پر یہ پہیلی کہی

۱۔ سر دلبراں، از عبیداللہ ملتانی، صـ ۶

۲۔ ملاحظہ فرمایئے، ایضاً صـ ۶ تا ۸۔

۳ ـــــ ایضاً ـــــ صـ ۹

۴ ـــــ ایضاً ـــــ صـ ۱۱

۵ ـــــ ایضاً ـــــ صـ ۱۲، کیپٹن واحد بخش سیال نے اس شعر کو یوں لکھا ہے

در کوئے دوست عطا کی ہے بھیڑ بھاڑ + تو بھی گھسڑ گھسڑ کے آنجا گھساڑ (سر دلبراں (اُردو ترجمہ) صـ ۹۶۔

۶۔ "سر دلبراں" (فارسی) از عبیداللہ ملتانی، صـ ۱۳۔

Marfat.com

ے ڈوں دی لگی لجھ ترتیجا گھبی چوتھی داناں ٹلکے لگے بادشاہ دے سدودی سراں

(ایں معما چراغ است کہ مرکب از چہار چیز است آتش و روغن و پنبہ و ظرف) (۱)

ایک مرتبہ کسب حلال کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

ے لکڑیاں چن لے آؤ ہم کی صفت اور بیچ کہا یہ مجرب چوب چینی ہے من کے درد کو (۲)

غرور، خود بینی اور خود پرستی کو ختم کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

ے ما جنیندی پترنے وٹھوہ دلی سنج وسائی ہر کو پتر سو جو دستی پٹی (۳)

وحدت اور کثرت کے مسئلے پر فرمایا

ے چل بلا چلئے سنارتے اوتھاں گھنے گھڑیجن لاکھ صورت آپو آنپی تو ہکو رویا آکھ (۴)

ان اشعار میں ایک طرف تو اخلاق کی تعلیم ہے دوسری طرف اردو اور سرائیکی اشعار اور اقوال کا بے دریغ استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اپنی گفتگو میں خواص کے لئے عربی و فارسی اشعار اور عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے اردو اور سرائیکی اشعار و اقوال سے کام لیتے تھے۔ نزاکت طبع اور لطافت ذوق کی یہ حالت تھی۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ابوسعید ابوالخیر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے جنازے کے موقع پر کون سی آیت پڑھی جائے تو انہوں نے کہا کہ قرآن پڑھنا تو بڑی بات ہے یہ شعر پڑھا جائے

ے چیست چنیں خوب تر در ہمہ آفاق کار دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

پھر فرمایا کہ میرے جنازے پر یہ شعر پڑھا جائے

ے مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئاً للّٰہ از جمال روئے تو (۵)

آپ حضرت بہاء الدین نقشبند بخاریؒ سے بھی نسبت رکھتے تھے۔

۱، ۲، ۳ ۔ "سر دلبراں" فارسی، صہ ۱۴ ۔

۴ ـــــ ایضاً ـــــ صہ ۱۵

۵ ـــــ ایضاً ـــــ صہ ۱۵

Marfat.com

حضرت محمد سُلیمان تونسوی

ہندوستان میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کے جن بزرگوں نے ارشاد و تلقین کی بیش بہا خدمات انجام دیں ان میں صوبہ ملتان میں خواجہ سلیمان تونسوی کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ جعفر خوانی سے تھا۔ اس قبیلے کو رمدانی (رحیم۔ دانی) بھی کہتے تھے۔ کیونکہ یہ رمدانی قبیلہ کی شاخ تھا[1]۔ جعفر خوانی قبیلہ کے مورث اعلیٰ جعفر خوان تھے جو ابتداء میں مرآتہ (کوہستانی شیرانی) کے مقام پر رہتے تھے۔ کوہستان سلیمان کی دو بلند چوٹیوں "تخت سلیمان" اور "فورٹ منرو" کا درمیانی علاقہ "گڑگوجی" کے شمال مشرق میں ورگ کا وسیع و شاداب علاقہ تھا۔ جعفر خان نے وہاں کے ہندو حکمران گھنہ کو شکست دے کر وہاں قبضہ کر لیا[2]۔ جعفر خاں کی تیسری نسل سے رحیم داد خاں نے، جو کبنے کا سربراہ تھا۔ لبعدازاں گڑگوجی پر بھی قبضہ کر لیا۔ رحیم داد خاں کی مناسبت سے اس قبیلے کا نام رمدانی پڑ گیا۔ اسی رحیم داد خاں کی نسل سے آگے جاکر ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء[3] میں کوہستان "گڑگوجی" کے مقام پر خواجہ شاہ سلیمان تونسوی پیدا

۱۔ (۱) خاتم سلیمانی" از مولوی اللہ بخش خان بلوچ، صـ ۱۵، مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور ۱۳۲۵ھ۔
(۲) مناقب المحبوبین از نجم الدین سلیمانی، ترجمہ و تلخیص پروفیسر افتخار احمد چشتی، صـ ۱۳۷، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۔ "سیرت سلیمان" از مولوی صالح محمد، صـ ۹ ـ ۱۰، مطبوعہ لاہور ۱۸۲۵ء

۳۔ "حیات سلیمان تونسوی" حصہ اول، از مولوی صالح محمد، صـ ۷، مطبوعہ چشتیہ کتاب گھر، لاہور ۱۹۵۶ء
خواجہ سلیمان تونسوی کی صحیح تاریخ ولادت کہیں نہیں ملتی۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ آپ نے ۸۴ سال کی عمر میں ۱۲۶۷ھ / ۱۸۸۱ء میں وفات پائی تھی۔ چنانچہ اس تاریخ وفات کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء بنتا ہے۔ (بحوالہ مناقب المحبوبین، صـ ۱۹۹) جبکہ خاتم سلیمانی (حاشیہ) صـ ۱۵، سیرت سلیمان، صـ ۱۵، تاریخ مشائخ چشت، صـ ۶۱۱، پنجاب کے صوفی دانشور، صـ ۲۴۰، اور حدیقۃ الاولیا صـ ۱۱، تذکرہ اکابر اہل سنت، مرتب محمد عبدالحکیم شرف قادری، صـ ۱۴۷، مطبوعہ مکتبہ قادرہ لاہور میں آپ کا سنہ ولادت ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء اور مقدمہ تونسہ، صـ ۵ کے مطابق ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء درج ہے جو کہ تاریخ وفات کے مطابق درست نہیں ہے۔

Marfat.com

ہوئے۔ آپ اپنی جائے پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"خانہ خود کہ در کوہ است و اسم آں گرگوجی ست کہ مسافت آں از تونسہ سی کردہ می شود"[1]

آپ کے والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں اور والدہ کا نام زلیخا تھا۔ آپ کا خاندانی نام "محمد سلیمان" تھا۔ بعد میں آپ حضرت "خواجہ محمد سلیمان تونسوی" کے نام سے مشہور ہوئے۔[2] حضرت سلیمان تونسوی کی ابتدائی تعلیم آپ کی والدہ محترمہ کی زیر نگرانی ہوئی کیونکہ والد بچپن میں وفات پاگئے تھے۔ چار سال کی عمر میں والدہ نے حفظ قرآن کے واسطے حافظ ملا۔ یوسف نامی جعفر خوانی کے پاس بھیجا۔ سلیمان تونسوی نے وہاں رہ کر پندرہ سپارے حفظ کئے۔ بعد میں ایک اور بزرگ حاجی صاحب سے کلام اللہ ختم کیا اور انہیں سے دو کتابیں فرائض وکریا پڑھیں[3] اور اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کو مزید علم حاصل کرنے کے لئے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خاں) جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ استاد کے حکم سے کوہ درگ سے تونسہ تشریف لے گئے وہاں تونسہ کے بازار میں واقع سفید مسجد المعروف "بگی مسجد" میں میاں حسن علی صاحب سے فارسی کی چند کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ جن میں پند نامہ عطار اور گلستان و بوستان سعدی شامل ہیں۔[4] مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ تونسہ سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع موضع لانگھ میں میاں ولی محمد کے پاس گئے۔ میاں ولی محمد سے آپ نے فارسی درسیات کی تعلیم حاصل کی پھر عربی تعلیم حاصل کرنے کی جستجو ہوئی تو کوٹ مٹھن تشریف لے گئے جہاں قاضی محمد عاقل نے علوم عربیہ اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم قائم کیا تھا۔ ان دنوں اس مدرسے کے صدر مدرس قاضی احمد علی تھے۔ خواجہ سلیمان تونسوی نے کوٹ مٹھن میں رہ کر اس مدرسے سے درسی

۱۔ بحوالہ "تاریخ السالکین" (فارسی) مؤلفہ فقیر امام الدین، صہ ۱۰، مطبع مرتضوی دہلی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

۲۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" اردو ترجمہ، صہ ۱۳۷۔

۳۔ بحوالہ "مناقب سلیمانی" (فارسی) قلمی نسخہ، صہ ۳، کاتب خدا بخش ذوقی (جناب اسد نظامی چک نمبر ۱۱۴/۱۰، آر جہانیاں کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

۴۔ (۱) مناقب المحبوبین (ترجمہ) صہ ۱۳۱ (۲) خاتم سلیمانی، صہ ۲۵-۲۶ (۳) حیات سلیمان تونسوی حصہ اول، صہ ۹۔

Marfat.com

کتابیں پڑھیں جن میں منطق کی کتاب قطبی بھی شامل تھی۔ علامہ خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ

" درمبادی حال درکوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب بہ تحصیل علم
کتب درسیہ توجہ می فرمودند "(۱)

اسی دوران میں جبکہ آپ وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ نور محمد مہاروی اُوچ کے مقام پر تشریف لائے تو کوٹ مٹھن سے قاضی محمد عاقل اور ان کے فرزند قاضی احمد علی مدرسے کے طالب علموں اور عالموں کو ساتھ لے کر خواجہ نور محمد مہاروی صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ خواجہ سلیمان تونسوی بھی ہمراہ تھے۔ دراصل وہ " خواجہ مہاروی سے مسئلہ سماع پر بحث کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے غیر اسلامی ثابت کیا جائے۔ لیکن خواجہ کے حضور پہنچے تو کایا ہی پلٹ گئی۔ گڑگڑانے لگے اور مرید ہونے کی درخواست کی(۲) " جسے خواجہ مہاروی صاحب نے قبول فرمایا اور بیعت لینے کے بعد سلیمان تونسوی سے کہا کہ

" ای میاں! بہر جا کہ علم بخوانی برو بخوان
اے میاں! جس جگہ علم پڑھ رہے ہو وہیں جاکر مزید علم حاصل کرو! (۳)

گویا حضرت قبلہ عالم نور محمد مہاروی نے اس شہباز کو اپنے دام میں شکار کر لیا(۴) اس وقت سلیمان تونسوی کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔ خواجہ مہاروی کے حکم سے سلیمان تونسوی کوٹ مٹھن تشریف لائے۔ لیکن مرشد کے عشق نے بے چین کر دیا اور آپ دوبارہ مہار تشریف لے گئے جہاں خواجہ نور محمد کا قیام تھا۔ مگر خواجہ مہاروی نے آپ کو واپس بھجوا دیا کہ مزید علم حاصل کریں۔ چنانچہ آپ دوبارہ کوٹ مٹھن تشریف لے آئے اور مزید علم حاصل کرنے کے بعد نور محمد مہاروی کے مرشد خواجہ فخر الدین دہلوی کی زیارت کے لئے جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ

۱۔ " مشائخ چشت " صہ ۶۱۳

۲۔ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید، صہ ۱۴۲، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول ۱۹۷۹ء

۳۔ بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" تحقیق و تصنیف ڈاکٹر محمد حسین للٰہی، صہ ۱۲۷
مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، سنہ اشاعت ۱۹۷۹ء

۴۔ بحوالہ کتاب "مناقب سلیمانی" (فارسی) قلمی نسخہ، صہ ۴، کاتب خدا بخش ذوقی۔

Marfat.com

۱۷۸۴ء میں دہلی روانہ ہوئے[1] — اوچ، بیکانیر اور اجمیر کے راستے سے دہلی پہنچے۔ لیکن آپ کے دہلی پہنچنے سے دو روز قبل خواجہ فخر الدین وفات پا چکے تھے۔ چالیس دن تک ان کے مزار پر معتکف رہنے کے بعد آپ نے خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، شیخ کمال الدین، امیر خسرو اور شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مزارات پر بھی اعتکاف کیا۔ پھر بیکانیر و جیسلمیر سے فرخ نگر اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے رمضان ۱۱۹۹ھ میں مہار شریف پہنچے[2] — مہار شریف میں آپ کا قیام حافظ خدا بخش مہار کی مسجد میں تھا۔ آپ یہاں سے اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے چشتیہ روایات کے مطابق درویشی کے درجے تک پہنچانے کے لئے آپ کو ریاضت و مجاہدے اور ذکر و فکر کی تلقین کی۔ حاجی نجم الدین سلیمانی کے مطابق

> "آپ رات دن ذکر، پاس انفاس اور وقوف قلبی میں مصروف رہتے تھے۔ رات کو ذکر جہر بلند آواز سے کرتے۔ آپ کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا۔ صرف کچہری کے وقت زیارت اور سبق کے لئے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں جاتے آپ نے سلوک کی باتیں مثلاً آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرۂ کاملہ، فصوص الحکم وغیرہ اپنے پیر و مرشد سے پڑھیں۔ حضرت قبلہ عالم نے آپ پر خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ کبھی کبھی حضرت قبلۂ عالم خود بہ نفس نفیس خدا بخش مہار کی مسجد میں آپ کو ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔"[3]

یہاں صرف باطنی و روحانی ریاضت پر ہی زور نہیں دیا گیا بلکہ خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے لنگر کے منتظم غلام رسول کو حکم دیا کہ محمد سلیمان کو کھانا کم دیا جائے اور سردیوں کا بستر بھی معمولی ہو۔ تاکہ

۱۔ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) صہ ۱۴۴، کے مطابق — "قبلہ عالم اپنے وطن مہار شریف کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت غوث زماں کو فرمایا کہ آپ یہاں سے دہلی جائیں اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی ملاقات و زیارت کے بعد میرے پاس مہار شریف آئیں۔"

۲۔ بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی، صہ ۱۲۸۔

۳۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ)، صہ ۱۴۸۔

Marfat.com

خواب غفلت کا شکار ہو کر اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں۔ خواجہ مہاروی نے محمد سلیمان کی تعلیم وتربیت کا خصوصی خیال رکھا۔ آپ دوسرے مریدوں کی نسبت ان پر زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر ان کی خبرگیری کے لئے تشریف لے آتے۔ ایک مرتبہ خواجہ مہاروی تشریف لائے تو خواجہ سلیمان "دیوان حافظ" میں سے کچھ اشعار خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے۔ مرشد کے سوال پر کہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ عرض کیا "اشعار دیوان حافظ" انہوں نے فرمایا کہ "ہمیں بھی سناؤ" اس پر خواجہ سلیمان نے یہ شعر پڑھا

؎ کمال صنعت مشاطہ شاید — کہ روی زشت را زیبا نماید

یہ سن کر خواجہ مہاروی خوش ہوئے اور خود بھی یہ شعر پڑھا

؎ مگو کہ پیر شدی ذوق عاشقیات نماند — شراب کہنہ ما مستی دگر دارد (۱)

تقریباً چھ(۶) سال تک آپ نور محمد مہاروی کی صحبت میں رہ کر عبادت وریاضت میں مشغول رہے اور روحانی کمالات حاصل کئے۔ خاتم سلیمانی کے مطابق

"خواجہ صاحب نے آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم وغیرہ سلوک وتصوف کی کتابیں سب اپنے پیر سے ہی پڑھیں۔" (۲)

ان چھ سالوں میں صرف تین مرتبہ آپ اپنی والدہ کو ملنے گڑگوجی گئے لیکن مرشد کے عشق میں بے قرار ہو کر فوراً واپس چلے آئے۔ ان کی والدہ اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت پریشان رہا کرتی تھیں۔ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) کے مطابق ان کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ،

۱۔ بحوالہ "خاتم سلیمانی" از مولوی اللہ بخش خاں بلوچ، صـ ۱۴۸۔

۲۔ بحوالہ "منتخب ملفوظ شریف" فارسی (قلمی) مرتبہ خواجہ یار محمد بن تاج محمود چشتی پاکپٹنی صـ۱۲ (مکتبہ اسد نظامی، جہانیاں) اس کتاب کی ایک نقل لیکن جو کسی دوسرے کاتب احمدالدین کی لکھی ہوئی جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ قلمی نسخہ (فارسی) ۱۴ محرم ۱۳۱۶ھ کو مکمل ہوا۔ اسی طرح ایک نسخہ قلمی جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کے پاس بھی ہے۔ اس کا کاتب میاں غلام محمد ہے۔ (یہ تینوں نسخے مجھے دستیاب رہے۔)

۳۔ بحوالہ "خاتم سلیمانی" صـ ۴۲۔

Marfat.com

پسر و فرزند مرا کسی فقیر مہاراں والا چناں سحر کردہ کہ نزد او مضبوط شدہ می ماند"

بلکہ ایک بار انہوں نے ایک شخص کے ذریعے حضرت نور محمد مہاروی کو پیغام بھجوایا کہ

" ای میاں فقیر! یک پسر من فلاں نام بود کہ از مدتی جدا شدہ بالطرف ست وسابق ازیں مرا خبرش نبود حالی معلوم شد کہ نزد شما است ومن از فراق او گداز می شوم بنام خدا عز وجل پسرم را از خود رخصت دادہ بایں طرف بفرستید"

حضرت نور محمد مہاروی نے حضرت سلیمان تونسوی کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ

" حافظ! حق والدہ بسیار است برو ملاقات کردہ بیائید"

اس پر حضرت سلیمان تونسوی دو چار روز خاموش رہے۔ آخر ایک دن حضرت مہاروی نے پھر طلب کیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا کہ

" اے حافظ برائے رفتن بوطن خود دل نمی خواہد؟ "

حضرت سلیمان تونسوی نے دست بستہ یہ شعر پڑھا

؎ ز آسودگیٔ منزل الطاف تو جاناں غربت زدگان را نشود میل وطن ہا[1]

آخری مرتبہ جب آپ اپنی والدہ کو ملنے تشریف لے گئے تو اس وقت خواجہ نور محمد مہاروی مرض الموت میں مبتلا تھے۔ تمام علاج معالجے بیکار ہو چکے تھے۔ اس موقع پر آپ بار بار خواجہ سلیمان کو رو حیلے کے نام سے یاد کرتے رہے۔ آپ کے صاحبزادے نور الصمد اور حافظ جمال ملتانی نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ جا کر آپ کو لے آتے ہیں لیکن خواجہ مہاروی نے منع فرما دیا آخر یکم ذی الحج کو خواجہ سلیمان خود ہی بے قرار ہو کر تشریف لے آئے۔ خواجہ نور محمد نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور یکم ذی الحج سے دو ذی الحج ۱۲۰۵ھ کی نماز عصر تک سامنے بٹھائے رکھا۔ اس کے بعد فرمایا

" ای فلاں اگر چہ برائی جدائی تو دل نمی خواہد لیکن بحسب آئین پیران کلاں چوں خواجہ معین الدین از خواجہ عثمان و خواجہ قطب الدین از خواجہ معین الدین و خواجہ

۱۔ بحوالہ " منتخب ملفوظ شریف" فارسی (قلمی) صہ ۱۴۱۔

Marfat.com

فریدالدین از خواجہ قطب الدین و خواجہ نظام الدین از خواجہ فریدالدین تا آخر یعنی قبلہ عالم (خواجہ نور محمد) از مولانا صاحب (خواجہ فخرالدین) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پیشتر از وصال رخصت شدند، ازیں قرار ما نیز شمارا از خود رخصت نماید واگرچہ تو نواختہ و تلقین یافتہ آلہی ہستی مگر آنچہ از ما بفرمان آلہی و معاملہ رسول اللہؐ واصحاب و پیران خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ وغیرہ تمامی سلاسل بتو ہم رسیدہ، انشاء اللہ تعالیٰ شما بحصول آں مقبول الحق و منظور الرسول گشتید و خواہید ماند‘‘ (۱)

(ترجمہ: اے سلیمان! اگرچہ تمہاری جدائی کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن بزرگان سلسلہ کے مطابق کہ جیسے خواجہ معین الدین، خواجہ عثمان ہارونی سے اور خواجہ قطب الدینؒ خواجہ معین الدین سے اور خواجہ فریدالدین خواجہ قطب الدین سے اور خواجہ نظام الدین خواجہ فریدالدین سے اور آخر تک یعنی خواجہ نور محمد خواجہ فخرالدین سے ان کے وصال سے پہلے رخصت ہوئے۔ اس طریقہ سے ہم (اپنی وفات سے پہلے) تم کو رخصت کرتے ہیں اور اگرچہ تم حق تعالیٰ کے تلقین یافتہ اور برگزیدہ ہو لیکن ہماری طرف سے جو فرمان الٰہی اور معاملہ رسول اللہ و اصحاب رسول اللہ کے مطابق تمام سلسلوں کے بزرگوں یعنی خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ کا فیض تم کو پہنچا ہے۔ انشاء اللہ اس کے حصول کے بعد تم خدا اور رسولؐ کے منظور نظر ہو گئے ہو اور ہمیشہ منظور نظر خدا اور رسولؐ رہو گے۔)

اس طرح انہوں نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد چند نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔ اور تونسہ شریف میں قیام کی ہدایت فرمائی۔ خلافت کے وقت خواجہ سلیمان کی عمر تقریباً اکیس بائیس سال کی تھی۔ تین ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو خواجہ نور محمد مہاروی نے وفات پائی۔ خواجہ سلیمان ۹، ماہ تک مرشد کے مزار پر معتکف رہے(۲) پھر آپ اپنے وطن گڑگوجی چلے آئے۔ یہاں سے اکثر

۱۔ بحوالہ ’’حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء‘‘ از محمد حسین للہی، صہ ۱۲۴، ۱۲۵۔

۲۔ حوالے کے لئے دیکھئے ’’گلشن ابرار‘‘ اردو ترجمہ حدیقۃ الاسرار‘‘ از خواجہ امام بخش، مترجم صالح محمد صہ ۲۲۵، مطبوعہ صدیقیہ پریس ملتان۔

Marfat.com

مہار شریف جاتے رہے۔ اسی دوران میں آپ نے والدہ کے اصرار پر اپنے خاندان میں عمر خان جعفر خانی کی بیٹی سے شادی کی۔"

۱۲۱۴ھ میں آپ ضلع ڈیرہ غازی خان کے علاقہ تونسہ میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ جہاں آپ نے آخری دم تک زندگی گزاری۔ آپ کی نسبت سے یہ علاقہ "تونسہ شریف"(۲) کہلوایا آپ جب تونسہ منتقل ہوئے تو یہاں کی آبادی بمشکل سو گھروں پر مشتمل تھی۔ ابتدا میں سرکنڈوں کی کی جھونپڑی بنا کر وہیں رہنے اور عبادت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس علاقے کی صورت حال بدلنے لگی۔ آپ کے آنے کے بعد طالبان علم دور دور سے یہاں آکر آباد ہونے لگے تو آپ کی رہائش کے اردگرد والی زمین بھی آباد ہونے لگی اور اس میں نئی نئی عمارتوں کا اضافہ ہونے لگا۔ نجم الدین سلیمانی نے لکھا ہے کہ

" آپ کی والدہ محترمہ، ہمشیرہ محترمہ اور زوجہ محترمہ تونسہ شریف آگئے تو آپ نے سب سے پہلے اپنے دولت خانہ کے لئے ایک کمرہ، ایک دالان اور چاروں طرف بڑی دیوار کا احاطہ تعمیر کرایا اور ساتھ ہی اپنے لئے ایک حجرۂ عبادت فقراء کی مجلس کے لئے ایک دالان اور با جماعت نماز کے لئے بغیر چھت کی مسجد تعمیر کرائی۔ بعد ازاں ایک بنگلہ حضرت صاحبزادہ گل محمد کی شادی کے وقت تیار کیا۔ پھر مدت بعد ایک اصطبل مہمانوں کے گھوڑوں کے لئے تیار کرایا۔ جس میں ایک دو گھوڑے لنگر کے بھی تھے۔ کچھ عرصہ بعد خلیفہ محمد باراں نے تین حجرے اور ایک دالان لنگر خانے کے لئے تعمیر کرائے۔ مزید کچھ عرصہ بعد برخوردار چاکی نے سادہ مٹی سے چھت والی مسجد تعمیر کرائی۔ پھر بہت مدت کے بعد نواب بہاول خاں نے اس کچی مسجد کی جگہ پختہ مسجد تعمیر کرانی شروع کی۔"(۳)

یہ تبدیلی تو صرف اس جگہ کی تھی جہاں آپ کا قیام تھا۔ اس جگہ نے خانقاہ کی صورت اختیار کرلی

۱۔ بحوالہ "خاتم سلیمانی" صـ ۶۴۔

۲۔ بحوالہ "ذکر حبیب" از محمد الدین، صـ ۲۸۲، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۲ھ

۳۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) صـ ۱۵۵۔ مزید حوالے کے لئے "خاتم سلیمانی" صـ ۶۵۔ ۶۶

Marfat.com

تھی۔ جب تونسہ شریف کی آبادی بڑھی جوق درجوق مریدین اور طالبان علم نے آنا شروع کیا تو خواجہ سلیمان تونسوی نے مشائخ چشت کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس مقصد کے لئے آپ اپنی خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس دور میں مسلمان خصوصاً سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور ثقافتی طور پر پسماندہ زندگی گزار رہے تھے۔ اور ایسے موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے دینی مدارس قائم کئے جائیں جہاں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو برقرار رکھنے اور مسلمانوں کے مزید زوال کو روکنے کے لئے اسلامی علوم کا احیاء کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسی درسگاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ تونسہ شریف میں یہ خدمت خواجہ سلیمان تونسوی نے انجام دی۔ ڈاکٹر محمد حسین للہی کیمطابق

"خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے تونسہ شریف میں ایک بڑی درسگاہ قائم کی جس میں سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے علم دین حاصل کر کے جگہ جگہ تبلیغ واشاعت اسلام کی۔ تونسہ کا غیر معروف اور علم ومعرفت سے محروم علاقہ علم وعرفان کا مرکز بن گیا۔ یہاں تک کہ اس نور علم ومعرفت کی کرمیں سابق مغربی پاکستان سے باہر کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئیں۔"(۱)

سلیمان تونسوی نے تونسہ میں کئی مدارس قائم کئے جن کے سرپرست وہ خود تھے۔ ان مدرسوں کیلئے آپ نے ایسے علماء اور اساتذہ رکھے جو طالبان علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ مجموعی طور پر ان مدرسوں میں پچاس استاد تھے جو مختلف علوم کی تدریس پر مامور تھے۔ ان مدارس میں مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی چیزیں کپڑے اور کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ مناقب سلیمانی میں لکھا ہے کہ

"چندیں از علماء نامدار واز فضلای ذوی الاقتدار کہ مستفیض از حاشیہ نشینان بساط فیض مناط اند، ارشاد فیض رشاد حضرت خواجہ بر تعلیم علوم شریفہ وفنون لطیفہ است پس صدہا طالب علم بہ خاص تونسہ شریف زیر دامن عاطفت حضرت آمدہ واز حوائج خود فارغ البال بودہ تحصیل مطالب ارجمند واکتساب مآرب دلپذیر می نمایند زیراکہ کتب تحصیل از آنحضرت خواجہ عطا شدہ اند وبرائی طالب علمان روغن تلخ جہت

۱۔ بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسین للہی، صہ ۹۹۰۔

Marfat.com

مطالعہ کتب مقرراست"(۱)

خواجہ سلیمان تونسوی کے مدرسے کے اردگرد ان علماء کے مکانات تھے جو مدرسے میں درس دیا کرتے تھے اور یہ مکان ان کے نام سے موسوم تھے۔ ان مکانوں کی حیثیت بھی ایک لحاظ سے چھوٹے چھوٹے مدرسوں کی تھی جو کہ سلیمان تونسوی کے مدرسے سے وابستہ تھے۔ یہ اس مدرسے کے الگ الگ حلقے کہلاتے تھے جہاں مختلف علوم کا درس دیا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ تفصیل مسٹر ایچ۔ ایف۔ فاربس، ڈسٹرکٹ جج ملتان نے اپنے ایک مقدمے کے فیصلے میں دی ہے جو کہ خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان تھا۔ مسٹر ایچ۔ ایف فاربس نے اپنے ایک فیصلے میں خواجہ سلیمان تونسوی کے مدرسوں کے بارے میں لکھا ہے کہ

"انہوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمان) اغراض مذہبی کے لئے مدارس جاری کئے اور وہ لوگ جو زیارت کے لئے اور مرید بننے کے لئے آتے تھے ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کارروائی زیر نگرانی شاہ محمد سلیمان صاحب ہوتی تھی۔ امداد کنندگان ان کے خلفاء تھے ...... بڑے بڑے خلفاء کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے اردگرد ہیں موسوم ہیں۔ گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ اللہ بخش صاحب کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھگیاں (جھونپڑیاں) تھیں۔ کھڈی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں۔ مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر، مولوی احمد صاحب کا بنگلہ، مدرسہ مولوی الٰہی بخش۔ یہ تمام صاحب خواجہ سلیمان صاحب کے خلفاء تھے ...... پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب اور پندرہ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا ایک مدرسہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب

۱۔ بحوالہ "مناقب سلیمانی" (فارسی) از غلام محمد خاں برمیاں، صد ۲۴ مطبوعہ در مطبع احمدی دہلی، سنہ اشاعت ۱۲۸۸ھ

Marfat.com

کے زمانہ میں پچاس استاد تھے۔ ان کے مکانات تھے۔ خواجہ صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔" (۱)

خواجہ سلیمان کے ایک خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی جنہوں نے اس مدرسے میں آپ سے تصوف کا درس لیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ

"بیست و سہ[۲۳] فضلای کامل در تونسہ شریف تدریس می کردند و بیست زیادہ سبق نزد ہر یک خواندہ مشید و دیگر علمائے نامدار از طرف مشرق و مغرب و جنوب و شمال بیشتر می آمدند انگاہ فرمود کتب توحید مثل لوائح و لمعات در بغل داشتہ بحضور حضرت حاضر شدمی چون نظر مبارک بر من افتادی باشارہ دست مبارک تر خود خواندہ سبق تعلیم نمودے و اکثر اُوقات در باب خواندن سبق سعی بلیغ فرمودے" (۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

"......بعد ازاں چند کتب توحید مثل لوائح مولوی جامی و لمعات فخر الدین عراقی و شرح لمعات مولوی جامے و سواء السبیل و کشکول و مرقعہ شریف من تصنیفات خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادے در قریہ سو تونسہ شریف بخدمت حضرت خواجہ تونسوی رضی اللہ عنہ خواندم" (۳)

خواجہ سلیمان تونسوی کے قائم کردہ مدارس میں صرف تعلیم ہی نہیں دی جاتی بلکہ تربیت کا بھی خاص انتظام تھا۔ کیونکہ خواجہ صاحب تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور ہدایت کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ ملفوظ شریف فارسی قلمی میں علم کے بارے میں ان کا یہ فرمان درج ہے

۱۔ بحوالہ، ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی منفصلہ ایچ۔ ایف۔ فارلس ڈسٹرکٹ جج ملتان، صہ ۱۱-۱۲ مقدمہ نمبر ۱۰۹، ۱۹۱۱ء (خواجہ حامد و محمود) مطبوعہ یونین پرنٹنگ ورکس لدھیانہ ۱۹۱۲ء۔

۲۔ مرأۃ العاشقین (فارسی) از شمس الحق سیالوی، صہ ۴۸ مطبوعہ مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء۔ اس کتاب کا ترجمہ صاحبزادہ غلام نظام الدین نے کیا ہے جو اسلامک بک فاؤنڈیشن سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس عبارت کا ترجمہ صہ ۶۹ پر ہے۔

۳۔ مرأۃ العاشقین (فارسی) صہ ۴۶، اردو ترجمے میں یہ صہ ۶۷ پر ہے۔

Marfat.com

"......... علم نیز بہ ہدایت نیکو چیز ست واگر ہدایت ہمراہ نباشد خود علم سبب
وبال ...... نمود" (۱)

پھر آگے لکھا ہے کہ علم کی مثال ایک تلوار کی ہے جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو اور اس کا دل جگہ پر ہو اور دشمن سے بددل نہ ہو وہ دشمن کا سر کاٹ لے گا۔ لیکن اگر دل ہاتھ میں نہ رہے اور بزدلی غالب آجائے پھر اس کا دشمن اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لے گا۔ گویا علم کا تعلق تربیت اور دل سے ہے (۲) — مولانا روم کا شعر ہے

ے علم را برتن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

آپ اپنے مریدوں اور طلبہ کو بار بار علم حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے اور اس سلسلے میں تساہل نہ کرنے کی تنبیہ کرتے۔ ملفوظ شریف کے مطابق

"......... روز و شب بندگان را از حضور انور ایں تاکید صادر می شود کہ در خواندن
علم و در مطالعہ آں ہیچ تساہل نسازید" (۳)

یہی وجہ ہے کہ یہاں آنے والے طلبہ کی تہذیبی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی ہر طرح سے تربیت کی جاتی تاکہ یہ لوگ اپنے عمل اور اخلاق سے دوسروں کو متاثر کریں۔ کیونکہ انہی مدارس کے تربیت یافتہ لوگ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں جاکر مسلمانوں کے علم و اخلاق کی تربیت کرتے جس طرح بہاء الدین زکریا کے مدرسے میں طالب علموں کی ذہنی، اخلاقی اور تعلیمی تربیت پر زور دیا جاتا تھا بالکل اسی طرح سلیمان تونسوی کے مدارس میں بھی ان باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس کے لئے سب سے پہلے ان علماء اور اساتذہ کا کردار ان کے سامنے مثالی نمونہ ہوتا جو اُن کو تربیت دیتے تھے۔ ان مدارس میں طالب علموں کی تعلیم

۱۔ بحوالہ (۱) منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن تاج محمد چشتی، صہ ۱۱۸۔
(۲) یہی عبارت ڈاکٹر طاہر تونسوی والے نسخے میں صہ ۳۶۲ پر درج ہے۔

۲۔ (۱) — ایضاً — صہ ۱۱۸ — (۲) — ایضاً — صہ ۳۶۳ —

۳۔ بحوالہ (۱) منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن تاج محمد چشتی، صہ ۱۱۹ (۲) اس کتاب کے ڈاکٹر طاہر تونسوی والے فارسی قلمی نسخے میں بھی یہی عبارت صہ ۳۶۶ پر درج ہے۔

Marfat.com

و تربیت کے لئے وہ تمام علوم سکھاتے جاتے جن کی ضرورت انہیں دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی موقع پر پیش آسکتی تھی۔ ان علوم کے نصاب زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر وضع کئے جاتے تھے۔ اسی لئے آپ کی خانقاہ اور مدارس برصغیر پاک وہند کے صوفیاء کی خانقاہوں کے مقابلے میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں ظاہری و باطنی ہر طرح کی تربیت کا خیال رکھا جاتا۔ اس علمی تعلیم میں پیشہ ورانہ

تربیت بھی شامل تھی۔ مثلاً لکڑی کا کام سکھایا جاتا تھا جس میں رحل اور کنگھیاں بنانا شامل تھا۔ سرمہ ڈالنے کی سلائیاں بنانے کا کام بھی سکھایا جاتا تھا۔ پارچہ بافی اور طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس علمی اور عملی تربیت کی خاطر دور دور سے لوگ یہاں فیض حاصل کرنے کے لئے آتے۔ فیض اللہ خان قصوری خواجہ سلیمان کے مدرسوں کی عظمت اور علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "جب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسہ میں مقیم ہوئے۔ تب تونسہ "تونسہ شریف" کہلانے لگا اور آبادی اس جگہ رفتہ رفتہ بڑھنی شروع ہوئی۔ دور دراز سے لوگ ہجوم در ہجوم حاضر بحضور خواجہ شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونے لگے۔ پنجاب، ہندوستان، بلوچستان، کشمیر، قندھار، عرب، فارس، افغانستان جمیع اطراف سے لوگوں کا ورد ہونے لگا"[۱]۔۔۔ عربی، فارسی، حدیث، تفسیر، فقہ، سائنس قدیم، فلسفہ اور ہندسہ وغیرہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دی جانے لگی۔ مشہور و معروف علماء دور دراز سے آکر اس جگہ مقیم ہوتے اور بڑی بھاری درس گاہ تونسہ میں قائم ہوگئی۔ ہر دو تعلیم ظاہری و باطنی دی جاتی تھی۔ حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر فرمایا کرتے تھے اور ان کے

۱۔ تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۲۰۴، میں لکھا ہے کہ "آپ کے روحانی فیض سے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ کابل، ایران، لنکا، عدن اور ترکستان کے عوام و خواص مستفید ہوتے"۔ اسی طرح مرآۃ العاشقین ص ۱۳۱ کے مطابق "بلخ، بخارا، ایران، ہرات، ہند، سندھ اور حرمین شریفین کے لوگ اپنی استعداد کے مطابق ان سے مستفیض ہوئے۔

Marfat.com

دربار ذی وقار میں امیر وفقیر ہر دو کے ساتھ یکساں سلوک برتا جاتا تھا۔ آپ شریعت کے عامل اور احکام محمدی کے پابند تھے۔"(۱)

خواجہ سلیمان تونسوی خود بھی طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کو تمام علوم پر کامل دسترس حاصل تھی۔ اس کی وجہ وسعت مطالعہ تھی۔ خلیق نظامی کے مطابق،

"شاہ محمد سلیمان صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی، قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زباں پر تھیں اور شیخ سہروردی اور امام اکبر کے بنیادی خیالات پر کافی غور وفکر کیا تھا۔ حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔"(۲)

عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ کے علاوہ بھی کئی کتابیں آپ کے درس میں شامل رہیں نجم الدین سلیمانی نے ان کتابوں کے نام بتائے ہیں۔ ان کے مطابق

"مختلف درویش اور طلبہ درج ذیل کتب میں سے کوئی کتاب آپ سے پڑھتے، آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم، نقد فصوص، احیاء العلوم، فوائد الفواد، سواء السبیل، تسنیم، فتوحات مکیہ اور نفحات الانس۔"(۳)

خواجہ سلیمان تونسوی کے مدارس میں زائرین، طالبین، علماء اور طلباء کی بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی۔ جن کی رہائش وطعام کا بندوبست آپ نے کر رکھا تھا۔ اگرچہ آپ کی باقاعدہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن جو کچھ بھی ان کو حاصل ہوتا آپ اسے فوراً خرچ

۱۔ بحوالہ "مقدمہ تونسہ شریف" از فیض اللہ خاں قصوری، ص ۶۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۷ء

۲۔ بحوالہ "مشائخ چشت، از خلیق احمد نظامی، ص ۶۲۳۔

۳۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) ص ۱۶۰۔

Marfat.com

کر دیتے: "المنتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) کے مطابق ایک دفعہ ایک شخص حافظ نور احمد افغان نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں بارہ ہزار روپے پیش کئے۔ بعد از مغرب کا وقت تھا۔ فرمایا یہ روپے فی الحال فلاں شخص کے پاس رکھے رہیں۔ کل اس رقم کو فقرار اور علمار میں تقسیم کرنے کی تدبیر کی جائے گی۔ چنانچہ دوسرے روز نماز اشراق اور وظائف وغیرہ سے فارغ ہوکر قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھے اور سب رقم علمار، ملازمین اور ملاؤں میں بانٹ دی اور خود اپنے لنگر کے لئے بھی کچھ نہ رکھا۔ بعد میں فرمایا کہ اس بلا کے بوجھ سے ساری رات نہ تو سو سکے اور نہ آرام وقرار حاصل کر سکے"[1] آپ جس جگہ بھی رہے آپ کا یہی وطیرہ رہا آپ نے لنگر خانے کے مختلف حصے بنا رکھے تھے اور وہاں ہر کام کے لئے الگ سے آدمی مقرر تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا کام سرانجام دیتا۔ نجم الدین سلیمانی آپ کے لنگر خانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ

> "جب تونسہ شریف میں مستقل رہائش اختیار کی اور ولایت سلیمانی کا شہرہ اطراف عالم میں پھیلا اور طالبان حق افغانستان، ہندوستان، عرب، عجم، روم اور شام سے فوج در فوج آنے شروع ہوئے تو آپ نے یہاں لنگر کے نظام کی از سر نو باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ پیارا نام کا ہندو بقال تھا اسے اپنے لنگر کا مودی مقرر کیا۔ فقرا کے امور کے لئے اجرار پروانہ کا کام میاں علی محمد ہوتانی کے سپرد فرمایا اور مستوفیٔ حساب میاں برخوردار چاکی کو وکیل سرکار اور تدبیر صلاح کار نور خاں گورمانی کو مقرر کیا۔ ان کے فوت ہوجانے کے بعد میاں گل محمد فقیہ داماں کو مشیر باتدبیر مقرر کیا۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو عطا فرمایا۔ نیز حجام ترکھان، لوہار، موچی، ماشکی، خارکش، کلال، دھوبی اور کوٹانہ مستقل طور پر لنگر کے روزینہ خوار یا ملازم تھے۔ انہیں ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بیماروں کے علاج کے لئے طبیب بھی مقرر تھے۔ لانگری کے عہدہ پر پہلے محمود کا تقرر فرمایا۔ ان کے بعد قبول کو لانگری مقرر کیا اور پھر خدا بخش لانگری مقرر ہوئے۔"[2]

۱۔ المنتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) صہ ۳۰۴ (ملکیہ ڈاکٹر طاہر تونسوی)

۲۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) صہ ۱۵۹، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: "خاتم سلیمانی" صہ ۶۶۔

Marfat.com

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مدرسے میں رہنے والے تمام علماء، طلباء اور خانقاہ پر آنے والے زائرین کو کھانا لنگر سے ملتا تھا۔ بعض اوقات کھانے والوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ جاتی تھی اور اکثر ایک مہاجن کی دکان سے ادھار لینا پڑتا اور یہ قرض کبھی کبھی کئی ہزار تک پہنچ جاتا"[۱] —— لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے لنگر کا خرچ کسی نہ کسی صورت نکلتا رہتا تھا ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت سے مودی آیا، مل اور اس کے بھائیوں کی شکایت کی کہ وہ حضرت سے سینکڑوں ہزاروں روپے لیتے ہیں اور پرانی گندم، جوار اور باجرہ وغیرہ لنگر کے لئے دے دیتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے ہندی میں فرمایا

ے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کچرے زیج کے بچھوتانے

یعنی اگر کوئی کسی کے ساتھ دغا اور فریب کرتا ہے تو اپنی عاقبت کو نقصان پہنچاتا ہے"[۲]۔ مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ

"لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لئے جو رات دن درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ مراعات ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ، سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا لیکن ایک سفید لنگی اور گوسفند بھی عطا ہوتا تھا"[۳]

غرض خواجہ سلیمان تونسوی کی درس گاہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت اور تربیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کی پوری توجہ صرف درس وتدریس کے ساتھ وابستہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی محنت کی وجہ سے یہاں سے ایسے ایسے عالم

۱۔ "مناقب سلیمانی" فارسی (قلمی) ص ۳۴۔

۲۔ بحوالہ "نافع السالکین" (فارسی) مؤلفہ فقیر امام الدین بن میاں تاج محمود، ص ۱۲۹، مطبوعہ در مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء

۳۔ بحوالہ (۱) مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، ص ۲۲۶۔ (۲) خاتم سلیمانی، ص ۹۷۔

Marfat.com

اور طلباء علم حاصل کر کے دنیا کے مختلف حصوں میں گئے جنہوں نے اس درسگاہ کا نام روشن کیا

اس باب کے پہلے حصے میں ہم ہندوستان میں سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی حالات کا تفصیل سے جائزہ لے چکے ہیں کہ مسلمانوں کو کن حالات کا سامنا تھا۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے زوال کو روکنے کے لئے چھوٹی چھوٹی کئی اصلاحی تحریکیں ابھرتی اور دم توڑتی رہیں مختلف مصلحین نے مختلف طریقے سے حالات کو سنبھالنے اور مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ ایسے ہی حالات میں صوفیائے کرام نے بھی اپنا مثبت رول ادا کیا۔ شاہ سلیمان تونسوی سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارہویں صدی کے شروع کے زمانے کے مصلحین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں مغلیہ سلطنت زوال کی زد میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا غلبہ اور تسلط بڑھتا جارہا تھا۔ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی۔ ان حالات میں آپ نے مسلمانوں کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ آپ سلسلہ مشائخ چشت سے وابستہ تھے۔ جنہوں نے جہاد اور تیغ وسنان کی بجائے مسلمانوں میں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو ازسرنو بیدار کرنے کا کام شروع کیا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں حصولِ آزادی کی خاطر کئی ایسی تحریکیں شروع کی گئی تھیں کہ جنہوں نے تلوار اور جہاد کا ذریعہ اپنایا لیکن وہ اتنی کامیاب نہ ہوئیں۔ ۱۸۳۱ء کے زمانے میں رائے بریلی (اودھ) میں سیّد احمد شہید نے مسلمانوں کی آزادی اور عظمت رفتہ کے احیاء کے لئے جہاد کیا اور بالآخر شہید ہوئے۔ لیکن یہ تحریک کسی واضح کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

اس دور میں مسلمانوں میں تیزی سے بڑھتے ہوئے تنزل کو روکنے کے لئے کئی ایسی شخصیات بھی سامنے آئی ہیں جنہوں نے کتاب وسنت کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور اس سلسلے میں خود بھی کتابیں لکھیں۔ شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے اسرار علوم دین، اصلاح معاشرت، تنظیم، معیشت وسیاحت وغیرہ کے موضوعات پر کئی کتابیں لکھیں۔ مرزا مظہر جان جاناں (متوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) بھی ایک مصلح کے روپ میں سامنے آئے۔ پھر خود خواجہ فخر الدین دہلوی (متوفی ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) جو کہ

Marfat.com

مشائخ چشت میں سے تھے اس فکری جہاد میں شریک ہوئے۔ انہوں نے فکری سطح پر لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ کیونکہ مشائخ چشت کا خیال تھا کہ جب تک مسلمانوں کی دینی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک ان کے زوال کو روکا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انہوں نے مدارس بھی قائم کئے۔ ڈاکٹر محمد حسین للہی کے مطابق

"نئے حالات میں علماء و مشائخ کی دونوں شاخوں (سلسلہ چشتیہ نظامیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ) نے اقدام کی بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ انہوں نے اس کی فکر کی کہ دینی جذبہ، اسلامی روح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ کیا جائے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے قلعہ بندیاں کر لی جائیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا دونوں شاخوں کے بزرگوں نے پاک و ہند میں ایک طرف جگہ جگہ دینی مدارس قائم کئے جن میں ہزاروں مسلمانوں نے اسلامی علوم کی تحصیل کی اور مسلمانوں میں دین کی محبت، شریعت کا احترام اور استقامت پیدا کی۔"[1]

سلیمان تونسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی پستی اور زوال کا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے بیگانگی ہے۔ "نافع السالکین" کے مطابق

"دریں زمان چوں مسلماناں متابعت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ اند حق سبحانہ تعالیٰ کفار را بریں مسلط کردہ است۔"[2]

چنانچہ شاہ سلیمان تونسوی نے انہی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی اصلاح اور ان میں صحیح اسلامی شعائر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے تونسہ کے علاقہ کو منتخب کیا۔ جہاں آپ نے سیاسی ہنگاموں

۱۔ بحوالہ "خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" صہ ۲۸۵ ۔ ۲۸۶۔

۲۔ بحوالہ "نافع السالکین" صہ ۵۔

Marfat.com

سے کنارہ کش ہو کر صرف درس و تدریس اور دین اسلام کی تبلیغ اور طلبار کی علمی تربیت کی طرف توجہ دی۔

خواجہ سلیمان تونسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مصائب خود ان کے پیدا کردہ ہیں اور اس کا بڑا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے بیگانگی ہے۔ اسی سبب سے ان سے حکومت چھن گئی ہے اور ان پر کافر مسلط ہو گئے ہیں۔ مناقب سلیمانی میں داد بخش کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے کہ وہ مولوی خدا بخش صاحب خلیفہ حضرت حافظ جمال ملتانی کے پاس تعلیم حاصل کرتا تھا اور اس وقت بچہ تھا۔ ایک مرتبہ مولوی خدا بخش صاحب حضرت سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت اگرچہ حضرت مرشدی حافظ صاحب (حافظ جمال ملتانی مراد ہے) کا سایہ اب ہمارے سروں سے اُٹھ گیا ہے لیکن آپ کا متبرک سایہ تو ہم خاکساروں پر باقی ہے۔ پھر آخر کیوں ہمارے شہر ملتان پر بے دین سکھوں کی حکومت ہے۔ آپ نے فرمایا

"مولوی تم ملتان کی بات کرتے ہو، ڈیرہ غازی خاں، ڈیرہ اسماعیل خاں اور پشاور، سنگھڑ وغیرہ پر بھی رنجیت سنگھ کا قبضہ ہے۔ اگر اللہ کی مرضی اور حکم یہی ہے تو پھر اس کے سامنے کیا چارہ ہے"(۱)

گویا جب کسی ملک کے لوگ بداعمال اور اپنے دین سے بیگانہ ہو جائیں تو قدرت کی طرف سے ان کو سزا دینے کے لئے ان پر ظالم حکمران مسلط کیا جاتا ہے۔ یہی اللہ کی مرضی اور یہی اس کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ یہ شعر پڑھتے تھے

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے ۔۔۔ ہند ملک در پنجۂ ظالمے
بقومے کہ نیکی پسند خدائے ۔۔۔ دہد خسروے عادل و نیک رائے

آپ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم خود بداعمال ہیں اور غیر مسلم، ظالم حکمران ہمارے اپنے کردار کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر مقرر کیا گیا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اس کو برا بھلا کہیں ہمیں چاہیئے کہ ہم پہلے اپنے کردار کی خبر لیں اور اپنے

۱۔ بحوالہ "مناقب سلیمانی" فارسی، مؤلفہ غلام محمد خان، ص۲۹۔ ۳۰ مطبع احمدی دہلی ۱۲۸۸ھ۔

Marfat.com

اعمال کو درست کریں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے کہ

"سالک را باید کہ اعمال صالح کند واز نواہی محترز بودہ باشد زیراکہ بر بلاد مصیبت کہ بر مردماں منزل شود از جہت صدور اعمال ناشائستہ باشد۔ چنانچہ در حدیث شریف واقع است اعمالکم عمالکم، یعنی کردار ہائے شما حاکمان شما اند۔ اگر اعمال شما نیک باشد پس حاکم شما اہل اسلام و عادل باشد، واگر بالعکس باشند پس حاکم شما نیز کافر وجابر باشند۔"(1)

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے مریدوں کو حکومت اور سرکاری معاملات سے لاتعلق اختیار کرنے کا درس بھی دیتے تھے۔ کیونکہ قاضی جاوید کے مطابق

"غیر ملکی حکمرانوں سے انہیں شدید نفرت تھی۔ ان کے بارے میں شاہ (شاہ سلیمان) کا رویہ حُبّ الوطنی اور قوم پرستی کے سچے جذبوں پر مبنی تھا۔ وہ اپنے مریدوں اور دوستوں کو نوآبادیاتی نظام کا کل پرزہ بننے سے منع کرتے تھے۔"(2)

چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح سے صحیح دینی خدمت انجام نہیں دی جاسکتی۔ سرکاری معاملات میں پڑ کر تو فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے جبکہ مرید کا کام صرف لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ ان کی اخلاقی وروحانی تربیت کرنا ہے۔ نافع السالکین میں ایک جگہ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بداست، و داخل شدن در کاملہ اہل دنیا ازاں بدتر ست چنانچہ کسیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات چوں بر مخلوقات حکم کند۔ پاس خاطر اہل دنیا نماید و رعایت امراللہ، و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم را فراموش کردہ بر خلق اللہ ظلم وتعدی کند و مال خلق اللہ را بہ ظلم وجبر بگیرد۔"(3)

۱۔ بحوالہ "نافع السالکین" صـ ۳۵۔

۲۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید، صـ ۲۴۶ - ۲۴۷۔

۳۔ بحوالہ "نافع السالکین" صـ ۷۳۔

Marfat.com

خواجہ صاحب کی علمی خدمات کا ذکر تو ان کے مدارس کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ ان کی دینی خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ آپ کے زمانے میں انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے عیسائی مشنریاں بڑے زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہی تھیں۔ پادری اس مقصد کیلئے مختلف حربے استعمال کرتے تھے۔ کسی کو وہ ملازمت کا لالچ دیتے تھے اور کہیں وہ اپنی تعلیمات کے ذریعے اثر پیدا کرتے۔ پھر انہوں نے انگریزی تعلیم دینے کے لئے سکول کھول رکھے تھے۔ جہاں ہندوستان کے لوگ جدید علوم سے روشناس ہونے اور اعلیٰ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ وہاں بھی عیسائی پادری طالب علموں کے ذہنوں پر اثرانداز ہوتے۔ سلیمان تونسوی ان باتوں سے آزردہ ہوتے۔ کوشش کرتے کہ مسلمان مغربی اثرات سے دور رہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ

> "بہ گرسنگی مردن بہ کہ درصحبت بد مذہبان تعیم یافتن کہ درچنین صحبت زوال ایمان باشد"۔ (۱)

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی تنگ نظر یا کٹھ ملا قسم کے عالم تھے بلکہ وہ نہایت وسیع المشرب، وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ جن کے تعلقات غیر مسلموں سے بھی تھے۔ آپ کے دوستوں میں ہندو بھی شامل تھے۔ قاضی جاوید کے مطابق

> "برصغیر کے دو بڑے مذہبی گروہوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کو وہ اپنے روحانی سلسلے کا اہم اصول قرار دیتے تھے"۔ (۲)

چنانچہ خواجہ سلیمان ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے مذہب کے معاملے میں اس قدر سخت ہوں کہ ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے نفرت کریں بلکہ آپ کا خیال تھا کہ اپنے مذہب، تمدن، معاشرت اور شریعت اپنی شناخت کو قائم رکھتے

۱۔ بحوالہ "نافع السالکین" صہ ۱۴۔

۲۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۲۴۶۔

Marfat.com

ہوئے ہم غیر مسلموں سے بھی ملیں۔ ان سے اچھا برتاؤ کریں۔ صلح و محبت رکھیں۔ آپ یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے

س حافظ گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

خواجہ سلیمان تونسوی نے مسلمانوں کے علمی، دینی، معاشرتی، تمدنی ہر طرح کے زوال کو روکنے کے لئے اقدامات کئے۔ معاشرتی سطح پر وہ دیکھتے تھے کہ ان کے افکار و اعمال، عادات و اطوار، اخلاق سب زوال پذیر تھے اور اس کا واحد حل انہیں دین اسلام پر عمل پیرا ہونے میں نظر آتا تھا۔ کیونکہ خواجہ سلیمان اچھی طرح جانتے تھے کہ دین اسلام ایک فطری مذہب ہے جس میں ہمارے تمام مسائل اور دکھوں کا حل موجود ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم اس کی صحیح روح کو پالیں۔ اس میں اپنے عقائد، مقاصد اور ضروریات کے لئے خود سے کوئی مطلب نہ نکالیں بلکہ اس کی اصل روح تک پہنچیں اور جب کوئی مسلم معاشرہ اس سے بھٹکتا ہے تو وہ زوال کی طرف جاتا ہے۔ سلیمان تونسوی کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن و سنت سے ہی صحیح راہنمائی لی جاسکتی ہے۔ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی معاشرتی خدمات بھی کچھ کم نہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ حکومت کے حصول کی بجائے معاشرے کو سنوارنے کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک معاشرہ نہیں سنورے گا تب تک حکومت حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور لوگوں کے سنورنے سے حکومت خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

سہروردی سلسلے کے برعکس مشائخ چشت کا اصول تھا کہ وہ سلاطین اور امراء کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے۔ سلیمان تونسوی بھی اسی اصول پر قائم تھے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ حکمران طبقے کے لوگ "سفید چشم" اور "بے وفا" ہوتے ہیں۔ آپ نہ صرف خود ان کی صحبت سے دور رہتے بلکہ مریدوں کو بھی بچنے کی تلقین فرماتے۔ لیکن آپ امراء اور مقتدر طبقے کی رہنمائی سے بھی غافل نہیں تھے۔ اور ان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں جھجکتے تھے آپ کے حلقۂ مریدین میں کئی امراء اور حکمراء کے نام شامل ہیں جو آپ کے عقیدت مند تھے کئی ریاستوں کے سربراہان کا ذکر بھی ملتا ہے جنہوں نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کے پاس قیام کیا۔ ان میں نواب بہاول خان اوّل، نواب بہاول خان ثالث، شاہ شجاع، امیر

Marfat.com

دوست محمد خاں، نور احمد خاکوانی وغیرہ سے آپ کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے"۔ نواب بہاول خاں ثالث کی دستار بندی کے لئے آپ احمد پور تشریف لے گئے تھے۔ یہ لوگ نذر لانے کے طور پر جو کچھ خواجہ صاحب کی خدمت میں بھجواتے وہ آپ فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ان لوگوں سے تعلقات اس لئے رکھتے تھے کہ جب کوئی مظلوم ان میں سے کسی کے ظلم کا شکار ہوتا یا کبھی کوئی غیر شرعی کام ہوتا یا لوگوں کو کوئی مسائل درپیش ہوتے تو آپ ان سے ملاقات کرتے۔ کبھی کبھی آپ خود بھی کسی مسئلے کے حل کے لئے بہ نفس نفیس چل کر جاتے۔ سنگھڑ کے حاکم لعل خاں نے جب ایک بلوچ لڑکی سے زبردستی نکاح کر لیا تو لوگ آپ کے پاس فریاد لے کر آئے۔ آپ نے اسے تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجا کہ

"تو بر مسلماناں ظلم مکن واز خدا بترس"

لعل خاں نے گستاخانہ جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ

"فلک بہ دست درویش است ہر کرا خواہد بدید"

چنانچہ سنگھڑ پر افغانستان کے پٹھانوں نے قبضہ کر لیا اور لعل خاں بارہ سال تک ان کی قید میں رہا اور حکومت اسد خاں کے پاس آئی۔"[۲]

امراء و سلاطین کے علاوہ سلیمان تونسوی نے صوفیاء و علماء کی تربیت پر بھی زور دیا کیونکہ معاشرے میں ان حضرات کی خاص اہمیت تھی۔ اگر یہ لوگ اعلیٰ انسانی اقدار، اچھے اخلاق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باکردار ہوں تو لوگوں کی بھی صحیح اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ان کا لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے میں کچھ ایسے نام نہاد مذہبی رہنما پیدا ہو گئے تھے جو لوگوں کی عقیدت کا غلط فائدہ اٹھاتے۔ وہ لوگوں کو قبر پرستی، تعویذ گنڈوں، توہمات و کرامات کے چکروں میں پھنسا کر کاہلی، بے عملی اور ضعیف الاعتقادی سکھا رہے تھے۔ جس سے معاشرہ سنورنے کی بجائے جمود کا شکار تھا۔ دراصل اس قسم کے علمائے سوء اپنی کم علمی اور کج فہمی کے باعث تصوف اور اس کی اصطلاحات کا غلط مفہوم لیتے تھے جس سے معاشرے

۱۔ (۱) مناقب المحبوبین (ترجمہ) صہ ۱۸۸ تا ۱۹۰۔ (۲) خاتم سلیمانی، صہ ۹۷۔

۲۔ مناقب المحبوبین (ترجمہ) صہ ۱۸۲ تا ۱۹۱۔

Marfat.com

کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ لوگ عام زندگی اور اس کے مسائل سے نظریں چرا کر خانقاہوں میں پناہ لینے لگے۔

انہی حالات کے پیش نظر آپ نے علمار کی تربیت و اصلاح پر زور دیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر عالم باعمل ہوگا، اس میں اطاعتِ حق اور دین کا صحیح جذبہ ہوگا تو اس کا لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ آپ کے مدرسے میں جو طالب علم زیادہ قابل ہوتا اسے مزید حصول علم کی خاطر تونسے سے باہر بھیجا جاتا۔ سیرت سلیمان میں لکھا ہے کہ

"آپ (خواجہ سلیمان تونسوی) کی سرپرستی میں جو سب سے زیادہ مشہور اور جو بات سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جتنے عالم پیدا کئے وہ عملی زندگی کا اعلیٰ نمونہ اور روحانیت کا مجسمہ تھے۔" (۱)

آپ علمار کے لئے فقہ و تفسیر کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،

"علم، فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ دانستن فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ است و باقی ہمہ علوم سر دردی است۔" (۲)

اور کہتے ہیں کہ عالم زاہد خشک نہ ہو بلکہ عشق حقیقی کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر روحانی منزلیں طے کریں۔ اور یہ عشق کیا ہے؟ اس کے متعلق منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) میں لکھا ہے

"استقامت عشق شریعت است و استقامت شریعت خود عشق است ہر گاہ کہ شریعت استقامت یابد عشق بر وعود کند۔" (۳)

آپ نے معاشرے کی اصلاح کے لئے صرف علمار کی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عام لوگوں کی تربیت کو بھی ضروری سمجھا کیونکہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرد کی تربیت ضروری تھی۔ چنانچہ مدارس کے علاوہ آپ محفل میں بھی لوگوں کو درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے خیال میں لوگ اس لئے راستے سے بھٹک گئے ہیں کہ وہ سنت رسولؐ کی پیروی نہیں کر رہے اور یہ

۱۔ بحوالہ "سیرت سلیمان" از مولوی صالح محمد، صہ ۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۵ء

۲۔ بحوالہ "نافع السالکین" صہ ۱۲۵۔

۳۔ بحوالہ "ملفوظ شریف فارسی" (قلمی) صہ ۴۵۔

Marfat.com

آپ کے نزدیک

"متابعت عبادت از دو چیز است آنچہ خدا و رسول خدا امر کردہ اند بباید کرد
وازآنچہ منع فرمودہ اند نہ باید کرد"۔[1]

اور اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین رکھیں اور اپنی حاجت اس سے طلب کریں۔ "نافع السالکین" کے مطابق

"سالک را باید کہ سوائی جناب حق عزوجل تکیہ گاہ خود نہ بیند و نیندیشد"۔[2]

اس زوال اور انحطاط کے دور میں لوگوں میں ہر طرح کی اخلاقی و سماجی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کا سدباب کیا جائے۔ خواجہ سلیمان نے ہر ممکن کوشش کی کہ لوگوں میں ان برائیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں جا بجا ایسی نصیحتیں ملتی ہیں جن میں مریدوں اور مجلس میں آنے والے لوگوں کو نیکی کی تلقین اور برائی سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان میں شریعت کی پابندی، بُری صحبت سے اجتناب، غیبت اور عیب جوئی سے پرہیز، غرور و تکبر سے بچنے، حرام خوری، رشوت، ذخیرہ اندوزی سے دور رہنے کی تلقین، والدین کے ساتھ پیار محبت سے پیش آنے، بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے پیار، نیک سیرتی اور دوسروں کے ساتھ باہم پیار و محبت کے ساتھ رہنے کا درس دیا ہے۔ ہمارے ہاں یہ بدعت عام ہے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے دوسروں پر کفر کا فتویٰ عائد کر دیتے ہیں۔ ان فتووں کی زد سے بڑے علماء، فقہا، صلحاء اور اکابرین بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ حضرت سلیمان تونسوی نے اس بدعت کے خلاف آواز بلند کی۔ منتخب ملفوظ شریف کے مطابق کسی مسلمان کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔[3]

چشتیہ سلسلے کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ موسیقی (سماع)

۱۔ بحوالہ "نافع السالکین" صہ ۹۷۔

۲۔ ـــــ ایضاً ـــــ صہ ۱۲۳

۳۔ اصل الفاظ یہ ہیں "مسلمان را کافر دانستن واطلاق کفر بر مسلمان کردن جائز نیست۔ اگر شخص کسی مسلمان را کافر اعتقاد کند، اعتقاد کنندہ خود کافر شود" (بحوالہ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) صہ ۸۷)۔

Marfat.com

میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ سماع کی محفلوں میں ان پر کئی بار وجد طاری ہوا۔ گھنٹوں بے ہوشی اور بے خودی کی کیفیت میں رہتے۔ مختلف کتابوں میں سماع کی ایسی بہت سی محفلوں کا ذکر ہے جن میں حضرت سلیمان تونسوی نے شرکت فرمائی اور ان پر رقت طاری ہوئی۔ حاجی پور شہر میں حضرت خواجہ نور محمد ناروالہ کے عرس کے موقع پر جب قوالوں نے ہندی اشعار گا کر سنائے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آہیں بھرنے لگے"[1] — اسی طرح ایک بار خلیفہ ناروالہ کے عرس سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں احمد نامی قوال جو اُن کی سواری میں تھا حافظ کا یہ شعر گنگنانے لگا

ے نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

حضرت سلیمان گھوڑے کی زین پر تھے۔ شعر سنتے ہی وجد تاری ہو گیا اور آنکھوں سے خون رواں ہو گیا"[2] — نافع السالکین میں کئی ایسے واقعات درج ہیں کہ حضرت سلیمان تونسوی سماع اور قوالی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ اکثر اوقات مختلف قوال انہیں کافیاں اور سرود سناتے۔ نافع السالکین، صہ ۱۰۸، میں درج ہے کہ

"وقت قیلولہ میاں احمد قوال در جوگ ایں کافی شروع کرد

کریں سیائیں دو پھیرو دے

رنجھٹیا وے

سک تاگئی ماہی دی ڈکھ ڈھیر وے

جو کجھ کیتا اینہاں اکھیاں دے

رنجھٹیا وے

کریں سیائیں دو پھیرو دے

رنجھٹیا وے"

پھر آگے چل کر لکھا ہے،

---

۱ - ۲ - بحوالہ "مناقب سلیمانی فارسی (قلمی) صہ ۲۵ - ۲۶ -

Marfat.com

"روزے در مجلس حضرت قبلہ صاحب قدس سرہ پیر بخش قوال کہ صاحب
دردو سوز بود ایں کافی شروع کرد دوہڑہ
کریں سیالیں دو پھیر وے
رنجھیاوے

خواجہ سلیمان تونسوی کے شاعر یا نثر نگار ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن مجھے جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری میں "تحفہ فقیر" (مسمے بہ ہدیہ فقیر) کتاب ملی ہے جسے فقیر اللہ نامی شخص نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب اردو نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ انہوں نے خواجہ سلیمان تونسوی کی فارسی نعت دی ہے جس کے ساتھ ہی عربی ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔ لیکن اس نعت کا خواجہ صاحب کے کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا۔ یہ کتاب خواجہ صاحب کی وفات کے تقریباً اڑتیس (۳۸) سال بعد ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ نعت یہ ہے

از کلام فیض نظام شاہ سلیمان صاحب تونسویؒ

ای سرورِ دو عالم یک جلوہ وہ بما	عینای تطلبانک اُجلسُ علیہما
از درج برج یثرب برما بکن طلوع	حتیٰ تراک عینا کالشمس فی الضحیٰ
بخرام بر فلک کہ بدرد فراق تو	جبریل بالملائک یبکے علی السما
دردِ مرا وصالِ تو درمانست اے طبیب	یشفی لنا لقائک فی وجھک الشفا
نطقت بہر بیان تو وحی خداست بس	یھدی لنا الیہ وما ینطق الھویٰ
شد از طفیل ذات تو ایجاد کائنات	بالجملہ اَنتَ مقصد کونین اَحمدا
سید تولی کہ ماہِ فلک از تو شد دو نیم	یا مظہر العجائب اجلس قلوبنا
یوسف بدین جمال زحسنت نمونہ	اِذ فی کمال حسنک لم ندر منتہا
از تو بنوح وآدم شد حل مشکلات	نار الخلیل بار تو منک سیدا

شاہی وفخر یافت سلیمان ز نورِ تو
سبحان من اعزّک یا مظہر العطا [1]

ا۔ بحوالہ تحفہ فقیر (مسمے بہ ہدیہ فقیر) از فقیر اللہ بصر اہتمام مطبع محمدی لاہور، طبع شدہ۔ (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

اس نعت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت سلیمان تونسوی فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ آپ کا سرائیکی، اُردو کلام موجود نہیں ہے۔ تاہم ملفوظات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ شعر و شاعری کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اپنی گفتگو کے دوران حافظ، سعدی، اور دیگر فارسی شعراء کے اشعار پڑھتے تھے۔ آپ نے اپنے خیالات و افکار ہمیشہ عام فہم اور سیدھے سادے انداز میں پیش کئے۔ آپ کے ملفوظات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سامنے کی زندگی کی مثالوں سے یا ہندی اور فارسی اقوال و ابیات کے حوالے سے بات سمجھاتے تھے۔ سرائیکی، پنجابی، اُردو اور ہندی زبان کے بہت سے اقوال نافع السالکین میں ملتے ہیں۔ مثلاً

مچھ مر گئی، جل سُک گئے، پنکھی رہے کرُلا
گھٹی[1] پڑی پریت کی، چن چن کا گر کھا (ص ۱۹)

جیسی پریت چکور، نہ چاندے مُنے (۲)
اپنی توڑ نبھائی، اس کی اوہ جانے (ص ۱۹)

کھارا بارا ہے کم جوگ دا، سکھیاراں دا اتھے کم نی
نہیں چگ کے ڈولتے ہتھ پھیرن، مُرلی مارکے لوک ہنساوندے نی
تسیں بکیاں ماریاں کھا بیٹھے، اوتھے کرنگ[۳] کے ٹکڑے کھاونے نی
تن[۴] چھوڑکے آرسی نال ڈھن اوتھے تی تے روڑ گھساونے نی (ص ۱۹)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اس کتاب میں فقیر اللہ کی اُردو نعتیں شائع ہوئی ہیں۔ آخر میں کچھ دوسرے لوگوں کی بھی نعتیں ہیں۔ مثلاً حافظ محسن مرحوم کی اُردو نعت، حضرت شاہ سلیمان کی فارسی نعت، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کی فارسی نعت مولانا مولوی غلام رسول مرحوم کی پنجابی نعت بھی شامل ہیں۔

لغت: ۱۔ ذبح کی ہوئی، حلال کی ہوئی۔ ۲۔ ماننے۔ ۳۔ جسم۔ ۴۔ تیل یا "اُبٹن" سے جسم کی مالش کرنا۔

Marfat.com

آپے چاڑیو بیل تئیں آپے لسن کرے
کو ہجی کملی تیریاں ، میری اوگن ویکھ نہ بھج
سے ہینی سے دبلی ، یار یاراں دے ہڈ
منہ توں پلوں دور کر ، گلاں کریئے رج (صہ ۲۲)

ترجمہ : (جب خود ہی (محبت کی) بیل چڑھائی تو خود ہی خبر لے گا۔ میں چاہے بدصورت ہوں یا بے وقوف ، بہر حال میں تیری ہوں ، میری برائیاں دیکھ کر بھاگ نہیں ، چاہے میں کتنی کمزور یا دبلی پتلی ہوں لیکن دوست دوست کا قالب ہوتے ہیں۔ آج اپنے رخ سے نقاب ہٹا تاکہ جی بھر کر باتیں کریں۔)

سبھے کم چھوڑ کے ڈھونڈ محمودا مہینوال کوں (صہ ۴۷)
سسی تخت (۱) نہ چڑھی جے تخت چڑھی مُول (۲) نہ مڑے (صہ ۹۴)
جیتھے حاکم آدے ہسدا
وسا (۳) نہ کریے تلے دا (صہ ۹۴)
موڑ نہ سگیاں موڑ لکھیا لوح قلم دا (صہ ۹۶)

ہابیل قابیل آدم کے جائے آدم کس کا جایا (صہ ۱۰۹)
ہیٹھوں توہیں ، اتوں توہیں ، ظاہر توہیں باطن توہیں (صہ ۱۱۰)

بے کھوہے کسے نہ کھسے (۴) (صہ ۱۱۶)

عشق ہوریں ہیرے تیں آئے
تال میاں رانجھے کن پڑوائے (۵)
صاحباں کوں (۶) پرناون آئے (صہ ۱۷۷)

لغت : ۱- الاڈ پنجابی میں جانبر۔ ۲- ہرگز۔ ۳- بھروسہ۔ ۴- چھینا۔ ۵- پھاڑنا چھید کرنا۔ ۶- بیاہنے آئے۔

Marfat.com

سرمرزے دا ماریا ہے

پیڑ[1] ہے یار دکہ کجھ پیسڑ ہے

کون اُن بن بند بندھاوے، وہیڑ[2] ہے (صہ ۱۲۴)

کوئی مرے کوئی جیوے، بھترہ[3] جھول پتاسے پیوے (صہ ۱۲۵)

جیسے چوپڑاں متھا سا ہتھیرا تا دے چور متھے (صہ ۱۲۸)

ان کی تشریح خود نافع السالکین میں اس طرح کی گئی ہے کہ

" اگر نیک کار کردہ باشد برائے خود کردہ واگر کسے کار بد کند برائے خود کردہ باشد۔"(۴)

دودھ کا دودھ، پانی کا پانی سے

کجری بیج کی بجھو تانی (صہ ۱۲۹)

" یعنی اگر کسے بہ دیگری دغابازی کند عاقبت او رازیاں رسید۔"(۵)

گائیں بلائیں تے مال جنجال، فرزند تے ڈال[6] بھی ہینی وبال

جو کوئی رہے انہاں توں دور، ہوسی او خوشحال ضرور (صہ ۱۳۲)

ایہو عشق کیتا، جیندے نال اسا ڈا متھا (صہ ۱۳۵)

ترجمہ: (عشق ہے تو مصیبت لیکن اب ہمارا واسطہ اس سے پڑ گیا ہے۔)

تارے دی صحبت تے بوڑے دی صحبت (صہ ۱۴۴)

ترجمہ: (صحبت ہی تیراتی ہے اور صحبت ہی ڈبوتی ہے۔)

خواجہ سلیمان کے ملفوظات ان کے کئی مریدوں نے جمع کئے ہیں جن میں کچھ مطبوعہ

لغت: ۱۔ درد، تکلیف۔ ۲۔ بہت زیادہ، ڈھیر۔ ۳۔ گھول کے۔ ۴۔ بحوالہ نافع السالکین" صہ ۱۲۸

۵۔ بحوالہ" نافع السالکین" صہ ۱۲۹ ۔ ۶۔ بیوی۔

Marfat.com

ہیں اور کچھ قلمی صورت میں ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ راحت العاشقین مرتب مولوی محمد۔

۲۔ رسالہ در مسائل فقر مرتب مولوی عبدالغفار۔

۳۔ ملفوظات خواجہ محمد سلیمان مرتب مولوی غلام حیدر

۴۔ مناقب شریف مرتب حافظ احمد یار پاکپٹنی

۵۔ منتخب المناقب مرتب یار محمد ذوقی

۶۔ نافع السالکین مرتب مولانا امام الدین[1]

ان قلمی ملفوظات کے علاوہ میری نظر سے جو قلمی نسخے گزرے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

۱۔ منتخب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان تونسوی فارسی (قلمی) مؤلفہ حافظ احمد یار مرتبہ و منتخبہ از یار محمد بن تاج محمد چشتی، پاک پتن شریف، کاتب خدا بخش ذوقی (یہ نسخہ جناب اسد نظامی چک نمبر ۱۱۴/۱۰ آر، جہانیاں سے حاصل ہوا۔)

(یہ کتاب "انتخاب مناقب سلیمانیہ" کے عنوان سے حمیدیہ اسٹیم پریس لاہور سے ۱۲ صفر ۱۳۲۵ھ کو طبع ہوئی۔ یہ کتاب مجھے جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی سے حاصل ہوئی۔ جیسا کہ اس کے آخری صفحے پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ کتاب دراصل حافظ احمد یار متوطن پاک پتن کی تالیف ہے۔ مناقب سلیمانیہ سے انتخاب کی گئی ہے اور اس کے مرتب مولوی یار محمد بن تاج محمد جو حافظ احمد یار کے بھائی تھے۔)

۲۔ کتاب مناقب سلیمانی فارسی مرقوم است مرتبہ حضرت میاں درزی تونسوی۔

(یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے۔)

۳۔ "المنتخب" ملفوظ فارسی۔ مرتبہ یار محمد بن تاج محمد پاک پٹن، یہ نسخہ منتخب ملفوظ شریف (نمبر ۱) ہی کا دوسرا قلمی نسخہ ہے۔ لیکن دونوں کے کاتب الگ الگ ہیں۔ اس نسخے کی کتابت ۱۴، محرم ۱۳۱۶ھ کو مکمل ہوئی۔ اور اس کا کاتب احمد الدین ہے۔ اس کتاب کے ۱۷۴ صفحات ہیں۔ ۱۷ x ۲۶ سینٹی میٹر کی تقطیع پر ہے۔

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے "حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور انکے خلفاء" از محمد حسین للہی، ص ۱۴۸ / ۱۴۹۔

Marfat.com

۴۔ انوار سلیمانیہ (فارسی) مرتبہ یار محمد ابن تاج محمد۔ یہ نسخہ بھی (۱) اور (۲) کا تیسرا قلمی نسخہ ہے۔ اس کا کاتب میاں غلام محمد ولد حافظ محمد بختیار ہے۔ یہ نسخہ مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوا۔ ۱۶ × ۲۵ سینٹی میٹر کی تقطیع پر ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنی تمام عمر رشد و ہدایت میں گزاری۔ آپ نے تقریباً ۶۸[1] سال تونسہ میں رہ کر عوام کی خدمت کی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشائخ چشت میں ان کی تعداد[2] ستر لکھی ہے۔ حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

"تمام عمر حضرت نے ہدایت و ارشاد میں گزاری۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ حضرت کے مرید اور سینکڑوں کفار و فجار نے توبہ کی۔" (۳)

ساری عمر لوگوں کی خدمت کرنے کے بعد آخر ۸۴ سال کی عمر میں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں وفات پائی۔ حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

"وفات حضرت نویں ماہ صفر روز پنج شنبہ سنہ ایک ہزار دو سو سڑسٹھ (۱۲۶۷ھ) میں واقع ہوئی۔" (۴)

مناقب سلیمانی (فارسی) میں لکھا ہے کہ

"........ وصال مبارک حضرت خواجہ کہ بتاریخ ۷ صفر ۱۲۶۷ھ بوقوع آمدہ۔" (۵)

گلشن ابرار کے مطابق

۱۔ بحوالہ "نافع السالکین" فارسی، صہ ۱۵۵۔

۲۔ بحوالہ "مشائخ چشت" صہ ۶۶۴

۳۔ بحوالہ "حدیقۃ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری، صہ ۵۴۔

۴۔ ——— ایضاً ——— ، خاتم سلیمانی، صہ ۱۴۸، کے مطابق "وفات بشب جمعرات ہفتم ماہ صفر ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔" آپ کے سنہ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگاران متفق ہیں صرف قاضی جاوید کی کتاب "پنجاب کے صوفی دانشور" صہ ۱۴۳ کے مطابق انکا وصال ۱۸۵۱ء میں ہوا۔

۵۔ بحوالہ "مناقب سلیمانی" مؤلفہ غلام محمد خان، صہ ۸۵۔

Marfat.com

"بتاریخ ہفتم ماہ صفر المظفر بہ صبح خمیس در سن یک ہزار و دو صد و شش و ہفت از ہجرت طائر روح پر فتوح آنجناب از قفس عنصری پرواز نمودہ"(۱)

آپ کی وفات پر کئی شعراء نے قطعات کہے۔ حدیقۃ الاولیاء میں یہ قطعہ درج ہے۔

شہ چو از دنیا بفردوس بریں | شاہ والا شان سلیمان اہل فیض
بر تاریخش بسرور گفت دل | ای بگو سلطان سلیمان اہل فیض(۲)
۱۲۶۷ھ

مولوی حسین علی فتح پوری نے یہ قطعہ لکھا ہے کہ

سلیمان زمان رحلت چو فرمود | یکایک در جہاں ظلمت بے فزود
پس سال وصالش ہاتف غیب | بگفت " او آفتاب چشتیاں بود"(۳)

مولوی محمد حسین نے تاریخ وصال یوں بیان کی

خواجۂ ما آں امام العارفین | شہ سلیمان رحمۃ اللعٰلمین
ہفتم ماہ صفر صبح خمیس | جاں بجاناں داد آں نفس نفیس(۴)

خواجہ سلیمان تونسوی کے تین فرزند تھے۔ خواجہ گل محمد، خواجہ درویش محمد اور خواجہ عبداللہ۔ ان میں سے خواجہ گل محمد جو بڑے صاحبزادے تھے وہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

خواجہ سلیمان تونسوی کو ان کے عبادت خانے میں دفن کیا گیا۔ بعد میں نواب بہاول خان ثالث نے جو آپ کے مرید تھے آپ کی قبر پر سنگ مرمر کا مقبرہ تعمیر کرایا۔

خاتم سلیمانی کے مطابق

"پہلے معمولی سا مقبرہ تھا۔ نواب صاحب بہاولپور نے قریباً ۷۰ ہزار روپیہ خرچ کر کے ایک سنگ مرمر کا عالیشان روضہ تعمیر کرایا ہے اور حضرت ثانی خواجہ اللہ بخش صاحب کے وقت میں اس روضہ کے اندر نہایت

۱۔ بحوالہ گلشن ابرار فارسی (قلمی) از مولانا امام بخش، صہ ۲۵۲ ۔ ۲۵۳۔

۲۔ بحوالہ "حدیقۃ الاولیاء" صہ ۵۴۔

۳۔ (۱) خاتم سلیمانی، صہ ۱۴۹ (۲) مناقب المحبوبین (ترجمہ) صہ ۱۹۹

۴۔ بحوالہ "گلشن ابرار" (قلمی) صہ ۲۵۳۔

Marfat.com

عمدہ قیمتی فرش سنگ مرمر (ابلق) سے بنایا گیا ہے اور مزار مبارک کے اوپر روضہ شریف کے اندر ایک چھوٹی سی بارہ دری بنائی گئی ہے جو سنگ مرمر کی ہے اور قیمتی پتھروں، شیشوں وغیرہ سے مزین ہے اور اوپر سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ (۱)

۱۔ بحوالہ خاتم سلیمانی، صہ ۱۴۹۔

Marfat.com

حضرت منشی غلام حسن شہیدؒ

مدینۃ الاولیاء ملتان میں تیرہویں صدی ہجری کے نہایت اہم اور سربرآوردہ صوفیاء میں ایک نام منشی غلام حسن شہید کا ہے جو حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ خدابخش کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت بطور ایک صوفیِ صافی، ایک عاشقِ صادق اور ایک شاعر کے مسلّم اور معتبر ہے۔ آپ کا وجودِ مسعود سرزمین ملتان کے لئے باعثِ برکت اور وجہٗ حفظ و امان تھا۔ جب تک آپ زندہ رہے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے۔ بلکہ ملتان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے انگریزوں نے حضرت غلام حسن کو شہید کیا۔ آپ ایک ماہر خطاط اور خوشنویس تھے۔ کئی منظوم اور نثری کتابوں کے مصنف تھے۔ عربی، فارسی، اُردو اور ہندی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سرزمین ملتان سے تعلق رکھنے والے قدیم ترین صوفی شاعروں میں غلام حسن شہید کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اُردو میں باقاعدہ شاعری کی۔ ان سے پہلے کے صوفی شاعروں کے یہاں ہندی، فارسی اور اُردو کے مخلوط نمونے تو مل جاتے ہیں۔ یعنی اُردو کا ایک آدھ مصرعہ، ایک آدھ شعر یا ایک آدھ قول۔ لیکن اُردو شاعری پر باقاعدہ طور پر طبع آزمائی نہیں ملتی۔ غلام حسن شہید سرزمین ملتان کے وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جن کے یہاں خالصتاً اُردو کا کلام ملتا ہے۔ پھر انہوں نے مسائل تصوف کو نہایت عام فہم اور دلکش انداز میں پیش کیا اور تمثیلوں کے ذریعے افکار کی وضاحت کی۔ ان کا عالمانہ لیکن عام فہم اسلوب بڑا دلنشین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محض ایک صوفی کی حیثیت سے نہیں، ایک عالم، ایک شاعر، ایک ادیب، ایک خوشنویس، ایک شارح اور ایک معلم اخلاق کے طور پر زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔

Marfat.com

غلام حسن شہید ۱۲۰۲ھ / ۸۲-۱۷۸۱ء[1] میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش اس شعر سے نکلتی ہے

سال تولیدش ز خاصیت ملائک آمدست
ہم نظارہ ماہ قلیدے خلافت سعید شد[2] ۱۲۰۲

آپ کے والد کا نام منشی جان محمد اور دادا کا نام منشی عاقل محمد تھا۔ جن کا تعلق ذات ملنہاس قوم راجپوت سے تھا۔ منشی غلام حسن شہید چھوٹے سے تھے تو حافظ محمد جمال آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور آپ نے ان کے مکتب میں تمام علوم متداولہ پر عبور حاصل کیا[3] اور حافظ محمد جمال ہی سے بیعت کی۔ منشی غلام حسن وحدت الوجودی فلسفے کے قائل تھے۔ اور اس سلسلے میں منصور حلاج کے فلسفے سے متاثر تھے۔ اس کا اظہار ان کی صوفیانہ شاعری میں بھی ہوا ہے۔ آپ ماہر خوشنویس تھے۔ اسی بناء پر لوگ آپ سے تبرکاً کتابیں لکھوانے آتے تھے۔ آپ کے والد ملتان کے سکھ گورنر دیوان ساون مل کے منشی تھے۔ آپ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور رہی ہے کہ آپ

"دیوان ساون مل اور اس کے لڑکے دیوان مولراج کے میر منشی تھے۔"[4]

۱- (۱) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر طاہر تونسوی، صہ ۵۲۔ (۲) منتخبات از دیوان حضرت حسن (قلمی) صہ ۶۹۔ (اس کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس ہے۔) البتہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی صہ ۱۳۳، اور "ارض ملتان" از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۴۲۔ میں آپ کا سن پیدائش ۱۳۰۲ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ حافظ محمد جمال کے خلیفہ تھے اور ان سے تعلیم حاصل کی تھی جن کا سن وفات ۱۲۲۶ھ ہے۔ اس لئے ۱۲۰۲ھ آپ کا صحیح سن ولادت ہے۔

۲- مضمون بعنوان "حضرت منشی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ" از محمد اقبال عاصی، مطبوعہ امروز ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء

۳- محمد اقبال عاصی اپنے مضمون "حضرت منشی غلام حسن شہید" میں حافظ محمد جمال سے آپ کے حصول تعلیم کے بارے میں یہ روایت درج کرتے ہیں کہ "بچپن میں حضرت (غلام حسن شہید) کو تعلیم کی طرف رغبت کم تھی۔ استاد ہمیشہ زجر و توبیخ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن اسی حالت (باقی بر صفحہ ثانی)

Marfat.com

اولادعلی گیلانی کے مطابق

"چونکہ آپ کو خوشنویسی میں ید طولیٰ حاصل تھا اور دور دراز سے لوگ تبرکاً آپ سے کتابیں لکھوانے کی خاطر آتے تھے۔ اس لئے منشی صاحب، آپ کا لقب ہوگیا۔" (۱)

جبکہ عمر کمال خاں لکھتے ہیں کہ

"آپ نواب مظفر خاں کے منشی خانہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ملازم تھے اسی ملازمت اور اس پیشہ کی وجہ سے منشی کہلاتے تھے۔" (۲)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ خطاب آپ کے علم وفضل کی وجہ سے عطا ہوا۔ بہر حال آپ کے باپ دادا کے نام کے ساتھ بھی منشی کا لقب شامل تھا

غلام حسن شہید نے نواب مظفر خان شہید کا زمانہ پایا ہے جو کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کا آخر اور انیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہے۔ یہ زمانہ سیاسی اعتبار سے انتشار اور بدامنی کا دور ہے۔ اس سے پہلے بھی حافظ محمد جمال کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں برصغیر پر انگریزوں کی حکومت قائم تھی۔ ملتان میں نواب مظفر خان شہید حکومت کرتے تھے۔ جبکہ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مختلف علاقوں میں قبضے کی خاطر مسلسل فوجی کارروائیاں کر رہا تھا۔ چنانچہ ملتان کا زرخیز خطہ بھی اس کی نظر میں تھا۔ آخر کار ۱۸۱۸ء میں اس نے نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد ملتان پر اپنی عملداری قائم کر کے دیوان

(بقیہ گزشتہ صفحہ) تو یخ میں استاد کے سامنے رو رہے تھے کہ حضرت خواجہ حافظ محمد جمال کا گزر ہوا۔ بچے کی حالت دیکھ کر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ میاں جی یہ بچہ آپ سے نہیں پڑھتا تو اس کو میرے حوالے کر دیں۔ میں اس کی تعلیم وتربیت کروں گا۔ چنانچہ آپ اس وقت سے حافظ صاحب علیہ الرحمۃ سے وابستہ ہو گئے۔

۴۔ "ارض ملتان" از شیخ محمد اکرام، صہ ۲۴۲۔

۱۔ "اولیائے ملتان" از اولاد علی گیلانی، صہ ۲۶۲، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، بار اول، جنوری ۱۹۶۴ھ

۲۔ "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" از عمر کمال خاں، صہ ۲۹۷۔

Marfat.com

ساون مل کو ملتان کا گورنر بنایا پھر اس کے بعد اس کے بیٹے دیوان مولراج نے یہاں کی گورنری سنبھالی۔ ملتان پر سکھوں کو انگریزوں نے آسانی سے حکومت نہ کرنے دی اور انہوں نے ملتان فتح کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس عہد میں منشی غلام حسن زندہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جا سکے۔ آخر ایک انگریز سپاہی نے ۲۹ محرم ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء[1] میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ برس کی تھی آپ کے بارے میں حافظ محمد جمال اور خواجہ خدا بخش ٹامیوالی کی طرح سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا البتہ انگریز سپاہی کی گولی سے شہادت کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔ حکم چند لکھتے ہیں کہ

"باطنی حاکم ملتان کا جو فقیروں سے ہوتا رہا وہ مریدان حضرت سے ہوتا ہے۔ ہر وقت تغیر و تبدل سلطنت کی جب وہ باطنی حاکم وصال کرتا تھا تب دوسرا حاکم فتحیاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب سرکار انگریز نے ملتان فتح کیا جب تک منشی غلام حسن صاحب نے وصال نہیں پایا۔ ملتان فتح نہیں ہوا تھا۔ پھر ایک گورہ فوج سرکاری نے منشی غلام کو گولی سے مار دیا۔ اسی روز ملتان فتح ہو گیا۔"[2]

اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ

"ملتان کے ظاہری حکام کا تغیر و تبدل اس وقت عمل میں نہیں آیا کرتا تھا جب تک باطنی حاکم جو حضرت جمال اللہ کے مریدان خاص میں سے ہوتا تھا، وصال نہ کر جاتا۔ انگریزی افواج نے جب شہر پر حملہ کیا تو فتحیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی کسی طریقہ سے پتہ چلایا گیا کہ شہر فتح نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب

۱۔ (۱) "ملتان میں اُردو شاعری" از ڈاکٹر طاہر تونسوی، صہ۵۲۔ (۲) منتخبات از دیوان حسن، صہ۶۹ (قلمی)، سن ولادت کی طرح فرحت ملتانی اور شیخ محمد اکرام نے آپ کا سن وفات بھی ۱۲۶۵ھ بتایا ہے۔ جبکہ حکم چند نے "تواریخ ملتان" صہ۸۸ میں آپ کا سن وفات ۱۲۲۶ھ اور عمر کمال خاں نے "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" میں صہ۲۹۰ پر ۱۸۴۸ء بتایا ہے جو درست نہیں ہے۔

۲۔ "تواریخ ملتان" از حکم چند، صہ۸۸، مزید حوالے کیلئے دیکھئے "اولیائے ملتان" از اولاد علی گیلانی، صہ۲۶۳۔

Marfat.com

تک حضرت غلام حسن زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک انگریز نے منشی صاحب کو اپنی بندوق کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔"(۱)

ان کا وہ لباس جس پر گولی لگی تھی حضرت غلام حسن شہید کے سجادہ نشینوں کے پاس محفوظ ہے۔
آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ مخدوم غلام یٰسین خلیفہ ہوئے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ غلام حسن شہید بڑے عالم، فاضل، دانشور، ادیب اور شاعر تھے اور انہیں اُردو، سرائیکی، فارسی اور عربی زبان پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ

"عربی اور فارسی پر عالمانہ عبور تھا۔ آپ نے فارسی، عربی اور ملتانی زبانوں میں دواوین چھوڑے ہیں۔"(۲)

شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فارسی، سرائیکی اور اُردو میں یکساں مہارت اور پختگی کے ساتھ شاعری کرتے تھے۔ حضرت غلام حسن شہید کا کلام خود ان کی زندگی میں اتنا معروف اور مقبول ہوا کہ مختلف محفلوں میں قوال ان کی کافیاں اور غزلیں گایا کرتے تھے۔ چنانچہ نافع السالکین (ملفوظات حضرت سلیمان تونسوی مرتبہ امام الدین) صہ ۱۱۲، پر ایک گھڑولی درج ہے جو حضرت غلام حسن شہید کی ہے۔ اور "ظہور جمال" (نذرانہ عقیدت) میں بھی موجود ہے۔ اسے میاں احمد قوال نے گایا۔ "نافع السالکین میں لکھا ہے

"روزے در حضور قبلۂ من ابراہیم خان سرود کرد
.... اچے پیپل پینگھاں پیاں
سیاں رل مل جھوٹن گیاں
جھوٹے ہیر سیال نی اج پی گھر آیا (۳)

آپ کی بہت سی تصانیف ملتی ہیں جو نثر اور شاعری کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ان میں زیادہ تر

۱۔ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، صہ ۱۱۳

۲۔ "ارض ملتان" صہ ۲۴۲

۳۔ "نافع السالکین" صہ ۱۱۲۔

Marfat.com

فارسی زبان میں ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ قلمی صورت میں ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تفصیل اس طرح ہے

۱ـــــ دیوان حسن (فارسی) مطبوعہ (اس کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ میرے پاس موجود ہے

۲ ـــــ انشائے گلزار معانی در انشائے عبارت صافی (یہ کتاب ضائع ہوگئی، سکھا شاہی فسادات میں)

۳ـــــ رسالہ موج دریا (فارسی) } در باب کشف حقائق و حل دقائق مسئلہ توحید

۴ـــــ بحر الموّاج (عربی) } (یہ دونوں نایاب ہیں۔)

۵ ـــــ حسنیہ در بیان مصطلحات صوفیاء (یہ بھی نایاب ہے)

۶ـــــ کلمات الانصاف (عربی) (اس کی نقل موجود ہے)

۷ـــــ نور الہدایت (مثنوی فارسی) } یہ ۱۸۸۵ء میں ترنگھ پریس ملتان سے شائع ہوئی

۸ ـــــ رسالہ نور الہدیٰ (فارسی) } (ان دونوں قلمی نسخوں کی فوٹوسٹیٹ میرے پاس ہے)

(یہ دونوں کتابیں آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے مخدوم غلام یٰسین کے لئے لکھیں۔)

۹ ـــــ رفیق الفقراء (یہ نایاب ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے رکن الدین کیلئے لکھی تھی)

۱۰ ـــــ انوار جمالیہ (فارسی) (حافظ محمد جمال کی سوانح عمری ہے جو کہ مطبوعہ ہے۔ لیکن میرے پاس قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ بھی ہے۔)

۱۱ ـــــ دیوان متفرقات (اُردو، سرائیکی، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف) ۶۹ صفحات قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔

۱۲ـــــ تذکرہ حضرت محبوب ذوالمنن ـــــ چار اوراق پر مشتمل تذکرہ از یار محمد خلیفہ خانقاہ حضرت غلام حسن شہید، یہ اُردو میں لکھا ہوا ہے، تاریخ یکم شعبان ۱۳۱۰ھ ہے۔ (قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔)

۱۳ ـــــ شمائل حسنیہ، از نظام الدین رنگریزی (فارسی) قلمی ـــــ اس رسالے کے اقتباسات کی نقل میرے پاس موجود ہے۔

ذیل میں غلام حسن شہید کی کچھ اہم دستیاب تصانیف کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے

۱ ـــــ نور الہدیٰ (فارسی) ـــــ یہ رسالہ حضرت غلام حسن شہید نے اپنے فرزند غلام یٰسین کے لئے لکھا۔ جیسا کہ رسالے کے شروع میں تصریح موجود ہے۔

Marfat.com

"ایں رسالہ الیست موجز مسمی بہ نورالہدیٰ برائے فرزند ارجمند سعادت آئین غلام لیسین مظہر اسم الہادی است صورت تحریر یافت واز خلوتکدۂ ضمیر بر فراز عرصۂ تقریر شناخت۔ مشتمل است بر نصائح سودمند کہ سعادت مندان ازل آں را در تور ندرجا کہ اہل ارادت ازاں بہرہ وافی برند۔ اللہ تعالیٰ ایں درویش نیاز کیش وجمیع مسلمین حق اندیش را توفیق علم وعمل کرامت کناد و ازعلم وعمل بمقصود رساناد و بہ وکمال کرمہ۔"(۱)

اس کے بعد الگ الگ ٹکڑوں میں عبارتیں درج ہیں۔ ہر عبارت کے آغاز میں "اے جان بابا!" کے عنوان سے مخاطب کیا گیا ہے اور ہر ٹکڑے میں ایک نصیحت درج کی گئی ہے۔ سب سے پہلی نصیحت تحصیل علم کے بارے میں ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، کتب تواریخ وتذکرہ وغیرہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ حصول مقصد کے لئے تحریص وترغیب پیدا ہو۔ آداب ومعاملات اور معاش ومعاد نیات کے بارے میں اطلاع حاصل ہو اور سلوک کی راہ کے لئے دستورالعمل میسر آئے۔ دوسری عبارت میں صدق واخلاص اور ارادت وعقیدت کی صفات پیدا کرنے کی نصیحت ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ کی متابعت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے تکمیل ذات کے لئے علوم ظاہری ہی کافی نہیں علوم باطنی بھی ضروری ہیں۔ تیسری نصیحت حفظ توحید کے سلسلے میں ہے لیکن اس کے لئے عقل سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سے اگلے ٹکڑے میں وحدت وکثرت کی تشریح دریا اور موجوں کے حوالے سے کی ہے۔ جس طرح امواج کی کثرت دریا کی یکتائی کے منافی نہیں ہے اسی طرح مظاہر کی فراوانی اور کثرت بھی وحدتِ ذاتِ مقدس کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح دریا موج وحباب، کف وبخار، ابر وبارش اور برف وژالہ میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح وجود مطلق ممکنات کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح دریا کو موج یا موج کو دریا نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح حق کو عبد اور عبد کو حق بھی نہیں کہتے۔ حالانکہ موج کا وجود دریا سے اور وجود خلق حق تعالیٰ سے ہے تاہم دریا اپنی ذات میں موج کا محتاج نہیں جبکہ موج کا وجود دریا کا مرہون منت ہے

۱۔ نورالہدیٰ (فارسی) قلمی، ص ۱۔

Marfat.com

اسی طرح حق اپنی ذات میں خلق کا محتاج نہیں جبکہ خلق اپنے وجود کے لئے حق کی محتاج ہے۔ جس طرح موج کی نسبت دریا سے قبل از ظہور بھی ہوتی ہے اور بعد از ظہور بھی قائم رہتی ہے۔ اسی طرح خلق کی نسبت حق سے قبل از ظہور بھی تھی اور بعد از ظہور بھی ہے۔ غلام حسن شہید نہایت عالمانہ لیکن عام فہم انداز میں مختلف مثالوں اور حوالوں سے اپنی بات کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن تمام مسائل کی تفہیم کے لئے سب سے پہلا مرحلہ معرفت نفس کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں

"ترا باید کہ اولاً معرفت نفس پیدا کنی کہ کہ دکیستی کہ مَن عَرَفَ نَفْسہ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔" (۱)

وحدت اور کثرت کے مسئلے کی تشریح کے بعد سلوک کی راہ پر چلنے کے لئے مختلف تقاضوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر طریقت کی وضاحت کی ہے۔ اللہ کے دوست کی نشانی یہ بتائی ہے کہ اس کی سخاوت دریا کی سخاوت، اس کی شفقت آفتاب کی شفقت اور اس کی تواضع زمین کی تواضع کی مانند ہے۔ طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک ظاہری طہارت اور دوسری طہارت باطنی، لیکن دونوں ضروری ہیں۔ پھر ارکان اسلام کی تشریح الگ الگ کی ہے۔ آخری صفحوں میں خدا دوستی، مہمان نوازی، خدمت خلق، صلہ رحمی، یتیموں اور مسکینوں کی مدد، بیماروں کی عیادت، نماز جنازہ میں حاضری، باہمی ضیافت، خاطر، تواضع، فروتنی و مروّت، ایثار و تعظیم، غسل، مسواک، طہارت، کسب حلال، گمراہوں کی اصلاح، بزرگوں کی عزت، اہل و عیال کے نان نفقہ کا خیال، مزاروں پر حاضری اور نیکی کی طرف رجوع کرنے کی نہ صرف تلقین کی ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں ان کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔

اختتام میں حضرت مولوی خدا بخش ملتانی کو اس آخری دور کا شیخ المشائخ، حجت الاسلام والمسلمین، سند الموحدین، سلطان العاشقین، شمس العارفین، طریق المجاہدہ، غریق المشاہدہ غوث الانام، قطب الاسلام، جامئ شریعت، ہادئ طریقت، کشاف اسرار حقیقت، بحار معرفت صوفی صاف مشرب، وجود مستغرق، وجود بحر شہود و قدوۃ علمائے کرام۔ مظہر تام جمال اللہ

۱۔ نور الہدیٰ فارسی، قلمی، ص ۸-۹۔

Marfat.com

الملقب بہ محبوب اللہ تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کا تربیت یافتہ اور ان کے خوان نعمت کا خوشہ چین قرار دیا ہے۔

اس رسالے کا کاتب اللہ بخش ہے جس نے ۲۷، ماہ صفر ۱۳۴۰ھ کو اس کی کتابت مکمل کی۔ رسالہ کے کُل اوراق گیارہ اور صفحات ۲۲ ہیں۔ اسلوب سادہ، ادبی اور دلکش ہے۔ مختلف مسائل تصوف کی تشریح نہایت عام فہم انداز میں کی گئی ہے اور تمثیلوں کے ذریعے وضاحت کی گئی ہے۔ زبان اگرچہ فارسی ہے لیکن اُردو خواندہ لوگ اس کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

منشی غلام حسن شہید بحیثیت شاعر

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ منشی غلام حسن شہید صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پختہ گو، قادر الکلام اور خوش رنگ شاعر بھی تھے۔ ان کا فارسی، سرائیکی اور اُردو کلام دستیاب ہے۔ ہم سب سے پہلے ان کے فارسی کلام کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں ایک تو مثنوی نور ہدایت ہے۔ اور دوسرا دیوان حسن۔ ہم یہاں دونوں کا جائزہ الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

منشی غلام حسن شہید کی منظوم تصنیف "نور ہدایت" ایک مثنوی ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے جو مجھے میرے مقالے کے نگران اور رہنما جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کتاب میاں بلال بخش مجاور خانقاہ حضرت غلام حسن شہید کے فرزند یار محمد نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور جیسا کہ اس کتاب کے صہ ۸۵ پر درج ہے کہ یہ ۲۹، محرم ۱۳۰۴ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ سجادہ نشین خانقاہ حضرت شہید، فیض الحسن صاحب کی ملکیت ہے۔ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق نے یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو لفظ بلفظ نقل کی، انہیں سے مجھے حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ۸۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

مثنوی کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے جس میں نہایت دلکش اور شاعرانہ انداز میں سوز عشق، جرأت پروانہ، آتش نور اور شراب دلنواز کے ساتھ ساتھ ایک ایسے دل کی طلب کی ہے جو مخزن سرِ ولایت، مطلع نور ہدایت، غواص بحر راز اور محرم خلوت خاص ہو۔ ایک ایسا دل جو

دلے در نسل وہ پروردۂ عشق   چوں طفلاں شیر رحمت خوردۂ عشق

Marfat.com

دلے از وادیٔ ایمن رسیدہ   چو موسیٰ شعلۂ آتش خریدہ

دوسرا عنوان "حمد" کا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کا حق ادا کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ حضورؐ کی نعت پر مشتمل ہے۔ حضورؐ سے کس آرزو کا اظہار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

بیا در حلقۂ رنداں گذر کن   فرد را رخصت از بیرون در کن

گرد کن خرقۂ زہد ریا را   بگرداں دور جام کبریا را

گویا غلام حسن شہید کے نزدیک رندی، زہد ریا سے بہتر ہے اور عشق و مستی کی دنیا میں عقل و خرد کا گزر نہیں۔ اس کے بعد معراج کا ذکر ہے۔ پانچواں عنوان" در مدح پیر دستگیر روشن ضمیر...... حضرت محمد جمال اللہ" ہے جس کے تحت اپنے مرشد اور پیر حضرت جمال اللہ ملتانی کی تعریف کی ہے۔ کچھ اشعار یوں ہیں

زہے پیرے بہ ہمت دستگیرے   ز نور معرفت روشن ضمیرے

بظاہر ہادیٔ راہ طریقت   بباطن واقف سر حقیقت

قضا ہر لحظہ جویائے رضایش   اجابت چشم بر راہ دعایش

رخش آئینہ دار نور مطلق   دلش گوہر نثار حکمت حق

جمالش را کمال دل ستانی   کمالش را جمال جاودانی

زہے حسن و زہے محبوبیٔ او   جہانے مبتلائے خوبیٔ او

مثنوی کے چھٹے عنوان کے تحت " ایجاد آدم" کا مضمون باندھا گیا ہے۔ پھر نزول سلطان عشق ہوا ـــــ وہ عشق جو سریر آرائے اقلیم تقدس اور شہ فرماں دہ آفاق و انفس ہے۔ اس کے ظہور میں آتے ہی فرہاد نے پہاڑ کھود ڈالا۔ زلیخا ادب سے اس کے آگے جھک گئی۔ بلبل نے اس کی ثنا خوانی شروع کی۔ قمری شرط تعظیم بجالائی۔ پروانہ آہ جگر سوز کے ساتھ شمع کا طواف کرنے لگا۔ شیریں نے اپنے شکر خند سے اس کے بندوں کو شربت قند پلایا۔ سرو آزاد اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ اور شمشاد نے اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا ایک طرف خیل خوباں جلوہ فرما ہوا تو دوسری طرف عاشقان ہنگامہ آرا جمع ہوگئے۔ ایک طرف ساقی نے شراب سے جام بھرا اور دوسری طرف ہوش جاتا رہا۔ نالہ و فریاد اور آہ وزاری کا بازار گرم ہوا۔ ایک طرف ایک بوسے کے لئے پیغام پہنچا تو دوسری طرف ہونٹوں

Marfat.com

سے دشنام کا سلسلہ شروع ہوا۔ایک طرف وصل کی خواہش کا اظہار ہوا تو دوسری طرف اجابت نے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ خرد اور جنوں کی جنگ چھڑ گئی۔خرد نے دانش کے سینکڑوں دفتر کھول لئے تو جنوں نے اس کا ایک ایک ورق برباد کرنا شروع کیا۔خرد نے چارہ سازی شروع کی تو جنوں نے گریبان چاک کر دیا۔

آٹھویں بند میں اپنی جوانی سے پیری تک کا احوال اور اس مثنوی کا سبب تصنیف بیان کیا ہے کہ عہد طفلی سے عشق فسوں ساز کا شکار رہے۔کبھی سوز مے نے اور کبھی سوز نغمہ نے خرابی کی صورت پیدا کی۔کبھی نالہ و فریاد سے واسطہ رہا اور کبھی گریہ ہائے پیہم سے۔کبھی دل سے صبر و قرار چھن گیا اور کبھی دل کا افسردہ آنکھوں کے ذریعے بہہ گیا۔کبھی شوق نے دامن کھینچا تو کبھی وحشت کے ہاتھوں گریباں چاک ہوا۔ القصہ سوائے عشق و جنوں کے کوئی کام نہ تھا کہ اچانک ایک حسین چہرے نے بجلی گرائی۔اس کا چہرہ غیرت ماہ تھا کہ سورج کی آنکھ نے خواب میں بھی ایسا چہرہ نہ دیکھا ہوگا۔نتیجہ یہ نکلا کہ

زعشق آں جمال دل نوازم حقیقت جلوہ گر شد در مجازم
رہ اندر عالم تجرید بردم مئے از خم خانۂ توحید خوردم
حجاب از روئے ہستی برگرفتم حساب زندگی از سر گرفتم (ص ۲۴)

اس نے افسردہ دلوں کو نئی گرم جوشی بخشی، مُردوں کو حیات تازہ دی، اس نے ایک ایسا نغمہ سرمدی عطا کیا جس نے بے نواؤں کو نوا، گمراہوں کو راہ، بیماردل کو شفا، اور دردمندوں کو دوا دی۔

نویں بند میں شیخ منصور حلاج کے حوالے سے حدیث عشق بیان کی ہے۔دسواں حصہ سرو قمری اور شمع پروانہ کی تمثیل سے عشق میں صبر و قرار، برداشت اور حوصلہ مندی کی تلقین پر مشتمل ہے

گیارہویں بند میں لیلیٰ مجنوں کی حکایت بیان کی ہے۔ دونوں کے سوال و جواب بڑے دلچسپ ہیں۔نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

چنیں آشفتہ و درہم چرائی بہ زلفت گفت دارم آشنائی
بگفتنا چوں نیائی جانب نجد بگفتنا بسکہ رہ گم کردم از وجد
بگفتنا از چہ کردی پیرہن چاک بگفت از دستبرد عشق بے باک

Marfat.com

بگفتا چوں خمیدست پشت زیں سال　　بگفت اے جان من از بار ہجراں
بگفتا از چہ ای زیں گونہ بیمار　　بگفت از چشم شوخ چوں تو دلدار (ص۱۲۱)

بارہویں بند میں ایک نوجوان کی محبت کا حال بیان کیا ہے۔ پھر تیرہویں اور چودہویں بند میں حکایت مجنوں بمطابق مضمون سابق منظوم کی ہے۔ پندرہویں بند میں شیخ جنید، سولہویں بند میں زلیخا، سترہویں حصے میں ابراہیم بن شماس، اٹھارہویں میں ایک زاہد، انیسویں میں مجنوں اور چوبیسویں میں فرہاد کی حکایت کے حوالے سے عشق وجنوں کے مختلف مراحل اور تصوف کے متنوع مسائل کی وضاحت کی ہے۔ پچیسواں بند پھر مجنوں کی حکایت پر مشتمل ہے چھبیسویں بند میں" شاہ شجاع کرمانی کہ باختیار دولت جاودانی ترک سلطنت فانی کردہ بود" کے عنوان سے حکایت بیان کی ہے۔ اگلے سات بندوں میں مجنوں ہی کے حوالے سے دانائی ونادانی، مستی وہشیاری، طالب ومطلوب، عشق وہوس، جانفشانی وناتوانی وغیرہ کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چونتیسویں حصے میں زن عیار کی حکایت بیان کی ہے۔ اگلے تین بندوں میں پھر حکایت مجنوں کے بند کھولے ہیں۔ اڑتیسویں بند میں حضرت خواجہ غریب نواز کی حکایت کے حوالے سے سلوک کی راہ میں ترک دنیا وعقبیٰ کا مضمون باندھا ہے۔ اگلے دو بند پھر مجنوں کے ذکر کے حامل ہیں۔ مجنوں کا انجام حیات جاودانی ہے۔ اس لئے کہ اس کا عشق صادق تھا۔ یوں تو ہر کمال کو زوال ہے لیکن کمال عشق کو زوال نہیں ہوتا۔ غلام حسن شہید فرماتے ہیں

زوالے می پذیرد ہر کمالے　　کمال عشق را نبود زوالے
مگر ایں عشق آب زندگانی است　　کہ تاثیرش حیات جاودانی است
چہ باک از عاشق از غم جاں سپارد　　کہ عشقش زندۂ جاوید دارد
شہید عشق الحق زندہ جاں است　　کہ مرگ او حیات جاوداں است (ص۸۲)

آخری بند میں اس مجموعۂ اسرار کی قبولیت کی دعا کی ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ سحر آفریں گرامی نامہ ہے جو نیا آئین اپنے اندر رکھتا ہے اور تحفۂ ملتان ہے۔

گرامی نامۂ سحر آفریں است　　نو آئین تحفہ ملتاں زمیں است (ص۸۳)

انہیں یہ پندار بھی ہے کہ

نہاں صد معنی اندر ہر عبارت　　بہ ہر معنے نہفتہ صد اشارت

Marfat.com

سوادش دادہ از عنبر سرشتے　　　نشاں از زلف حوران بہشتے
سطورش نقشۂ از زلف سنبل　　　حروفش حلقۂ از نار کاکل

اس مثنوی کے اشعار کی کل تعداد ۱۲۶۰ ہے۔ ان اشعار میں تصوف اور عشق کے مسائل حکایات اور تمثیلوں کے حوالے سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔ پوری مثنوی کا اسلوب بے حد سادہ لیکن شاعرانہ ہے۔ تشبیہ و استعارہ اور علامتوں کے ذریعے مختلف موضوعات کی وضاحت بڑے دلنشیں انداز میں کی گئی ہے۔ پوری نظم رواں دواں، مربوط اور دلکش آہنگ کی حامل ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت غلام حسن شہید شاعرانہ صلاحیتوں سے پوری طرح متصف تھے اور مختلف زبانوں میں شعر کہنے کی انہیں پوری قدرت حاصل تھی۔

دیوان حسن (فارسی) —— یہ دیوان مطبوعہ ہے۔ لیکن میرے پاس دیوان حسن (فارسی) کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ کاپی بھی ہے جو مجھے جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے۔ ۱۶۲ صفحات کا یہ دیوان نفیر یار محمد خلف میاں بلال بخش مجاور خانقاہ حضرت غلام حسن شہید کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے آخیر میں اس کی تاریخ تحریر ۲۳ر شعبان المعظم ۱۳۰۲ھ بروز جمعہ درج ہے گویا یہ دیوان مثنوی نور ہدایت سے ایک سال پہلے تحریر کیا جا چکا تھا۔ اس دیوان کا آغاز اسی نعت سے ہوا ہے جو مثنوی نور ہدایت میں بھی شامل ہے۔ لیکن مثنوی نور ہدایت اور "دیوان حسن" میں درج شدہ ایک ہی نعت کے بعض شعروں میں تبدیلی کی گئی ہے، یہاں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ دیوان حسن میں یہ شعر یوں درج ہے۔

جمالش مخزن اسرار معنی　　　جبینش مطلع نور تجلی

مثنوی نور ہدایت میں اس شعر میں تبدیلی کر دی گئی ہے اور اس کی صورت یوں ہو گئی

کمالش مخزن اسرار معنی　　　جمالش مطلع انوار معنی

اسی طرح

بہ مستی کرد چوں چشمش اشارت　　　بغمزہ ملک دل را کرد غارت (دیوان حسن)
دو چشم مست او با یک اشارت　　　متاع کشور دل کرد غارت (مثنوی نور ہدایت)
سزد گر آدم خاکی سرشتے　　　دہد بردانہ خالش بہشتے (دیوان حسن)

Marfat.com

بخالش چونکہ آدم دیدہ بکشاد — بدام عشق او زیں دانہ افتاد (مثنوی نورِ ہدایت)
چو ہر کف ساغر صہبا رواں کرد — کلیم اللہ ید بیضا نہاں کرد (دیوان حسن)
چو دست خود در اش را گوہر فشاں کرد — کلیم اللہ ید بیضا نہاں کرد (مثنوی نورِ ہدایت)
جمالش را کہ مہر شرمندۂ اوست — ہزاروں ہم چو یوسف بندۂ اوست (دیوان حسن)
زہے مہرے کہ مہ شرمندۂ اوست — ہزاروں ہم چو یوسف بندۂ اوست (مثنوی نورِ ہدایت)
حیات جان بسر ہم چوں نباتش — خضر لب تشنۂ آب حیاتش (دیوان حسن)
دوائے جان دلب ہم چوں نباتش — خضر لب تشنۂ آب حیاتش (مثنوی نورِ ہدایت)

بعض مصرعوں میں یکسانی اور بعض میں تبدیلی محض پہلے بند میں ہے۔ اس بند کے بعد باقی اشعار بالکل مختلف ہیں۔ نعت کے بعد ص ۱۱ سے غزلیات شروع ہوتی ہیں۔

حسن کے یہاں زیادہ تر حقیقت اور معرفت کے شعر ملتے ہیں۔ بظاہر ان کا مفہوم مجازی معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا سا غور کریں تو اس کی دوسری سطح ظاہر ہونے لگتی ہے۔ گویا حسن کے یہاں مجاز اور حقیقت کا امتزاج اور میل ہے۔ اس میں ایک سطح مجازی مفہوم کی ہوتی ہے اور دوسری تہ حقیقت کی۔ حسن کے یہاں معاشرتی موضوعات یا سیاسی مضامین نہیں نہ مروّجہ نظام پر تنقید یا تبصرہ ہے۔ سامنے کی زندگی کے حوالے بھی بہت کم ہیں۔ یہ شاعری تو سیدھے سادے عشق و محبت کے مسائل، صوفیانہ حقائق، عارفانہ مضامین اور مجاز کے پردے میں حقیقت کے بیان پر مبنی ہے۔ حسن کی شاعری کا نقطۂ ماسکہ NUCLEAS عشق کا توانا جذبہ ہے جو کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا محور ہے۔ سارا نظام اسی کے گرد گھوم رہا ہے۔ حسن عشق کے حوالے سے عاشق اور اس کی واردات کا اور معشوق کے حوالے سے اس کے سارے متعلقات کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں۔ چنانچہ دیوان حسن کا بیشتر حصہ ان تینوں موضوعات کے گرد گھومتا ہے۔ حمد و ثنا، نعتیہ غزلیات اور اہل بیت کی تعریف میں لکھے گئے اشعار کا محرک بھی یہی جذبۂ عشق ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ حسن کی شاعری کا مرکز جذبۂ عشق ہے جو سارے جذبوں کا سرتاج اور صدر نشین ہے۔ اس جذبے کا رس جس نے پی لیا وہ کیف سرمدی کا مالک بن گیا۔ جو خراب حقیقت کے مست الست ہوتے ہیں ان کی زندگی بعنوان دیگر ہوتی ہے۔ وہ بظاہر بیٹھے ہوئے

Marfat.com

من ز خود بر خود تجلی می کنم — خویش را بر خویش شیدا می کنم
ایں جہاں آئینہ روئی من است — صورت خود را تماشا می کنم
آں قدر کز خویش پنہاں می شوم — راز خود را آشکارا می کنم
می شوم در پردہ پنہاں اے عجب — ہر قدر بے پردہ خود را می کنم
ایں ظہور وایں بطوں و سرّ من است — سرّ خود بر خود ہویدا می کنم
خود منم عین تمنا چوں حسن — پس چرا خود را تمنا می کنم (ص۱۰۶)

عشق کا آغاز جلنا اور اس کا انجام موت ہے۔ لیکن یہ موت وصالِ جاناں کی تمہید ہے اس کی ابتدا بھی عجیب ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی عجیب ہوتی ہے۔ عشق میں قدم رکھنا آسان بھی نہیں۔ یہ راہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہوتی ہے۔ لیکن چلنے والے اس راہ پر چلتے ہیں اور جان، ہتھیلی پر رکھ کر چلتے ہیں اور پار بھی اترتے ہیں۔

دراصل یہ جذبہ کوئی نیا جذبہ نہیں ہے۔ یہ جذبہ انسان کو ازل سے ودیعت ہوا تھا۔ شراب کہنہ کی طرح عشق کہنہ کی تاثیر بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ما عاشقیم و در ازل از عشق زادہ ایم — روئے تو دیدہ ایم و دل از دست دادہ ایم
ما مشکلات عشق نہ آساں شمردہ ایم — سر دادہ ایم تا بہ رہش پا نہادہ ایم (ص۱۰۹)

آغاز عشق سوختن انجام مردن است — جاں دادہ ایم تا کہ بجاناں رسیدہ ایم (ص۱۰۹)

لیکن عشق کا امرت ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہوتا۔ دار و رسن کی آزمائش سے گزرنے والے ہی حیات جاوداں کے مالک بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نہ تو ہر شخص رند بلا نوش ہو سکتا ہے اور نہ روز روز وہ منصور پیدا ہوتا ہے جو تختۂ دار پر کھڑے ہو کر بھی انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ حسن اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں کہ حلاوت لب شیریں ..... کے ذائقے سے وہی شاد کام اور بہرہ مند ہو سکتا ہے جو فرہاد کی طرح کوہ بے ستوں کا سینہ چیر کر جوئے شیر بہاتا ہے نہ کہ وہ خسرواں بے نصیب کہ جو پانے کے لئے نہ تو جستجو کرتے ہیں اور نہ ہی اس جذبے سے آشنا ہوتے ہیں۔

ع حلاوت لب شیریں بہ پرس از فرہاد — کہ خسروان جہاں کم چشیدہ اند آں را (ص۱۰۸)

Marfat.com

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اہل دل اور اہل ذوق ہی غموں کے خریدار ہوسکتے ہیں کہ غم خرید نا نفع کا سودا نہیں۔ لیکن اس گوہر یکتا کی قدر و قیمت ایک جوہری ہی جان سکتا ہے۔ جنوں سے سودا کرنے والے شکست سے دوچار ضرور ہوتے ہیں لیکن اس شکست پر ہزاروں بے روح فتوحات قربان کی جاسکتی ہیں۔ حسن نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے "غم" کے وجود پر اظہار حیرت کیا ہے کہ آخر اس کو پیدا کرنے کا سبب کیا تھا۔ لیکن انہیں یہ عرفان حاصل ہے کہ "غم" کے خریدار اہل محبت ہوتے ہیں جو اس متاع عزیز کے حصول کے لئے سب کچھ لٹا دیتے ہیں

ع غم کہ اہل محبت خریدہ اند آں را نذانم از چہ سبب آفریدہ اند آں را۔ (ص۲۱۸)

دورِ جدید کے ایک شاعر نے غم کی اہمیت کو غالباً غلام حسن شہید ایسے صوفی سے سمجھا ہوگا۔ وہ کہتا ہے

ع ۵۔ دل گیا رونق حیات گئی غم گیا ساری کائنات گئی

لیکن جب اہل دل اور اہل ذوق کو ظلمت شب میں منزل کا نشان نہیں ملتا تو وہ عکسِ عذار یہ محبوب کے تاروں کی روشنی سے نشان راہ پاتا ہے اور جب سالک کو سلوک کی راہ میں مقامِ حیرت سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب تجلیات کا سلسلہ معطل ہو کر اس کی پریشانی اور مایوسی کا سبب بنتا ہے تو وہ محبوب حقیقی کے حسن مطلق کی جوت دل میں جگا کر استقامت پاتا اور اپنی منزلِ مراد کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ عاشق شب رو بھی ظلمت شب میں محبوب کے گل عذاروں کے ستارے چمکا کر راہ پاتے ہیں۔

در حلقہ ہائے طرہ ز عکس عذار تو در ظلمت شب است نمایاں ستارہ ہا (ص۲۰)

عشق کا محرک محبوب کا وجود ہے جو حقیقی اور ابدی ہے اور اسی کا پرتو محبوب مجازی میں بھی جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اسی لئے محبوب کے سراپا کی تعریف اُردو اور فارسی شاعری میں عام ہے چنانچہ اس مضمون میں حُسن اور جدت کا وصف ابھارنا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اکثر صورتوں میں تکرار اور یکسانیت کا نقص خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ حُسن کے یہاں محبوب کے لئے شیریں دھن، گل بدن، سیمیں ذقن، گل پیرہن، سنبل دیاسمین، جان حسن ——— جیسی ترکیبیں نہ صرف بلحاظ قوافی ایک مترنم کیفیت پیدا کر دیتی ہیں بلکہ پوری غزل میں ایک مخصوص صوتی نظام کی

Marfat.com

ہوتے ہیں لیکن زندگی کا حسن انہی کی بدولت قائم ہوتا ہے۔ وہی امکانات کے متجسس اور محرک ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر خاک کی پستیوں میں گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کا مقامِ بلند عرش کی رفعتوں سے بھی ماورا اور بالا ہوتا ہے۔ دراصل وہ اپنا دل "یار" کی زلفوں کے خم و پیچ میں اسیر کر کے باقی ساری دنیا سے آزاد ہو جاتے ہیں لوگوں کی نگاہ میں عام دکھائی دینے والے یہ "رندِ مے پرست" "مے عرفان" کے بلانوش اور عرش نشین ہوتے ہیں۔

مامست زبادۂ الستیم — ہر چند کہ تیستم بستیم
از عرش بلند تر نشستیم — ہر چند کہ ہم چو خاک پستیم
دل در خم زلف یار بستیم — از بند زمانہ باز رستیم
اے محتسب از حسن چہ خواہی — بگذار کہ رند مے پرستیم (ص ۹۲-۹۳)

اور ان کی اس بلند نشینی، رفعت و عظمت کا باعث وہ عشق ہے جس نے حیات کو پرمعنی بنایا۔ زندگی کا سارا حسن، سارے ہنگامے عشق کی بدولت ہیں۔ اسی لئے حسن فرماتے ہیں کہ ہم نے عبادت اور اطاعت کا منصب فرشتوں کے ذمے لگا دیا اور اپنے آپ کو عشق کے لئے وقف کر دیا۔ کیونکہ عشق کا گدا اگر کونین کا شہنشاہ ہوتا ہے۔ جو عشق کے کام میں لگ گیا اس کے لئے باقی سارے کاروبار بیکار ہو گئے۔ اقلیم عشق میں عقل کا گزر نہیں ہوتا۔ جو عشق کا رازدار بن جاتا ہے اس کے سامنے سارے اسرار حق کھل جاتے ہیں۔ عشق کی لذیذ اور خوشگوار شراب دیوانہ و مست کر دیتی ہے۔

ما از دل و جان فدائی عشقیم — قربان سر وفائے عشقیم
طاعت بفرشتگان سپردیم — ما سر زدہ از برائی عشقیم
شاہنشہ کشور دو کونیم — زیں روی کہ ما گدائے عشقیم
از ہر ہمہ کاروبار بیکار — مشغول بکار و بار عشقیم
بگذار سخن ز عقل بگداز — از ما کہ سخن گذار عشقیم
دیوانہ و رند مست سرشار — از بادۂ خوشگوار عشقیم
اسرار حقائق از حسن پرس — زیں روی کہ رازدار عشقیم (ص ۹۳-۹۴)

Marfat.com

حضرت غلام حسن شہید عشق وجنوں کے سرودسے سرشار ہو چکے تھے اور انہوں نے جام محبت محفل یاراں میں گھمایا اور سب کو صلاح دی کہ کوئی تو " حریف مے مردافگن عشق " ثابت ہو۔ خود کو تو انہوں نے عشق کے ساتھ باندھ ہی لیا تھا۔

؎ کافر عشقم زخود وارستہ ام　　بر کمر زنار زلفش بستہ ام (ص۱۶۱)

جب عاشق اپنی ذات کو محبوب کی ذات میں فنا کر دیتا ہے یا صوفی فنا فی اللہ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پھر دوئی کا تصور مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر صورت زیبا اس کی صورت بن جاتی ہے۔ اشیا کے ظاہر اور باطن میں وہ سرایت کر جاتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ خورشید کی تجلی میں بھی وہی ہوتا ہے۔

معنئ ہر صورت زیبا منم　　چوں نگری صورت ومعنی منم
کثرت اسماء وصفات از منست　　وحدت موصوف ومسمّٰی منم
ظاہر من ایں ہمہ اشیاء بود　　باطن ایں جملہ اشیاء منم
در ہمہ ذرات ظہور منست　　کردہ چو خورشید تجلی منم (ص۱۶۲)

عشق کے پر لگ جائیں تو پھر لامکان تک رسائی معمولی بات ہے۔ زمان ومکان کی گرفت سے آزادی مل جاتی ہے۔ پھر عین غیاب میں حضوری اور عین حضوری میں غیاب کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ عشق کی بدولت وہ جمال معنی حاصل ہوتا ہے کہ زمین وآسماں پر نور ہو جاتے ہیں۔

ما طائر اوج لامکانیم　　وارستہ ز بند آشیانیم
برتر ز مکان ودر مکانیم　　بیروں ز جہاں در جہانیم
در عین بطون خود عیانیم　　در عین ظہور خود نہانیم
ہم چو حسن از جمال معنے　　ما نور زمین وآسمانیم (ص۱۶۴-۱۶۵)

یہ عشق بوالہوسی کا نہیں، حقیقت اور صداقت کا عشق ہے۔ اس عشق میں من وتو کا فرق مٹ جاتا ہے۔ پھر سارا جہاں آئینہ بن جاتا ہے۔ جس میں ایک ہی چہرہ منعکس دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

فضا ابھار کر چمن گل کے تلازمات کے ساتھ سراپا نگاری کے فن کو حسن اور جاذبیت کا رنگ عطا کر دیتی ہیں۔ ایک ہی غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ حرف ندا کے ساتھ ان حسین ترکیبوں کا استعمال غزل میں ایک کیف سا پیدا کر دیتا ہے۔

شیریں دہنا ، طوطیِ شکر شکنا   شمشاد قدا ، سمن برا ، گل بدنا
جادو نگہا ، پری نژادا ، صنما   زریں کُلہا ، دلبر سیمیں ذقنا
از قامت و زلف عارض چو فریب   خجلت دہ سرو سنبل و یاسمنا
چوں غنچہ بہ عرض لب کشایم اکنوں   رشک چمنا . نگار گل پیرہنا
یک شب چہ شوی اگر درائی بہ برم   چوں جان بہ ہزار لطف جان حسنا (ص۲۲)

آخر ایسے شعر کیوں نہ ہوں جب تخلیقی محرک اتنا شدید ہو کیونکہ محبوب کا سراپا دلربائی کے اتنے انداز رکھتا ہے کہ انسان تو انسان قدسی بھی اس کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہے۔

؎ چنیں کہ زلف و خط و خال دلربا است ترا   شکار مرغ دل قدسیاں رواست ترا (ص۱۲)

احساس حسن کی وجہ سے محبوب اپنے انداز دلربائی آزماتا بھی ہے اور غرور حسن اسے رحم اور لطف و کرم کا آشنا بھی نہیں ہونے دیتا۔ اسی لئے تو عاشق پکار اٹھتا ہے

چہ سخت سنگ دل اے صنم! معاذاللہ   نہ بیم خلق نہ اندیشۂ خداست ترا (ص۱۴)

محبوب کی رفتار اور وہ بھی قد رعنا کے ساتھ عاشق پر قیامت ڈھا دیتی ہے۔ حسن نے اس خرام ناز کی قیامتوں کا مشاہدہ بھی کیا ہے اور اسے تخلیقی سطح پر محسوس بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کی چال شاعر کے لئے ایک تخلیقی تجربہ بن گئی۔

؎ گاہی ز خرام قد رعنا   صد محشر ناز کردہ برپا (ص۱۲)

خرام کا یہ تلازمہ مرکزی اور تلازمات کا محرک بنا۔ محبوب کی چال کے ساتھ ساتھ اس کے رخ زیبا کا خیال چمکا۔ سخن دل نواز و لب شکر خا کا خندہ یاد آیا۔ پھر کرشمہ جادو انگیز اور غمزۂ محبوب ابھرا اور یوں خوب صورت شعر تخلیق ہوتے گئے۔

گہ در خم طرۂ دل آویز   گہ نور جمال روئی زیبا
گہ در سخن از دہن نمک[۱] ریخت   گہ خندہ زد از لب شکر خا

۱۔ دہن کے ساتھ ہمیشہ شیریں کا ذکر آیا ہے۔ یعنی شیریں دہن وغیرہ ——— (باقی برصفحہ ثانی)

Marfat.com

گہ شد بحرِ شمۂ جادو انگیز   گہ داد ز غمزہ دل بہ یغما (ص۱۳)

محبوب کے نلازے سے کتنے پہلوِ حُسن کے یہاں سامنے آجاتے ہیں۔ کبھی صنم کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے تو کلیسا بھی کعبہ کا سا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ محبوب جو پردے میں ہے اور پھر بھی اس کے حسن پر شور قیامت برپا ہے۔ اگر وہ نقاب الٹ دے تو کیا کیا قیامتیں برپا نہ ہو جائیں گی۔ کبھی اس ساغر بادہ کی خاطر جو ساقی ازل کا عطا کردہ ہے۔ خرقۂ زہد گروی رکھ دیا جاتا ہے اور کبھی عشق کی پردہ داری کے باوصف محبوب کی بدگمانی کا یقین پختہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی حسن محبوب کا چرچا ہے جو کتابوں کے حسن سے کہیں حسین تر ہے۔

اگر تو اے صنم از رخ نقاب برداری   چو کعبہ قبلۂ عالم کنی کلیسا را (ص۲۲)

حسنت بہ پردہ شور قیامت فگندہ است   ای وائے زاں زماں کہ برافگند نقاب ہا (ص۲۵)

بہ پردہ حسن تو صد شور در جہاں انگیخت   چہ فتنہ خیزد اگر پردہ برداری گستاخ (ص۵)

خرقۂ زہد نہادم بگرو   ساغر بادہ خریدم بابا (ص۲۴)

عشق ہر چند نہاں داشتم از یار وے   شد یقینم کہ بریں بندہ گماں است او را (ص۱۳)

ای منتخب ترین ہمہ انتخاب   وصف جمال تست فزوں از کتاب ہا (ص۲۵)

عشق محبوب کے حوالے سے عاشق پر ظلم و ستم کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ لامتناہی ہے عشق کی کلفتوں کے ہاتھوں عاشق کا خانہ ہی خراب نہیں ہوتا اشک پیہم کی روانی کتنی بربادیاں بھی لاتی ہے۔ چنانچہ گریۂ شوق کی تباہ کاریاں دیکھئے کہ دل خستہ و خراب کو بہا کر لے جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے سیل رواں حباب کو خانہ بدوش کر دیتا ہے۔ ایسا خوب صورت مضمون بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اس مضمون میں جدت بھی ہے اور حُسن و انفرادیت بھی۔ بالکل نیا خیال ہے اور نہایت دلکش انداز میں باندھا گیا ہے۔ شعر دیکھئے

~ گریۂ شوق می برد قالب خستہ را رجا   خانہ بدوش می کند سیل رواں حباب را (ص۱۴)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) لیکن غلام حسن شہید کی جودت طبع نے دہن سے نمک ٹپکایا ہے کہ شیرینی کے ذائقے میں جلد بیزاری ہے جبکہ نمک کے ذائقے میں پائیداری ہے۔

Marfat.com

عاشق، محبوب اور محبت کے ساتھ مے و نغمہ کا ذکر لازمی ہے۔ شراب و نغمہ اہل عیش کے لئے تحرک کا باعث بھی ہے اور آرام و سکون کا موجب بھی۔ لیکن اہل صفا ــــ نغمۂ سرمدی اور مے عرفان سے " نور صفا " اور " سِرِّ خدا " حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ حسن زاہد خشک کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ مے کدے میں جاکر بادۂ معرفت سے اپنے باطن کو پاکیزہ کریں۔ اور اس بوریا ریائی کو جو منافقت کی بُو دے رہا ہے اس شراب سے دھو ڈالیں۔

ساقی ز بادہ نور صفا میدہد مرا ‌ ‌ ‌ مطرب خبر ز سِرِّ خدا می دہد مرا
زاہد برو بہ مے کدہ و ز بادہ پاک کن ‌ ‌ ‌ ایں بوریا کہ بوئی ریا میدہد مرا (صہ ۳۰)

یوں تو "دیوان حسن" کے بیشتر اشعار حقیقت اور معرفت کے مضامین کے حامل ہیں۔ لیکن بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو خالصتاً نعتیہ ہیں اور حضورؐ سے حسن کی عقیدت اور محبت کا ثبوت ہیں اسی طرح " دیوان حسن " میں اہل بیت اور واقعہ کربلا کے بارے میں بھی اشعار کا اچھا خاصا خزانہ موجود ہے۔ حضرت حسین کی شہادت پر یہ اشعار اپنی مثال آپ ہیں۔

در ماتم حسین کہ ارض و سما گریست ‌ ‌ ‌ ماہی بآب مُرغ با وج ہوا گریست
تنہا نہ امت از غم آل عبا گریست ‌ ‌ ‌ ہم مرتضی فغان زد و ہم مصطفےٰ گریست
میدان خاک تیرہ شد و آسمان سیاہ ‌ ‌ ‌ آں دود آہ ابر شد و جا بجا گریست
اندیشہ کن کہ شور قیامت شود بپا ‌ ‌ ‌ بنت رسولؐ چونکہ بروز جزا گریست (صہ ۳۸، ۳۹)

حسن کو اپنے مرشد (حافظ جمال اللہ) سے جو عقیدت اور محبت تھی اس کا اظہار انہوں نے نہ صرف سرائیکی شاعری میں کیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا بلکہ فارسی غزلوں کے اشعار میں بھی کیا ہے۔ دیوان حسن، صہ ۸۰، پر ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے

ناگہاں بر من تجلی کرد عشق ‌ ‌ ‌ شور محشر تازہ برپا کرد عشق

اسی غزل کا مقطع حضرت جمال اللہ کے بارے میں ہے۔

جز جمال اللہ ندیم اے حسن ‌ ‌ ‌ تا کہ چشم باطنم وا کرد عشق (صہ ۸۱)

اس کے فوراً بعد والی غزل میں جو اسی بحر میں ہے اور جس کا مطلع پہلی غزل کے مطلع سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی

جلوہ از ناگہاں چوں کرد عشق ‌ ‌ ‌ صد دل و صد دیدہ پرخوں کرد عشق (صہ ۸۱)

Marfat.com

مقطع دیکھیے

چوں مجنوں صد عاشق شوریدہ را　　بر جمال اللہ مفتوں کرد عشق

حسن کی شاعری پاکیزہ مضامین تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس میں فن کی پاکیزگی اور حسن بھی موجود ہے۔ شاعرانہ حسن مضمون کی عظمت اور بلندی کے ساتھ ساتھ لفظوں کے برمحل استعمال تشبیہ و استعارہ اور علامتوں کے موزوں اور مناسب برتاؤ، صنائع لفظی کے حسن کا مرہون منت بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر شاعری کا تعلق لفظوں کے فن کارانہ استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ حسن کے یہاں فنی لطافتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ نغمگی، تکرار لفظی، صوتی حسن مترنم بحروں، رواں دواں، دلکش اور خوب صورت قوافی اور قریب الماخذ تشبیہ و استعارات کا استعمال غلام حسن شہید کے کلام میں عام ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ساری فنی خوبیاں اس میں نظر آ جائیں گی۔

قطرہ قطرہ از سر اشکم شدہ دریا دریا　　داغ داغم ہمہ گل گل شدہ صحرا صحرا
دی و امروز بہ امید وصالت بگذشت　　بعد ازیں نیست مرا طاقت فردا فردا
دل جدا، عقل جدا، ہوش جدا اے ظالم　　گشتہ آوارہ بکوئیت ہمہ تنہا تنہا
دل چرا شہرۂ بازار ملامت نشود　　کردہ بے سود بہ عشق ایں سر سودا سودا
جز تو بر حاشیۂ دل نہ کشم نقش دگر　　من و وابستگیِ غیر تو حاشا حاشا (ص ۲۷)

اسی طرح غزل کے یہ اشعار دیکھیے

ترک خونخوار من ایں است ایں است　　آنکہ او رہزن دین است ایں است
آنکہ چوں مردمک اندر چشم　　روز و شب پردہ نشیں است ایں است
آنکہ چوں زلف خود از روی عقاب　　بر حسن چیں بہ جبیں است ایں است (ص ۱۴۰)

صنعت تضاد کی مثال دیکھیے

ما مشکلات عشق نہ آساں شمردہ ایم　　سر دادہ ایم تا بہ رہش پا نہادہ ایم (ص ۱۰۹)

یا　ظاہر من ایں ہمہ اشیاء بود　　باطن ایں جملہ اشیاء منم
کثرت اسما و صفات از منست　　وحدت موصوف و مسمی منم (ص ۱۰۲)

لف و نشر کی مثال ملاحظہ فرمائیے

Marfat.com

از قامت و زلف و عوارض چو فریب — خجلت دہ سرو سنبل و یاسمنا (صد ۳۲)

یا — ای لب و چشم و دہانت شکر و بادام قند — وای رخ و قد برود دشت گل سرو سخن

خط مشکیں و رخ زیبا و زلف دل کشت — نافہ چیں آفتاب خاور و مشک ختن (صد ۱۱)

یا — رخش از روضۂ رضوان بہاری — قدش در باغ جان سرو رواں است

حسن را زلف او عمر دراز است — لب لعلش حیات جاوداں است (صد ۳۵)

تشبیہ کی مثال دیکھئے

قد رعنائی آں سرو دل آرا — قیامت بود قامت نام کردند (صد ۵۰)

ایک شعر میں دیدہ کو حباب کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو نادر ہے۔ آنکھ کے ساتھ رونے کا تصور یا دریا کا تلازمہ عام ہے۔ لیکن آنکھ کو حباب کہہ کر دریا کو اس میں اسیر کرنے کا خیال بالکل نیا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ے حسن زدیدۂ گریاں خویش حیرانم — کہ در حباب نہاں کردہ اندر دریا را (صد ۲۳)

بلاشبہ کیف چشم کو شراب کی تاثیر کے ساتھ مشابہت دینا کوئی نئی بات نہیں لیکن اس عام مضمون کو حسن نے جس خوب صورت انداز میں باندھا ہے وہ ان کی جدت فکر اور جودت طبع کا بین ثبوت ہے۔ فرماتے ہیں

کیفے کہ در نگہ چشم ساقی است — ہرگز نیافت بادہ فروش از شراب ہا (صد ۲۶)

اس گفتگو کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت غلام حسن شہید فارسی زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے مخصوص مضامین کو فارسی شعر میں اہل زبان کی سی مہارت اور پختگی کے ساتھ ادا کیا۔

منتخبات دیوان حضرت منشی غلام حسن شہید

مجھے منشی غلام حسن شہید کا ایک ایسا قلمی دیوان جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی معرفت دستیاب ہوا ہے جس میں متفرقات شامل ہیں۔ یعنی اس میں اُردو، پنجابی، سرائیکی اور ہندی زبان کے شعری نمونے موجود ہیں۔ ان میں خالصتاً سرائیکی کی چیزیں بھی ہیں اور

Marfat.com

خالصتاً اُردو کی بھی ۔ لیکن سرائیکی ، پنجابی ، ہندی اور اُردو کے مخلوط نمونے جا بجا موجود ہیں مثلاً پہلی ہی غزل جو اس دیوان میں درج ہے اس مخلوط زبان کا نمونہ ہے جس میں پنجابی سرائیکی ہندی اور اُردو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن اُردو کا رنگ غالب ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے

حضرت عشق دا کرو نظارا ہر ہر شان میں روپ تمہارا
سائے جگت کا روپ سنوارا ہم بیٹے وہ باپ ہمارا
جس کو کہتے ہیں ذات الٰہی وہ انسان تمام کماہی
میں اس بات پہ دیؤں گواہی احمد ہو کر کیا پسارا
احمد ہو معراج سدھایا جبرائیل براق لیایا
آپ کو دیکھا آپ کو پایا آپ سے آپ حجاب اتارا
کدی گدا کدی شاہ کہاوے کدی امیر سپاہ کہلاوے
کدی جمال اللہ کہاوے گا من کا وہ بہت پیارا

اسی طرح کی کئی مثالیں ہیں جو شاعری کے جائزے کے دوران درج کی جائیں گی ۔

اس دیوان متفرقات میں جو چیزیں شامل ہیں ان کا ایک اجمالی جائزہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ایک نظر میں مندرجات کی تفصیل سامنے آجائے ۔

اشاریہ — (منتخبات از دیوان غلام حسن شہید)

۱۔ ص ۲ ۔ ہر ہر شان میں روپ تمہارا (اُردو غزل لیکن مخلوط ڈکشن) ۴ ، اشعار ، (وحدت الوجودی نظریہ)

۲۔ ص ۴ ۔ کیا کیا کرتے ہیں رنج ادا (سرائیکی ، ہندی الفاظ و لب و لہجہ ، غزل اُردو ، ایک مصرعہ غائب ہے ۔)

۳۔ ص ۵ ۔ ہر ہر طرف بہار دہ وہ عجب تماشا (گیت ترجیع بند ہیئت میں ۔ اُردو سرائیکی امتزاج ۔ اسے ترتیب سے لکھنے کی ضرورت ہے ۔ اس کی نقل غلط انداز میں تیار کی گئی ہے مصرعوں کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے ۔)

Marfat.com

۴۔ صہ ۶، پر" ایضاً" غلط لکھا گیا ہے۔ یہ سرائیکی غزل ہے جس میں ہندی، پنجابی اور اُردو ڈکشن کا امتزاج ہے۔ پانچ اشعار ہیں۔ وحدت الوجود کا فلسفہ، ہندوی روایت کا اثر

۵۔ صہ ۷، "جوگی" نظم سرائیکی، اشعار آٹھ

۶۔ صہ ۸، "جوگی" نظم سرائیکی۔ اشعار گیارہ

۷۔ صہ ۹، نعت اُردو، سعدی شیرازی کی نعت کا تتبع۔ اُردو نعت گوئی میں نیا تجربہ سرائیکی مصرعہ، ع۔ افعال سب سونڑیں لگن، حسنت جمیع خصالہ۔ ایک مصرعہ اُردو اور دوسرا ٹکڑا سعدی کی نعت کا ہے۔ یا اس کا اُردو ترجمہ ہے (اشعار گیارہ)

۸۔ صہ ۱۱، غزل۔ اے صنم کیسے مصوّر نے بنایا ہے تجھے (اُردو) پانچ اشعار، تغزل کا رنگ عشق مجازی کے مضامین۔

۹۔ صہ ۱۲، غزل۔ اُردو، جدھر جا کے دیکھا ادھر تو ہی تو ہے۔ (پانچ اشعار) وحدت الوجود کا فلسفہ، تصوّف، میر درد کا رنگ۔

۱۰۔ صہ ۱۳، کچھ تجھے درد میرے دل کی خبر ہے کہ نہیں — غزل اُردو (اشعار پانچ)، میر درد کا انداز۔

۱۱۔ صہ ۱۴، مرثیہ (بندگی بجناب امام حسین علیہ السلام بطور مرثیہ) اُردو، گیارہ اشعار۔

ع۔ میری بندگی اسے جا کہو جس پہ شامیوں نے ستم کیا۔

سرائیکی الفاظ، موں، تائیں، تیئیں، اونہیں کا استعمال ملتا ہے۔

۱۲۔ صہ ۱۶، تا صہ ۲۰، مرثیہ۔ اُردو، سرائیکی الفاظ کا استعمال موجود ہے۔ (۲۰، اشعار)

۱۳۔ صہ ۲۱، رانجھے دا حُسن کمال نی اماں، گیت سرائیکی۔

۱۴۔ صہ ۲۲، کافی (سرائیکی) ۱۰، اشعار۔

۱۵۔ صہ ۲۳، ۲۴، گھڑولی (سرائیکی)

۱۶۔ صہ ۲۵، ۲۶، جوگی (سرائیکی) ۱۱، اشعار۔ رانجھا سارے جگ دا سانجھا مقامی، رنگ وحدت الوجود کا فلسفہ، رانجھا محبوب حقیقی کا استعارہ ہے

۱۷۔ صہ ۲۷، تا ۳۰، ڈھولا (سرائیکی) ۲۱، اشعار۔

۱۸۔ صہ ۳۱، ۳۲، ایضاً لکھا ہوا لیکن یہ ڈھولا نہیں بلکہ مستزاد ہے، سرائیکی میں ہے۔ (۶، اشعار)

Marfat.com

۱۹- صہ ۳۲ تا ۳۸، سی حرفی (سرائیکی) الف سے ط تک ہے۔ اگلے صفحات خالی ہیں۔

۲۰- صہ ۴۲، بسنت گیت (سرائیکی)

۲۱- صہ ۴۴، جھنڈی (سرائیکی) مقامی اشارے

۲۲- صہ ۴۵ تا ۵۰، نظم مرزا صاحباں (سرائیکی) مرزاں صاحباں کا عشقیہ قصہ منظوم کیا ہے اور توجہ وصال کی کیفیت پر دی ہے۔ صوفیانہ علامتیں اور رمزیں موجود ہیں۔ چونتیس اشعار ہیں۔

۲۳- صہ ۵۱، چھوٹی سی سرائیکی نظم ہے۔ (حضرت جمال اللہ کے لئے)

۲۴- صہ ۵۲، خیال —— سرائیکی نظم ہے۔

۲۵- صہ ۵۳ تا ۵۴، دو کافیاں - سرائیکی۔

۲۶- صہ ۵۴، بجرا، اُردو سرائیکی مخلوط (تین سطریں)

۲۷- صہ ۵۵، دوہڑے (ملتانی) معرفت کا رنگ۔

۲۸- صہ ۵۶، خیال جوگ، خیال راگنی پیلو۔

۲۹- صہ ۵۷ تا ۶۵، اٹھارہ دوہڑے ملتانی زبان میں۔

۳۰- صہ ۶۶ تا ۶۸، کافی (راگنی جوگ)

اس ساری تفصیل کا خلاصہ بنایا جائے تو اُردو کی یہ چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اُردو غزلیں —— پانچ —— ۴۲، اشعار

اُردو مرثیے —— دو —— ۴۱، اشعار

اُردو نعت —— ایک —— ۱۱، اشعار

باقی چیزوں میں کافیاں، گیت، ڈھولے، مستزاد، سی حرفی، جوگی، گھڑولی، نظمیں وغیرہ شامل ہیں اور ان تمام اصناف میں "ملتان میں اُردو" کے اوّلین اجزا کا پتہ ملتا ہے۔

Marfat.com

اُردو شاعری

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ غلام حسن شہید عربی، فارسی، ہندی، سرائیکی اور اُردو کے پختہ گو شاعر تھے۔ ان کی فارسی شاعری کا جائزہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاچکا ہے۔ فارسی زبان اور اصناف کا عمل دخل جتنا اُردو پر رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مغلوں کی آمد سے بھی پہلے عربی فارسی کا اثر برصغیر کی مقامی بولیوں پر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن مغلوں کے ہاتھوں غیر منقسم ہندوستان کی تسخیر نے زبانوں کے اختلاط کے عمل کو تیز تر کر دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے زیادہ تر جس زبان کا اثر اُردو پر مرتب ہوا وہ مغلوں کی زبان فارسی تھی۔ فارسی الفاظ، تراکیب، علامتیں، اصناف شعر اُردو زبان و ادب میں اس قدر دخیل ہوئیں کہ اُردو زبان واَدب نے ایک مخصوص رنگ اختیار کرلیا۔ اور اس رنگ کو "عجمی لے" کا نام دیا جانے لگا۔ اُردو کے بے شمار نامور شعراء کے یہاں اس عجمی لے کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان شعراء میں سودا، غالب، ذوق، داغ اور پھر دورِ جدید میں اقبال قابلِ ذکر ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سرزمین ملتان کے بیشتر صوفی شعراء کے یہاں فارسی کلام موجود ہے۔ ان کے ملفوظات فارسی میں ہیں۔ لیکن وہ جب اُردو میں شعر کہتے ہیں تو ان کے کلام میں "عجمی لے" کم سے کم ہوتی ہے۔ اس میں ہندی یا مقامی زبانوں کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں، حضرت بابا فرید گنج شکر، شمس تبریزی، امیر خسرو، حسن سنجری، حافظ جمال اللہ وغیرہ کی شاعری کے نمونے گذشتہ صفحات میں درج کئے جاچکے ہیں۔ ان سے اس موقف کی تائید ہو جاتی ہے۔ حضرت غلام حسن شہید کے یہاں بھی یہی صورت ہے کہ ان کے فارسی کلام سے قطع نظر کرلیا جائے اور صرف اُردو کلام سامنے رکھا جائے تو اس میں "عجمی لے" کی بجائے مقامی رنگ زیادہ ہے۔ زیادہ تر ڈکشن، ہندی، سرائیکی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں سے ماخوذ ہے۔ اس کی مثالیں آگے چل کر نظر آئیں گی۔

منشی غلام حسن شہید اُردو اور فارسی کلام میں حسن تخلص کرتے ہیں اور سرائیکی اور اُردو شاعری میں گامن۔ ان کا یہ تخلص اتنا مقبول اور مشہور ہوا کہ کچھ عرصے بعد اس کے معنے ایک خاص صنفِ سخن کے ہوگئے جہاں کہیں دو چار دوست مل بیٹھتے تو فرمائش کی جاتی کہ "گامن سناؤ"

Marfat.com

یعنی دوہے سنائے جائیں۔ اضلاع ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے مقامی ادب کے مجموعے جب انگریزوں نے گزیٹیر کی صورت میں جمع کئے تو انہوں نے ان دوہوں کو "گانمن" کہہ کر پکارا۔ سرائیکی اور اُردو شاعری کے موضوعات بھی کم و بیش وہی ہیں جو فارسی کلام کے ہیں۔ یعنی معرفت، حقیقت، عشق اور معاملات عشق، وحدت الوجود، معرفت نفس، حسن محبوب کی تعریف و توصیف وغیرہ۔ منشی صاحب کا خیال ہے کہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں محبوبِ حقیقی کا جلوہ موجود ہے۔ اس کا روپ رنگ فطرت کے مظاہر میں رچا بسا ہے۔ فطرت کا حسن دراصل محبوب کے حسن کا پرتو ہے۔ ساری دنیا میں اسی کا روپ عیاں ہے۔ انسان اور خدا کا رشتہ باپ بیٹے کا رشتہ ہے اس کے وجود نے ہمیں جنم دیا لیکن تمام کائنات کا حاصل حضورؐ کی ذاتِ اقدس تھی جن کو خدا نے اپنے پاس بلایا ان کو معراج کی رفعت نصیب ہوئی۔ حضرت جبرائیل براق پر ان کو لے کر گئے۔ حضورؐ نے خدا کو دیکھا، اس کی ذات کا عرفان حاصل کیا۔ سب حجاب اتر گئے۔ گویا حضورؐ نے گدائی میں زندگی کی معراج پائی۔ ان کا ارشاد "الفقر فخری" انسانیت کو درویشی اور قلندری کا درس تھا۔ غزوات میں حضورؐ امیر سپاہ بھی رہے۔ یعنی ایک طرف درویشی ہے تو دوسری طرف سروری، حقیقت میں وہ خدا کے حسن کا مظہر ہیں۔ غلام حسن شہید گانمن ان حقائق کو ان اشعار میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت عشق واکر د نظارہ ہر ہر شان میں روپ تمہارا
سارے جگت کا روپ سنوارا ہم بیٹے وہ باپ ہمارا
احمد ہو معراج سدھایا، جبرائیل براق لیایا
آپ کو دیکھا آپ کو پایا آپ سے آپ حجاب اتارا
کدی گدا کدی شاہ کہاوے کدی امیر سپاہ کہاوے
کدی جمال اللہ کہاوے گانمن کا وہ میت پیارا [۱]

جب معرفت حق دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور چشم بینا مجاز کے پردے میں بھی

۱۔ بحوالہ منتخبات از دیوان حضرت منشی غلام حسن شہید (غزلیات متفرقات بزبان ہندی و بزبان پنجابی و ملتانی)

Marfat.com

محبوبِ حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے لائق ہو جاتی ہے تو پھر کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے اور شش جہت میں اسی کا جلوہ منعکس نظر آنے لگتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اس مضمون کو اس طرح باندھا تھا کہ

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا　　　تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

حسن نے بھی یہی کیفیت محسوس کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

تجلیٔ تیری ذات کا سو بسو ہے　　　جدھر جا کے دیکھا ادھر تو ہی تو ہے (ص۱۱)

اور جب وحدت کا جلوہ ہر طرف بکھرا ہوا ہو تو پھر نہ تو دیر و حرم کی تفریق باقی رہتی ہے اور نہ شیخ و برہمن کا اختلاف —— اس وقت سالک کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی نصب العین ہوتا ہے اور وہ ہے محبوبِ حقیقی کے دیدار کی آرزو، بقول حسن

نہیں کچھ غرض مجھ کو دیر و حرم سے　　　فقط تیرے دیدار کی آرزو ہے (ص۱۱)

اب کانوں کو ایک ہی آواز کی لگن ہے اور آنکھوں کو اضطراب اور جستجو ہے تو وہ بھی اسی ذات یکتا و بے مثال کی۔

جہاں سنتے ہیں اور تہاں دیکھتے ہیں　　　تیری گفتگو ہے تیری جستجو ہے

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس ذات لطیف کو کس نے دیکھا ہے اور پھر ظاہری آنکھ کے حوالے سے —— ؟ اب "جمالِ خدا" کا مشاہدہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اس کے مظہر کو دیکھنا، جو حضورؐ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ بعض صوفیاء اور مفکرین نے انسان کو خدا کا خارجی مظہر قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کی ذات اس مظہر کا کامل ترین نمونہ ہے۔ اس لئے حسن پورے تیقن کے ساتھ فرماتے ہیں

جمالِ خدا اگر نہیں تم نے دیکھا　　　محمدؐ کو دیکھو وہی ہو بہو ہے (ص۱۱)

سلوک کی راہ پر چلنے والوں کو انہیں کلفتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ایک عاشق زار کو آرزوئے وصالِ یار میں پیش آتی ہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ محبوبِ حقیقی شہ رگ کے بھی قریب ہے اور ہم خود اپنے دل میں اس کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کی وسعتوں اور پہنائیوں کا یہ عالم ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کے آگے تو فرشتوں کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔ چنانچہ وہاں تک رسائی تو کیا پیغام کا پہنچنا بھی مشکل ہے۔ عام طور پر عاشق کو صبا کے ہاتھ اپنا حالِ دل

Marfat.com

محبوب کو بھجوانا پڑتا ہے۔ خواجہ میر درد نے کہا

گر صبا کوئے یار سے گزرے — یہی پیغام درد کا دینا
دن بہت انتظار میں گزرے — کون سی راہ آن ملئے گا

لیکن یہ ایک خواہش کا اظہار ہے۔ ضروری نہیں کہ بر آئے۔ حسن کی تمنا تو ہے کہ محبوب کو ان کے درد کی خبر ہو جائے۔

کچھ تجھے درد میرے دل کی خبر ہے کہ نہیں
آہ و صد آہ محبت کا اثر ہے کہ نہیں (صد ۱۴)

لیکن انہیں اپنی نارسائی اور مجبوری کا احساس بھی ہے اس لئے وہ پکار اٹھتے ہیں

کوئی ایسا بھی نہیں تجھ کو خبر پہنچا دے
تیرے کوچے میں صبا کا بھی گزر ہے کہ نہیں (صد ۱۴)

چونکہ محبوب کو حال دل کا پتہ نہیں اس لئے وہ اس کے علاج سے بھی غافل ہے۔ دل کی شاخ تو محبوب کی توجہ سے ہری ہوتی ہے۔ جب اس پر کوئی توجہ نہیں ہوتی اور نہ سیرابی ہوتی ہے تو وہ پھل کیسے لا سکتی ہے۔ چنانچہ موسموں کے تغیر سے ہر ایک نہال بارآور ہوتا ہے۔ لیکن شاخ دل کسی موسم میں بھی ثمر نہیں لاتی۔

بارور ہوتا ہے موسم سے تو ہر ایک نہال
شاخِ دل کا بھی خدا جانے ثمر ہے کہ نہیں (صد ۱۴)

حسن کے یہاں تصوف کے جو مسائل ادا ہوئے ہیں ان میں وحدت الوجود کا تصور ہی زیادہ نمایاں ہے۔ جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت غلام حسن شہید وحدت الوجود کے نظریئے سے بے حد متاثر تھے۔ " نور الہدیٰ " میں زیادہ تر اسی مسئلے کو زیر بحث لاتے ہیں اور مختلف مثالوں سے اس کی وضاحت کی ہے اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ بنیادی طور پر محبت اور عشق کا مسئلہ ہے۔ سب کچھ ایک ہی وجود ہے۔ دوسرے کو تکلیف دینا خود کو عذاب میں ڈالنا ہے۔ اور دوسرے سے محبت خود اپنے آپ سے محبت ہے۔ اس لئے وحدت الوجود کے مسئلے میں محبت اور اخلاص ہی سب سے ابھرتا ہوا اور نمایاں جذبہ ہے۔ محبوب کے ناز و اداہوں

Marfat.com

اور ان کے راہنما اور نمائندے بھی عوام ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔[۱]

(۳) صوفیاء کی تعلیمات

یوں تو محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے سپاہی بھی بلند اخلاق اور اعلیٰ شعائر کے حامل تھے اور جو لوگ یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے ان کے اثرات یہاں کی معاشرت پر پڑے لیکن برصغیر پاک و ہند میں آنے والے صوفیائے کرام کی تبلیغ اور تعلیم نے تو یہاں کی کایا پلٹ دی۔ انہوں نے نہایت عام فہم اور محبت آمیز انداز میں اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کو نیکی کی طرف مائل کیا۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنی سادہ زندگی، درویشی، بے ریائی، خلوص اور انسان دوستی کے اعلیٰ نمونے پیش کر کے لوگوں کے اخلاق کو سنوارا اور نیک اعمال کی طرف مائل کیا دوسری طرف مقامی بولیوں میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش کر کے رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ معین الدین دردائی کا یہ کہنا غلط نہیں کہ

> "..... دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے ہم زبانی کے بعد ہی ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ یہ صوفیائے کرام عوام سے انہیں کی بولی میں گفتگو کرتے اور تعلیم و تلقین کی کوشش فرماتے تھے۔"[۲]

اس طرح صوفیاء کی بدولت تہذیب و زبان پر نہایت دوررس اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے یہ صوفیائے عظام برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچے ملتان تو ان کے لئے ایک مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا جہاں صوفیاء زبان تک سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ معین الدین چشتی اجمیری کے حالات میں درج کیا جا چکا ہے کہ وہ زبان میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لئے ملتان تشریف لائے۔ . . . اسی طرح قطب الدین بختیار کاکی امیر خسرو اور حسن دہلوی کو بھی ملتان میں قیام کا موقع ملا اور انہوں نے یہاں کی زبان کے اثرات قبول کئے۔ ملتان کے صوفیاء کا فیض برصغیر سے نکل کر باہر کی دنیا تک پہنچا۔ حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے احوال میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کی قائم کردہ درس گاہ کے ستر ہزار تربیت یافتہ

۱۔ بحوالہ تاریخ ادب اردو، جلد اول، صہ ۴۲

۲۔ بحوالہ صوفیائے بہار اور اردو، صہ ۲، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۲ء

Marfat.com

عالم رشد و ہدایت اور تعلیم و تدریس کے لئے جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک پہنچے۔

صوفیائے کرام نے انسانیت کا جو درس دیا وہ انسانی اخلاق کی معراج ہے۔ ان کے نزدیک چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ کالے گورے، امیر غریب اور عربی و عجمی میں کوئی فرق نہ تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہندو مسلم اور شیخ و برہمن میں بھی کوئی امتیاز نہ برتا۔ خواجہ معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، راجو قتال، امیر خسرو، جہانیاں جہاں گشت حافظ جمال اللہ، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید جیسے صوفیاء کے احوال میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے ہند مسلم ثقافت میں میل پیدا کر کے اسے فروغ دینے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم اور اہل تکفیر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے۔ اسلام کی طرف غیر مسلموں کو جو رغبت ہوئی وہ صوفیائے کرام کے خلق عظیم کی بدولت ہوئی۔ صوفیائے کرام نے بلا امتیاز رنگ و نسل تمام بنی نوع انسان کو اخوت، محبت، امن آشتی اور انسانیت کا درس دیا۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق

> "جن لوگوں کو ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے ساتھ یہاں کی روحانی تاریخ کا مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ یہ تسلیم کریں گے کہ ہندوستان میں غزنی اور غور کے سلاطین، ملکی فتوحات کے لئے جہاں جہاں بڑھتے تھے ان سے پہلے یہ روحانی سلاطین اپنے روحانی فتوحات کے لئے آگے بڑھتے جاتے تھے اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے ملک کو غزنی اور غور کے بادشاہوں نے فتح کیا ہے تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادہ چشت کے روحانی سلاطین نے فتح کیا ہے۔"[۱]

(۴) زبان کے تال میل میں صوفیاء کا حصہ

ان روحانی سلاطین میں بیشتر کی مادری زبان عربی اور فارسی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان صوفیاء کے ملفوظات زیادہ تر فارسی زبان

۱۔ بحوالہ "نقوش سلیمانی" صفحہ ۳۸، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، بار دوم ۱۹۶۷ء

Marfat.com

میں ہیں یہاں تک کہ صوفیاء کا وہ سلسلہ جو خالصتاً مقامی تھا (ملتان کا سہروردیہ سلسلہ اور حافظ جمال اللہ، خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان تونسوی وغیرہ) بھی زیادہ تر فارسی زبان برتتا اور لکھتا تھا تاہم تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ یہ صوفیاء کسی ایک زبان تک محدود نہ رہے بلکہ وہ جہاں بھی پہنچتے تھے وہاں کی زبان سیکھتے اور وہاں کے عوام کی زبان ہی میں لوگوں سے گفتگو کرتے تاکہ انہیں اپنی بات سمجھا سکیں اور

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

والا معاملہ نہ ہو، شاہ یوسف گردیز، معین الدین اجمیری، بابا فرید گنج شکر، قطب الدین بختیار کاکی، جہانیاں جہاں گشت کے احوال میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان صوفیاء نے مقامی زبانوں میں گفتگو اور تبلیغ کی۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ بہت سے جملے، ابیات، اقوال بھی منسوب کیئے جاتے ہیں اور ان کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء جن میں حضرت حافظ جمال اللہ، موسیٰ پاک شہید، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ خدا بخش، غلام حسن شہید اور خواجہ فرید وغیرہ شامل ہیں۔ سرائیکی اور دیگر علاقائی زبانوں کے علاوہ اردو زبان بھی بلا تامل بولتے تھے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اپنی تعلیم و تربیت اور علمی فضیلت کے سبب مقامی زبانیں بولتے وقت بھی لاشعوری طور پر عربی اور فارسی زبان کے الفاظ ان کے منہ سے ضرور نکلتے ہوں گے۔ چنانچہ اس طرح مقامی بولیوں میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کی آمیزش ہونے لگی۔ زبان کا یہ اختلاط کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھا کیونکہ صوفیاء کا دائرہ تبلیغ کسی ایک خطے تک محدود نہ تھا بلکہ وہ جہاں جہاں پہنچے وہاں کی مقامی بولیوں سے اثر قبول کیا اور خود بھی انہیں متاثر کیا۔ اس طرح مختلف علاقوں کی بولیوں میں ایک قسم کی غیر محسوس تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی اور چونکہ صوفیاء کی تبلیغ و تلقین کی بدولت لسانی تشکیلات کا یہ عمل برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں میں یکے بعد دیگرے پھیلتا چلا جا رہا تھا اس لئے ہر جگہ ایک ایسی مشترکہ زبان بھی وجود میں آ رہی تھی جو اپنے علاقے کے مقامی اثرات کے امتیاز کے باوصف اپنی شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ کے اعتبار سے ایک تھی۔ اور یہ زبان اردو تھی جو صدیوں کے لسانی تشکیلاتی عمل کی بدولت وجود میں آئی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ بیان ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے کہ

Marfat.com

"...... صوفیائے کرام برعظیم کے مختلف علاقوں میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ بابا فرید گنج شکر ملتان کے رہنے والے ہیں۔ شیخ حمید الدین ناگوری وسطی ہند کے، بوعلی قلندر پنجاب و ہریانہ کے، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہار و بنگال کے، امیر خسرو دہلی کے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی اودھ کے، جو پنجاب میں تھا اس کی زبان پر وہاں کی بولی کا اثر ہے۔ جو بہار میں تھا اس کی زبان پر ماگدہی کا اثر ہے کسی پر برج بھاشا کا اثر ہے۔ اور کسی پر کھڑی بولی کا۔ کسی پر سرائیکی کا اثر ہے تو کسی پر زبان گجرات کا۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس زبان کا کینڈا، رنگ ڈھنگ بنیادی طور پر ایک ہے۔ اور ابھی چونکہ یہ زبان اپنی تشکیل کے عبوری دور سے گذر رہی ہے اس لئے یہ اثرات الگ الگ دیکھے اور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔"[۱۵]

اُردو زبان کے ارتقاء میں صوفیائے کرام کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے، عبدالمالک آروی لکھتے ہیں

".... حضرت خواجہ معین الدین سنجری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین خالدی وغیرہ نے ارتقائے اُردو میں بڑی مدد دی، چونکہ قومی اصلاح اور روحانی ابلاغ و ارشاد کے سلسلے میں عوام الناس کو آپ حضرات کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ خواجہ معین الدین سنجری سلطان التمش کے عہد میں وارد ہندوستان ہوئے خواجہ قطب الدین قصبہ اوش سے تشریف لاتے تھے.... اسی طرح شیخ فرید الدین قصبہ کھتوال سے جو ملتان کے علاقہ میں ہے تشریف لاتے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے والد احمد دانیال غزنین سے ہندوستان میں آئے۔ دکن کے اسلامی سلاطین کے عہد میں بھی اولیاء کبار ہندوستان میں آئے۔ اگر ہر شاہی خاندان کے عہد کے بزرگوں کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ایرانی شعراء کی طرح عراق، عرب و ایران کے صلحاء

۱۵۔ بحوالہ "تاریخ ادب اُردو"، جلد اوّل، ص ۱۴۱

Marfat.com

صوفیہ بھی ہندوستان میں کثرت کے ساتھ آئے اور ان کی بیعت و ارشاد نے عوام الناس کی زبان پر گہرا اثر ڈالا[۱۵]،،

(۵) اردو زبان و ادب کی ترویج میں صوفیاء کرام کی خدمات

ہم سابقہ صفحات میں خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، شاہ شمس سبزواری اور جہانیاں جہاں گشت، حضرت موسیٰ پاک شہید، حافظ جمال اللہ، حضرت سلیمان تونسوی، غلام حسن شہید، حضرت خواجہ فرید اور دیگر صوفیاء کے ضمن میں ان کے جملوں، اقوال اور ادبی و شعری سرمائے کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ جملے، اقوال اشعار اردو کی ابتدائی نشو و نما میں کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ ماہرین فن اس کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صوفیائے کرام کے اقوال پر مبنی قدیم نمونے، ان کے ملفوظات اور ان سے وابستہ جملوں، فقروں، اشلوکوں، اشعار و ابیات وغیرہ سے ہمارے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ اُردو زبان کی ابتدائی تشکیل و تعمیر صوفیاء کے ہاتھوں ہوئی۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے یہ نمونے یکجا کئے جائیں تو یہ سب ایک ہی زبان سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ اس کو مختلف ادوار میں مختلف نام دیئے گئے لیکن یہ سب دراصل ایک ہی زبان یعنی اُردوئے قدیم ہی کے نمونے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردوئے قدیم کے جتنے نمونے ملتے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر صوفیاء کے ملفوظات سے ہے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بول چال کی حد تک بلکہ تحریر و بیان کے سلسلے میں بھی اُردو کو مقبول و مروّج کرنے میں صوفیاء کرام کا حصہ ہے۔ اُردو زبان کی ابتدائی تحریریں اور کتابیں بھی زیادہ تر صوفیاء کرام کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں میں ادب و شعر کے نمونے بھی ملتے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ صفحوں میں پیش کی گئی ہے۔ اسی بناء پر ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں۔

" اردو کی ادبی تشکیل صوفیوں کے ہاتھوں ہوئی اگرچہ مستقل تصانیف کا دور نویں صدی ہجری یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں گجرات و دکن کے نفوس قدسیہ

۱۵۔ بحوالہ "مضامین مالک"، صہ ۲۲۳ - ۲۲۴ - مطبوعہ ادارہ طاق نیستان آرہ (بہار) ۱۹۴۲ء

Marfat.com

کی زبان کا دور شروع ہوا یعنی ساتویں صدی (یعنی تیرھویں صدی عیسوی)
ہی میں اس زبان کا خمیر تیار ہو چکا تھا بلکہ بول چال کی منزل سے آگے بڑھ کر اس نے
ادب میں بھی تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا[1]،

ہندوستانی زبان و ادب کی ترویج کے سلسلے میں صوفیائے کرام کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی بھی اعتراف کرتے ہیں کہ

"بے شک ہندوستانی تاریخ میں اکبر و شاہ جہاں اور ان کے مینا بازار اور معرکوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان سے کہیں زیادہ اہمیت صوفیہ کو حاصل ہے..."[2]

حافظ محمود شیرانی بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ

"ہندوستان کے صوفی ہر زمانے میں ملکی زبان سے قریبی تعلق رکھتے تھے وہ بلا لحاظ مذہب و ملت تمام طبقات الناس کے مرجع و مآب تھے۔ اس لئے ملکی زبان سے واقفیت رکھنا ان کے لئے نہایت ضروری تھا۔ طبقہ صوفیا کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ ان بزرگوں نے ارباب سیف و قلم کے مقابلے میں ابتدا ہی سے ہندوستانی زبان کی طرف بہت توجہ کی ہے اور اس زبان میں ادب کو روشناس کرانے والی درحقیقت یہی جماعت ہے..."[3]

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ محمود غزنوی کی آمد کے ساتھ ہی صوفیائے کرام اور بزرگ ہستیاں برصغیر میں داخل ہوئیں اور مختلف علاقوں میں انہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ سرزمین ملتان کے صوفیاء کا فرداً فرداً ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے ملفوظات، اقوال، ابیات، دوہڑوں جملوں اور شعروں کی تفصیلات ان کے حالات کے ذیل میں درج کی جا چکی ہیں۔ اس سے یہ پتہ

۱۔ بحوالہ "[illegible]" ص ۱۱، سلسلہ مطبوعات بزم اشاعت بمبئی، بار اول

۲۔ بحوالہ "نقوش سلیمانی" ص ۳۹

۳۔ بحوالہ "مقالات حافظ محمود شیرانی" جلد اول، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، ص ۱۳۴، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول، جنوری ۱۹۶۶ء

Marfat.com

چلتا ہے کہ اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کا ابتدائی کام بھی انہیں صوفیائے کرام کے ہاتھوں شروع ہوا کیونکہ اہل علم اور اہل دانش تو اس زبان کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھتے تھے وہ تو فارسی زبان کو اظہار اور ترسیل کا ذریعہ بناتے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مطابق

"ہندی یا اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے۔ ان کا استعمال شعر و سخن، مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں[۱]"

ہم یہ نہیں کہتے کہ اردو کے ان محسنین نے شعوری طور پر یا کسی تحریک کے ذریعے اردو زبان و ادب کو ترقی دی یا اس کو پھیلانے کی شعوری کوششیں کیں یا ان کا مقصد زبان و ادب کی خدمت تھا۔ نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد تبلیغ دین اور اشاعت اسلام اور رشد و ہدایت تھا لیکن انہوں نے جس زبان کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ ابتدائی اور قدیم اُردو تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ ان کی لاشعوری کوششوں کی بناء پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مطابق

"یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس کی زبان کی ترقی نہ تھا۔ نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں.... جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گویا یہ ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا ہے[۲]"

ص۱۔ بحوالہ "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" از مولوی ڈاکٹر عبدالحق، ص ۸۰

ص۲۔ ...... ایضاً ......، ص ۸۱

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت، تہذیب و ثقافت کی ترویج، مساوات اور اخوت کی تلقین اور روحانیت و اخلاق کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے ارتقاء کے سلسلے میں بھی صوفیائے کرام کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ معین الدین دردائی کا یہ کہنا بہت حد تک درست ہے کہ

"اُردو زبان کے اصل خالق ہمارے صوفیاء کرام ہیں جو اسلام کی تبلیغ اور روحانی سرچشموں سے عالم کو فیض یاب کرنے کے لئے ہمہ دم مصروف اور سرگرداں رہتے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں پھر کر خدا کے بندوں کو اخلاق و مذہب کی باتیں بتلاتے ان کے دل سے برائیوں اور جہالت کی کثافتوں کو دور کرنے میں منہمک رہتے تھے وہ جس جگہ جاتے اور جن لوگوں سے ملتے ان سے ان ہی کی بولیوں میں اخلاق و مذہب کی باتوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ یہ عمل صدیوں تک ہوتا رہا اور اب وہی اردو کے قدیم نمونوں کی شکل میں ہمیں دستیاب ہیں۔[۱]"

(۱۶) ملتان کے صوفیاء..... تہذیب اور زبان و ادب پر ان کے اثرات

گفتگو کے عمومی رنگ سے ہٹ کر محض خصوصیت کے ساتھ کسی ایک علاقے یا ایک خطے میں تہذیب و زبان کے ارتقاء کی بات کی جائے تب بھی صوفیاء کی خدمات اور ان کے کردار کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ملتان کی معاشرتی، تہذیبی اور تعلیمی و ادبی زندگی میں صوفیاء کرام کو جو دخل رہا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔
حضرت شاہ یوسف گردیز نے ایک طرف تو لوگوں میں کھوتے ہوئے انسانی وقار کو بحال کیا، ان سے ان کی زبان میں گفتگو کر کے ان کی مقامی زبان (ہندی) کو تقویت بخشی تو دوسری طرف ملتان میں کتب خانے کی بنیاد رکھ کر پہلی مرتبہ ملتان کو علمی خزانے کی اہمیت سے آشنا کیا ان کے مقبرے کی تعمیر سے ملتان میں فن تعمیر کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ خواجہ معین الدین اجمیری نے ۵ سال ملتان میں رہ کر تصوف کو عوامی تحریک کی صورت دی۔ لوگوں میں ایک فکری انقلاب

---

[۱] "صوفیائے بہار اور اُردو" از معین الدین دردائی، ص ۱۳، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۷۲ء

Marfat.com

یا حُسن و جمال وہ سب وجود واحد کا پرتو ہیں۔ اس کو دلربائی کے انداز جس نے سکھائے ہیں وہ بھی وہی ذات بے ہمتا ہے۔ اس لئے جب حَسن محبوب کے حُسن کی تعریف کرتے ہیں تو دراصل اس مصوّر کو خراج تحسین ادا کر رہے ہوتے ہیں جس نے اس تصویر کا خاکہ تیار کیا، اس میں رنگ بھرے اور نقش و نگار بنائے۔ چنانچہ حَسن فرماتے ہیں

اے صنم کیسے مصوّر نے بنایا ہے تجھے
شیوۂ ناز و ادا کس نے سکھایا ہے تجھے
جان و دِل تیرے معلّم پہ کروں قربان میں
دلربائی کا سبق کیسا پڑھایا ہے تجھے (ص۱۱)

جہاں عاشق صادق کے پاس سب سے بڑی متاع اس کا محبت بھرا دل ہے وہاں محبوب کے پیکر جمال میں حسین ترین چیز اس کی آنکھیں ہیں اور عشق کا مرکز یہی دو رئیس الاعضا ہیں کسی شاعر نے کہا

بے واسطۂ گوش و لب از راہ چشم و دِل
بسیار سخن بود کہ گفتیم و شنیدیم

حضرت حسن کی فارسی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہوں کے حسن کا بیان کیا گیا ہے اُردو غزل میں بھی انہوں نے اس جادو کا تذکرہ ڈوب کر کیا ہے بلکہ ایک پوری غزل جس کو غزل مربوط کہنا چاہیئے۔ "نینوں" کی تعریف میں کہی ہے اور ان نینوں کے مختلف اثرات اور اوصاف کی تشریح کی ہے۔ اس غزل میں اُردو ہندی کا مخلوط دلکش عجب لطف پیدا کرتا ہے۔

نین سوں جب نین ملیں پیارے کیا کیا کرتے ہیں رنج ادا
نین کی گت نین پچھانیں بن نین کے کہو نہ جا
نین پیارے میمن عیارے رنگ بھرے اور روپ سنوارے
ہتھیارے مدوارے کارے کیا کہیئے کچھ کہا نہ جا
نین سوالی نین جوابی نین گلابی نین شرابی
یہی جگت موہن کرن خرابی بہروپی کا بھیس بنا

Marfat.com

نین فرنگی نین پلنگی نین دو رنگی نین ترنگی
گانن نین بہادر جنگی سب کو لیویں ریجھ رجھا (صہ ۲)

اس دیوان متفرق میں دو مرثیے بھی شامل ہیں. جن میں سے ایک گیارہ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرا تیس اشعار پر۔ گیارہ اشعار پر مشتمل پہلا مرثیہ جو صہ ۱۴، اور ۱۵، پر درج ہے غزل کی ہیئت میں ہے۔ جس میں ستم، قلم، بھسم، شکم، حرم، عجم، قدم، خم، الم، کرم، رقم وغیرہ کا قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔ مرثیہ نہایت رواں، سادہ، لیکن تمام فنی محاسن کا حامل ہے. اگرچہ اس کی ہیئت مرثیے جیسی نہیں ہے کہ جس میں چہرہ، رخصتی، رجز، تعریف شہادت اور بین وغیرہ کا التزام کیا جاتا ہے لیکن اس غزل نما مرثیے میں بلا کی تاثیر موجود ہے۔ شدت جذبات، مرقع نگاری اور الفاظ کے انتخاب کی داد دینی پڑتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے

مری بندگی اسے جا کہو جس پہ شامیوں نے ستم کیا
قلم قضا کوئی بہ گئی شہ دیں کے سر کو قلم کیا
کبھی آہ سرد کا زور ہے کبھی نالے گرم کا شور ہے
مرے دل سے ایسی اگن اُٹھی کہ جلا جلا کے بھسم کیا
دیکھو کیسی امت بے وفا کہ جو شاہزادے حسین کو
کیا اس طرح سے جلا وطن کہ عرب سے رو بہ عجم کیا
کیسی خیرہ چشمی ہے دیکھو کہ صغیر تشنہ دہن کے تئیں
نہ دیا جو قطرہ آب کا نہ تو ایک ذرہ رحم کیا
حسن شکستہ وجود کو نہیں کچھ تحمل درد کا
یونہی دل کی بے صبری سے یہ دو سہ حرف غم کا رقم کیا (صہ ۱۴-۱۵)

دوسرا مرثیہ ترجیع بند کی ہیئت میں ہے۔ یعنی ہر بند میں چار مصرعے ہیں. پہلے بند کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہیں۔ قافیہ بلا، عبا، وفا، روا کا ہے جبکہ ردیف ہائے ہا ہے. اس کے بعد ہر بند کے پہلے تین مصرعے مختلف قافیے کے حامل ہیں اور آخری مصرعہ ٹیپ کا ہے جس میں ردیف ہائے ہا اور قافیہ اسی طرح یعنی جفا، خدا، بپا، دغا، بلا، بےنوا

Marfat.com

جدا، مبتلا، ماجرہ وغیرہ آیا ہے۔ اسی طرح پورے مرثیے کے پندرہ بند ہیں اور پندرہ بندوں میں تیس اشعار ہیں۔ پہلے مرثیے کی نسبت یہ مرثیہ فنی لحاظ سے زیادہ پختہ اور مہارت کا نمونہ ہے۔ اس میں خالصتاً اُردو دلکش کا استعمال ہے۔ سادگی کے ساتھ حسن بھی ہے۔ چھوٹی بحر ہے لیکن پُر اثر اور شدتِ احساس کی حامل۔ مرثیے میں اہل بیت پر کوفیوں اور شامیوں کے ظلم و ستم پر اظہارِ افسوس ہے اور مظلومین کرب و بلا کی بے بسی اور بے چارگی کا بیان جذبات کی شدت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ عالم میں بھی ایک ایسے عظیم المیے کی حیثیت رکھتا ہے جس کی مثال ایثار و قربانی اور خیر و شر کی کسی آویزش کی کسی داستان میں نہیں ملتی۔ اسی لئے حسن فرماتے ہیں

ہیں اسی عبرت میں سب جن و ملک
آدم و حوّا سے لے کر اب تلک
یہ ستم کس نے کیا ہے اے فلک
کچھ تجھے ترس خدا ہے ہائے ہا (ص۱۶)

حضرت حسین کی پیاس کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرمؐ سے ان کی مدد کے لئے التماس کیا ہے

یا رسول اللہ قدم رنجہ کرو
حال فرزندوں کا دیکھو رُد برد
ہاتھ سے اپنے ذرا پانی دیو
شاہ بہت پیاسا پڑا ہے ہائے ہا (ص۱۷)

شامیوں کی سنگ دلی اور بے مروّتی کا بیان کس سادہ لیکن پُر اثر انداز میں کیا ہے۔

شامیوں کا دل نہیں ہوتا ہے نرم
دِل سے رحمت اُٹھ گئی آنکھوں سے شرم
موت کا بازار ہے اب سخت گرم
قتل کا محشر بپا ہے ہائے ہا (ص۱۷)

حضرت حسین کے مرثیے کا احساس کرتے ہوئے ان کی شہادت کا ذکر کس غم انگیز انداز میں کیا ہے

دودھ سے پالا جسے خیرُ النسار

Marfat.com

جس کی زلفوں کو علی شانہ کیا
جس کو پیغمبر جگر گوشہ کہا
آج پانی منہ پڑا ہے ہائے ہا (ص۱۸)

اسی طرح

جس کے تئیں کہتے ہیں سب اہل صفا
قرۃ العین علی المرتضے
اب تو جا کر دیکھیو رن میں پڑا
شامیوں نے سر کٹا ہے ہائے ہا (ص۱۹)

آخری بند میں حسن اس حادثہ عظیم پر اپنے دکھ کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

اے حسن اس درد کا میں کیا کروں
دل پگھلتا ہے جگر ہوتا ہے خون
نہیں مجھے کہنے کی طاقت کیا کہوں
سخت خونی ماجرا ہے ہائے ہا (ص۲۰)

جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ اس دیوان متفرقات میں ایک اُردو نعت بھی ہے جس میں ایک نیا تجربہ کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت سعدی کی مشہور زمانہ نعت "بلغ العلیٰ بکمالہٖ" کی تضمین کی گئی ہے۔ ایک مصرعہ اُردو کا اپنا اور دوسرا مصرعہ شیخ سعدی کا لگایا ہے، یا آدھا مصرعہ اپنا اور آدھا شیخ سعدی کا استعمال کیا ہے۔ جیسے

سوہنی ڈھلک میرے پیار کی بلغ العلیٰ بکمالہٖ
جگ مگ چمک رخسار کی کشف الدجیٰ بجمالہٖ
صاحب منزہ پاک ہے از عیب و ہر نقصان نیز
افعال سب سونڑھیں لگن حسنت جمیع خصالہٖ
صورت ضحیٰ وصف جبیں والیل وصف مشک زلف
حیران یوسف از حسن عیسیٰ خجل از تابہ

Marfat.com

شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ لولاک وصف ذات او
یا نور و نوری سرسری مجزاست از حالہ (ص۹-۱۰)

جس طرح اُردو اشعار میں سرائیکی، ہندی اور پنجابی الفاظ کا استعمال عام ہے اُسی طرح سرائیکی شعروں میں اُردو الفاظ وتراکیب بھی شامل ہیں۔ زبان کا یہ مخلوط تجربہ بڑے دُور رس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ آج پھر اِس قسم کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ جھنگ کے شاعر شیر افضل جعفری کے یہاں اِس قسم کی مثالیں عام ہیں۔ غلام حسن شہید کے یہاں اُردو کا رنگ سرائیکی اشعار میں بھی موجود ہے بلکہ کہیں کہیں غالب ہے۔ کچھ مثالیں دیکھئے

اماں لے نی میرا دلبر رانجھا — رانجھا سارے جگ دا سانجھا
رانجھے دامینوں وطن پیارا — وحدت جس دی تخت ہزارا
رانجھا ناہیں مقید کس دا — جتوں ڈیکھاں تتوں لے ڈسدا
عرش اُتے حق پاک سڈائے — گھر چوچک دے چاک سڈاوے
رانجھن میرا لامکانی — ناں کوئی اس دا نام نشانی
ہر ہر جا مکان اسے دا — ہر ہر نام نشان اسے دا (ص۲۵)

ث ثبات قدم داکینویں عشق نقارا ماریا اے
کجلے دیاں نیناں بھر کے نیناں ناز دا لشکر چاڑھیا اے
اساں توں بیا کیا گھندیں ظالم مویاں کوں کیں ماریا اے
گانمن جاں چاہ صدقے دین ایمان ای واریا اے (ص۴۲)
لن ترانی ڈس کے جانی لک چھپ جھاتیاں پاندے ہو
حسن جمال دکھا کر ماہی گانمن کوں ترساندے ہو (ص۵۲)

ہادی پیر جمال مجرا ہادی پیر جمال مجرا لیجو
غوث حقانی قطب ربانی گنج شکر دے لال مجرا لیجو (ص۵۲)

Marfat.com

مطلق ذات رنجھیٹے والی میکوں چھپ کے روپ ڈکھایا
یا لباس تعین والا جوگی بن کے آیا
سر سواہ تے گل جپ مالا رنگ بھبوت رمایا
گامن بٹھ پئے کھیڑے بہیڑے میکوں رانجھڑ رب ملایا (ص۵۹)

نور مقدس اوس ہویا وچ لباس بشر دے
جانی میڈے پردے لکیا میں جانی دے پردے
میڈی صورت ڈیکھ کے روندی لوک زیارت کردے
گامن نام دھرا کے ہویا ظاہر وچ نظر دے (ص۶۲)

لوکاں کیتے چاک جہیں دا
میں لکھے حق پاک نی اماں
چاک ہیں کوئی نور حقیقی
صورت شمس افلاک نی اماں
گل گلزار تے باغ بہشتی
چاک بناں خس خاک نی اماں (ص۶۴)

ان مثالوں میں اُردو ذخیرہ الفاظ کی نشان دہی کرنے کی ضرورت نہیں اس میں جا بجا اُردو ڈکشن ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ساری گفتگو کے بعد یہ کہنا مناسب ہوگا کہ سرزمین ملتان کے صوفیا میں سب سے پہلے حضرت غلام حسن شہید نے اُردو زبان میں باقاعدہ طور پر شاعری کی اور شعوری سطح پر اُردو اور مقامی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کو مخلوط کر کے اُردو زبان کی وسعت کا باعث بنے۔ اس طرح وہ روایت قائم ہوئی جس نے آگے چل کر اُردو زبان کے دامن کو دیگر پاکستانی زبانوں کے الفاظ سے پُر ثروت اور وسیع کیا۔

Marfat.com

منشی غلام حسن شہید کے اُردو شعرگوئی کے اس پہلے لیکن کامیاب تجربے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لسانی، ادبی، مذہبی روایات اور سوچ کے مشترکہ سرچشموں نے ایسی ہم آہنگی پیدا کر دی تھی کہ "اُردو" زبان نے یہاں پہنچتے ہی عوام الناس کے دلوں میں گھر کر لیا اور مقبولیت کا تاج سر پر رکھ لیا۔ چنانچہ غلام حسن شہید کے ابتدائی کارناموں کے چند ہی سال بعد اُردو کی ترویج میں کوئی وقت پیش نہ آئی اور یہ درس و تدریس کے ذریعے کے طور پر مدارس میں رائج ہو گئی اور ادب و شعر کی زبان بن گئی۔

Marfat.com

خواجہ غلام فرید

سرائیکی شاعری میں خواجہ غلام فرید کو وہی درجہ اور مرتبہ حاصل ہے جو عربی میں امراؤ القیس، فارسی میں حافظ اور رومی، انگریزی میں ورڈز ورتھ، کیٹس اور شیلے، اردو میں خواجہ میر درد غالب، اقبال، بنگلہ میں نذر السلام، پنجابی میں شاہ حسین اور وارث شاہ، پشتو میں رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک اور سندھی میں سچل سرمست اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کو حاصل ہے جس طرح سرائیکی شعر و ادب کی تاریخ خواجہ فرید کے ذکر کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیانہ شاعری کی تاریخ بھی ان کے ذکر کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ سرائیکی کے یہ عظیم المرتبت شاعر برصغیر پاک و ہند کی ایک نہایت اہم روحانی شخصیت بھی ہیں جن کے سرمایہ علم و ادب میں سرائیکی کے علاوہ پنجابی، اردو شاعری، اخلاق مذہب، رشد و ہدایت اور صوفیانہ مسلک کے بارے میں ملفوظات کا قابل قدر خزانہ موجود ہے۔

سرائیکی اور اردو کے اس مشہور صوفی شاعر کے آباؤ اجداد کئی سو سال پہلے عرب سے آئے تھے۔ مالک بن یحییٰ اس خاندان کے وہ بزرگ تھے جو سب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہاں آباد ہوئے۔ مقابیس المجالس کے مطابق مالک بن یحییٰ کا نسب حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے[1]۔ لیکن "مناقب محبوبیہ" میں لکھا ہے کہ

> "محبوب الٰہی قدس سرہ کا نام مبارک خواجہ خدا بخش ہے بن حضرت خواجہ احمد علی بن غوث الغیوث شیخ حضرت خواجہ عاقل محمد بن حضرت خواجہ مخدوم شریف محمد بن حضرت مخدوم محمد یعقوب بن حضرت مخدوم نور محمد بن مخدوم زکریا قوم قریشی از اولاد سید الکل بعد الانبیا حضرت

---

[1]۔ کپتان واحد بخش سیال نے "مقدمے" میں مالک بن یحییٰ کا سلسلہ نسب دیا ہے وہ اس طرح ہے، "مالک بن یحییٰ بن محمد بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" بحوالہ "مقابیس المجالس" مترجم کپتان واحد بخش سیال، صہ ۳۴، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۷۹ء

ابابکر ن الصدیق معروف کوریجہ ہیں۔"[۱]

گویا خود خواجہ فرید کے مطابق ان کا خاندان صدیقی ہے۔ نسلاً خواجہ فرید کوریجہ قوم سے بیان کیے جاتے ہیں اگرچہ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق عرب سے تھا کوریجہ سندھی کا لفظ ہے۔ دراصل سندھ میں آباد ہونے کے بعد ان کا خاندان کوریجہ کہلانے لگا ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کے ساتھ کوریجہ کیوں استعمال ہوا اس کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ

"جب اس خاندان کے بزرگوں نے حکومت کے عہدوں کو خیرباد کہہ کر سندھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی تو وہاں کی سرزمین سے اتنے مالوس ہو گئے تھے کہ انہوں نے سندھیوں کی طرز پر اپنی اولاد کے نام بھی مالک اور یحییٰ کے بجائے شیخ پریا، شیخ پنوں، شیخ کورا اور شیخ تار رکھ لیے تھے۔"[۲]

"مناقب فریدی" کے مطابق

"کوریجہ اصل میں "کوراجا" تھا جو "کورزا" کا سندھی تلفظ ہے اور کورزا مرزا کی طرح ہے جس کے معنی ہیں اولاد کور۔"[۳]

ص[۱]۔ بحوالہ "مناقب محبوبیہ"، تصنیف حضرت خواجہ غلام فرید مترجم شیخ احمد سعید چشتی ص ۱۹، مطبوعہ انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن، بار اول، جنوری ۱۹۸۳ء۔

ص[۲]۔ بحوالہ "خواجہ غلام فرید حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص ۲۹، ۳۰ مکتبہ جدید پریس لاہور مزید حوالے کے لئے دیکھئے (۱) "دیوان فرید" (اردو) مرتبہ صدیق طاہر ص ۱۵، مکتبہ جدید پریس لاہور (۲) پیر فرید از ایس حمید اللہ شاہ، ص ۷ مطبوعہ ملج بکڈپو لاہور، بار اول (اسد نظامی کی نظامی کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا)

ص[۳]۔ بحوالہ "مناقب فریدی" از شہزادہ محمد اختر، ص ۶۴، مطبع احمد، دہلی روایت ہے۔

کہ اس خاندان کے ایک بزرگ صاحب کمال تھے۔ ایک دفعہ موذن نے اذان نہ دی دن زیادہ ہو گیا تو مسجد پہنچے کسی سے پوچھا اذان ہوئی یا نہیں۔ اس جواب پر کہ نہیں ہوئی موذن سے ناراض ہوئے اور کوزے سے کہا کورجو" (یعنی کوزہ بگو) اور کوزہ اذان دینے لگا، گلشن ابرار میں اصل عبارت یوں ہے۔" روز روشن گردیدہ بود وے بدر مسجد شریف آمدہ از کسے پرسید کہ اذان شدہ است یانے بدر جواب گفت کہ نے ازاں برموذن رنجش نمودہ وکوزہ کہ بر منبر افتادہ بود او را فرمود کورجو" کور درمیان سندھی کوزہ را گویند و لفظ جو بہ جیم عربی صیغہ امر بمعنی بگو۔۔۔۔ چوں از زبانش لفظ کورجو صدور یافت از ہماں آفتابہ گلے آواز اذان برآمد۔"
بحوالہ گلشن ابرار، قلمی فارسی، ص ۲۷۱، ۲۷۲

Marfat.com

چنانچہ آپ کے خاندان کے بزرگ کوریجہ کہلواتے تھے۔ شاہجہان کے عہد کے ایک بزرگ شاہ نور محمد کوریجہ کا ذکر ملتا ہے جنہیں شاہ جہان کے عہد میں حکومت کی طرف سے کچھ اراضی دی گئی جس کا ذکر "مناقب فریدی" میں اس طرح ہے۔

"مورخہ بست و پنجم شہر ربیع الاول ۷ رجلوس مطابق ۱۰۴۴ھ بدیں مضمون کہ دریں زمان فرمان سعادت نشان فرخندہ عنوان بعوض ایکہ موازی پنج ہزار بیگہ زمین قابلِ زراعت از پرگنہ منگوٹ سرکار صوبہ دارالامان ملتان در وجہ مدد معاش بنام خادمان کرامت نشان پیر و مرشد طریقت ہادی راہ حقیقت راہبر راہ شریعت و معرفت، غواص بحر عرفان، زبدۂ خدا پرستان حضرت قبلہ میاں صاحب مخدوم نور محمد کوریجہ دام اللہ ظلہ و شرفہ معہ فرزندان از ابتدائے فصل خریف بازگشت اری بہشت ۹۹۹ فصلی مقرر است۔"[1] شاہ نور محمد کوریجہ سے شجرہ لقب آگے بڑھتا ہوا خواجہ فرید تک پہنچتا ہے نقشے کے ذریعے اسکو بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے

- نور محمد کوریجہ
  - سلطان مخدوم
  - مخدوم محمد یعقوب
    - مخدوم غلام حیدر
    - مخدوم محمد شریف
      - قاضی نور محمد
      - قاضی محمد عاقل
        - میاں احمد علی
          - میاں خدا بخش
            - مولانا غلام فخر الدین
            - مولانا غلام فرید
          - خواجہ تاج محمد
  - حاجی محمد اسحاق

(حاشیہ ۱و۲ اگلے صفحہ پہ)

Marfat.com

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ خواجہ فرید کے جد امجد یحییٰ بن مالک عرب لشکر کے ساتھ آئے اور پھر سندھ میں آباد ہو گئے ان کی اولاد کئی سالوں تک سندھ میں رہی بعد میں انہی سے ایک بزرگ مخدوم زکریا سندھ سے ملتان کے نزدیک بستی "منگوٹ" آ گئے۔ کپتان واحد بخش سیال کے مطابق

"شیخ کوریا کے بیٹے شیخ حسین سندھ کے علاقہ ٹھٹھہ میں حکومت وقت کی طرف سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن انہوں نے آخر عمر میں ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ انکی بیعت سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تھی۔ شیخ حسین کے بیٹے مخدوم زکریا سندھ سے ترک سکونت کر کے ملتان کے قریب بستی منگوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔[1]"

انہیں مخدوم زکریا کے بیٹے اور سجادہ نشین مخدوم نور محمد کورہ بجہ بڑے صاحب کمال صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے پوتے مخدوم محمد شریف منگوٹ سے سیت پور کی بستی یارا والی میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کے ایک مرید نے آپ کے کہنے پر ایک شہر کوٹ مٹھن آباد کیا "مشائخ چشت" میں لکھا ہے کہ

"مخدوم محمد شریف صاحب، یارا والی میں آکر آباد ہوتے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یارا والی آپ کا مرید و معتقد ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں اب مٹھن کوٹ آباد ہے۔ دریا کے کنارہ پر یہ پر فضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے اس جگہ شہر بسانا قبول کر لیا اور مخدوم سے گزارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں اس طرح کوٹ مٹھن وجود میں آیا۔[2]"

کوٹ مٹھن شریف میں مخدوم محمد شریف اور ان کی اولاد بہت عرصہ تک قیام پذیر رہی۔ یہ لوگ اپنے فیوض و برکات اور علم و عمل سے کافی عرصہ تک لوگوں کو نوازتے رہے۔ مخدوم محمد شریف سے آگے ان کی اولاد میں مسند خلافت کا سلسلہ چلتا رہا اور وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کا کام انجام دیتے رہے۔ مخدوم

ص ۱:۔ بحوالہ "مناقب فریدی" صہ ۴۷

ص ۲:۔ یہ شجرہ میں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے خود تیار کیا ہے۔

ص ۱:۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" صہ ۹۷

ص ۲:۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" صہ ۵۷۹۔۵۸۰

Marfat.com

محمد شریف کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد عاقل سید خلافت پر متمکن ہوئے وہ ایک بہت بڑے صوفی بزرگ تھے آپ کی تعلیم و تربیت پر آپ کے والد نے خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ شاہ فخر اور خواجہ نور محمد مہاروی سے بھی پڑھا۔ شاہ فخر سے آپ نے شرح عبدالحق اور سواء السبیل کا درس لیا تھا۔ آخری مرتبہ جب آپ کی ملاقات خواجہ فخر الدین سے ہوئی تو انہوں نے آپ کو چار کتابیں عنایت فرمائیں جن میں (۱) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۲) کتاب مطول (۳) سواء السبیل (۴) ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی اور اس کی شرح، قصیدہ فہریہ اور شرح رباعیات مولانا جامی اور لوامع وغیرہ شامل تھیں[1]

خواجہ نور محمد مہاروی سے آپ اوچ میں بیعت ہوئے[2] اور ان سے آپ نے حدیث کی سند لی شروع میں آپ لوگوں کو بیعت نہیں کرتے تھے لیکن بعد خواجہ مہاروی کے کہنے پر آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ تو ہزاروں عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے[3]

خواجہ محمد عاقل نے علم حاصل کرنے کے بعد کوٹ مٹھن شریف میں مدرسہ قائم کیا جہاں بڑے بڑے عالم درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ خود خواجہ صاحب بھی سو سے زیادہ طلباء کو درس دیا کرتے۔ صاحب تکملہ سیر الاولیاء کے مطابق

> درس و تدریس سے آپ کو (خواجہ محمد عاقل) خاص دلچسپی تھی تدریس کے لئے آپ نے متبحر عالم مقرر رکھے تھے جو طلباء تعلیم پاتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور انہیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شیدانی منتقل ہوئے تو دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم رہے اور لنگر بھی دونوں جگہ جاری رکھا۔ طلباء کو ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے تھے۔ جن کتابوں میں سے آپ کا درس سننے کا اتفاق راقم کو ہوا ان میں شرح ہدایہ، حکمت میر ہاشم، شرح عقائد، خیالی مولوی بر خیالی، مطول و تلویح و توضیح، شیخ الاسلام و نور محمد مدقق بر مقدمات اربع و شرح وقایہ مع حواشی و ہدایہ و شرح مواقف

ح ۱ :۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" صہ ۱۲۹

ح ۲ :۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، صہ ۵۸۲

ح ۳ :۔ .... ایضاً .... صہ ۵۸۶

Marfat.com

معہ مولوی وزوا ہد ثلاثہ۔ حدیث شریف میں مشکوٰۃ واحیاء العلوم وبعض صحیح بخاری اور تصوّف میں لوائح و شرح قصیدہ فارضیہ حزریہ وسواء السبیل وتسنیم وفصوص الحکم۔ کتب حدیث اور تصوّف میں راقم یا تو سامع ہوتا یا قاری[۱]"

آپ نے ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں احمد علی سجادہ نشین ہوئے جو بڑے عالم و فاضل تھے اور علم جفر میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ بھی خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت تھے۔ میاں احمد علی بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور ہر عام خاص کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے۔ آپ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور والد کی وفات کے ایک سال ایک ماہ اور چند دن کے بعد یعنی ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ کو وفات پا گئے۔

خواجہ احمد علی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے خواجہ خدا بخش مسند نشین ہوئے آپ نے اپنے دادا خواجہ محمد عاقل سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے باپ دادا کے مشن کو اسی طرح جاری رکھا۔ مدرسہ اور لنگر ویسے ہی جاری رہا۔ بلکہ آپ نے ایک دوا خانے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ

"بیماروں کی دیکھ بھال کے لیے ایک طبیب ملازم تھا۔ دوا خانہ کا پورا اہتمام تھا، خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عیادت فرمایا کرتے تھے[۲]"

آپ کے آستانے پر لوگوں کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا آپ کے لنگر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

"ان کا لنگر اتنا وسیع تھا کہ صرف مہمانوں کے گھوڑوں کے لیے بارہ من غلّہ روزانہ آتا تھا[۳]"

خواجہ خدا بخش کافی عرصہ تک کوٹ مٹھن شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر سابق ریاست بہاولپور کی تحصیل خان پور میں چاچڑاں کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ چاچڑاں کی طرف ہجرت اور وہاں قیام کے سلسلے میں نواب بہاولپور صادق محمد

ص۱۔ بحوالہ "تکملہ سیر الاولیاء" از خواجہ گل محمد احمد پوری، مترجم مسعود حسن شہاب، ص۱۹۲، مکتبہ الہام بہاولپور، ۱۹۷۸ء

ص۲۔ بحوالہ "مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص۵۹۳

ص۳۔ بحوالہ "خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص۳۲

Marfat.com

خان کی خواہش بھی شامل تھی۔

چاچڑاں شریف میں ہی مخدوم خدا بخش کے ہاں اس صوفی شاعر نے منگل ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) کو جنم لیا۔ خواجہ غلام فرید سے کسی نے آپ کی تاریخ ولادت دریافت کی تو آپ نے فرمایا

"میری ولادت روز سہ شنبہ ماہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ اور ماہ پوہ کے پہلے عشرہ میں ساعت مشتری میں قبل طلوع آفتاب ہوئی۔"[1]

آپ کا تاریخی نام خورشید عالم رکھا گیا۔ لیکن بعد میں فرید الدین گنج شکر کے نام پر آپ کا نام غلام فرید رکھا گیا۔ خود خواجہ فرید فرماتے ہیں کہ

"جب میں پیدا ہوا تو حضرت محبوب الٰہی نے مشورہ کیا کہ اس بچے کا نام کیا رکھنا چاہیئے اس پر میاں جند و خادم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور حضرت شیوخ العالم گنج شکر بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے پس ان کا نام "غلام فرید" رکھا جائے تو بہتر ہو گا اس سے حضرت محبوب الٰہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ اچھا نام ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے۔"[2]

ص ۱ د۔ بحوالہ "مقابیس المجالس"، حصہ چہارم، ص ۷۰۴، مترجم کپتان واحد بخش سیال، تاریخ ولادت کے سلسلے میں مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) مقدمہ "دیوان فرید" از علامہ نسیم طالوت مرتبہ مولانا عزیز الرحمان، ص ۲۰ (۲) سرائیکی شاعری از کیفی جامپوری، ص ۲۶۵، مطبوعہ سید الیکٹرک پریس ملتان ۱۹۶۹ء (۳) "دیوان غلام فرید" مرتبہ نور احمد فریدی، ص ۲۳، ان سب نے "مقابیس المجالس" کے حوالے سے اس تاریخ پیدائش کو مستند مانا ہے کیونکہ مولانا رکن الدین مرتب "مقابیس المجالس" کا خواجہ غلام فرید کے ہاں آنا جانا تھا جبکہ خواجہ فرید کے کئی سوانح نگاروں نے ۲۶ ذی الحجہ کی بجائے ۲۶ ذیقعد ۱۲۶۱ھ خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت لکھی ہے ان میں (۱) دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتبہ صدیق طاہر، ص ۱۸ (۲) پنجابی ادب دی کہانی از عبدالغفور قریشی، ص ۳۸۶ (۳) پنجابی کے پانچ قدیم شاعر از شفیع عقیل، ص ۱۵۶، مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۰ء (۴) گوہر شب چراغ از محمد انور فیروز، ص ۳، مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، بار اول ۱۹۱۹ء (۵) پنجاب ادب کی مختصر تاریخ از احمد حسین قریشی، ص ۱۰۰ قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے خواجہ فرید کی تاریخ پیدائش ۱۸۴۶ء لکھی ہے (ملاحظہ فرمایئے "پریت جہان" ص ۲۸)

Marfat.com

خواجہ فرید کی ولادت پر مختلف شعراء نے قصائد لکھ کر آپ کے والد گرامی کو پیش کئے صدیق طاہر نے خان بیلہ کے مولانا محمد عثمان کے تین اشعار بحقت افطاب کے حوالے سے لکھے ہیں

شکر للہ کہ گوہر والا
از خدا بخش شد غلام فرید
دوش بر گوش من سروش خروش
منتظم داد عقد مروارید
طول اللہ عمرہ ، طـــراً
جعلہ اللہ کا لفرید نقید[1]

مسعود حسن شہاب نے مناقب فریدی کے حوالے سے ایک قصیدے کا یہ مطلع درج کیا ہے۔

زہے گوہر خاندان فرید
درے یا بچے قدر و عمرش مزید[2]

خواجہ فرید چار برس کے تھے تو والدہ فوت ہو گئیں آٹھ برس کی عمر میں والد وفات پا گئے۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ذمہ آپ کے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین نے اٹھایا۔ والد کی وفات کے وقت جبکہ خواجہ فرید کی عمر آٹھ سال تھی ان کے بھائی خواجہ فخر الدین ۲۵ سال کے ہو گئے تھے[3] حضرت خواجہ فخر الدین ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور تعلیم اپنے والد ماجد خواجہ خدا بخش سے حاصل کی "مقابیس المجالس"، حصہ پنجم (خطی) میں لکھا ہے۔

ص ۱، ۲۔ حوالہ کے لئے دیکھئے۔

(۱) دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتب صدیق طاہر ص ۱۸

(۲) خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری از مسعود حسن شہاب ص ۳۵

ص ۳ "خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص ۳۵۔

ص ۴ (۱) اشارات فریدی (فارسی) حصہ دوم ص ۱۷، مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ کے مطابق "وقتیکہ حضرت محبوب الٰہی وفات یافتند حضرت صاحب الوصال سی و پنج ۳۵ ساله بودند و من ہشت ساله بودم"

Marfat.com

مولانا غلام فخر الدین اوحدی جیو از والد ماجد خود در قلیل عرصہ قرآن کریم و کریما، نام حق، پند نامہ، تحفہ نصائح، گلستان، بوستان، بہار دانش، انوار سہیلی سکندر نامہ بری بحری، رسائل قشیریہ، کشف المحجوب عوارف المعارف و کتب عربیہ درسیہ، صرف و نحو، منطق، اصول، معانی، ادب تفسیر و احادیث، فقہ و علم الکلام و کتب تصوف می آموختند[1]،،

حصول علم کے بعد خواجہ فخر الدین نے اپنی زندگی درس و تدریس اور دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تدریس کے سلسلے میں ان کی ساری عادتیں اپنے والد محترم جیسی تھیں سوائے اس کے کہ خواجہ خدابخش تو زیادہ تر مروجہ درسی کتابوں کی تعلیم دیتے تھے جبکہ حضرت فخر الدین اوحدی زیادہ تر احادیث اور تفسیر کا درس دینا پسند کرتے تھے۔ مقابیس المجالس میں لکھا ہے۔

حضور خواجہ القا اللہ تعالیٰ ببقائہ فرمودند کہ عادات و عبادات و انضباط اوقات آنحضرت صاحب الوصال مثل حضرت خواجہ محبوب الٰہی بودند صرف در چند اعمال فرقے مے نمود۔ اوّل در وظیفہ درس طلبا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمیع کتب متداولہ درسیہ را درس میداند و درس کا یشان کتب و قواعد درسیہ کم و کتب احادیث شریف مثل صحیح بخاری و مشکوٰۃ وغیرہما و کتب فقہ و تفاسیر بکثرت متداول بودند و سبق حدیث شریف فرض بودی[2]،،

اشارات فریدی ہی میں لکھا ہے کہ حضرت فخر الدین شاعری بھی کرتے تھے لیکن والد محترم کے خوف سے چھپاتے تھے چنانچہ انہوں نے ان مشاہیر شعراء کے تخلص پر اپنا تخلص رکھا جن کے نام تو بہت معروف تھے لیکن ان کے دیوان یہاں ناپید تھے۔ حضرت فخر الدین نے شیخ اوحدی اصفہانی کے تخلص پر اپنا تخلص اوحدی رکھا۔ ایک بار جبکہ عرس کی ایک مجلس میں قوال فخر الدین کی یہ غزل گا رہے تھے

شعلہ عشقت چو از آتش دل ما سوختہ
زد علم بیرون ز دل کون و مکاں را سوختہ

ص۱ ۔ "مقابیس المجالس"، فارسی (قلمی) حصہ پنجم، ص۱۰۶ (یہ نسخہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل ہوا)

ص۲ ۔ بحوالہ "اشارات فریدی" حصہ دوم، ص۲۷

Marfat.com

تو آپ کے والد حضرت قبلہ محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش نے ان سے دریافت کیا کہ یہ غزل کس کی ہے۔ چونکہ حضرت فخر الدین نے قوالوں کو نام بتانے سے منع کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے اوحدی اصفہانی کا نام بتایا اس پر حضرت نے فرمایا

"بیشک کلام شیخ کامل است و من در حق خود دعائے برکت دانستم"[1]

ظاہر ہے کہ اس خراج تحسین کے سزاوار دراصل حضرت فخر الدین تھے کیونکہ یہ غزل شیخ اوحدی اصفہانی کی نہیں فخر الدین اوحدی کی تھی۔ اوحدی کا دیوان بہت عرصے تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اس لئے اس کے بہت سے تذکرہ نگاروں نے ان کے کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نایاب ہے[2]۔ لیکن اسد نظامی نے مکتبہ الجمال جہانیاں منڈی کے زیر اہتمام اسے "دیوان اوحدی" کے نام سے شائع کیا ہے یہ دیوان فارسی میں ہے اور کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فخر الدین اوحدی کو شعر گوئی پر دسترس حاصل تھی حقیقت اور مجاز دونوں قسم کے موضوعات ان کے کلام میں موجود ہیں فارسی زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی مثلاً یہ اشعار دیکھئے، جملہ محاسن شعری ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں

ای حسن جہانسوز تو غارت گر جاں ست — حیران جمال تو ہمہ پیر و جوان است
از نرگس مستانہ تو در شور و فغان اند — گر ساقی و گر ساغر و گر پیر مغان است

(دیوان اوحدی، ص ۲۸)

نقاب زلف چو از رخ کشود عالم سوخت — چو برق عشق درخشید جان آدم سوخت
فغان ز نرگس مخمور و فتنہ انگیزت — کہ یک کرشمہ او رخت شادی و غم سوخت
چو شعلہ ہر جمال تو در بہشت افتاد — گل و صنوبر و سنبل میان شبنم سوخت

(ص ۳۲)

ح ۱۔ بحوالہ ..... ایضاً ".... ص ۵۷

ح ۲۔ (۱) مقابیس المجالس، ص ۲۷ کے مطابق آپ کا دیوان موجود ہے لیکن ملتا نہیں (۲) "فقر فرید" از محمد بشیر احمد، ص ۱۴۴، مطبوعہ نقوش پریس لاہور میں لکھا ہے کہ ان کا مجموعہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے اس میں نمونے کے طور پر ایک شعر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

زسودائی سیہ زلف تو من دیوانہ خواہم شد | زافسون دو چشم مست تو افسانہ خواہم شد
نقاب زلف گر از روی آتشناک بکشائی | ز دیدارت زخود وز دو جہاں بیگانہ خواہم شد
چو زاہد دید چشم مست تو گفتا کہ من آخر | خراب از بادۂ آں نرگس مستانہ خواہم شد

(ص ۵۶)

ہمہ عالم شدہ حیران و مدہوش | چو فیض حسن خود را عام کردند
جمال شاہد و ساقیست آفت | بمستی بادہ را بدنام کردند

(ص ۵۷)

نہ سروی چوں قد رعنائے تو در بوستان خیزد | نہ ماہی چوں رخ زیبائے تو بر آسمان خیزد
نقاب زلف را واکن کہ از شوق جمال تو | فغان و نالہ در ہر لحظہ از پیر و جوان خیزد

(ص ۵۸)

با قد ناز دلبرم چوں بچمن خرام کرد | سرو بپاش سجدہ ہا از پئی احترام کرد
ای بت سرو ناز من کافر چشم مست تو | جور و جفا بمسلمان از چہ علی الدوام کرد

(ص ۶۷)

ز روییت برمکن زلف دوتا را | بمشتاقان نما حسن دل آرا
کنوں ایں پردہ پوشیدن چہ باشد | ز حسنت ہر طرف افتاد غوغا
فغاں زیں نرگس جادو فریبت | ربودہ دل ز مشتاقان بیلغیا (ص ۹)
چہ تاثیرست یا رب آں جمال دلربا | ہر آنکو یکنظر بیند شود آشفتۂ وشیدا
فغاں زیں نرگس مخمور و خواب آلودت جانا | کہ بایک غمزہ ویران میکند صد خانہ دلہا

(ص ۱۳)

میفگن پردۂ زلفت، کنوں بر عارض رنگیں | چو افتاد است از حسنت نگارا ہر طرف غوغا

(ص ۱۴)

دلبرا سرو قدا جلوہ گرا عشوہ نما | میفگن گاہ گذر در صف ما بہر خدا

(ص ۱۵)

Marfat.com

نسیم زلف او خجلت دہد صد نافہ چین را — کند با غمزہ چشمش غارت ملک دل و دین را
ز ہر کس می نماید چہرہ زیبائی خود چون گل را — ندانم از چہ پوشد زمن آن روئی رنگین را

اگر چہ عالم افروزند خورشید و قمر لیکن
رخش شرمندہ سازد او کہ آن از ہم این (صہ ۱۸)

بیا کہ آتش عشق تو سوخت جان مرا — خراب کرد فراق تو خانمان مرا
شدہ نالۂ بعجن سنگا ہمچو موم و لے — چو شد کہ نیست اثر در دلش فغان مرا
گریست شمع فزوں تر در انجمن از من — چو دید گریہ چشمان خونفشاں مرا (صہ ۲۰)
عشق ہر دم در دلم نار دگر پیدا کند — تا کہ غیر خود بسوز خود در آنجا جا کند
دردِ عشق آن بت رعنا بجانم بس خوش است — زانکہ ہر دم لذت دیگر بدل پیدا کند
احدی آن نرگس بدمست ساقی ہر زمان — از برائے عاشقان صد فتنہ را برپا کند (صہ ۲۷)

حضرت خواجہ فرید کو اپنے بھائی کے ساتھ بے حد عقیدت، انس اور محبت تھی۔ مقابیس المجالس میں جا بجا بھائی کا ذکر ملتا ہے ان کے علاوہ ان کے کلام سے بھی فخر الدین احدی سے عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے اردو دیوان مرتبہ صدیق طاہر سے چند مثالیں دیکھئے

ہیں ہوں سگ آستانہ فخر جہاں کا — شیروں سے فوق مرتبہ ہے میری شان کا
(صہ ۳۰)

بیان کس طرح ہو گا مجھ سے شان فخر عالم کا — کہ بعد از انبیا مردہ فخر ہے اولاد آدم کا
(صہ ۴۴)

فخر یہ کہ ہیں فخر دو جہاں کا ہوں غلام — اور نہ ننگ سے مطلب ہے نہیں نام سے کام
(صہ ۵۲)

فخر الدین سے عقیدت و محبت کا اظہار صرف اردو کلام میں ہی نہیں ہے بلکہ سرائیکی شاعری میں بھی جا بجا ملتا ہے چند مثالیں یہ ہیں

فخر جہاں قبول کیتو سے — واقف کل اسرار تھیو سے
ہر جا نور جمال ڈِٹھو سے — مخفی راز تھئے اظہار
فخر جہاں ہک ریت سمجھائی — ارضی تھیا یک بار سمائی
ظلمت ہٹ گئی نور و نور

Marfat.com

چشماں فخر الدین مشعل دیا | تن من کیتا چور
گھول گھتھاں ہیں فخر جہاں کہیں | جنت حور قصور
فخر الدین مشعل دے شوقوں | دم دم تکلم دود
حسن پرستی گھاٹ اساڈی | راز حقائق بات اساڈی
رمز حقیقی جہات اساڈی | فخر جہاں ایہا ریت سکھائی

اپنی ایک مشہور کافی

بٹن دلبر شکل جہاں آیا | ہر صورت عین عیاں آیا

میں خواجہ فرید نے انبیاء اور شہدا کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا وہاں بھی خواجہ فرید اپنے مرشد فخر الدین کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں

کتھے حسن حسین شہید بنے | کتھے مرشد فخر جہاں آیا

جب خواجہ فرید کی عمر ساڑھے تین سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے خواجہ تاج محمود سے، جو کہ آپ کے چچا تھے آپ کی رسم بسم اللہ خوانی کرائی[1]۔ خواجہ غلام فرید بچپن سے ہی ذہین تھے چنانچہ آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ مقابیس المجالس کے مطابق

"مجھے قرآن حکیم میاں جی صدر الدین نے شروع کرایا لیکن ان کی وفات کے بعد میاں جی محمد بخش نے ختم کرایا[2]۔"

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد عربی اور فارسی تعلیم کے علاوہ درس نظامی کی تکمیل بھی کی[3]۔ اسی

ص ۱۔ آپ کی رسم بسم اللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب آپ کے چچا خواجہ تاج محمود نے رسم ادا کرتے ہوئے کہا "آکھ فرید الف" آپ نے اسی طرح یہ الفاظ دھرائے کہ "آکھ فرید الف" چچا نے پھر وہی الفاظ دھرائے آپ نے جب دوسری تیسری مرتبہ بھی وہی الفاظ دھرائے تو خواجہ تاج محمود پر وجد طاری ہو گیا اور وہ زانو پر ہاتھ مار کر خود بھی وہی فقرہ دھرانے لگے۔ خواجہ خدا بخش کے کہنے پر قوالوں نے یہ مصرع قوالی کی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا حاضرین محفل پر کافی دیر رقت طاری رہی۔

ص ۲۔ "مقابیس المجالس" صہ ۴۷

ص ۳۔ بحوالہ "پیر فرید" صہ ۱۲

Marfat.com

دوران والیٔ ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خان آپ کے بھائی سے آپ کو لے کر تعلیم و تربیت کی غرض سے شاہی محل احمد پور شرقیہ لے گئے آپ کے ساتھ آپ کے ماموں ملک غلام محمد اور استاد مولانا قائم الدین بھی گئے۔ شیکل نے ان کی مختلف علوم کی تحصیل کے متعلق بھی لکھا ہے

"He received his formal education from several teachers in the Holy Quran from Miyan Sadr-ud-Din and Miyan Muhammad Bakhsh Khoja in works of poetry from Maulavi Khwaja Hafiz, Miyan Ahmad Yar Khoja and Miyan Barkhurdar Muttaqi and in Arabic instructionl books from Maulavi Qaim-ud -Din "[1]

سولہ سال کی عمر تک آپ تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ علامہ نسیم طالوت کا بیان ہے کہ

" تھوڑے ہی عرصہ میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے تھے۔ بچپن ہی سے مجاہدات و ریاضات میں لگا دیئے گئے تھے۔ طلب علم اور مطالعہ کتب بھی اگرچہ ایک بہت بڑی ریاضت تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ اوراد و وظائف کا سلسلہ بھی جاری رہا"[2]

خواجہ فرید نے تیرہ برس کی عمر میں اپنے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی محمد بشیر اختر لکھتے ہیں۔

"حضرت فرید رحمتہ اللہ علیہ جب علم ظاہری کی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے تو دستور دعا نیت

1- "The Teachings of Khwaja Farid" by C.Shackle,P-6,7 published by Bazme Saqafat, Multan in 1978.

صہ۲ ۔ دیوان فرید مرتبہ عزیز الرحمان، صہ ۲۰

Marfat.com

کا وہ مادّہ جو بچپن ہی سے آپ کے رگ پے میں سرایت کر چکا تھا یک دم ابھرا اور آپ کو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ جو آپ کے برادر کلاں بھی تھے سے بیعت ہونے کا شوق غالب ہوا۔ اس شوق نے بیتابی و بیقراری کی صورت اختیار کر لی۔ میاں نصیر بخش مہاروی و سردار امام بخش صاحب مہر والہ کے ذریعے استدعائے بیعت کرائی گئی تو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ نے شرف قبولیت فرما کر حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دست حق پرست پر بیعت فرما لیا[1]۔"

اس طرح آپ نے تمام ظاہری و باطنی علوم ان سے حاصل کئے علاّمہ طالوت کے مطابق

"محبت کی گود میں آپ نے آنکھ کھولی اور محبت ہی کے گہوارے میں پرورش پائی بادۂ عرفان آپ کا موروثی مال تھا اور حقیقت و ایقان شاہد حال۔ ابھی آپ سولہ سترہ سال ہی کے تھے کہ علوم ظاہریہ باطنیہ میں کمال حاصل ہو گیا[2]۔"

بیعت ہونے کے بعد آپ نے مرشد سے تعلق کو عشق و محبت کی وارفتگیوں میں بدل دیا چنانچہ خود خواجہ صاحب کے کلام سے اس والہانہ عقیدت و محبت کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جب خواجہ صاحب نے تعلیم مکمل کر لی تو خواجہ فخر الدین کے ساتھ مل کر علوم ظاہری و باطنی کی تدریس شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے یہاں علوم دینیہ کے شائقین کا دن رات ہجوم رہتا۔ آپ انہیں کتب حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے۔ آپ کو ہر موضوع اور مسئلے پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں بغیر کسی تیاری کے بڑی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے "فقر فرید" کے مطابق

"عوارف المعارف، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، سہ مراتب، تحفہ مرسلہ، لوائح شریف، فصوص الحکم، جواہر جلالی، جامع العلوم، کشکول حکمی جیسی اونچی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتیں اور ان کے غوامض بیان کرتے وقت علمائے عصر کو دنگ کر دیتے[3]۔"

ص۱۔ فقر فرید، ص ۴۹

ص۲۔ مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص ۲۲

ص۳۔ بحوالہ "فقر فرید" از محمد بشیر اختر، ص ۴۸، نقوش پریس، لاہور

Marfat.com

خواجہ فرید تقریباً دس سال تک اپنے بھائی کی زندگی میں درس دیتے رہے جب آپ ستائیس سال کے ہوئے تو ۵ جمادی الاوّل ۱۲۸۸ھ میں آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا چنانچہ مرشد کے انتقال کے بعد آپ مسند نشین ہوئے اس موقع پر نواب صادق محمد خان عباسی نے آپ کی دستار بندی کی رسم ادا کی۔ مسند نشینی سے پہلے ہی آپ اپنے تبحر علمی اور درس و تدریس کے باعث اس قدر شہرت حاصل کر چکے تھے کہ لوگ دھڑا دھڑ آ کر بیعت کرنے لگے اور آپ کی درسگاہ میں شائقین علوم کا ہر وقت تانتا بندھا رہنے لگا۔ علامہ طالوت کے مطابق

"آپ کا آستانہ عالیہ جہاں ایک طرف طالبان علوم دینی کا مرجع تھا وہاں دوسری طرف تشنگان طریقت کے لئے سرچشمۂ فیوض و برکات تھا۔ بے شمار مخلوق آپ کی ذات تقدس آیات سے اقتباس انوار کرتی رہی اور عوام و خواص آپ کی نظر شفقت اثر سے عشق و محبت حقیقی کے درس لیتے رہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں بندگان خدا حلقۂ ارادت میں داخل ہو ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے رہے اور ہند و سندھ کے عامۃ الناس کا رجوع آپ کے عتبہ عالیہ کی طرف ہو گیا۔"[1]

نور احمد فریدی خواجہ غلام فرید کے وقت میں مذہبی جوش و خروش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"حضرت خواجہ عاقل محمد صاحب نے کوٹ شریف میں جس دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی اس وقت یہ پوری بہار پر تھا چاچڑاں اغواث و اقطاب کا شہر تھا۔ اس کے ہر محل کے کونے اور ہر کوچے کے سرے پر کوئی نہ کوئی مسجد ضرور تھی۔ جس میں باجماعت نماز ادا ہوتی تھی۔ فرید محل کی مسجد میں علماء اور طلباء مل کر نماز پڑھتے تھے۔ جامع مسجد محبوبیہ، فخریہ مسجد، نازکی مسجد اور فریدیہ مسجد پانچوں وقت نمازیوں سے بھر جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مسجد حضرت مولانا قاضی خان محمد صاحب کی تھی دوسری حسن شاہ سائیں کی تھی ان میں نماز کے وقت اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی ہر مسجد میں طلباء درس نظامی کے مطابق تعلیم پاتے تھے۔ ان سب کو فریدی لنگر سے دونوں وقت کا کھانا ملتا تھا۔ جامع مسجد کے ساتھ مدرسے کی عمارت

---

[1] مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص ۲۳

Marfat.com

تھی جس میں مولانا اللہ رکھا صاحب پڑھاتے تھے[۱]"

خواجہ صاحب کی خدمت میں لوگ دور دور سے بیعت کرنے آتے جن میں دیار عرب اور دیگر ممالک بھی شامل ہیں اس طرح آپ کے سلسلہ نظامیہ چشتیہ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی۔ آپ خاص طور پر غریب لوگوں کو جلدی بیعت سے سرفراز فرماتے جبکہ امیر لوگوں کو بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح پرکھتے تھے "فقر فرید" میں لکھا ہے

"نواب قیصر خان مگسی والی علاقہ جھل اسی زمانہ میں باریاب خدمت ہو کر استدعائے بیعت کرتا ہے مگر حضور انکار فرما دیتے ہیں آخر چند بار اصرار کے بعد وہ طے کرتا ہے کہ اگر حضور نے مجھے شرف بیعت نہ بخشا تو میں خودکشی کر لوں گا جب اس کی عقیدت اس حد کو پہنچ گئی تو پھر کہیں جا کر حضرت نے اسے بیعت سے سرفراز کیا۔ اس کے برعکس حضرت فرید علیہ رحمتہ غربا طبقہ کو اپنے سلسلہ ارادت میں قبول فرما لیتے تھے[۲]"

مسند نشین ہونے کے چار سال بعد (۱۲۹۲ھ میں) آپ نے زیارت بیعت اللہ شریف کا ارادہ کیا چنانچہ آپ ۲۱ شوال ۱۲۹۲ھ کو چاچڑاں سے سو افراد کے ہمراہ حج کی نیت سے بمبئی کے راستے روانہ ہوئے آپ کے سفر حج کی تفصیل جو سیٹھ عبدالرحمان نے نور احمد فریدی کو فراہم کی ہیں وہ تاریخ وار اس طرح ہیں۔

(۱) ۲۱ شوال ۱۲۹۲ھ، حضرت ۸۰ رفیقوں کے ہمراہ چاچڑاں شریف سے روانہ ہوئے (۲) ۲۳، ۲۴ شوال دو یوم ملتان میں قیام رہا اور تمام اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر رفیقوں سمیت حاضری دی (۳) ۲۷ شوال لاہور پہنچے۔ نماز جمعہ داتا صاحب کی مسجد شریف میں ادا فرمائی (۴) یکم ذیقعدہ دہلی پہنچے، جامع مسجد میں قیام فرمایا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء اور دوسرے اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے مہرولی کی جانب تشریف لے گئے (۵) ۴ ذیقعدہ مہرولی سے دہلی واپس آ گئے (۶) ۵ ذیقعدہ جے پور پہنچے وہاں سے اجمیر تشریف لے گئے۔ (۷) ۱۴ ذیقعدہ بمبئی پہنچے (۸) ۲۱ ذیقعدہ جہاز پر سوار ہوئے (۹) یکم ذی الحجہ جدہ پہنچے اور پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (۲۱ ذی الحجہ تک قیام مکہ مکرمہ اور منیٰ و عرفات میں مناسک حج کی ادائیگی)

ص ۱:۔ "دیوان فرید" از نور احمد فریدی، ص ۱۱۹۔ ۱۲۰

ص ۲:۔ بحوالہ "فقر فرید" ص ۵۲

Marfat.com

(۱۰) ۲۲ ذی الحجہ۔ مدینہ شریف کو روانہ ہوئے (۱۱) ۵ محرم الحرام ۱۲۹۳ھ کو مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارکہ پر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ (۱۲) ۱۹ صفر المظفر جدّہ سے وطن کو روانگی عمل میں آئی۔ (۱۳) ۱۴ ربیع الاوّل کو چاچڑاں شریف واپس تشریف لے آئے۔[1]

حج کے موقع پر عام طور سے لوگ درود وسلام اور عبادات میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ان کے مشاہدے میں نہیں آتیں لیکن خواجہ صاحب کی حس مشاہدہ اس قدر تیز تھی کہ انہوں نے اس موقع پر بھی اس سے بھرپور کام لیا اور کعبہ مشہود کے اطراف وجوانب اور دیگر تفصیلات وجزئیات کا مشاہدہ بنظرِ عمیق کیا چنانچہ حرم کعبہ کے اکتالیس دروازوں کا مشاہدہ کر کے یہ انکشاف کیا کہ ہر دروازہ کسی نہ کسی شیخ اور صوفی کا مسکن رہا ہے۔ "مقابیس المجالس" میں لکھا ہے

"۔۔۔ فرمودند کہ ہر ایک مشائخ عظام را یک یک باب مسکن دراں مقرر است و بر اسطوانات نام آں مشائخ کرام کہ آنجا ساکن بودہ اند نوشتہ شدہ است۔[2]"

خواجہ فرید سیر وسیاحت کے بھی بے حد شوقین تھے۔ آپ نے کئی شہروں میں اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی اور کئی بزرگان دین سے ملاقات کی محمد انور فیروز کے مطابق

"آپ نے سات بار زیارت روضہ معلّیٰ حضرت خواجہ بزرگ کا شرف حاصل کیا تین بار میاں محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ احمد آبادی سے ملاقات کی۔ جو بڑی عمر کے درویش تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب علّامہ قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد سے تھے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کی سیر کی اور ہر ایک جگہ کے بزرگان دین سے ملے جملہ مزارات اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی و حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی روحانیت سے اویسی طور پر فیضان حاصل کیا۔ سو آدمیوں کے ہمراہ حج بیت اللہ و زیارت روضۂ رسول اللہ سے مشرف ہوئے۔[3]"

ص۱۔ ملاحظہ فرمایئے "دیوان فرید" مترجم وشارح نور احمد فریدی، ص ۳۷، ۳۸، مطبوعہ "قصر الادب" ملتان

ص۲۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" جلد سوم، ص ۵۴

ص۳۔ بحوالہ "گوہر شب چراغ" از محمد انور فیروز، ص ۲۲، ۲۳

خواجہ غلام فرید لکھنؤ بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ نے مولوی عبدالحی اور سرسید احمد خان دونوں کو دیکھا تھا۔ "مقابیس المجالس" میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے

"جب ہم (خواجہ فرید) لکھنؤ گئے تو دل میں خیال آیا کہ مولوی عبدالحیٔ کو جو بڑے متبحر عالم تھے دیکھنا چاہیے جب ہم محلہ فرنگی محل پہنچے تو دیکھا کہ اپنے مکان میں سوئے ہیں۔ ہم نے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی طرح دیکھ کر واپس آگئے تیس چالیس سال عمر کے جوان معلوم ہوتے تھے داڑھی سیاہ تھی اور قد کوتاہ۔۔۔اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے سید احمد خان نیچری کو دیکھا ہے لیکن ان دونوں آدمیوں کو ہم نے بطور اجنبی اور غیر متعارف ہو کر دیکھا ہے اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور مولوی عبدالحیٔ اور سید احمد خان نیچری کے رتبہ علمی میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا سید احمد خان صرف ایک دانا اور عقلمند آدمی ہے اور مولوی عبدالحیٔ صاحب عالم متبحر اور فاضل جلیل تھے جو تمام علوم خواہ صرف ہو یا نحو۔ بدیع ہو یا بیان منطق ہو یا معقول۔ تفسیر ہو یا حدیث، تمام میں ماہر تھے"[۵۱]

یہاں تو خواجہ فرید نے سرسید احمد خان کو دیکھنے بات کی ہے لیکن بعد میں ایک اور محفل میں آپ نے سرسید احمد خان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی محفل میں نواب قیصر خان مگسی نے سرسید احمد خان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ

"نہایت ہی اچھے آدمی تھے اور ان کے چہرے سے برکت ٹپکتی تھی۔ ان کا اسلام کے کسی فرقے سے اختلاف نہیں تھا اور ہر فرقے کو اچھا کہتے تھے ان کے والد شاہ ابوسعید دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہ ابوسعید شاہ غلام علی دہلوی کے مرید خلیفہ تھے۔ وہ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید و خلیفہ تھے۔ میں نے سید احمد خان سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی بزرگ کے ساتھ بیعت کی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ بیعت نہیں کی اگر کسی سے بیعت کی ہے تو ان کے ساتھ کی ہے (یعنی ابوسعید کے ساتھ) جن کی شکل وصورت فراموش نہیں ہو سکتی۔ ان کے

۵۱۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" اردو ترجمہ از کیپٹن واحد بخش سیال، ص ۵۲۵

Marfat.com

بعد فرمایا کہ جب میں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اور اصحاب کرام کی محبت کا ذکر ہوا تو بات کرتے ہوئے وہ رو رہے تھے اور آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری تھے کہ ریش تر ہو گئی تھی اور قطرے نیچے ٹپک رہے تھے اور بکمال شوق اور جوش سے پاؤں زمین پر اس طرح مارتے تھے کہ جیسے کوئی رقص کے وقت مارتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی اس کے بعد فرمایا کہ سید احمد کا ۱۳۱۵ھ ہی میں انتقال ہوا[۱]"

نور احمد فریدی کے مطابق خواجہ فرید ہر سال بہار کے موسم میں اپنے خاص خاص احباب کے ساتھ چاچڑاں شریف سے ملتان بڑی شان کے ساتھ آیا کرتے۔ خواجہ فرید ۱۳۱۴ھ میں ربیع الثانی کے مہینے میں بھی ملتان تشریف لائے تھے اور ۱۷ ربیع الثانی کو اپنے خادمین اور متعلقین کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر شاہ رکن عالم کے مزار پر حاضری دی اور ۲۳ ربیع الثانی کو بھی متعلقین اور خدام کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر حرم دروازہ، پاک دروازہ، دہلی دروازہ اور باغ عام وخاص سے ہوتے ہوئے بہاء الدین زکریا کے مزار پر حاضری دی اس کے بعد پاک دروازے جا کر موسیٰ پاک شہید کے مزار پر حاضری دی اور وہاں کے سجادہ نشین مخدوم صدر الدین سے ملاقات کی[۲]

بہت سی کتابوں کے مطالعے، ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت اور سفر حج کی بدولت آپ کی معلومات میں بھی کافی اضافہ ہوا تھا۔ مقابیس المجالس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی معلومات خاصی وسیع تھیں مثلاً ایک دفعہ قدیم شہروں کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا

"شہر اڈیرا[۳] در زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تعمیر ہوا۔ شہر جیسلمیر (جو اب بھاگ میں ہے۔) ابھی عرصہ آٹھ سو سال ہوئے تعمیر ہوا تھا۔ پگل[۴] بھی قدیم شہر ہے[۵]"

ص ۱۔ بحوالہ مقابیس المجالس، حصہ چہارم، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۹۵۷

ص ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "مقابیس المجالس" حصہ دوم، مترجم واحد بخش سیال، ص ۴۲۴، ۴۲۸ تا ۴۳۰

ص ۳-۴۔ یہ دونوں شہر بہاولپور کے علاقہ ریگستان میں واقع ہیں۔

ص ۵۔ بحوالہ مقابیس المجالس، حصہ دوم، مترجم واحد بخش سیال، ص ۳۱۲، ۳۱۳

Marfat.com

خواجہ صاحب کی تاریخی اور جغرافیائی معلومات اتنی وسیع تھیں کہ اکثر موقعوں پر فی البدیہہ گفتگو کرتے تھے کہ دوسرے علماء و مشائخ حیران رہ جاتے۔ پھر موقع بہ موقع دنیا کی مختلف اقوام، مذاہب اور جگہوں کے بارے میں تفصیل سے بتلاتے۔ اس سے آپ کی ذہانت اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ

"مغل بھی ترک ہیں اور چنگیز خان کی اولاد ہیں پھر فرمایا کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان بڑے ظالم بادشاہ تھے۔ انہوں نے ماوراء النہر، سمرقند، بخارا، غزنی، بغداد، وغیرہ کو ظلم و ستم سے تاراج کیا اور لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے اس کے بعد سلطان احمد مسلمان ہوا اس کے بعد فرمایا کہ ساری دنیا میں ترک سب سے زیادہ کثیر تعداد میں ہیں۔ مشرقی ممالک یعنی چین اور صحرائے قبچاق اور حدود تاتار اور دیار طمغاج میں سب یہی لوگ ہیں اور یہی مذہب رکھتے ہیں۔ یہ سب کافر ہیں۔ حلال وحرام میں تمیز نہیں رکھتے جو کچھ ہاتھ لگتا کھا جاتے ہیں۔ یاجوج ماجوج بھی ان میں سے ہیں۔ سلطان سکندر نے ان کے خلاف دیوار بنائی تھی یہ ممالک عرب سے مشرق کی جانب ہیں وہاں سے نکل کر انہوں نے اسلامی ممالک پر قبضہ کر لیا۔"[1]

آپ کی محافل کے بارے میں محمد انور فیروز لکھتے ہیں کہ

"آپ کا حلقہ کچھ ایسا تھا کہ جس میں ہر مذاق کے آدمی اپنی روحانی غذا موجود پاتے تھے ایک وقت اس میں اگر وعظ و نصیحت کے دفتر کھلے ہوئے ہوتے تھے تو دوسرے وقت تڑپا دینے والی تصوف بھری راگنیاں بھی پڑی گونج رہی ہوتی تھیں۔"[2]

خواجہ فرید کی اس قدر معلومات کا سبب وسعت مطالعہ ہے انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے علماء کرام اور مختلف مذاہب کی کتابوں کو پڑھ رکھا تھا نہ صرف پڑھا تھا بلکہ انہیں حافظے میں محفوظ بھی رکھا تھا اس لئے موقع بہ موقع جہاں کہیں جس قسم کی بات ہو رہی ہوتی خواجہ فرید اسی مناسبت سے کتب کا حوالہ دے کر بات کو ٹھوس اور مدلل انداز میں پیش کرتے۔ آپ کی مجالس میں بے شمار مسائل زیر بحث رہتے اور حضرت خواجہ غلام فرید ان موضوعات پر نہایت قابلیت سے گفتگو فرماتے

ح ۱۔ بحوالہ مقابیس المجالس، حصہ پنجم، مترجم واحد بخش سیال، ص ۹۴۵

ح ۲۔ بحوالہ "گوہر شب چراغ"، ص ۲۹

Marfat.com

آپ کی مجلسوں میں دینی و دنیاوی، شرعی تاریخی ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے اور آپ اپنے علم وفضل کی بدولت کسی موضوع کو تشنہ نہ رہنے دیتے۔ آپ کی محافل جن کا ذکر مولوی رکن الدین نے "مقابیس المجالس" کی صورت میں محفوظ کیا ہے، اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ کتنے وسیع المطالعہ شخص تھے۔ علمائے اکابر کا ذکر ہوتا۔ خواجہ فرید ان کی کتابوں اور ان کے نظریات کے حوالے سے بات کرتے، جن علماء، صوفیاء اور مفکرین کا ذکر ان کے یہاں ملتا ہے ان میں منصور حلاج، ابن العربی، عبدالکریم الجیلی، یونانی فیلسوف، افلاطون، ارسطو، امام غزالی، عبدالرحمان، معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی، اور فرید الدین گنج شکر وغیرہ خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی مجلسوں کے حوالے سے بہت سی کتابوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جنہیں پڑھ کر آپ لوگوں کو مسائل بتاتے یا انہیں ان کتابوں کے متعلق بتایا کرتے۔ یہ کتابیں زیادہ تر تصوف کے موضوع پر ہیں جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں..... دلیل العارفین، خزینۃ الاصفیاء، مراۃ الاسرار، اخبار الاخیار، اقتباس الانوار نفحات الانس، سواء السبیل، شرح گلشن راز (مثنوی)، کلمۃ الحق، مصباح الہدایہ، کتاب تحریرۃ النظام مراۃ العارفین، کتاب ہدایہ، سراجی، فتوح الغیب، کشف المحجوب، انسان کامل، انوار الرحمان، کتاب مطلع العلوم وغیرہ۔

آپ صرف کتابیں پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ انہیں جمع بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ تھا جو صدیوں پہلے آپ کے آباؤ اجداد نے قائم کیا تھا اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس میں مطبوعہ اور قلمی نسخے بہت زیادہ تھے۔ خواجہ فرید نے ان کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کر رکھے تھے۔ نور احمد فریدی، خواجہ فرید کے کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "حضور کو کتابیں دنیا کی ہر چیز سے محبوب تر تھیں اس لئے جب فرید محل بن کر تیار ہوا تو بالائی منزل کو کتب خانے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ ایک عالم دین لائبریرین اور ایک صاحب جلد ساز تھے جو مستقل طور پر کتابوں کی جلدیں بناتے اور انہیں تزئین کرتے تھے۔ کتب خانے سے متصل جانب غرب وسیع و عریض برآمدہ تھا جس میں حضور قرآن وحدیث کا درس دیتے تھے۔ یہ کتب خانہ حضرت خواجہ قطب الدین تک پورے عروج پر تھا اور اس میں ہر صنف اور ہر موضوع کی ہزاروں کتابیں تھیں۔

Marfat.com

لیکن افسوس اب کتب خانہ تو بجائے خود رہا، لوگ فرید محل کے دروازے اور کھڑکیاں
تک چرا لے گئے ہیں [۱]۔،،

کتابیں جمع کرنے کے شغف کے ساتھ ان کے مطالعے کا بھی بے حد شوق تھا۔ ان کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ انہیں ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ کون سا مسئلہ کس کتاب میں بیان ہوا ہے یا کہاں سے مستند حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا صفحہ دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ کونسی کتاب ہے اور اس کا مصنف کون ہے مثلاً علماء نے ایک کتاب کا قلمی نسخہ پیش کیا جس کے ابتدائی اور آخری صفحات غائب تھے اس لیے پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ آپ نے اندرونی صفحات کو دیکھ کر فرمایا کہ

"یہ مولانا جامی کی سیر العارفین ہے [۲]۔،،

کثرت مطالعہ کے باعث نہ صرف کتاب کو پہچان لیتے بلکہ اس خوبی نے آپ میں محققانہ صلاحیت بھی پیدا کر دی جو کہ ایک بڑے عالم کی خصوصیت ہے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہرگز نہیں ہوتا جو کسی بات یا کسی قول کو کتاب سے پڑھ کر اندھی عقیدت کی وجہ سے جوں کا توں قبول کر لیتے ہیں اگر آپ کو اس بارے میں ذرا بھی شک ہو جاتا تو آپ اصل کے کھوج میں لگ جاتے، علامہ نسیم طالوت کے مطابق

"حضور رحمۃ اللہ کو تفحص کا اس قدر شوق تھا کہ اگر کوئی ایسی بات سامنے آ جاتی جس کے متعلق مزید سند یا تفتیش کی ضرورت ہوتی تو جب تک حل طلب معاملہ پوری طرح حل نہ ہو جاتا حضور کی طبیعت سکون پذیر نہ ہوتی تھی [۳]۔،،

ایک بار منطق الطیر ملاحظہ فرما رہے تھے، مخدوم غریب شاہ صاحب نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اشعار ملحقات روافض میں سے ہیں۔ جس طرح انہوں نے مولانا رومی کی مثنوی میں کچھ بڑے اشعار شامل کر دیئے تھے۔ اسی طرح منطق الطیر میں بھی چالاکی کی ہے۔ خواجہ غلام فرید کو خلش پیدا ہوئی کہ اس کی اصل تلاش کی جائے تاکہ صحیح چیز سامنے آئے۔ آخر کار ڈیڑھ سو سال پرانا ایک قلمی نسخہ تلاش کر لائے۔ اس قلمی نسخے میں وہ اشعار موجود نہ تھے جن کے بارے میں خواجہ فرید کو شک تھا اور وہ مطبوعہ

ص۱۔ بحوالہ "دیوان فرید" ص ۱۱۴

ص۲۔ ملاحظہ فرمایئے "مقابیس المجالس"

ص۳۔ مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص ۳۳

Marfat.com

نسخوں میں پائے جاتے تھے[۱]۔ اس طرح کی اور کئی مثالیں اشارات فریدی کے حوالے سے ملتی ہیں کہ خواجہ غلام فرید اگر کسی بات یا شعر کے بارے میں مشکوک ہوتے تو اصل کے کھوج میں لگ جاتے اور آخر کار اسے تلاش کر کے چھوڑتے۔

خواجہ فرید کا شمار با عمل صوفیوں میں ہوتا ہے آپ لوگوں کو جو نصیحت فرماتے تھے خود بھی اس پہ عمل پیرا ہوتے۔ آپ بہترین اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ سنت نبوی پر چلنا آپ کا شعار تھا غیر شرعی اور فضول رسموں اور توہمات سے آپ نفرت کرتے تھے۔ نہ صرف خود ان سے دور رہتے بلکہ دوسروں کو بھی ایسی باتوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔ آپ اہل ظاہر کی طرح شریعت کے پابند بھی تھے اور اہل باطن کی طرح خود پر پابندیاں بھی لگا رکھی تھیں۔ آپ شریعت و طریقت دونوں کے قائل تھے۔ خواجہ غلام فرید کے بارے میں علامہ نسیم طالوت کا کہنا ہے کہ

"وہ آج کل کے صوفیہ کی طرح صرف قوال نہیں تھے بلکہ فعال بھی تھے صرف گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ کردار کے غازی بھی تھے[۲]"

آپ ہر نفع و نقصان کو خدا کی طرف سے منسوب کرتے تھے خواجہ صاحب کی اسی عادت نے ان میں دنیاوی لذتوں سے بے نیازی پیدا کر دی تھی۔ اسی لئے آپ دولت اور دنیاوی آسائشوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے جمع کرنے کی بجائے فوراً مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ سخاوت کا مادہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے کبھی دولت جمع کرنے کو اہمیت نہ دی۔ ساری عمر نواب بہاولپور سے ایک روپیہ تک نہ لیا نہ ہی کسی قسم کی زمین اور جاگیر قبول کی۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ فخر الدین نے نواب بہاولپور کی طرف سے جاگیر قبول کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد آپ نے اس زمین میں سے کچھ نہ لیا بلکہ جو کچھ جمع تھا وہ سارا مستحقین میں تقسیم فرما دیا۔ آپ گھر میں کچھ رکھنا گناہ سمجھتے تھے جو کچھ لوگ نذرانے کے طور پر لاتے آپ اسے لوگوں میں بانٹ دیتے۔ آپ نے علماء کے لئے ماہوار تنخواہ مقرر کر رکھی تھی اور ان کی شادی کے موقع پر انہیں ایک جوڑا اور طلائی نقد عطا فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے لنگر قائم کر رکھا تھا آپ کے ہاں ہر وقت دس پندرہ امیر اور معتبر اشخاص ہوتے اور ان کے علاوہ سینکڑوں مرید اور طالب علم جمع رہتے جو آپ کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں آپ کے لنگر کے متعلق گفتگو

---

[۱]۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "مقابیس المجالس"

[۲]۔ بحوالہ مقدمہ دیوان فرید، مرتبہ عزیز الرحمان، ص ۴۵۔

Marfat.com

نے لگی تو آپ نے فرمایا

"کہ دو ہزار روپیہ لنگر کے عہدیداروں کی تنخواہ کی مد سے میرے پاس فاضل ہے۔ اب میں نے سوچا ہے کہ یہ غریب مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لنگر میں مہمانوں اور مسافروں کی نان شکمی کے علاوہ صرف لنگر کے خدام کو وظیفہ دینے پر ایک مانی (۲۴ من) گندم تیسرے دن خرچ ہو جاتی ہے اور شالی (چاول) دوسرے روز ایک مانی ختم ہوتا ہے حضرت قبلہ سلطان الاولیا، قدس سرہ، کے زمانے میں اس قدر غلہ صرف مہمانوں اور مسافروں کے گھوڑوں پر خرچ آتا تھا۔[1]"

"مناقب فریدی" کے مصنف مرزا احمد اختر آپ کے لنگر خانوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"ایک مدرسہ دینی اور لنگر خانقاہ کوٹ شریف میں تھا اور دوسرا لنگر اور مدرسہ چاچڑاں شریف میں جن میں ساڑھے بارہ من غلہ روزانہ صرف ہوتا تیسرا لنگر ہمراہی وہ تھا جو کہ حضور کے ہمراہی فقراء، خدام و سائلین کو ملتا۔ میری عدم موجودگی میں اس کا خرچ سو روپیہ روز کا تھا۔[2]"

خواجہ فرید سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے سماع اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔ ان کے ملفوظات میں جا بجا سماع کے بارے میں اظہار خیال ملتا ہے۔ انہوں نے سماع کو ہر لحاظ سے روا اور جائز تصور کیا ہے البتہ سماع کے لئے مخصوص ماحول، مخصوص آداب اور چند ایک شرائط کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ سماع کے جواز اور آداب وغیرہ کے سلسلے میں یہاں ہم چند باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں مثلاً "فوائد فریدیہ" کے مطابق سلسلہ چشتیہ میں سماع پوری طرح متعارف ہے اور تمام مشائخ عظام سماع سنتے رہے۔ کسی کو اس سے انکار کی توفیق نہیں ہوئی۔ سماع اللہ کی عظیم نعمت ہے بلکہ بعض اولیائے اکرام نے سماع سنتے سنتے اپنی جان دے دی۔ جن میں حضرت ابو سعید خراز، حضرت ابو الحسن نوری ابو الحسن دراج، حضرت ذوالنون مصری، حضرت ابو بکر شبلی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ عبد العزیز ناگوری قابل ذکر ہیں، اصل عبارت یوں ہے۔

ص ۱۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ پنجم مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۱۰۳۲

ص ۲۔ بحوالہ "مناقب فریدی" از مرزا اختر احمد، ص ۱۴۴ مطبوعہ احمدی، دہلی

Marfat.com

"درسلسلہ عالیہ چشتیہ سماع تمام متعارف است وہمہ مشائخ عظام مے شنوند کسے راچہ توفیق کہ حرف انکار بر زبان راند نعوذ باللہ منھا اگر کسے داند سماع نعمت عالی است از انعام حق جل جلالہ، کہ چند اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم بشنیدن سماع جان بدست تسلیم کردہ اند چنانچہ حضرت ابوسعید خراز و حضرت ابوالحسن نوری و حضرت ابوالحسن دراج و حضرت ذوالنون مصری و حضرت ابوبکر شبلی و شیخنا حضرت قطب الدین بختیار اوشی و شیخ عبدالعزیز ناگوری چشتی و شیخ ابوالقاسم و شیخ ایوب نجار وغیرہم رضی اللہ عنہم[۱]"

لیکن اسی کتاب میں آگے چل کر سماع کے جواز کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ سماع نہ تو پوری طرح حرام ہے نہ حلال بلکہ اس کی حرمت کا دارومدار عشق پر ہے۔ یعنی اگر عشق سچا ہے اور خدا اس کے رسول یا شیخ کے ساتھ ہے تو پھر حلال بلکہ واجب ہے بعض صورتوں میں یہ حرام ہے جبکہ بعض حالتوں میں مباح ..... اصل عبارت یوں ہے۔

"سماع بدانکہ سماع نہ مطلق حرام است و نہ حلال و حرمت او در موقوف بر عشق است اگر عشق حق است جل جلالہ، یا عشق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم یا شیخ حلال است بالاتفاق بلکہ مستحب است و اگر عشق مملوکہ شرعیہ خود است او نیز جائز است و اگر عشق غیر مملوکہ شرعیہ است پس اگر وقت سماع خیال شہوت مرتفع است او نیز مباح است۔ اگر خیال شہوت پیدا گردد حرام است و اگر برائے تفریح قلب شنیدہ شود ہم درست است بدانکہ ہر اقسام سرود چنانچہ دف و جلاجل و طبل و شاہین وغیرہم جائز سوائے مزامیر و اوتار و طباک[۲]"

اس سلسلے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

"جہاں تک سماع کا تعلق ہے فی حد ذاتہ یعنی اپنی ذات سے پاک و حلال ہے جس سماع کو حرام کہا گیا ہے وہ حرام چیزوں کے شامل ہونے سے حرام ہوتا ہے۔ مثلاً جب دولت

ص۱۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" (فارسی) از خواجہ غلام فرید، ص ۲۸، مطبوعہ مطبع "محمدی مجتبائی" لاہور (۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء) یہ کتاب جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔

ص۲۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" از خواجہ غلام فرید، ص ۳۷

Marfat.com

مند لوگ سماع سنتے ہیں تو شراب کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اور ہنسی مذاق اور بے ہودہ باتوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ مجلس سماع میں عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے شامل ہونے سے بھی سماع ناجائز ہو جاتا ہے اگر غیر شرعی چیزیں نہ ہوں تو سماع حلال ہے چونکہ مشائخ عظام اپنی مجالس میں ان چیزوں کو شامل نہیں ہونے دیتے لہٰذا ان کا سماع اپنی اصل حالت پر آ جاتا ہے یعنی جائز ہو جاتا ہے۔[1]"

"مقابیس المجالس" جلد پنجم میں سماع کے حلال ہونے کا جواز پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" سماع حلال ہے کیونکہ سماع بالا حالتہ (بذات خود) حرام ہونے کے متعلق کوئی قطعی یا ظنی دلیل قائم نہیں ہوئی جن احادیث میں سماع کے حرام ہونے کا حکم وارد ہوا ہے وہ بالعرض ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عیش و عشرت کی مجلس منعقد کرتے تھے جس میں شراب اور لہو و لعب و مباشرت تک شامل کرتے تھے چنانچہ جب قرآن مجید میں شراب حرام ہونے کے احکام وارد ہوئے تو ان مجالس میں سماع سمیت تمام چیزوں کی بالعرض حرمت وارد ہو گئی۔ لہٰذا سماع کی حرمت کا انحصار اس کی وضع و ہیئت پر ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مجلس سماع میں شراب، لہو و لعب وغیرہ ہو تو بیشک یہ سماع حرام ہے۔ بذات خود نہیں بلکہ بالعرض حرام ہے لیکن اگر مجلس سماع حرام چیزوں سے خالی ہے پھر جبکہ صوفیائے کرام کی مجالس سماع ہوں تو اس قسم کا سماع حلال ہے قطعاً حرام نہیں نہ بالاصل نہ بالعرض۔[2]"

"مقابیس المجالس" حصہ پنجم (فارسی، قلمی) کی یہ عبارت بھی قابل ذکر ہے۔

" حضور فرمودند اکنوں در زمانہ در ہر جا ادب سماع متروک مگر در کوٹ شریف ہمچناں باقی و ثابت است بعدہ فرمودند کہ وقتی حضرت سلطان الاولیا بر عرس حضرت شیخ الشیوخ العالم گنج شکر در پاک پٹن شریف بروند چوں آنجا مراعات آداب سماع ہرگز نمی باشند تا آنکہ کودکان و زنان و ہندوان نیز در مجلس سماع حاضر و داخل می باشند پس

---

[1]۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" از مولانا رکن الدین مترجم کیپٹن واحد بخش سیال، ص ۳۹۹۔ ۴۰۰

[2]۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" از مولانا رکن الدین مترجم کیپٹن واحد بخش سیال، ص ۱۰۳۷، ۱۰۳۸

Marfat.com

حضرت ایشان مولوی گل محمد احمد پوری راکہ ہمراہ حضور بودند فرمودند کہ آداب سماع ایں جانمزوک اند در مجلس سماع داخل نہ شوی[1]

"فوائد فریدیہ" میں آداب سماع کے عنوان سے تین آداب مقرر فرمائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کھانے پینے اور نماز کے وقت سماع نہیں ہونا چاہیئے دوسرے جب کوئی جگہ ناپاک ہو یا وہاں ایسی چیز موجود ہو جس کی طرف دل متوجہ ہو جائے تیسرا اور آخری یہ کہ جہاں کوئی منکر سماع موجود ہو[2] "فوائد فریدیہ" ہی میں ان تین آداب کے علاوہ سات دیگر آداب کا بھی ذکر موجود ہے۔ ان میں اہم یہ ہیں کہ سماع کے شروع میں کچھ سورتوں کا ورد کیا جائے سماع کے شرکا باوضو ہوں نشست کا انداز صلوٰۃ کے قاعدے جیسا ہو توجہ اشعار پر ہونی چاہیئے۔ مطربان کو کوئی لالچ نہ ہو جس بیت پر وجد آتے اس کا تکرار کیا جائے اور سماع کے خاتمے کے وقت پھر اسی طرح سورتوں کا ورد کیا جائے[3]

خواجہ غلام فرید عرس کے دنوں کے علاوہ بھی قوالی سنتے تھے۔ خصوصاً چاشت کے وقت کبھی کبھی عشاء کے وقت بھی شوق فرماتے تھے۔ برکت نامی خاص قوال تھا جس سے آپ قوالی سنتے تھے وہ آپ کی کافیوں کو بھی قوالی کی صورت میں گاتا۔ خواجہ فرید کے ملفوظات میں اکثر جگہ اس کا ذکر ملتا ہے بحیثیت صوفی خواجہ صاحب سماع میں دلچسپی لیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بحیثیت ایک شاعر ایک عاشق صادق اور ایک ذوق جمال رکھنے والے فرد کی حیثیت سے موسیقی اور رقص میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ملفوظات سے ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ وہ موسیقی اور رقص سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کے اسرار و رموز سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ رقص آپ کے نزدیک وجد میں آجانے کے بعد کی کیفیت ہے۔ جب دل پر قابو نہیں رہتا مقابیس المجالس میں لکھا ہے کہ

"کسی نے عرض کیا کہ حضور یہ وجد و رقص اور جنبش کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوتی ہے فرمایا پہلے جنبش دل کو ہوتی ہے اس کے بعد بدن کو ہوتی ہے۔ اگر دل

ص ۱۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ پنجم (فارسی قلمی) ، ص ۲۰۳ (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل ہوئی۔)

ص ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "فوائد فریدیہ" ص ۲۸

ص ۳۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" ص ۲۹-۳۰

Marfat.com

کہ جنبش کم ہے تو اس کا ضبط کرنا آسان ہوتا ہے اس وقت رقص کی نوبت نہیں آتی جب جنبش کا دل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کا روکنا ناممکن ہو جاتا ہے اس لئے رقص وجود میں آتا ہے،،[1]

اسی طرح موسیقی اور راگ و نغمہ کے اثرات و اسرار و رموز سے بھی آپ پوری طرح واقف تھے راگ کے موثر ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"راگ کی طرح دنیا میں کوئی چیز موثر نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ پیر کی ذات مبارک موجود ہو"،،[2]

راگ کی مختلف قسموں کے بارے میں آپ کی معلومات خاصی وسیع تھیں مقابیس المجالس کے مطابق

"آپ نے سرود اور راگوں کی تعریف کی اور فرمایا کہ اصول راگ جو ہندوستان میں مروج ہیں چھ ہیں اول بھیرمی، دوم سری، سوم میگھ، چہارم ہنڈول، پنجم مال کوس، ششم دیپک چنانچہ تمام راگنیاں ان چھ راگوں سے نکلی ہیں۔۔۔۔ فرمایا کہ اہل ہند کے یہ راگ منزل (نازل شدہ) ہیں وہ راگ تمام رشیوں اور اوتاروں پر جو پیغمبر ہیں حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف نازل ہوتے ہیں چنانچہ وید میں جو ایک نازل شدہ اور آسمانی کتاب ہے راگ اور رقص کے نزول کا ذکر آیا ہے۔"[3]

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کتاب "مطلع العلوم"، میں تمام راگوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور فرمایا کہ برکت قوال، جو کہ آپ کا خاص قوال تھا، کو چار سو راگنیاں یاد ہیں۔ صرف موسیقی میں ہی نہیں بلکہ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ فن شاعری کے اوزان و بحور میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے۔ علامہ نسیم طالوت کے مطابق

"آپ نے اپنی زبان میں نئے نئے اوزان اور نئی نئی بحریں ایجاد فرمائیں جو قبل ازیں رائج نہیں تھیں اوران کو رواج دیا۔ سندھی اور ہندی بحور واوزان کو بھی حضور نے اپنایا

ص ۱۔ بحوالہ مقابیس المجالس، حصہ چہارم از مرزا نارکن الدین، مترجم کیپٹن واحد بخش سیال، ص ۲۵، ۲۶

ص ۲۔ بحوالہ مقابیس المجالس، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۱۰۲۵

ص ۳۔ بحوالہ مقابیس المجالس، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۴۹۱ - ۴۹۲

Marfat.com

کی کوشش فرمائی اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ غرض علم عروض سے پورے واقف ہی نہیں تھے بلکہ اس کا علم میں اضافہ و ایجاد کا باعث ہوئے ۱؎،،

رقص و موسیقی اور فن شاعری کے علاوہ خواجہ غلام فرید علم جفر، علم رمل اور علم نجوم اور تاریخ نکالنے کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے۔ تاریخ نکالنے کے فن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں نے جتنی تاریخیں نکالی ہیں ان میں سے کچھ الہامی ہیں اور کچھ طبعی ہیں ۲؎

خواجہ غلام فرید کئی زبانیں جانتے تھے جن میں اردو، سرائیکی، فارسی، سندھی، ہندی اور پوربی زبانوں میں تو آپ کی شاعری ملتی ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ خواجہ غلام فرید کی اردو اور سرائیکی شاعری میں عربی تراکیب و الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ فرید کو ان زبانوں پر عبور حاصل تھا، اسی بنا پر علامہ نسیم طالوت نے آپ کو "ہفت زبان" کہا ہے علامہ نسیم طالوت کے مطابق

"ان سات زبانوں میں تو آپ مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس لحاظ سے آپ کو ہفت زبان کہنا کچھ بے جا نہیں ۳؎،،

ان سات زبانوں کے علاوہ خواجہ فرید نے ۱۸۵۷ء کے زمانے میں انگریزی ابجد اور رومن لکھنا سیکھی۔ خواجہ فرید کی انگریزی زبان سے واقفیت کے بارے میں رکن الدین ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ

"واندریں اثنا بسوئے میاں صاحب میاں فضل حق صاحب میگر دی روئے آوردہ فرمودند کہ تو چگونہ خط و کتابت انگریزی قلم نوشتن آموختی وے چنانچہ آموختہ بود عرض کرد آنگاہ ارشاد فرمودند کہ اکنوں ہم بنویس پس وے چند سطر حروف انگریزی نوشتہ پیش حضور کرد حضور آنرا خواندہ فرمودند کہ ایں بیت نوشتی

ع آرزو دارم کہ خاک آں قدم
توتیائے چشم سازم دم بدم

ص۱۔ بحوالہ "مقدمہ" دیوان فرید مرتبہ مولانا عزیز الرحمان، ص ۳۷

ص۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "مقابیس المجالس" مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص

ص۳۔ بحوالہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص ۳۸

Marfat.com

بعد ازاں حضور خواجہ ابقا اللہ تعالیٰ بتقاضہ سبحہ مبارک را نہادہ خود بدولت نوشتہ میاں صاحب موصوف را دادند وے برخواند وعرض کرد کہ قبلہ ایں بیت نوشتہ اید

ع آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
سگ را ولی کنند و مگس را ہما کنند

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ مسرور شدند ....

بعد ازاں میاں صاحب موصوف چند سطور بقلم انگریزی نوشتہ پیش کرد حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ آنرا برخواندند و فرمودند کہ ایں مصرع نوشتہ

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را گاہے گاہے[۱]"

ان کے علاوہ خواجہ فرید شاستری، گرمکھی زبان بھی جانتے تھے۔ آپ کی مجالس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

"اس وقت آپ شاستری زبان گرمکھی اور انگریزی کے قواعد خود لکھ کر خدام خاص کو پڑھا رہے تھے کیونکہ آپ کو علم لدنی حاصل ہے اور آپ تمام علوم و فنون اور حقائق و معارف کے سرچشمہ ہیں اس کے بعد آپ نے اٹھ کر نماز عصر ادا کی[۲]"

خواجہ غلام فرید نے تین شادیاں کی تھیں نور احمد فریدی کے الفاظ میں

"حضور نے ایک شادی چاچڑاں میں کی تھی جس سے آپ کے فرزند ارجمند خواجہ محمد بخش صاحب المعروف نازک کریم قدس سرہ تولد ہوئے اور ایک صاحبزادی بھی تھیں جو حضرت خواجہ فیض احمد صاحب کی والدہ محترمہ تھیں۔ ایک شادی حضرت نے ملتان میں کی تھی اور تیسری شادی روہی میں فیروزہ کے قریب لاڑ خاندان میں ہوئی[۳]"

خواجہ فرید کی تین بیویوں میں سے صرف ایک بیوی سے اولاد ہوئی جن میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی

ص۱۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ سوم، ص ۲۰۷

ص۲۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ دوم، (اردو ترجمہ)، ص ۲۰۵

ص۳۔ بحوالہ "دیوان فرید"، مرتبہ نور احمد فریدی، ص ۳۹

Marfat.com

ہیں خواجہ فرید نے اپنی اولاد کی پرورش، تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں کہ

"خواجہ صاحب نے ایک نیک و بلند کردار خاوند کے علاوہ ایک مشفق باپ کے بھی فرائض ادا کیے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ صرف کی اور ان کی شادی بیاہ کی ذمہ داریوں سے احسن طریق پر عہدہ برآ ہوئے۔ انکے فرزند خواجہ محمد بخش نازک جو بعد میں خواجہ صاحب کے جانشین ہوئے انہی کے تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو روحانی تعلیم ہی نہیں دینی و دنیاوی تعلیم بھی خود دی تھی"[1]۔

خواجہ فرید کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے پہلے تو آپ کے فرزند خواجہ محمد بخش نازک کا نام آتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے چند مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں۔ حضرت دیوان ولایت شاہ (اوچ بخاری) حضرت خواجہ فضل حق مہاروی، حضرت حافظ محمد، حضرت مولوی احمد بخش، مولوی خان محمد، میاں نبی بخش مہر والا، میاں جی محمد بخش، میاں محمد یعقوب، میاں بلند خان ناگوری، میاں عبدالرحمان الہ آبادی، مولانا رکن الدین، مولانا ابو محمد ابراہیم رزگوئی وغیرہ مشہور ہیں۔ ان سب کا تعلق مختلف علاقوں سے تھا۔ نزدیک و دور سے لوگ بڑے ذوق و شوق سے انہیں ملنے آتے تھے انہیں لوگوں میں ایک فقیر محمد عارف ولد قاضی محمد عثمان سکنہ لوہنگا محمد رمضان (لالی سوہنا کے قریب واقع ہے۔) بھی تھے، جو حضرت سلیمان تونسوی کے مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے سرائیکی اور اردو زبان میں دو منظوم سفر نامے ۱۳۰۱ھ میں لکھے، جن کو ڈاکٹر مہر عبدالحق سرائیکی اور اردو دونوں زبانوں کے حج کے بارے میں سب سے پہلے سفر نامے قرار دیتے ہیں[2]۔ یہ دونوں سفر نامے محمد عارف نے اپنے ہاتھوں سے لکھے اور یہ قلمی نسخے جناب حبیب فائق کے پاس موجود ہیں اور میں نے ان کی لائبریری سے استفادہ کیا ہے۔ سرائیکی سفر نامے میں، جس کا نام "گرہ غم" ہے فقیر محمد عارف نے خواجہ فرید کے ساتھ اپنی عقیدت اور ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے

تر بچھا ماہ محرم[3] کوں جاں ہویا فضل الہی   چھوڑ بہاولپور کوں ٹریم تھی خفتی سودائی

حوالہ ۱: خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص ۸۰

ح ۲: ملاحظہ فرمائیے "مزید لسانی تحقیقاں"، از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۲۸۳، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، بار اول جون ۱۹۸۵ء۔ ح ۳: بحوالہ سال ۱۲۹۸ ہجری ہے "گرہ غم" ص ۵

Marfat.com

دردرسیدہ سنگھڑ آیم پایم رنج تباہی — اتھوں طرف سنگھڑ دے گیوم مرشد چوکھ لائی
ہک مہینے تونسے رہیم سوزوں خبر نہ کائی — آیم پھر بہاولپور وچ واگاں وطن ولائی
آخر عشق بہاولپور وچ ڈھری بھاہ مچائی — شور غلام فرید صاحب سن چاچڑاں نظر ڈٹائی
ڈیکھ صورت من بھاونی مورت شکل غرور نکھائی — ترسے جہاڑے چاچڑاں اندر بہہ اوقات نبھائی
جو طرفوں جڑ بھاگی گیا تن من ہجر جلائی — بحر عمیق ڈس چودھاروں ٹھاٹھ غماں چڑھ آئی
وچ اخلاص احد کون پڑھیم پایم صدق صفائی — عارف پڑھ شکرانہ ہر دم یار آ رمز لگائی ہوا[1]

خواجہ فرید اردو سرائیکی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ اچھے واعظ اور مقرر بھی تھے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کا مجموعہ کلام "دیوان فریدی" کے نام سے موسوم ہے جس میں اردو کلام بھی شامل ہے جو غزلوں، قطعات، رباعیات اور نعتوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا دوسرا دیوان سرائیکی زبان میں ہے اور کافیوں کی صورت میں ہے۔ آپ کے اردو دیوان کی نسبت سرائیکی کلام کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ نثر میں آپ کا ایک رسالہ "فوائد فریدیہ" (فارسی) ہے جو سلوک و ولایت سے متعلق آپ کے افادات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی جو کہ مطبع محمدی مجتبائی لاہور سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی۔ آپ کی ایک اور کتاب "مناقب فریدیہ" ہے جو کہ دستیاب نہیں ہے۔ یہ آپ کی زندگی میں چھپ گئی تھی۔ آپ کی ایک کتاب "مناقب محبوبیہ" (فارسی) ہے جو آپ کے والد خواجہ خدا بخش کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ احمد سعید چشتی نے کیا اور اسے انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن نے "روحانی آرٹ پریس" سے شائع کروایا ہے۔

"ڈوہڑہ جات" کا ایک مجموعہ بھی خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا عنوان "ڈوہڑہ جات فریدی" ہے لیکن اس بارے میں محققین کا فیصلہ ہے کہ آپ نے دوہڑے نہیں کہے چونکہ یہ معانی اور سوز و گداز کے لحاظ سے آپ کی شاعری کے پلے کا ہے اس لئے اکثر اس کو خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے۔

خواجہ فرید کے وہ ملفوظات جو آپ مجلسوں میں مریدوں کے سوال و جواب کی صورت میں فرماتے تھے اسے ان کے مرید اور خلیفہ مولانا رکن الدین نے اشارات فریدی کی صورت میں فارسی زبان میں پانچ حصوں میں مرتب کیا ہے۔ اس کے پہلے چار حصے تو شائع ہو چکے ہیں لیکن پانچواں حصہ ابھی نہیں

---

[1] "کوہ غم" دربیان سفر بیت اللہ شریف و مدینہ، ص ۶ تا ۹ (قلمی نسخہ) از فقیر محمد عارف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

چھپا۔ مجھے اس کا پانچواں حصّہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے قلمی صورت میں دستیاب ہوا۔ رکن الدین نے خواجہ فرید کے ملفوظات "اشارات فریدی" المعروف "مقابیس المجالس" کے نام سے فارسی میں مرتب کیے۔ انہوں نے موضوعات کے حوالے سے ترتیب قائم نہیں کی بلکہ جیسے جیسے انہوں نے بذات خود سنا انہیں مراقبے کے مطابق، درس کے عنوان کے تحت مرتب کر دیا۔ یہ عنوان ہے "مقبوس نمبر" "مقبوس" کے شروع میں وقت، دن، مہینے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ "اشارات فریدی" کے آخری چار حصوں کا اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال نے "مقابیس المجالس" کے نام سے کیا ہے۔ جسے اسلامک بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے اور انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سی شیکل نے کیا ہے جسے بزم ثقافت، ملتان نے شائع کیا ہے

خواجہ غلام فرید نے تمام عمر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے فیضان سے منور ہونے کے لئے دور دور سے لوگ چاچڑاں شریف آتے اور بامراد لوٹتے۔ آخری عمر میں آپ کو ذیابیطس ہوا اور کچھ عرصے میں گھٹنے پر دنبل کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس مرض نے شدت اختیار کر لی۔ ربیع الثانی کے مہینے میں اس مرض میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ علامہ نسیم طالوت آپ کی زندگی کے آخری دن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "حضرت فرید بوقت سحر چار شنبہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ پلنگ پر سوئے ہوئے تھے دایاں ہاتھ سینے پر تھا۔ کمال استغراق کی حالت تھی اور شغل اسم ذات میں مصروف تھے۔ ضربات پے در پے جاری تھیں اسی حالت سرعت تنفس کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین بھی رو تا رہا۔ صبح کی نماز کے وقت دلاور خان خادم خاص نے دوائی پینے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا اس نے دوائی پلائی۔ اشراق کے وقت برکت علی ربابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی تو اتفاقاً آپ نے انکار فرما دیا پھر عرض کیا پھر بھی منع فرمایا۔ ضعف کمال تھا جو بہت جلد جلد بڑھنے لگا حتی کہ دوپہر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوتے اور مغرب کے وقت رحلت ہوئی۔ ۲؎"

۳۱، ۷ اوراق اور ۴۹۲ صفحات) اشعار کی تعداد ۶۸۰، ۱۳۰۱ھ کا تحریر کردہ) جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔ ۲؎۔ مقدمہ دیوان فرید از علامہ نسیم طالوت، ص ۱۰۶

Marfat.com

خواجہ غلام فرید نے ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ / ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء[1] میں وفات پائی۔ آپ کا مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔

خواجہ فرید بحیثیت شاعر

حضرت خواجہ غلام فرید بنیادی طور پر سرائیکی زبان کے شاعر ہیں لیکن جیسا کہ ان کے سوانحی حالات میں صراحت کی جا چکی ہے کہ وہ ہفت زبان تھے اور بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانیں جانتے تھے۔ اپنی مادری زبان سرائیکی کے علاوہ فارسی، عربی، سندھی، ہندی اردو، پنجابی اور انگریزی وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ سرائیکی کلام کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں اردو کلام بھی ملتا ہے۔ سندھی اشعار اور ہندی گیت کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب ایک جمالی صوفی تھے۔ اس لئے ذوق و وجدان کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے عشق حقیقی کی تمام منزلوں سے آشنا اور سلوک کی راہوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق مجازی کی لذتوں سے بھی نا واقف نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ ان کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دوشیزہ کی محبت میں سرشار رہے[2]۔ اس لئے وہ ان تمام لطیف جذبوں سے پوری طرح واقف تھے، جو ایک عاشق کو عشق و محبت کی کشمکش میں پیش آتے ہیں۔ جہاں ان کے کلام میں عشق مجازی کی گھاتیں، لمحات وصال کی کیفیات، ہجر و فراق کی کلفتیں، محبوب کے ناز و ادا، ظلم و ستم اور تیر نگاہ کے لگائے ہوئے زخموں کی تصویریں ملتی ہیں وہاں عشق حقیقی اور سلوک کی مسافتوں کے تمام حوالے بھی پائے جاتے ہیں یہ دونوں پہلو اور ان کی جزئیات محض سرائیکی شاعری تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی اردو شاعری میں بھی یہی جذبے کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ ہم یہاں خواجہ صاحب کی سرائیکی شاعری کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی سرائیکی شاعری پر بے شمار کتابیں اور مضامین موجود ہیں جن میں نہ صرف ان کے سرائیکی کلام کی وضاحت اور شرح کی گئی ہے بلکہ اس شاعری کے مختلف موضوعات اور مضامین پر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔

ھ ۱۔ تاریخ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔

ھ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (۱) روح فرید از رفیق خاور جسکانی (۲) خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری) از مسعود حسن شہاب۔

Marfat.com

سرائیکی شاعری

خواجہ فرید کی شاعری کے کئی رنگ ہیں۔ ایک رنگ وہ ہے جس میں تصوف، مسلک طریقت رشد و ہدایت، انسان دوستی اور اخلاق کا انمول خزانہ موجود ہے اسکو حقیقت کا رنگ بھی کہا جاسکتا ہے اور اسی بنا پر خواجہ صاحب کو "صوفی شاعر" تسلیم کیا گیا لیکن اس شاعری میں خواجہ صاحب کا رویہ تنگ نظر ملّا یا خشک زاہد کا نہیں بلکہ ایک وسیع المشرب، انسان دوست اور قول و فعل میں یک رنگ انسان کا ہے۔ انہوں نے شریعت، طریقت اور روحانیت کو سماجی زندگی سے ماورا تصور نہیں کیا بلکہ ان کو ہم رنگ بنا دیا۔ پھر تصوف کے مابعد الطبیعاتی مسائل، معجزات اور ماورائے عقل وقوعات کو اپنی شاعری کا عنوان بنایا بلکہ تصوف کے اس صحیح مفہوم کو موضوع شعر بنایا جس نے صوفیائے کرام کو انسان دوستی، محبت، اخلاص، شرافت، خدمت اور ریاضت کے عظیم جذبوں سے آشنا اور ہمکنار کیا۔ تصوف میں بلاشبہ بے ثباتی کائنات، جبر مشیت، احساس فنا، نفی ذات اور آرزوؤں کی پائمالی جیسے سلبی اور منفی رویوں کو تقویت ملی۔ معروضیت کے مقابلے میں داخلیت کا رجحان عام ہوا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان رویوں کے پیچھے ملوکیت اور آمریت کے نظام کے تحت مظالم، سیاسی خلفشار، سماجی بدنظمی، انسانی خون کی ارزانی، فکری انتشار اور عدل و انصاف کے فقدان جیسے اسباب و عوامل کارفرما تھے۔ تاہم کسی بھی صورت میں تصوف کو فرار، مردم بیزاری اور رہبانیت کے مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ صوفیا کی انسان دوستی، حلم و شرافت، مروّت و اخوت، انکساری، خدمت گزاری اور وسیع المشربی کو، ہر طرز زندگی کے مثبت رویوں اور شریف جذبوں میں شمار کیا جانا چاہیئے۔ خواجہ فرید کے یہاں یہی جذبے اور یہی رویے عام ہیں اور یہی ان کے کلام کا نمایاں رنگ ہے۔

بنسی خوب بتایاں باتاں — کجھ ڈسے راز الوکھیاں گھاتاں
گم تھیاں کوڑیاں ذات صفاتاں — لمن الملک دا دورہ آیا [1]

ترجمہ:۔ پیر و مرشد نے مجھے عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں جس میں پوشیدہ راز اور مخفی مقامات شامل ہیں۔ دنیا کے بھانت بھانت کے فرقے اور گروہ سب مٹ گئے اور عالم الغیب عالم

ح۱۔ دیوان فریدؒ جلد اول مرتبہ نور احمد فریدی، کافی نمبر ۲، ص ۱۵۹، مطبوعہ قصر الادب، جگو والہ، ملتان۔

Marfat.com

شہود میں تبدیل ہو گیا، یعنی ہر وقت حضوری حاصل ہے۔ [۱]

خمر طہوروں پی پیمانے | تھیوسے عاشق مست یگانے
بھل گئے صوم صلواۃ دوگانے | رندی مشرب سانگ رسایا (کافی نمبر، ص ۱۵۹)

ترجمہ:۔ پاکیزہ محبت کی شراب پی کر ایک بے مثال عاشق بن گئے اور مشاہدہ جمال بے مثال سے اس قدر مدہوش، بے خودی اور محویت طاری ہوئی ہے کہ نماز روزے کا ہوش تک نہیں رہا اور رندی مسلک کا سوانگ رچا لیا ہے۔

جب ہک رمز ملی توحیدوں | دل آزاد ڈٹھم تقلیدوں
تھی کر فرد فرید، فریدوں | سرّی روحی وعظ سنایا (کافی نمبر ۲۰۔ص ۱۶۰)

ترجمہ:۔ جب مسئلہ توحید کا ایک راز سمجھ میں آ گیا تو میرا دل دوسروں کے عقائد اور پیروی سے آزاد ہو گیا (غلام) فرید سے جب فرید فرد (فنافی اللہ) ہو گیا تو وہ بھی سرّی روحی کا وعظ سنانے لگ گیا۔

سن سمجھ رے زاہد جاہد توں | ہن عشق دے اے کلمات عجب (کافی نمبر ۲۳، ص ۲۶۹)

ترجمہ:۔ اے زاہد جاہد انسان! سن اور سمجھ کہ یہ عشق کی باتیں عجیب ہیں۔

ٹھپ فقہ اصول عقائد نوں | رکھ ملت ابن العربی دی (کافی نمبر ۲۳، ص ۲۷۵)

ترجمہ:۔ فقہ اصول اور عقائد کی کتابوں کو بند کر کے رکھ دے اور ابن العربی کا مسلک توحید وجودی اختیار کر!

اوہام عجب، ابہام عجب | اعلام عجب، الہام عجب (کافی نمبر ۳۱، ص ۳۵۴)

ترجمہ:۔ اوہام، ابہام، اعلام، اور الہام یہ تمام کیفیات عجیب ہیں۔

سٹ خرقہ بھٹ گھت سجادہ | جامہ جہاں شو پاک بہ بادہ
کردم پیر مغاں تاکید (کافی نمبر ۳۱، ص ۳۵۴)

ترجمہ:۔ مجھے مرشد کریم نے تاکیداً فرمایا ہے کہ درویشی کے لباس کو اتار کر پھینک دے اور سجادہ (مصلیٰ) کو آگ میں ڈال دے۔ دل کے لباس کو شراب محبت سے دھو کر پاک و صاف کر۔

---

[۱]۔ ان کافیوں کا ترجمہ نور احمد فریدی کے ترجمہ شدہ "دیوان فرید" سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

ملاّں مارن سخت ستاون　　　　　کجھ تے راز دا بھیت نہ پاون

بے بس شودے ہن معذور (کافی نمبر ۳۷، ص ۳۸۳)

ترجمہ:۔ علمائے ظواہر سخت تنگ کرتے ہیں، پوشیدہ اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے چارے بے بس اور معذور ہیں۔

ملوانڑے دے وعظ نہ بھانڑے　　　　　بے شک ساڈا دین ایمانے

ابن العربی دی دستور (کافی نمبر ۳۷، ص ۳۸۳)

ترجمہ:۔ ملاؤں کے وعظ پسند نہیں آتے، بے شک ہمارا دین و ایمان ابن العربی کا توحید وجودیہ ہے ہم انہی کا مشرب رکھتے ہیں اگرچہ ارباب ظواہر کم فہمی کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے"

حاجت نہ صوم صلواۃ دی　　　　　خواہش نہ حج زکواۃ دی

چاہت نہ ذات صفات دی　　　　　ہک شان وحدت جی مرک (کافی نمبر ۹۴، ص ۵۲۷)

ترجمہ:۔ انہیں نہ نماز روزے کی حاجت ہے اور نہ حج اور زکواۃ کی خواہش ہے بلکہ وہ ایسے مقام رفیع پر فائز ہیں جہاں انہیں بوجہ مشاہدہ انوار جمال الٰہی اپنے تن بدن کا ہوش تک نہیں!

پی کر فریدی جام توں　　　　　تھی رند مست مدام توں

ڈینہہ ڈینہہ ودھا رکھ گام توں　　　　　واہ واہ کرے ساری خلق (کافی نمبر ۹۴، ص ۵۲۷)

ترجمہ:۔ فرید کا کیف آور پیالہ پی کر تو مست الست رند بن جا۔ اور روز بروز قدم آگے کو بڑھا۔ تاکہ ساری مخلوق بے اختیار واہ واہ کر اٹھے۔

ابن العربی دی رکھ ملت　　　　　ٹھپ رکھ فقہ، اصول مسائل (کافی نمبر ۲، ص ۵۷۵)

ترجمہ:۔ اے سالک! فقہ اور اصول کی کتاب بند کر کے رکھ دے۔ صرف ابن العربی کا مسلک اختیار کر

سٹ سک غیر خدا دی　　　　　سب شئے وہم خیال (کافی نمبر ۷۳، ص ۵۷۶)

ترجمہ:۔ اللہ جل جلالہ کے سوا سب کچھ بھول جا کیونکہ ان تمام چیزوں کی حقیقت وہم و خیال کے سوا کچھ نہیں اور ان کا وجود غیر اعتباری ہے۔

خواجہ فرید کی شاعری کا دوسرا رنگ عشق و محبّت کا ہے آپ عشق و محبت کے جذبوں کو عام کرنے والے شاعر ہیں اور کائنات میں ہر طرف عشق کا ظہور دیکھتے ہیں۔ علاّمہ اقبال اور خواجہ فرید کے خیالات میں بہت سی اقدار مشترک موجود ہیں۔ مثلاً دونوں شاعر عقل پر عشق کو فضیلت دیتے

Marfat.com

ہیں۔ دونوں رجائی اور امید پرست شاعر ہیں۔ دونوں کے یہاں حرکت وعمل کی تلقین ہے۔ دونوں کٹھ ملائیت کے خلاف ہیں۔ دونوں سماج اور معاشرے کی اصلاح کا نظریہ رکھتے تھے۔ دونوں ترغیبات دینوی، منافقت اور آلائشوں سے پاک معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں۔ دونوں کے یہاں انسان دوستی اور دردمندی کے جذبے فراواں ہیں۔ ان مثالوں میں یہی مضامین ملاحظہ فرمایئے

عشق ہے ڈکھڑے دل دی شادی عشق ہے رہبر مرشد ہادی

عشق ہے ساڈا پیر، جیں کل راز سمجھایا (کافی نمبر ۸، صہ ۱۸۷)

ترجمہ:۔ عشق دکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا پیر و مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

عشق لگا گھر وسریا زر وسری درد وسریا (کافی نمبر ۱۲، صہ ۲۰۷)

ترجمہ:۔ عشق نے وہ محویت طاری کر دی ہے کہ گھر، زر اور درد سب بھلا چکی ہوں۔

دیر، کنشت، دوارہ، مندر مسجد، منبر وسریا (کافی نمبر ۱۳، صہ ۲۰۹)

ترجمہ:۔ دیر و کلیسا اور مسجد مندر، بلکہ منبر تک سب بھول گئے۔

دل پریم نگر ڈوں تانگھے جتھاں پینڈے سخت اڑانگے

ناں راہ فرید نہ لانگھے ہے پندھ بہوں مشکل دا (کافی نمبر ۱۵، صہ ۲۱۶)

ترجمہ:۔ دل محبت کے شہر کی طرف کھنچا جا رہا ہے جس کا سفر بے حد دشوار گزار ہے۔ اے فرید اس نگری کی طرف جانے کے لئے نہ راستہ ہے، نہ گزرگاہ اور سفر بھی انتہائی کٹھن ہے۔

پڑھ بسم اللہ گھولیم سر کوں چاتم عشق اجارا (کافی نمبر ۱۸، صہ ۲۳۲)

ترجمہ:۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر اپنے سر کو یار پر سے تصدق کر دیا اور عشق کا ٹھیکہ لے لیا۔

ہے ہے ظالم نیت مرادی

تھوڑے کھوٹ کما (کافی نمبر ۱۹، صہ ۲۳۸)

رجمہ:۔ ہے ہے ظالم! جیسی نیت ویسی مراد۔ میرے ساتھ دھوکہ فریب نہ کر!

چالیس پیچ فریبیں والی

ڈھولن ریت وٹا (کافی نمبر ۱۹، صہ ۲۳۸)

ترجمہ:۔ اے محبوب! یہ پیچیدہ، پرکار راہ و رسم محبت تبدیل کر دے۔ (اس سے بہت دکھ ہوتا ہے)

Marfat.com

بے ٹھاہی گزران نہ بھلی

بٹھ پیا کوڑ نبھا (کافی نمبر ۱۹، صہ ۲۴۵)

ترجمہ:۔ نااتفاقی اور مخالفت کی گزران اچھی نہیں۔ جھوٹے نباہ کو تو بھاڑ میں ڈال دینا چاہیئے۔

چاڑھیں توڑ نہ راہ وچ رولیں

رکھنا یاد وفا (کافی نمبر ۱۹، صہ ۲۴۶)

ترجمہ:۔ اے محبوب! آخری منزل تک میرا ساتھ دینا، راستے میں چھوڑ نہ دینا، اور میری وفا یاد رکھنا۔

ملاں مارن سخت ستاون گجھڑا راز دا بھیت نہ پاون

بے بس شودے ہن معذور (کافی نمبر ۳۷، صہ ۳۸۳)

ترجمہ:۔ علمائے ظواہر سخت تنگ کرتے ہیں، پوشیدہ اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے بے چارے بے بس اور معذور ہیں۔

ملوانے دے وعظ نہ بھانے بے شک ساڈا دین ایمان نے

ابن العربی دی دستور (کافی نمبر ۳۷، صہ ۳۸۳)

ترجمہ:۔ ہمیں ملاؤں کے وعظ پسند نہیں آتے۔ بے شک ہمارا دین و ایمان ابن العربی کا توحید وجودی ہے۔ ہم انہی کا مشرب رکھتے ہیں۔ اگرچہ ارباب ظواہر کم فہمی کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

خواجہ صاحب عشق کو رہبر مانتے ہیں۔ عقل کی حجت بازی، لیت ولعل، خود پرستی اور خود غرضی سے بے نیاز عشق کی سرمستی اور بے خودی میں ڈوب جاتے ہیں۔

پیش کیتا جیں فہم فکر کوں لیت ولعل دی ارکھر کوں

کر کر شکر نہ ڈتیں سر کوں عشق دی رہ وچ بھس پیا (کافی نمبر ۶، صہ ۱۹۶)

ترجمہ:۔ جس نے (عشق الہٰی میں) عقل کی توجیہات اور فلسفیانہ علم سے کام لیا۔ شبہات کی اگر مگر میں پڑ گیا۔ اس کی عطا کردہ زندگی پر شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی خوشی اپنا سر راہ حق میں پیش نہ کیا تو ایسا شخص راستے ہی میں ہمت ہار کر بیٹھ جائے گا، عشق کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

عشق ہے ڈکھڑے دل دی شادی عشق ہے رہبر مرشد ہادی

عشق ہے ساڈا پیر، میں کل راز بھایا (کافی نمبر ۸، صہ ۱۸۷

Marfat.com

ترجمہ:۔ عشق دکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا پیر و مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

عشق لگا گھر وسریا | زر وسری ورو سریا (کافی نمبر ۱۳، صہ ۲۰۷)

ترجمہ:۔ عشق نے وہ محبت طاری کر دی ہے کہ گھر، زر اور در سب بھلا چکی ہوں:

دیر، کنشت، ٹھاکر دوارہ، مندر | مسجد، منبر وسریا (کافی نمبر ۱۳، صہ ۲۰۹)

ترجمہ:۔ دیر و کلیسا اور مسجد مندر، بلکہ منبر تک سب بھول گئے۔

عشق نہیں ہے تیر بلا دا | ظلمیں چوٹ چلیندا (کافی نمبر ۱۴، صہ ۲۱۱)

ترجمہ:۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ کوئی بلا کا تیر ہے جو ظالمانہ چوٹ لگاتا ہے۔

ناز ادا کجھ کرے نہ ٹالا | حکمیں برہوں بھینیدا (کافی نمبر ۱۴، صہ ۲۱۱)

ترجمہ:۔ محبوب کے ناز و ادا بالکل باز نہیں رہتے۔ حکما و عشق کو ہمارے تعاقب میں لگتے ہیں

سوز وفراق تے دردا اندیشے | تن من پھوک جلیندا (کافی نمبر ۱۴، صہ ۲۱۲)

ترجمہ:۔ سوز و فراق اور درد اندیشے تن بدن اور دل کو پھونک کر جلا دیتے ہیں۔

ہجر فرید کیتی دل زخمی | دوست نہ مرہم لیندا (کافی نمبر ۱۴، صہ ۲۱۲)

ترجمہ:۔ اے فرید! ہجر نے دل کو زخمی کر دیا ہے اور دوست کی سرد مہری کا یہ عالم ہے کہ مرہم تک نہیں لگاتا۔

قسم خدا دی، قسم نبی دی | عشق ہے چیز لذیذ عجیب (کافی نمبر ۲۴، صہ ۳۰۸)

ترجمہ:۔ فرمایا! مجھے خدا اور رسول کی قسم ہے کہ عشق عجیب اور لذیذ چیز ہے۔

خواجہ صاحب کا عشق محض لذت وصال کا طالب نہیں رہتا اس میں ذوق سفر، پانے کی آرزو اور طلب کا جذبہ زیادہ نمایاں ہے۔ روہی کی علامت ان کے یہاں وسعت طلبی، لذت طلبی، شوق سفر اور امکانات کے منکشف کرنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ تھل اور روہی کا یہ سفری تجربہ ان کے یہاں تخلیقی تجربہ بھی بنتا ہے۔ اور ان کے حوصلوں کو استقامت اور جذبوں کو عزائم آشنا بھی کرتا ہے۔

تھل مارو ڈا پینڈا سارا | تھیسم ہک بلھا نگ (کافی نمبر ۶۸، صہ ۵۴۸)

ترجمہ:۔ مگر اے دل! تو گھبرا نہیں، اگر جذبہ عشق صادق ہے تو اس خونی صحرا کی مسافت ایک

Marfat.com

قدم سے زیادہ نہیں ہے۔

تتی تھی جوگن چو دھار پھراں — ہند سندھ، پنجاب تے ماڑ پھراں

سنج برتے شہر بازار پھراں — متاں یار ملم کہیں سانگ سبب (کافی نمبر۲۲، ص ۲۱۲)

ترجمہ:۔ میں سوختہ جگر، محبوب کی تلاش میں ہر طرف ماری ماری پھر رہی ہوں۔ کبھی ہند، سندھ، پنجاب اور مارواڑ کے جنگل چھانتی ہوں اور کبھی شہروں کے بازروں میں ڈھونڈھتی ہوں کہ شاید کسی بہانے محبوب کا کسی لباس میں دیدار ہو جائے۔

سنجڑی ستی کوں جیلیں رلایا — ہے ہے نیلول پھیرا نہ پایا (کافی نمبر۱۶، ص ۲۲۱)

ترجمہ:۔ نامراد سسّی کو پہاڑوں میں آوارہ پھرایا اور افسوس کہ پنل خان نے پھر ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔

اوہ ڈونگر تے جنگل بیلا — رولیوم شوق آوارہ (کافی نمبر۱۸، ص ۲۳۱)

ترجمہ:۔ محبوب کی تلاش نے مجھے پہاڑوں، دشوار گزار راستوں اور جنگلوں میں آوارہ بھٹکائے رکھا ہے۔

پنل تھیوں پاندھی یارا — چھڈ کے کھلڑی بر دیچ

ہر دم وتاں در ماندی یارا — سے سے روگ اندر دیچ (کافی نمبر۲۷، ص ۳۲۷)

ترجمہ:۔ اے میرے محبوب! تو مجھے بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا اور میں تیرے فراق میں سینے کے اندر سینکڑوں دکھ درد لئے ہر وقت تھکی ہاری اور پریشانی حال پھرتی ہوں۔

مارو تھل دے ڈکھڑے گھاٹے — گپ کھڈ، کھڑ بٹن کھوب گیائے

رات ڈینہا تڑپھاندی یارا — رولدی روہ ڈونگر دیچ (کافی نمبر۲۷، ص ۳۳۰)

ترجمہ:۔ جان لیوا ریگستان کے دشوار گزار راستوں میں چہار قدم قدم پر کیچڑ، کھڈ دلدلی ناہموار زمین اور تکلیف دہ رہگزار ہیں۔ رات دن تڑپتی اور بیتاب ہو کر لنڈ منڈ پہاڑیوں اور بیابانوں میں آوارہ اور سرگرداں پھرتی رہتی ہوں۔

یار بردیچل کاٹ — رلدی روہ ڈونگر دیچ

لائیس جوڑ کر باٹ — دلڑی جان جگر دیچ (کافی نمبر۲۸، ص ۳۳۱)

ترجمہ:۔ میں اپنے محبوب پنوں کی خاطر پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں میں بھٹک رہی ہوں اس نے دل، جان اور جگر میں خوب تاک کر تیر مارا ہے۔

Marfat.com

تھی راہی تھل مارو چلساں　　لانڈی تے لس بیلہ رلساں

سنج بر، بارکیتم گھر بار　(کافی نمبر ۳۹، ص ۳۹۵)

ترجمہ:۔ مسافرانہ وار آدم خور صحرا میں قطع مسافت کروں گی اور کبھی لانڈھی اور لس بیلہ کی بادیہ پیمائی کروں گی کیونکہ جب سے محبوب جدا ہوا ہے میں نے ویرانوں جنگلوں اور بیابانوں کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔

پہنچ ڈوں نِت سار جے تیں جیساں　　جے ول وِلساں کافر تھیساں

گل وچ پایم پریت مہار　(کافی نمبر ۳۹، ص ۳۹۷)

ترجمہ:۔ جب تک زندہ ہوں پہنچ جانے کی تگ ودو جاری رکھوں گی۔ اگر اس راستہ سے لوٹ آئی تو یقیناً کافر بھی جاؤں گی کیونکہ میں نے عشق ومحبت کی ڈوری کو گلے میں ڈال لیا ہے۔

اوکھیاں گھاٹیاں گاٹیاں چاٹیاں　　لاھیاں چاڑھیاں بھرا اٹھ کاٹھیاں

سجڑوں کھبڑوں سو سو غار　(کافی نمبر ۳۹، ص ۳۹۸)

ترجمہ:۔ محبوب کی تلاش میں بہت دشوار گذار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی چٹانیں اور پتھریلی نوکیلی سلیں خوفناک منظر پیش کرتی ہیں۔ راستے کے آثار چڑھاؤ بے حد مشکل اور ان کے دونوں پہلوؤں میں سو سو گہرے غار ہیں جنہیں طے کرنا ہفت خوان طے کرنے سے کم نہیں۔

خواجہ فرید کی شاعری کا تیسرا رنگ فطرت اور روہی کے مناظر کی تصویر کشی اور ان سے حسن اور رومان کی کشید کا ہے۔ خواجہ صاحب نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ ماحول روہی کا ہے جہاں پیلوں کیکر، ٹنڈ منڈ، درخت، سائے، سکوت، پرندے، سائیں سائیں کرتی ہوائیں، دور تک پھیلے ہوئے کھیت، رت بدلتے موسم، مناظر اور کیفیات کا تغیر موجود ہے۔ فطرت کا یہ تلون انسانی مزاج اور جذبوں کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ انسان کی داخلی کیفیت کے آثار چڑھاؤ کے حوالے سے مناظر کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ مناظر کے تلون سے خود انسانی مزاج بھی متاثر ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کی شاعری میں یہ روہی۔۔۔ ایک ایسا صحرا ہے جو عاشقانہ شاعری کے لئے زبردست محرک رہا ہے عشق وجنوں اور صحرا کا تعلق آج کا نہیں صدیوں کا ہے۔ خواجہ فرید کی شاعری میں روہی کا حوالہ وحشت اور دیوانگی سے بڑھ کر حسن اور دلکشی کا حوالہ بنتا ہے اس لئے کہ خواجہ فرید روہی کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک معصوم بچے کی طرح مچل اٹھتے ہیں۔ یہ مناظر ان کے لئے زبردست تخلیقی تجربہ بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

تڈرے چیکن گیرے گھوکن — جوکھاں ترکھاں لو نبیڑ کوکن

گوہیں شوکن سانپ پھوکن — نانگیں دی شوں شوں ہے یار (کافی نمبر ۴۲، صہ ۱۴)

ترجمہ:۔ اے دوست! روہی کی یہ حالت ہے کہ ہر طرف جھینگر کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ فاختاؤں کی گھو گھو، مگڑ بگڑا اور لومڑوں کا شور و غل۔ گوہ سانڈوں کی مخصوص آوازیں سانپوں کا پھنکارنا اور شوں شوں کرنا۔ انسانی طبیعت پر خوف و ہراس طاری کر دیتا ہے۔ اس بھیانک ویرانے میں سوائے عاشقان صادق کے اور کون رہ سکتا ہے۔

سوھنیاں ٹھیریاں ٹبڑے ٹھبڑے — نازو والے کرکلے وڑے

باہیں ٹوبھے پاڑے گھٹڑے — ڈھڑیں ڈو کھڑا دوں ہے یار (کافی نمبر ۴۲، صہ ۱۴)

ترجمہ:۔ اے محبوب اس صحرائی ماحول میں خوشنما کھنڈر، ٹیلے اور لمبی چوٹیاں، کتنی باعظمت اور پُر وقار معلوم ہوتی ہیں۔ نرم و نازک سنہری ریت، زرد رنگ کے روڑے کٹاؤ اور عمیق شگاف، کتنا خوشنما منظر پیش کرتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے تمام کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔

روہی محض بشارت درسوں — مرسوں، بھر سوں مول نہ ڈرسوں

بیدرداں دی دلڑی ترسوں — ڈینہہ راتیں گھوں موں ہے یار (کافی نمبر ۴۲، صہ ۱۴)

ترجمہ:۔ اے دوست! صرف روہی ہی وہ مقام ہے جہاں دیدار یار کی بشارت ملتی ہے اس لئے خواہ ہماری جان کیوں نہ چلی جاتے اور ہم مر مٹ کر ریزے ریزے کیوں نہ ہو جائیں وہاں جانے سے باز نہیں آئیں گے۔ البتہ بے دردوں کے سبب ہم پر پژمردگی ضرور چھائی ہوئی ہے اور دل ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔

سندھڑے رھٹن نہ ڈیندیاں — لگڑیاں تانگھاں پل پل (کافی نمبر ۵، صہ ۵۸۶)

ترجمہ:۔ جب سے روہی کے آباد ہونے کی خبر ملی ہے دل بے اختیار اس طرف کھچا جا رہا ہے اور روہی کی کشش سندھ میں رہنے نہیں دیتی۔

روہی مینگھ ملہاراں — کھمدیاں کھمنیاں آجکل (کافی نمبر ۵، ۷، صہ ۵۸۶)

ترجمہ:۔ روہی کے ریگزاروں پر آج کل بادلوں کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور بجلیاں کوند رہی ہیں

لانڑے پھوگ فرید دے — درد دلیں دے درمل (کافی نمبر ۵، ۷، صہ ۵۸۷)

ترجمہ:۔ روہی کے لانڑے اور پھوگ جیسے پودے بھی فرید کے درد دل کا علاج ہیں۔

Marfat.com

روہی وٹھڑی مینگھ ملہاراں   بوٹے بوٹے تھیاں گلزاراں
شالا موڑم دوست مہاراں   بھاگ سہاگ دی موسم آئیم (کافی نمبر ۶۷، صہ ۶۲۰)

ترجمہ:۔ بارش کے فیضان نے روہی کو شاداب کر دیا ہے اس پر بادلوں نے سایہ کر رکھا ہے اور ملہار گائے جا رہے ہیں ۔ ایک ایک بوٹا مجسم گلزار بنا ہوا ہے۔ خدا کرے میرا محبوب بھی اپنے اونٹ کی مہار ادھر کو موڑ دے کیونکہ میرے بخت نے پلٹا کھایا ہے اور بھاگ سہاگ کا موسم آ گیا ہے ۔

پھر انہیں مناظر میں ایک ایسا وسیب دکھائی دیتا ہے جو اپنے ساتھ تہذیبی اور ارضی تناظر لے کر ابھرتا ہے ۔ ٹیاں بلوتی جٹیاں، رل مل پیلوں چنتی سہیلیاں، جھمر ڈالتی الھڑ دوشیزائیں، گل پھل سے سنگاری ہوئی روہی، روہی کے عاشقانہ ملاپ اور وچھوڑے، لسی سے خاطر تواضع، بھیڑ بکریاں بیلے اور گائیں چراتے ہوئے چرواہے اور چرواہیاں، تھل مارو کی مسافتیں طے کرتی سسی پھر ویرانے، بیابان چولستان قطار در قطار کرہوں ، ٹبے، . . . یہ سب حوالے ایک مخصوص وسیب اور کلچر کو سامنے کر دیتے ہیں۔

وچ روہی دے رہندیاں   نازک نازو جٹیاں
راتیں کرن شکار دلیں دا   ڈینہاں ولوڑن مٹیاں
چھیڑن بھیڑاں بکریاں گائیں   بیلے گابے کٹیاں
کئی مسکین مسافر پھاتے   چور کیتو نے تڑٹیاں

(دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر ۱۳۶، صہ ۱۳۹)

آ چنوں رل یار   پیلوں پکیاں نی وے
کئی بگڑیاں، کئی ساویاں پیلیاں کئی بھوریاں کئی پھکڑیاں پھلیاں
کئی اودیاں گلنار کٹیویاں رتیاں نی وے   (دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر ۱۶۷، صہ ۲۷۰)

لیے روہی یار ملاوڑی وے   شالا ہوتے ہر دم ساوڑی وے
وچ بیسوں لسڑی گاوڑی وے   گھن اپنے سوہنے سیّں کوں

(کافی نمبر ۹۲، صہ ۲۷۶، جلد اوّل)

وادی ایمن تھل دے چارے   جتھاں بروچل کرہوں قطارے
ککرمے ٹبرے حسن کوہ طور (کافی ۳۷، صہ ۳۸۲، جلد اوّل

Marfat.com

گزری ڈکھ ڈوھاگ دی واری — روہی گل پھل نال سنگاری
مدمستانی ڈینہہ ملہاری — بادشمالی ترکے وو

(کافی ۱۴۹ ، ص ۱۸۵ ، جلد دوم)

جاں ڈیکھاں جھڑ مینہ کن مٹ کوں — رو واں کر کر یاد سجن کوں
اکھیاں بلکن منہ ڈیکھن کوں — گل لالوں کوں پھٹکن باہیں

(کافی نمبر ۸۹ ، ص ۶۵۳ ، جلد اوّل)

خواجہ فرید کا چوتھا رنگ رومانی رویّوں کا اظہار ہے یعنی ایک نئی دنیا کی تلاش، روایت سے بغاوت وفور جذبات، فکر و خیال کی آزادی، منفرد ہونے کا جذبہ اور حسن سے لطف اندوز اور متمتع ہونے کی آرزو ہے۔ ان کا خواب ایک ایسی بستی ہے جو سرسبز و شاداب ہے اس میں سوکھی سڑی بوٹیاں اور خار مغیلاں نہیں ہیں بلکہ نئے شگوفے اور نئی کونپلیں ہیں۔

تھیاں سرسبز فرید دیاں جھوکاں — ہیوں خشکی جائی سوکاں
نند نما ینو کھیر، مولا ماڑ وسایا (کافی نمبر ۸ ، ص ۱۹۰)

ترجمہ:۔ فرید کے ٹھکانے آباد و شاداب ہو گئے۔ سوکھے سڑے پودوں میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ گھاس کی فراوانی سے شیر دار مویشیوں کے تھنوں میں دودھ نہیں سماتا کیونکہ مولا کریم نے اپنے فضل و کرم سے ملک ماڑ (ریگستان) کو آباد کر دیا ہے۔

سو سو چھانگاں لکھ لکھ چھیڑو — وٹھڑے ری وہ ڈیون بند جھیڑو
روہی تھئی آباد جدید (کافی نمبر ۳۱ ، ص ۳۵۲)

ترجمہ:۔ مسافروں کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ روہی میں خوب بارش ہوئی ہے اور وہ اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ ہر طرف ہریاول ہی نظر آتی ہے اور جگہ جگہ سینکڑوں مویشیوں کے ریوڑ اور لاکھوں چرواہے خوش و خرم نظر آ رہے ہیں۔

سانول آویں ناں ترساویں — موسم چیتر بہاری وو یار
گھر گھر تھئی گلزاری وو یار (کافی نمبر ۴۶ ، ص ۴۲۸)

ترجمہ:۔ اے پیارے محبوب! اب مجھے زیادہ نہ ترسا اور آ کے گلے لگ جا کیونکہ اب تو بہار کا مہینہ چیت شروع ہو چکا ہے اور ہر گھر میں گل و گلزار نے رنگ جما رکھا ہے۔

Marfat.com

سانوݨ ڈینہہ سہاگ دے　　　ہر دم مینگھ ملہار (کافی نمبر ۵۴، ص ۴۷۴)

ترجمہ:۔ ساون کے دن عیش و مسرت کے دن ہیں آسمان ہر وقت ابر آلود رہتا ہے۔

پلہر پانٹی پیوں　　　تھیا تھل باغ بہار

ترجمہ:۔ باران رحمت نے روہی کو باغ و بہار بنا دیا ہے آؤ مل کر جوہڑوں سے برسات کا پانی پئیں۔

تھیاں سرسبز فرید دیا جھوکاں　　　ہرڑوں سبز تھیاں دل سوکاں
بختیں ڈاگ دلائی دو یار (کافی نمبر ۴۴، ص ۴۲۶)

ترجمہ:۔ فرید کی جھوکیں سرسبز ہو گئیں اور خداوند عالم کے فضل و کرم سے سوکھے اور جلے سڑے پودوں میں پھر جان پڑ گئی۔ قسمت نے ساتھ دیا اور بخت یاور ہوئے۔

ساون آیا، روہی وٹھڑی، بار تھئی گلزار (کافی نمبر ۶۱، ص ۵۱۳)

ترجمہ:۔ ساون آیا، روہی شاداب ہو گئی اور جنگل و بیاباں پر پھولوں کی کثرت سے بہشت بریں کا دھوکہ ہونے لگا۔

خواجہ فرید کے اس خواب نے انہیں ایک نئے دور کی تعبیر دکھائی ہے اور اسی لئے روہی کے لامحدود وسعتوں، چولستان کی ویرانیوں اور بنجر زمینوں کی بے آباد بستیوں کو دیکھ کر بھی وہ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے یہ گیت گنگناتے صحراؤں کے غیر مختتم سفر پر رواں دواں رہتے ہیں۔

حسن تھی فریدا شاد دل
موکھاں کوں نہ کریا دل
جھوکاں تھیسن آباد دل
ایہا ئیں نہ دھس ہک منتری[1]

---

[1] سرائیکی شاعری کی تشریحات اور تنقیدات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱)۔ "پریت جہاز" مرتبہ کریم تونسوی، ارشد ملتانی، ریاض انور، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان، بار اوّل ۱۹۶۱ء۔

(۲) "پیر فرید"، از حمید اللہ ہاشمی، مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور بار اوّل

(۳) "پنجابی کے پانچ قدیم شاعر (خواجہ غلام فرید ہجر و فراق اور درد و الم کا شاعر) از شفیع عقیل (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اُردو شاعری

صدیق طاہر نے ۱۹۷۲ء میں خواجہ غلام فرید کا اردو کلام "دیوان خواجہ غلام فرید (اردو)" کے نام سے مرتب کیا اور اردو اکیڈمی بہاولپور نے اسے شائع کیا، مرتب لکھتے ہیں۔

"تاریخ بہاولپور کی تدوین کے سلسلہ میں بہاولپور و ملتان کے متعدد و ممتاز علمی گھرانوں کے ذخیرہ ہائے کتب سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی تو ساتھ ساتھ یہ دیرینہ خواہش بھی بیدار رہی کہ کسی طرح حضرت خواجہ کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن تیار کیا جائے کیونکہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل نایاب ہیں۔ اس سلسلہ میں ملتان سے ہمارے ادیب دوست حاجی طاہر غنی، لیکچرار گورنمنٹ نارمل سکول، ملتان کی ذاتی توجہ سے حضرت خواجہ کے اردو دیوان کا وہ مکمل نسخہ ملا جو مدرسہ اولیسیہ حامد آباد، بہاولپور کا شائع کردہ ہے۔ اس سے پہلے میرے پاس یہی نسخہ موجود تھا۔ لیکن اس کے ابتدائی اور آخری کئی صفحات ضائع ہو چکے تھے اور صرف ۲۰ باقی تھیں۔ محترم حاجی طاہر غنی نے جو نسخہ مہیا کیا وہ کل ۴۸ صفحات پر محیط ہے اور

مطبوعہ انجمن ترقی اردو، کراچی اشاعت اوّل ۱۹۷۰ء

(۴) "خواجہ غلام فرید" (حیات و شاعری) از مسعود حسن شہاب مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور، بار دوم ۱۹۷۳ء

(۵) "پیام فرید" ترتیب و ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق (غیر مطبوعہ)

(۶) "گوہر شب چراغ" از ابو سعید محمد انور فیروز، مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ پریس ورکس لاہور، بار اوّل ۱۹۱۹ء

(۷) "فقر فرید" از محمد بشیر اختر، مطبوعہ نقوش پریس لاہور

(۸) "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان

(۹) "دیوان فرید" مرتبہ نور احمد فریدی

(۱۰) Kafees Translated by Gilani Kameran and Aslam Ansari Published by Bazm-e-Saqafat, Multan, Ist edition, June 1969.

(۱۱) "روح فرید" از رفیق خاور جسکانی، مطبوعہ بزم ثقافت، ملتان بار اوّل ۱۹۷۷ء

Marfat.com

مولوی فیض احمد اویسی مہتمم مدرسہ کے زیر اہتمام پاک الیکٹرک پریس ملتان میں چھپا ہے۔ اس میں مجموعی طور پر خواجہ صاحب کی ۱۰۴ منظومات شامل ہیں اس پر ملنے کا پتہ مدرسہ عربیہ حامد آباد ڈاکخانہ پکا لاڑاں لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ قیام ون یونٹ کے سال ۱۹۵۵ء کے بعد چھپا ہے صحت الفاظ کا اہتمام نہیں کیا گیا اور متن اغلاط سے پُر ہے دوسرا اور زیادہ مکمل نسخہ وہ ہے جو شمس الدین منور الدین تاجران کتب ملتان نے منشی رحیم بخش کے زیر اہتمام لاہور پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ سال اشاعت ۱۳۴۳ھ درج ہے گویا خواجہ فرید کی وفات کے ۲۳ سال بعد چھپا ہے البتہ اس پر "بحسن صحت تمام مصنف شیوہ کلام" تحریر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اشاعت کے لئے حضرت خواجہ فرید کا اپنا نسخہ حاصل کیا گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدقسمتی سے کتابت کے بعد کے پروف نہیں دیکھے گئے کیونکہ دوسری اغلاط کے علاوہ کئی جگہ مصرعوں میں الفاظ کی جگہیں خالی چھوڑی ہوئی ہیں غالباً ابتدائی قلمی تحریر کو کاتب حضرات نہیں پڑھ سکے۔ علاقہ طالوت مرحوم کے ملازمین سے بھی بعض اشعار کی صحت میں مجھے بہت مدد ملی۔ اس طرح باہمی موازنہ اور مقابلہ کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید کا یہ گلدستۂ کلام ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ قارئین تک پہنچائے جائیں اور ان کے اشعار بندش الفاظ کی اسی چاشنی کے ساتھ شائع ہوں جو حضرت خواجہ کے عہد میں اچھی زبان کا کا معیار تھا۔[۱]"

اس اقتباس سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں

(۱) مرتب کے دل میں حضرت خواجہ کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن شائع کرنے کی خواہش تھی جس کی تکمیل اس دیوان کو مرتب کر کے ہوئی۔

(۲) نصف صدی سے زیادہ عرصے قبل شائع ہونے والی کتب (غلام فرید) اب بالکل نایاب ہیں۔

(۳) اس سے پہلے مرتب ہونے والے کم و بیش تمام نسخے نامکمل، متن کی اغلاط سے پر، اور صحت

۱۔ "عذر تقصیر" از صدیق طاہر (دیوان خواجہ غلام فرید اردو) ص ۱۲، ۱۳، مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور

Marfat.com

الفاظ سے عاری ہیں۔

(۴) مرتب کا دعویٰ ہے کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوتے ہیں۔

مرتب کی کچھ باتیں درست ہیں۔ جہاں تک ان کی پہلی خواہش کا تعلق ہے وہ یقیناً نیک خواہش تھی۔ جس کی تکمیل کر کے انہوں نے ایک علمی خدمت انجام دی ہے۔ ان کی تیسری بات بھی بالکل درست ہے کیونکہ میری نظر سے بھی جتنے نسخے گزرے ہیں وہ سب کے سب ناقص اور نا تمام بھی ہیں اور ان خامیوں سے پُر ہیں جن کا ذکر مرتب نے کیا ہے لیکن جہاں تک دوسرے اور چوتھے دعوے کا تعلق ہے وہ صحیح نہیں ہیں یعنی ایک تو یہ کہ

"نصف صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل نایاب ہیں"

چونکہ مجھے خوش قسمتی سے تین نسخے تو ایسے دستیاب ہوئے ہیں جو خود خواجہ فرید کی زندگی میں شائع ہوئے اور ان کو چھپے ہوئے سو سال سے زیادہ ہوئے ہیں، ان کے علاوہ کئی دیگر نسخے بھی ملے ہیں رہا یہ دعویٰ کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ موجودہ دیوان بھی متن کی اغلاط سے پر ہے۔ الفاظ کی املا تک درست نہیں ہے۔ اشعار کے اوزان غلط ہیں۔ کتابت کی بے شمار خامیاں اور کوتاہیاں ہیں۔ ان سب کی تفصیل آگے آئے گی۔ مختصر یہ کہ یہ نسخہ کسی لحاظ سے بھی قابل رشک نہیں ہے البتہ اسمیں شک نہیں کہ موجودہ دیوان میں صدیق طاہر نے وہ سارا کلام یکجا کر دیا ہے جو مختلف دواوین میں بکھرا ہوا اور منتشر صورت میں تھا اور ان کا یہ کارنامہ قابل داد ہے۔

مجھے جو نسخے دستیاب ہوتے ہیں، ان میں سے پہلا دیوان وہ ہے جو ۱۸۸۲ء / ۱۲۹۹ھ میں مطبع قادری لاہور سے شائع ہوا۔ یاسمین قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے میں انکشاف کیا ہے "دیوان (دیوان فرید مراد) کا قدیم ترین نسخہ ۱۸۸۴ء میں چھپا تھا[1]"۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ پہلا مطبوعہ دیوان ۱۸۸۲ء کا ہے جو میرے پاس موجود ہے ۳۶۰ صفحوں کے اس دیوان میں کل گیارہ اردو غزلیات شامل ہیں، باقی سرائیکی کلام ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ۱۸۸۴ء والا دیوان خالصتاً اردو

۱۔ بحوالہ مقالہ برائے ایم اے اردو ۱۹۸۳ء بعنوان "خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری" از یاسمین قریشی، ص ۱۱ (غیر مطبوعہ)

Marfat.com

کلام پر مشتمل ہے جبکہ ۱۸۸۲ء اور اس کے فوراً بعد والا دیوان مخلوط ہے یعنی اردو اور سرائیکی.....

دوسرا دیوان ہو بہو ۱۸۸۲ء والے دیوان کی نقل ہے جسے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور نے شائع کیا۔ اس میں بھی وہی گیارہ غزلیں شامل ہیں۔ البتہ تیسری غزل کا مقطع چھپنے سے رہ گیا ہے، باقی تمام غزلیں جوں کی توں ہیں، مقطع یہ ہے۔

نہ آج کا کہ ناصح کی پند سے بدلے
کہ ہے ازل سے دلآرام کا غلام فرید

اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۴ء کے درمیانی عرصے میں شائع ہوا کیونکہ ۱۸۸۴ء/۱۳۰۱ھ میں جو دیوان مطبع رونق آگیں گلزار محمدی سے شائع ہوا وہ ۱۸۸۲ء اور اس کے بعد سٹیم پریس سے چھپنے والے دیوان سے بالکل مختلف ہے اس میں صرف اردو کلام ہے۔ ۲ قطعے ۴، رباعیاں، ایک مخلوط نظم اور ۹۸ اردو غزلیں ہیں۔

مجھے دیوان فرید اردو کا وہ نسخہ بھی ملا ہے جو مکتبہ اولیسیہ، رضویہ الیکٹرک پریس ملتان کا شائع کردہ ہے اور جس کا ذکر صدیق طاہر نے اپنے عذر تقصیر میں کیا ہے[1]۔ اس پر بھی سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن صدیق طاہر نے اس کا سال اشاعت ۱۹۵۵ء قرار دیا ہے[2]۔ اس میں ۹۲ اردو غزلیں، ۷ رباعیات ایک سرائیکی اردو مخلوط نظم شامل ہیں۔ ان نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ غلام فرید کے اردو کلام کی اشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۲ء سے شروع ہوا۔ اس کلام کی اشاعت کے بعد خواجہ صاحب کم و بیش ۲۰ سال تک زندہ رہے۔ (وفات ۱۹۰۱ء) ظاہر ہے انہوں نے سرائیکی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری بھی کی ہوگی۔ اس لئے ۱۸۸۲ء میں طبع ہونے والی اردو غزلیات کی تعداد صرف گیارہ ہے جبکہ صرف دو سال بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں چھپنے والے اردو دیوان کی غزلوں کی تعداد ۹۸ ہے۔ صدیق طاہر کے مرتبہ اردو دیوان میں بھی ۹۸ غزلیں، ۹ رباعیات، ۲ قطعے اور ایک سرائیکی اردو مخلوط نظم ہے۔ گویا ۱۸۸۴ء میں چھپنے والے دیوان اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس دیوان میں سات رباعیات کا اضافہ ہے چنانچہ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ۱۸۸۴ء کے بعد غالباً

۱۔ دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتبہ صدیق طاہر، ص ۱۲

۲۔ .... ایضاً .... ص ۱۳

Marfat.com

خواجہ صاحب نے اردو میں کچھ نہ کہا کیونکہ صدیق طاہر کا مرتب کردہ دیوان بنیادی طور پر وہی ہے جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا تھا اور اس میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہے۔

گویا خواجہ غلام فرید کے اردو کلام کا زمانہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۱ء تک کا ہے اس لحاظ سے خواجہ صاحب داغ (۱۸۳۱ء - ۱۹۰۵ء) جلال اور امیر کے ہمعصر رہے۔ غالب کی وفات ۱۸۶۷ء کے وقت ان کی عمر ۲۲ سال (پیدائش ۱۸۴۵ء) تھی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کے زمانے تک اردو غزل کی روایت نہایت پختہ اور مضبوط ہو چکی تھی۔ دلی اور لکھنؤ دبستان شاعری اپنے اپنے عروج کا زمانہ دیکھ چکے تھے۔ غزل کا قدیم رنگ تغزل اپنا رنگ جما کر رخصت ہو رہا تھا اور غزل کی اصلاح اور تبدیلی کے لئے حالی (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) کی تجاویز سامنے آ چکی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نہ صرف ان تبدیلیوں سے ناواقف تھے بلکہ اردو غزل کے رنگ قدیم سے بھی پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے کلام میں سودا، ظفر، اور ناسخ کے حوالے موجود ہیں مثلاً

اس ملک میں ہے کون کہ نظم اپنی کو سمجھے
ناسخ کو بھی یہ درد کا نسخہ نہیں آتا (ص ۳۴)

سودا کہے جی دیکھے غزل تیری اے فرید
سو رمز ہے نہاں ترے اک اک سخن کے بیچ (ص ۵۰)

کس ناسخ خوباں کے ہیں سودے سے یہ اشعار
ہے ناسخ و سودا مرے دیوان پہ قربان (ص ۷۲)

جل جاتا آگ رشک سے ناسخ بھی اے فرید
سنتا کسی سے تیرے جو شعر آبدار کو (ص ۸۴)

نظم سخی کا ترا دیکھ کے اعجاز فرید
آفریں کے لئے دہلی سے ظفر آتا ہے (ص ۹۲)

ان اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو غزل کے اساتذہ کا کلام ان کے مطالعے میں آیا تھا بلکہ مندرجہ

ھ ۱۰- اردو شاعری کے جائزے کے لئے صدیق طاہر کا مرتب کردہ "دیوان خواجہ غلام فرید" (اردو) سامنے رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

بالا اشعار میں سے پہلے شعر کو پڑھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ فرید نے ناسخ کا مطالعہ گہرائی میں جا کر کیا کیونکہ ناسخ کی شاعری واقعی درد سے خالی ہے۔ پھر لکھنؤ دہلی اور علی گڑھ تک ان کے سفر کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ اگر وہ سر سید جیسی اہم شخصیت سے ملے تو دوسری کئی ایک چھوٹی بڑی شخصیتوں سے بھی ان کی ملاقات ہوئی ہوگی اور وہاں انہوں نے اردو زبان و ادب کا صحیح محاورہ اور روزمرہ سنا ہوگا لیکن کلام اساتذہ کے مطالعے اور زبان اردو کے مرکزی مقامات تک رسائی کے باوجود ان کے یہاں اردو زبان کا وہ ترشا ہوا لب و لہجہ اور منجھا ہوا انداز موجود نہیں ہے جو ہمیں اساتذہ قدیم کے یہاں ملتا ہے بلکہ ان کے ایک ہمعصر اور ہم زبان شمس الدین گیلانی[۱] کے کلام میں خواجہ صاحب کے کلام کی نسبت کہیں زیادہ ترقی یافتہ لب و لہجہ اور ایسا اسلوب نظر آتا ہے جو اہل زبان کا حصہ تھا مثلاً

یہ تیرے عشق کی تاثیر ہے اللہ اللہ
رات پھر نالہ شبگیر ہے اللہ اللہ
جاں بہ لب آئی پر آنے کا نہیں اس کو خیال
سنگدل وہ بت بے مہر ہے اللہ اللہ[۲]

یا

مہر رکھتا نہیں کچھ وہ مہ تاباں میرا
وحشت دل نے کیا حال پریشاں میرا
چشم مست دکھا کر کے گیا جب وہ شوخ
واسدا رہتا ہے یہ دیدۂ گریاں میرا[۳]

یا

یاد آتی ہے جب تری گفتار — سر ہے اور سنگ یا در و دیوار
تیری فرقت میں اے گل خنداں — شور و فریاد ہے بہ رنگ ہزار

۱۔ شمس الدین گیلانی کا دیوان ۱۸۶۴ء میں تکمیل پا چکا تھا البتہ چھپنے کی نوبت ۱۹۶۶ء میں آئی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "ارمغان اوچہ"، ص ۱۳ اور "بہاولپور میں اردو" از مسعود حسن شہاب، ص ۸۴
۲۔ "ارمغان اوچہ" مرتبہ سید نذیر علی شاہ، ص ۳۳، مطبوعہ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور ۱۹۶۶ء
۳۔ .... ایضاً .... ص ۳۴

زور و زر کچھ نہیں جو دہ آدے　　　نقد دل تھا سو کر چکے ہیں نثار ط۱

لیکن خواجہ صاحب کے یہاں اردو غزل کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے۔ جا بجا زبان و بیان، لب و لہجے روزمرّہ اور محاورے کی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سے مصرعے اور اشعار وزن سے خالی ہیں۔ فنی کوتاہیاں اور خامیاں بھی موجود ہیں اس میں شک نہیں کہ کچھ کتابت اور طباعت کی کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی ہیں لیکن کلام کے سقم بھی کچھ کم نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض غزلوں کے کچھ اشعار معیاری ہیں اور ان میں ایک منجھا ہوا انداز موجود ہے لیکن بحیثیت مجموعی یوں لگتا ہے کہ خواجہ صاحب تفنن طبع کے لیے اردو شاعری کرتے تھے۔ اپنے سچے اور بکھرے ہوئے جذبوں کو سرائیکی زبان ہی کے حوالے سے ادا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں آ چکی ہے۔ یہاں اردو دیوان سے چند ایک غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

فرید اب افتتاح دفترِ دیوان کی کیجو

کہ تا دیوانے بن جاویں ہزاروں تیرے دیواں سے　(ص ۲۷)

مقطع میں "دفترِ دیوان" کی ترکیب غلط ہے یہاں نون کا اعلان جائز نہیں ہے البتہ شعر وزن میں ہے۔

ارے زاہد تو مت نازاں ہو اپنے زہد لاشے پر

عباداتوں سے ہے فائق بتوں کا پوجنا میرا　(ص ۲۸)

شعر میں عبادت یا عبادات کی جمع "عباداتوں" غلط ہے

میں ہوں سگِ آستانۂ فخرِ جہان کا

شیروں سے فوق مرتبہ ہے میری شان کا

پہلے مصرعے میں "سگ آستانہ" (اضافت کے ساتھ) کی ترکیب نے شعر بے وزن ہو گیا ہے اگر سگ آستانہ "(بغیر اضافت کے) استعمال ہو تو یہ وزن میں ہو سکتا ہے اس طرح آستانہ کی الف کو وصل کیا جائے گا جو جائز ہے اس مصرعے میں "فخر جہان" کی ترکیب بھی غلط ہے نون کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

نہ دیر کی طلب ہے نہ کعبہ سے التفات

ساجد ہوں پنج وقت میں پیرِ مغان کا　(ص ۳۰)

ط۱ "ارمغان اوچھ" مرتبہ سید نذیر علی شاہ، ص ۴۱

Marfat.com

اس شعر میں بھی "پیر مغان" کی ترکیب میں نون کا اعلان درست نہیں۔

باغ جناں کا پھول ہے زخم اس کے واسطے
نخچیر جو ہے یار کے نوکِ سناں کا (ص ۳۰)

دوسرے مصرعے میں "نوک سناں" کی ترکیب میں بھی نون کا اعلان درست نہیں جبکہ نون غنہ پڑھنے سے مصرعہ بے وزن ہو جاتا ہے۔

ہجر و وصال واصل ماجور ہے وہی
حق الیقین میں شائبہ کب ہے گماں کا (ص ۴۰)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر "اصل" کے بعد "ہے" لگا دیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو سکتا ہے دوسرے مصرعے میں "حق الیقین" میں نون کا اعلان کاتب کی غلطی ہے "یقیں" کے ساتھ مصرعہ وزن میں ہے۔

دونوں جہاں میں میرے لئے وہ ہے اے فرید
خواہ رتبہ ہو مکاں کا یا مکان کا (ص ۳۰)

مقطع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے "خواہ" کی جگہ "جا" پڑھنے سے مصرعہ وزن میں ہو گا۔

طوفِ احرام و مناسک حج کے سب بھولے فرید
کعبے میں جب وہ بت ایماں شکن یاد آ گیا (ص ۳۱)

مقطع کے دوسرے مصرعے میں "ایمان" میں نون کا اعلان پروف ریڈنگ کی غلطی ہے "ایماں" پڑھنے سے مصرعہ وزن میں ہو گا۔

اس زلف مضطرب کی تاثیر دیکھیو
اپنی مثال مجھ کو بھی مضطر بنا دیا (ص ۳۲)

شعر کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر لفظ تاثیر سے پہلے "بھی" کا اضافہ کر لیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو جائے گا۔

کیا ہی پامال ہوئے جان و جگر اور دل و جان
عشق کو ایک قوی غضَب خدا کا دیکھا (ص ۳۵)

شعر کے دوسرے مصرعے میں غضْب کی بجائے غضَب استعمال ہوا ہے جو غلط ہے ویسے مصرعہ وزن میں ہے۔

Marfat.com

میں نے بیتابیٔ دل اپنی کا نقشہ سمجھا
آسماں پر کبھی جب گرد و بگولا دیکھا (ص ۳۶)

شعر کے دوسرے مصرعے میں "گرد و بگولہ کی ترکیب غلط ہے۔

اتنی کسی پیر کی درگہ پہ نہیں ہوتی ہے خلق
اپنے پیر کے گھر پر جو میں نے میلہ دیکھا (ص ۳۷)

پہلے مصرعے میں اگر "کسی" کی بجائے "کس" پڑھا جائے تو مصرعہ وزن میں ہوگا، ورنہ بے وزن ہے۔

جس کو ہر دم وصفِ آزادی میں کہتے تھے فرید
آپ اسیرِ پیچشِ زلفِ دوتا کیونکر ہوا (ص ۴۰)

اس مقطع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

ہجر کے ایام میں چینِ جگر جاتا رہا
گلبنِ آرامِ دل کا برگ و بر جاتا رہا (ص ۴۱)

پہلے مصرعے میں "چینِ جگر" کی ترکیب غلط ہے۔

پھر مری آنکھوں سے اب خونِ جگر پیدا ہوا
بارِ دگر درد کا دل میں شجر پیدا ہوا (ص ۴۵)

اس مطلع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

رشکِ لبِ دلدار سے شیرینی ہوئی تلخ
اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (ص ۴۶)

شعر کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

احوال میرا دیکھ کے جو اس نے کیا مجھ پہ
ظلم و ستم و جور اور بیداد بہت رویا (ص ۴۶)

اس شعر کا بھی دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

جس کی نظر ہے میرے لیے خوں بہا مرا
آنکھوں چھپا کے خون بہا کے چلا گیا (ص ۴۷)

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے "خوں" لکھا گیا ہے حالانکہ خون ہوتا

Marfat.com

چاہیئے تھا کیونکہ نون کے اعلان ہی سے مصرعہ وزن میں ہوگا۔

گر عشق نہ ہوتا دغم عشق نہ ہوتا
پژمردہ یہ اتنا دل غمگین نہ ہوتا (ص ۴۸)

دوسرے مصرعے میں "دل غمگین" کی ترکیب غلط ہے۔ یہاں نون کا اعلان جائز نہیں۔

کیوں نزع میں بھی پیاس گو کو ہے اس کی
گر آب تری تیغ کا شیریں نہ ہوتا (ص ۴۸)

اس شعر میں "شیریں"، وزن میں نہیں البتہ تلفظ سے درست ہے۔ اگر "شیرین" ہوتا تو مصرعہ وزن میں ہوتا۔

پردیسی جب اس نور نظر رخ کو نکالا
سب کہنے لگے سلمک اللہ تعالیٰ (ص ۴۹)

اس شعر میں سلمک کو سل مکا پڑھنا پڑتا ہے۔

صیہات وہ کرتا نہیں مشاق پر شفقت
افسوس کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا (ص ۴۹)

اس شعر میں شفقت "سے پہلے "پر"، کی بجائے "پہ"، ہونا چاہیئے۔

آوارہ میں وحشت کے بیاباں کا ہوں آنا
اک دو دی مریدوں سے ہماری ہے عالا (ص ۴۹)

اس شعر میں "شتر گربگی"، ہے پہلے مصرعے میں "ہیں"، ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں "ہماری" اس طرح ازالہ کو ع۔الا لکھا گیا ہے۔

بتوں کو دیکھ کے بھولا ہے کلمہ اسلام
یہ ابتدائے رسالے مرے کی ہے تحمید (ص ۵۰)

دوسرے مصرعے میں تنقید "ہے" ابتدائے رسالے، کی بجائے "ابتدائے رسالہ" ہونا چاہیئے اسی طرح تمہید کی بجائے "تحمید" کتابت کی غلطی ہے۔

جو آستان جناب بتوں کے ہیں ساجد
نہیں ہے رحمت حق ایک آن ان سے بعید (ص ۵۱)

Marfat.com

اس شعر میں "آستاں"، کی اضافت درست نہیں "غالباً" شاعر "آستانے" لکھنا چاہتا ہے۔

گھونگھٹ نہیں کوئی رخ دلدار کو ہرگز
ہیں پردہ فرید آپ میانہ سے تو برخیز (ص ۵۳)

مقطع کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

صفحہ نمبر ۵۵ پر جو غزل ہے۔ اس میں سوائے دو قافیوں کے باقی تمام زیر کے قافیے ہیں یعنی کامل، حاصل، ساحل شامل وغیرہ۔ شاعر نے ان میں بادل اور لا یعقل کے زیر کے قافیے بھی شامل کردیے ہیں۔ آزاد قافیے کا اعلان مطلع میں ہونا چاہیئے تھا۔

دھن میں آہ جگر میں شرار دل میں آگ
جحیم سے ہیں بہتر مجھ پہ ہجر کے ایام (ص ۵۶)

شعر کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

فرید اپنے عقیدے کو میں نے کیا ہے میاں
جو معتقد ہوا سی کا اسی کو مجھ سے سلام (ص ۵۶)

مطلع کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

صفحہ نمبر ۶۳ پر غزل میں حال پنہاں، خوں نشاں، خانماں، تینوں میں "ن" کا اعلان کیا ہے جو غلط ہے۔

دو چند اوس سے ہوتا ہے جو اس کا بیشتر
سو بار جان و دل سے اگر ہم وفا کروں (ص ۶۴)

پہلے مصرعے میں "اس" کی بجائے "اوس" کا استعمال کیا گیا ہے "اس" ہی سے مصرعے وزن میں پڑھے جائیں گے دوسرے مصرعے میں ہم وفا کی بجائے "میں وفا" درست ہوگا۔

جاناں تجھے ستمگر نہ کہوں تو کیا کہوں
تیری نگہ کو خنجر نہ کہوں تو کیا کہوں (ص ۷۰)

اس ساری غزل میں دوسرے شعر کا پہلا تیسرے شعر کا پہلا، چوتھے شعر کا پہلا، پانچویں شعر کا پہلا اور چھٹے شعر کا پہلا مصرعہ وزن میں ہے۔ ان کے علاوہ بے وزن مصرعے یہ ہیں۔

ع تجھ کو خدا کا مظہر نہ کہوں تو کیا کہوں

Marfat.com

ع جلوہ کو تیرے محشر نہ کہوں تو کیا کہوں

ع ساجن کے دل کو پتھر نہ کہوں تو کیا کہوں

ع ان کو جہاں کا سرور نہ کہوں تو کیا کہوں

ع میں آپ کو سمندر نہ کہوں تو کیا کہوں

۵۰- مشکل کشا فرید نہیں غیر اس کا کوئی
ان مشکلوں میں حیدر نہ کہوں تو کیا کہوں

ہر لحظہ ترے حسن کے سامان پہ قربان
اے جان، مری جان ہے تری جان پہ قربان (ص-۱)

اس مطلع والی غزل میں دوسرے تیسرے شعر کے پہلے، اور دوسرے اور پانچویں شعر کے دوسرے مصرعے میں تمام تراکیب میں نون کا اعلان وزن کو پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہے حالانکہ درست وجائز نہیں ہے

بندۂ زلف بتوں کا میں دل وجان سے ہوں
لوگ ہیں کفر سے آزاد میں ایمان سے ہوں (ص-۲)

اس غزل میں چوتھے، آٹھویں اور دسویں مصرعے میں ترکیب کے ساتھ "نون" کا اعلان وزن پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

کوہ طور اور وادی ایمن کے نور میں
موسیٰ ہیں مار میں ید بیضا میں ہے عیاں

اس شعر کے پہلے مصرعے میں "کوہ طور" کی بجائے "کوطور" وزن میں درست آتا ہے "ہ" لگنے سے مصرعہ بے وزن ہو گیا ہے۔

کہیں ہوں زینت صحرا کہیں ہوں زیب ہاموں کا
کہیں خاشاک کوہستان کہیں ریگ بیاباں ہوں (ص-۸)

دوسرے مصرعے میں کوہستان کی نون وزن میں نہیں آتی۔

خیال زلف ودنداں ولب خوباں عالم میں
بیابان ختن بحر عدن کوہ بدخشاں ہوں

اس شعر کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

Marfat.com

نقیب اپنا فغاں ہے چتر سر پر درد آہوں کا
بگولہ شامیان کیا قوی سلطاں حرماں ہوں (ص ۸۰)

دوسرے مصرعے میں "سلطاں حرماں" ہے اگر "سلطان حرماں" کر لیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو جاتا ہے۔

وصال دوست جی چاہیں من دسے ماگز زمارا
خیال صورت دلدار کو من میں ٹکا تارہ (ص)

فراغت پلکے سب اغراض دنیا دیں سے
صنم کے غم کے بیٹھے وادیٔ دل میں جما تارہ (ص ۸۲)

دونوں شعروں کے پہلے مصرعے وزن میں نہیں ہیں۔

جماعت کہتی ہے جو عمل صالح تجھ سے سرزد ہو
ہمیشہ چشم و گوش اغیار سے اس کو چھپا تارہ (ص ۸۳)

پہلے مصرعے میں عَمَل کو وزن پورا کرنے کے لئے عَمُل باندھا گیا ہے۔

دردوں کا گر شمار کروں روز حشر میں
لرزہ پڑے گا خوف سے زور شمار کو

پہلے مصرعے میں "دردوں" درد کی جمع کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

جل جاتا آگ رشک سے ناسخ بھی لے فرید
سنتا کسی سے تیرے جو شعر آبدار کو (ص ۸۴)

اس قطع میں "آگ رشک" کی ترکیب غلط ہے۔

اے دل تصوّر ان کا ہے ان کی جا بجا
گر خور نہیں ماہ ہے کافی ہیال کو (ص ۸۵)

اس شعر کے دونوں مصرعے بے وزن ہیں۔

صفحہ نمبر ۹۰ پر پوری غزل میں مجنون، مفتون، میگون اور موزون کے الفاظ نون کے اعلان کے ساتھ ہیں جو جائز نہیں بس وزن پورا کیا گیا ہے۔

میری خوشی نہ بگرمی کسی طرح دیے جب
پیک صبا کے اہل سبا سے بگڑ گئے، (ص ۹۳)

Marfat.com

اس شعر میں "پیک صبا" اور "اہل سبا" کی تراکیب ناقابل فہم ہیں۔

ہر کرم وہ آئے مگر یوں ستم شعار
لاشے مرے کو خاک میں خون میں رولا چلے (ص ۹۴)

دوسرے مصرعے میں "خون" میں نون کا اعلان پروف کی غلطی ہے، وزن میں "خوں" آتا ہے اسی طرح رلا کی بجائے "رولا" ہے وزن میں "رلا" ہی آتا ہے۔

آوارہ اک جنون کے چنگل کا ہوں فرید
جس جا میں آئے اس سے مثال صبا چلے (ص ۹۴)

مقطع میں "جنون" میں نون کا اعلان وزن کی مجبوری کے باعث کیا گیا ہے۔

اس کو کیا طمعہ اور اشربہ سے لذت ہو
جو کہ دردو غم و حسرت کی غذا کھاتا ہے (ص ۹۶)

دوسرا مصرعہ وزن سے خارج ہے۔

زمانے میں دیکھا غیرِ ماتم
مری دل ہے مشابہ کربلا کے (ص ۱۰۹)

اس شعر میں دل کو مونث اور ردیف کو پروف کی غلطی کے باعث "کی" "کے بجائے" "کے" کر دیا گیا ہے۔

تصور بتوں کا جب آیا ہمیں
رہ دیں بھی سب بھلایا ہمیں (ص ۱۰۱)

اس شعر میں "رہ دیں" کی ترکیب درست ہے مگر وزن کے اعتبار سے "رہ دین" آنا چاہیے۔

میں مر جاؤں اس بت کے پاؤں کے بیچ
یہی آرزو ہے خدایا ہمیں (ص ۱۰۱)

اس شعر میں شتر گربگی ہے پہلے مصرعے میں میں اور دوسرے میں ہمیں ہے۔

ہم کو پسند یار کی بانکی ادا لگی
دل میں لگی، جگر میں لگی، جان پہ لگی (ص ۱۰۳)

دوسرے مصرعے میں قافیہ نہیں ہے۔

Marfat.com

وہ کس طرح سے پاتے مزہ زندگانی کا
جس کو ازل سے عشق دل میں بلا لگی (ص ۱۰۳)

دوسرے مصرعے میں "عشق کے بعد" "کی" کا لفظ آنے سے مصرعہ وزن میں ہوگا۔

وہ دل کہ جسکو خانۂ حق کہتی ہے خلق
روز ازل سے ہو چکی غارت بتوں کی ہے (ص ۱۰۹)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر "خلق" سے پہلے "کہ" یا "یہ" لگا دیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو جائے گا۔

نہ ہے خواہش بہشتوں کی نہ ہے اغراض دوزخ ہے
جہاں اپنا تھا دیوے وہاں مجھ کو مکاں دیوے (ص ۱۱۲)

اس شعر میں اغراض کی جگہ غرض ہونا چاہیئے تھا اور اس غزل کے مقطع میں لفظ "مسلک" کی بجائے "مسلخ" درج ہے۔

ان کے علاوہ کتابت کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں لگتا ہے کہ اس دیوان کے مرتب نے چیزیں تو جمع کر دی ہیں لیکن ان کی صحت کا خیال نہیں رکھا اور محنت اور توجہ سے کام نہیں لیا۔ لیکن اگر ان فنی خامیوں اور شعری محاسن کی کمی سے صرفِ نظر کرکے ان کے کلام کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو ان میں مرکزی موضوع تو عشق و محبت کا ہے۔ عشق و محبت کا یہ موضوع مسلک تصوف کا بھی مرکزی موضوع ہے۔ اس لئے ایسے اشعار کو، جن کا موضوع عشق ہے، مجاز اور حقیقت دونوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح خواجہ حافظ، اور خواجہ میر درد کے کلام میں مفہوم کی دو جہتیں موجود ہوتی ہیں ایک حقیقی اور ایک مجازی . . . اسی طرح خواجہ فرید کے کلام میں بھی دو جہتیں پائی جاتی ہیں ان کی ایک پرت مجازی مفہوم کی ہے۔ اور دوسری حقیقی مفہوم کی۔ مثلاً

کیا کہوں یار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
اک عجب نور الٰہی کا تماشا دیکھا
دل ہر دل میں ترے شور کا غوغا دیکھا
سر ہر سر میں تمہارا سر سودا دیکھا
آج دل ایک عجب چاند کا مکھڑا دیکھا
جس کے آگے مہ و خورشید کو ذرہ دیکھا (ص ۳۵)

Marfat.com

نا تجھے دیکھا ہے میں نا ترے نقشے کو کبھی
یک یوسف کو ترے نقشے کا خاکا دیکھا (ص ۳۷)

میں ہوں غلام اس ازل سے ابد تلک
کیا ہی اگرچہ اس نے جفا پر جفا کیا (ص ۴۳)

بعد مدت کے ہوا دیدار جاناں کا نصیب
حمد للہ نخل محنت کا ثمر پیدا ہوا (ص ۴۵)

مری نیاز ہے ان سے اسی لئے دو چند
کہ اس کے ناز کو ہر لحظہ ہے کمال جدید (ص ۵۱)

ساجد ہیں خاک کوچۂ جاناں کو روز و شب
موسل کہیں نبی کہیں اور اولیا کہیں (ص ۶۱)

میں ہوں اس کا وہ کس کا ہے اے دل
جا کے اس کا بھی امتحان کرو تے (ص ۶۳)

جب مجھے یاد دلآرام کا گھر آتا ہے
جنت آنکھوں میں جہنم سے بتر آتا ہے (ص ۹۲)

خواجہ فرید کے یہاں تصوف کے موضوعات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وحدت الوجود۔ وحدت الشہود جزو کل ذات اور صفات، توحید، مرید و مرشد، معرفت حق، شریعت و طریقت جیسے مضامین شامل ہیں۔ خواجہ فرید کے اردو کلام میں یہ تمام مضامین کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ عام طور پر چشتیہ مسلک سے تعلق رکھنے والے صوفیا کے یہاں شریعت کی نسبت طریقت کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے ان کے نزدیک عبادات کی ظاہری پابندی سے زیادہ دل و نگاہ سے پاکیزگی کو اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے زہد خشک پر ناز بے فائدہ ہے۔ اس سے نہ تو قلب کی روشنی ملتی ہے نہ روح کو سرور۔ ظاہری کی عبادت سے بتوں کی وہ پوجا زیادہ بہتر ہے جو خلوص دل سے کی جائے۔ اصل مسئلہ نیت کا ہے۔ خواجہ فرید اسی لئے زہد لاشے پر بتوں کی پوجا کو فوقیت دیتے ہیں۔

عباداتوں سے ہے فائق بتوں کا پوجنا میرا
مرا دل پا چکا ہے جیسے اک مہتاب کی منزل (ص ۲۸)

Marfat.com

جناب حضرت خوباں کا ہوں مرید غلام
نہیں ہے مجھ کو شیوخ اور برہمنوں سے کام (صہ ۵۶)

بتوں نے جس کے دل و دیں کو کر لیا غارت
خدا نے اس کو کیا شاہ ملکِ دین اسلام (صہ ۵۶)

ہیں زاہد سمت کچھ بھی نہیں
یک زندوں کی خاک ہیں ہم
دیر و کعبہ سے دل نہیں لگتا
یار کے در کے جبّہ سا ہیں ہم (صہ ۵۸)

زہد سے، تقویٰ سے دیں سے دور رہتا ہوں ولے
طالبِ فقر و غنا ہوں غیر سے مطلب نہیں (صہ ۷۹)

تو اپنے زہد بے حاصل پہ مت نازاں ہو اے زاہد
کہ تیرے رشتۂ تسبیح سے زنار بہتر ہے (صہ ۱۰۴)

خواجہ صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ ذاتِ مطلق کو دیر و حرم یا مسجد و مندر تک محدود نہیں کیا جا سکتا اس کا جلوہ جہاں تہاں ہے اسی لئے خواجہ صاحب کا سجدہ دیر یا در کعبہ کی طلب کے لئے نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔

نہ دیر کی طلب ہے نہ کعبہ سے التفات
ساجد ہوں حج وقت میں پیر مغاں کا (صہ ۳۰)

یہاں تک کہ طوف احرام و مناسکِ حج کے وقت بھی اگر وہ بت ایمان شکن یاد آجاتا ہے تو ایک ایسا سرمدی کیف طاری ہو جاتا ہے کہ ظاہر کے ذکر و فکر سے بے نیاز ہو کر باطن کی منازل طے ہونے لگتی ہیں۔

طوف احرام و مناسکِ حج کے سب بھولے فرید
کعبے میں جب وہ بت ایمان شکن یاد آ گیا (صہ ۳۱)

نہ غرض کعبے کی ہے مجھ کو نہ احرام سے کام
یکسہ ہے اس بت کافر، وش وخود کام سے کام (صہ ۵۷)

Marfat.com

کس طرح اس پہ نہ ہو کعبے کا احرام حرام
ہو گا جو بادہ پرست اور گئے خویش پرست (ص ۵۹)

نماز یہ ہے کہ ہوں پنج وقت ساجد بت
صیام یہ ہے کہ ہوں صبح و شام ہم لب جام

ہزار سالہ عبادت بتوں نے لوٹی ہے
مری طرف سے کہو جا کے واعظوں کو پیام (ص ۶۰)

نہ مومن ہوں نہ مشرک ہوں مرا مشرب ہے رندانہ
مرا مسجد ہے پیر مغاں کعبہ ہے میخانہ (ص ۸۹)

اس باطنی اور روحانی تجربے کے بعد اس بت کا تصور بھی اتنا مزہ دیتا ہے کہ خواب میں بھی کعبے کا ارادہ پیدا نہیں ہوتا۔

کیا بت کے تصور نے مزہ خوب دکھایا
رویا میں بھی کعبے کا ارادہ نہیں آتا (ص ۳۳)

نہ غرض کعبے کی ہے مجھ کو نہ احرام سے کام
بیکسہ ہے اس بت کا فروش و خود کام سے کام

ساجد یار ہوں میں دیر و حرم سے آزاد
میل کچھ کفر سے رکھتا ہوں نہ اسلام سے کام (ص ۵۱)

جس نے عشق کی لذت چکھ لی ہے اس کے لئے باقی ہر شے بیکار ہے۔

زاہد نہیں خواہش مجھے فردوس بریں کی
داغ غم عشق اپنے لئے باغ جناں ہے (ص ۱۴۴)

صوفیانہ تعلیمات میں ایک طرف تو انسان کو ناچیز ذرہ تصور کیا گیا ہے۔ جس کو اپنی حیثیت ختم کر کے وجود مطلق میں ضم ہو جانا چاہیئے مادی وجود ایک گناہ ہے۔ ایک بوجھ ہے، جو کثافت کو لطافت سے ہم آہنگ نہیں ہونے دیتا۔ انسان ایک قطرۂ ناچیز ہے جو اپنے سمندر سے جدا ہو کر ہجر و فراق میں تڑپتا ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اپنے وجود کو مٹا کر وجود بسیط کا دائمی حصہ بن جائے لیکن دوسری طرف اس نظریے میں انسان کو وہ عظمت بھی حاصل ہے کہ جہاں وہ "انا البحر"، "انا الحق"

Marfat.com

کا نعرہ بلند کرتا ہے اور اپنے وجود کو وجود حقیقی تصور کرنے لگتا ہے۔ گویا انسان بیک وقت اسفل بھی ہے اور افضل بھی۔ قطرہ بھی ہے اور دریا بھی، جزو بھی ہے اور کل بھی۔ لیکن سلسلہ چشتیہ سے منسلک صوفیاء کا عمومی تصور انسانی نہ صرف مستقبل کی ابدیت کا بلکہ اس دنیائے فانی میں بھی اس کے مرتبے کی ارفعیت کا قائل ہے۔ بابا فرید گنج شکر ہوں یا حضرت معین الدین چشتی۔۔۔ بختیار اوشی ہوں یا حضرت امیر خسرو، حافظ جمال اللہ ہوں یا حضرت سلیمان تونسوی۔ سب کے سب صوفی نہ صرف انسان کی محبت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں بلکہ انسان کو دنیا کا محور اور مرکز سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے یہ دنیا تخلیق کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے حسن عمل سے اس دنیا میں سرخرو ہو کر ابدیت کی زندگی کا مستحق بنے۔ خواجہ فرید کے یہاں انسانی عظمت کا یہ تصور اشعار میں موجود ہے۔

سوائے حضرت انسان نہیں ہے مظہر کامل

اس سے تربیت حق اب مجھے ہے ہر زماں حاصل (ص۔۵۵)

جو نور لم یزل ہے سبھی تجھ میں ہے عیاں

تجھ کو خدا کا مظہر نہ کہوں تو کیا کہوں (ص۔۷۰)

وحدت الوجود کا مسلک صوفیاء کا دین و ایمان ہے۔ وہ ساری کائنات اور اس کی کثرت کو ایک ہی وجود مطلق کا مرہون منت سمجھتے ہیں اور انسان کو اس وجود بسیط کا ایک ذرہ اور اس بحر حقیقت کا ایک قطرہ تصور کرتے ہیں۔ ابن عربی کے ہمہ گیر اثرات ملتان کے صوفیاء پر مرتب ہوئے اور اس کا سبب فصوص الحکم کا تعارف ہے جیسا کہ حضرت صدر الدین عارف ملتانی کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عراقی نے قونیہ سے فصوص الحکم کا نسخہ اپنے نسبتی بھائی کو روانہ کیا تھا۔ اس زمانے میں مدرسہ بہائیہ میں بھی اس کتاب کو درس میں شامل کیا گیا اور اس کے نسخے دوسرے شہروں میں بھی بھجوائے گئے۔ فصوص الحکم کے اثر سے صوفیاء میں وحدت الوجود کا تصور ان کے ذوق و وجدان کا ناگزیر حصہ بن گیا اور حسین بن منصور حلاج کے اثرات بھی صوفیاء پر کچھ کم نہ تھے خواجہ فرید ابن العربی اور ابن منصور حلاج کے خیالات اور نظریات کے پیرو کار دکھائی دیتے ہیں وحدت الوجود کا موضوع ان کی سرائیکی شاعری کا بھی سب سے بڑا موضوع ہے اور اردو شاعری میں بھی اس مضمون کو جا بجا ادا کیا ہے۔ خواجہ فرید محض نظری اور علمی سطح پر ہی اس نظریے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اس نظریے کو جذباتی اور روحانی سطح پر تسلیم کرتے تھے۔ یہ نظریہ ان کے

Marfat.com

لئے ایک زبردست شعری اور تخلیقی محرک ہے کیونکہ وحدت الوجود کا نظریہ بنیادی طور پر محبت کا نظریہ ہے۔ تمام نوع انسانی ایک ہی وجود واحد کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس نظریے نے ان کو وہ عرفان اور وہ کشف عطا کیا جس کی بدولت انہوں نے دنیا کے ذرے ذرے میں محبوب حقیقی کا منہ دیکھا غنچہ و گل ہوں یا سرو و لالہ، سنبل ہو یا نرگس شہلا، خوبان ماہ رخ ہوں یا قد طوبیٰ، وادی ایمن کا نور ہو یا ید بیضا موسیٰ، کعبہ ہو یا دیر و کنشت . . . ہر جا اور ہر شے میں وہ عیاں ہے۔

کعبے میں مسجدوں میں کنشتوں میں دیر میں
مومن میں مشرکوں میں نمازی میں ہے عیاں
ہے کوہ طور اور وادیٔ ایمن کے نور میں
موسیٰ میں مار میں ید بیضا میں ہے عیاں
غنچے میں گل میں سرو میں لالہ میں داغ میں
سنبل میں اور نرگس شہلا میں ہے عیاں
ڈھولک میں سر میں تال میں تانوں میں راگ میں
خوبان ماہ رخ قد طوبیٰ میں ہے عیاں
مت بات کر فرید کہ یہ شرک ہے خفی
حاصل کلام یہ کہ سبھی جا میں ہے عیاں (ص ۷۸)

اس نظریے کے تحت ثنویت اور دوئی کا تصور مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے پھر سالک راہ خدا وحدت کا عرفان حاصل کرتا، وحدت کا فیضان بکھیرتا، وحدت کا طلب خواں ہوتا اور وحدت کا اعلان کرتا نظر آتا ہے ماسوا سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

بے پردہ نور دوست کا جز کل میں ہے عیاں
غنچے میں گل میں سرو میں سنبل میں ہے عیاں (ص ۶۲)
بت خانے میں کنشت میں کعبہ میں دیر میں
دلدار کے سوا تو کوئی رونما نہیں (ص ۶۷)
عاشق روئے خدا ہوں غیر سے مطلب نہیں
سالک راہ ہدیٰ ہوں غیر سے مطلب نہیں

Marfat.com

ایک داں ہوں ایک خواں ہوں ایک جو ہوں ایک گو
سب میں اس کو دیکھتا ہوں غیر سے مطلب نہیں
طوف کرتا ہوں میں اپنے کعبۂ دل کا مدام
اپنا خود عابد ہوا ہوں غیر سے مطلب نہیں (ص ۷۹)

تم اپنی چشم دل سے سوچ کر دیکھو رے لوگو
کہ ہر ہر جا میں میرے یار نے ڈیرہ جمایا ہے (ص ۱۲۵)

ہر رنگ میں ظہور ہے یہ رنگ یار کا
پر تو ہے گر خزاں کا تو جلوہ بہار کا (ص ۱۳۷)

خواجہ فرید کی وسیع المشربی اور انسان دوستی ضرب المثل ہے۔ وہ زہد کی خشکی ملا کی تنگ نظری اور سالک کی تفریق سے کوسوں دور تھے۔

نہ مومن ہوں نہ مشرک ہوں مرا مشرب ہے رندانہ
مرا مسجود ہے پیر مغاں کعبہ ہے میخانہ (ص ۸۹)

محبوب کے ظلم و ستم کا مضمون اردو اور فارسی شاعری میں ایک روایتی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے لیکن محبوب کی جفا کا یہ تجربہ محض دنیا وی یا مجازی نہیں ہے۔ سلوک کے سفر میں بھی سالک کو اس کا تجربہ کرنا پڑتا ہے اور خواجہ صاحب کو چونکہ دونوں تجربات حاصل رہے اس لئے محبوب کے جور و جفا اور ظلم و ستم کا ذکر ان کی غزلوں میں مجاز اور حقیقت دونوں پہلو لئے ہوئے آتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنے ستم گار محبوب کی شوخی و بدمستی پر اپنا دل اور اپنا دین دونوں قربان کرنے کو تیار نظر آتے ہیں کیونکہ ایسے ستم گار اور شوخ و بدمست محبوب کا نام لینے میں بھی وہ مزہ ہے جو قند و شکر میں نہیں اور اس کے ظلم و ستم میں بھی دلداری کا پہلو نکلتا ہے۔

یار جیسا کوئی دلدار نہ دیکھا نہ سنا
ایسا بھی ظالم و خونخوار نہ دیکھا نہ سنا
ویسا بیدار سراپا دل و دیں کا دشمن
شوخ و بدمست ستمگار نہ دیکھا نہ سنا

Marfat.com

نام تیرا جو مزا دیتا ہے رگ رگ میں مجھے
قند اور شکر میں اے یار نہ دیکھا نہ سنا (ص ۲۹)

دراصل سلوک کی راہ میں بھی اور عشق مجازی کی راہ میں بھی محب کے مزاج کا تلون کوئی عجیب حادثہ نہیں ہے۔ سالک یا عاشق کے امتحان کے لیے ہو یا سلوک اور عشق کی کیفیات میں تلون و کیف پیدا کرنے کی خاطر.... بہر حال محبوب کے مزاج میں کچھ متضاد خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عین وفا دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے وفا، کبھی وہ مہربان دکھائی دیتا ہے تو کبھی نامہربان۔ کبھی وہ متوجہ دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے پروا۔ اس کا تلون عشق میں نمکینی کا ذائقہ بھی پیدا کرتا ہے کشش بھی بڑھاتا ہے۔

وہ بت عین وفا پھر بیوفا کیونکر ہوا
لطف و احسان و کرم جور و جفا کیونکر ہوا
وہ بھی دن تھے جب نہ ہوتے تھے کبھی اک پل جدا
اب رقیبوں سے وہ جا کر آشنا کیونکر ہوا (ص ۴۰)

شاغل ہوا نگار رقیبوں کے پیار میں
موسم خزاں کے آ گئے فصل بہار میں (ص ۷۶)

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بیمار محبت کا مسیحا کبھی کبھی اتنا کٹھور اور سنگدل بن جاتا ہے کہ عاشق کے دم واپسیں پر بھی وہ آنے کا نام نہیں لیتا۔

دم ضعف سے میرا نہیں جاتا نہیں آتا
اس حال پہ بھی اُٹھ کے مسیحا نہیں آتا (ص ۳۳)

چنانچہ ہجر میں محبوب کی یاد عاشق کے لیے ویسا ہی تجربہ بن جاتی ہے جیسے بلبل کا دور خزاں میں بہاروں کی یاد کا اور ان یادوں میں تلخی اور شدت اس لئے بھی ہے کہ دونوں نے عیش و وصال کے لمحات گزارے ہیں اور اس کے لئے سفر بھی کیا ہے۔ بلبل نے اپنے آشیانے سے چمن تک کا اور عاشق نے اپنے گھر سے کوچۂ دلدار تک کا۔ اب دونوں اپنے ٹھکانوں پر ہیں لیکن دونوں مضطرب اور بے قرار ہیں۔ ایک خزاں کے دور میں منتشر زیر پر کئے آشیانے میں اداس ہے اور دوسرا گھر کے بے زار کن ماحول میں مقید ہے۔ دونوں کو اظہار جنوں کے لئے موسم گل کے ساتھ ساتھ محبوب کا

Marfat.com

وطن اور پھولوں کا چمن بھی چاہیئے۔

اپنے گھر ہوں اب مجھے اس کا وطن یاد آگیا
گویا بلبل کو خزاں میں گل چمن یاد آگیا (ص ۳۱)

لیکن آخر دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، سالک کو سلوک کی راہ میں اور عاشق کو عشق کی مسافت میں محبوب کے نقوش پا کی جستجو رہتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی منزل مقصود کو پالے مگر اس کی یہ آرزو، آرزوئے ناتمام رہتی ہے کیونکہ منزل کا ملنا خواہشوں کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے عاشق اور سالک کی حیات طلب میں ہے، پانے میں نہیں۔ حصول منزل کے لئے نقش کف پا کی تلاش میں رواں دواں رہنا ہی عاشق کا مقدر ہے اور غالباً اس کی وجہ حیات بھی۔ اقبال کا تو سارا فلسفہ اسی سعی پیہم کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عمل پیرا رہنے کا ہے۔ خواجہ فرید اس مسجود کے آرزومند تو نہیں لیکن اس حقیقت تک بھی پہنچ چکے ہیں کہ محبوب کا نقش کف پا ہاتھ آنا بڑا مشکل ہے۔

تا کعبہ سمجھ کر اسے مسجود بناؤں
کیوں ہاتھ تیرا نقش کف پا نہیں آتا (ص ۳۳)

چونکہ دل کا مطالبہ عشق کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا اس لئے اس "سفر ناتمام" میں دل کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ حصول کا متمنی ہے۔ جبکہ عشق امتحان کے مراحل کا متقاضی ہے اس کو وصال میں مزہ ملتا ہے جبکہ عشق ہجر و فراق کی لذت ہے۔ خواجہ فرید عاشق کے مبر طلب تقاضوں کو پورا کرنے کے قائل ہیں اس لئے اپنے دل کو مشورہ دیتے ہیں۔

رکھتے ہی قدم وادی غم میں ہوا شیا کی
کچھ عشق کا ڈھب اور دل شیدا نہیں آتا (ص ۳۴)

اور جب منزل مراد کے خارزاروں سے گذر کر سالک کو محبوب کے نقش پا کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو اس خاک پا کے ذرے ذرے میں اسے امکانات کی ایک وسیع کائنات چھپی ہوئی نظر آتی ہے یہیں اس کا کعبہ بھی پوشیدہ ہے اور اقصیٰ کا نقشہ بھی۔ اس کی کلفتوں کا صلہ اسے اس جلوے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

نقش پا میں ترے میں نقشۂ اقصیٰ دیکھا
کوچے کی گرد کے ہر ذرہ میں کعبہ دیکھا (ص ۳۵)

Marfat.com

اس منزل پر وحدت و کثرت اور جزو کل کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

ذوق وحدت سے ہر اک چیز کو اعلیٰ سمجھا
چغد کو ظلِ ہما، زاغ کو عنقا سمجھا
میں نے ہر قطرہ کو دریا سے زیادہ سمجھا
ذرّہ کے نور کو خورشید سے بالا سمجھا (ص ۳۸)

بے پردہ نورِ دوست کا جز کل میں ہے عیاں
غنچے میں گل میں سرو میں سنبل میں ہے عیاں (ص ۶۲)

بت خانے میں کنشت میں کعبہ میں دیر میں
دلدار کے سوا تو کوئی رونما نہیں
واللہ میری چشم خدا بیں کسی دید میں
کوئی نہیں ہے بت کہ وہ عین خدا نہیں (ص ۶۷)

اور سالک یا عاشق کو ایک ایسا پندار بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ وہ بجا طور پر یہ دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ

مے پرستی میں مرے دل کی ترقی دیکھو
خم گردوں کو اک ادنیٰ سا پیالہ سمجھا (ص ۳۸)

یقین ہے جن کے ہے رہبر خرام خوبوں سے
فرید ان کے لئے راہ فقر ہے اک کام (ص ۶۰)

خواجہ صاحب کے یہاں محبوب کے حوالے سے کبھی کبھی ایسے خوبصورت شعر بھی مل جاتے ہیں جن میں منجھا ہوا اور پختہ غزلیہ اسلوب اور کلاسیکل رنگ تغزل پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی طویل غزل کے چند شعر ہیں جن میں غزلیہ شاعری کے تمام محاسن موجود ہیں۔

کیا کہوں یار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
اک عجب نورِ الٰہی کا تماشا دیکھا
آج دل ایک عجب چاند کا مکھڑا دیکھا
جس کے آگے مہ و خورشید کو ذرّہ دیکھا
دیکھ کے خلد بریں دل کو یہ محسوس ہوا
اس کے گھر کا یہ اک ادنیٰ سا نمونہ دیکھا (ص ۳۵)

Marfat.com

ستم و جور و جفا کیونکر نہ ہو اس پہ تمام
جس کے قامت کو قیامت سے بھی بالا دیکھا (ص ۳۶)

کیوں نہ ہو خلق خدا کو وہ دل و جان سے عزیز
جس کے آگے ملیہ کنعاں کو زلیخا دیکھا

تجھ پہ ہے رنگ کا اتمام مجھے داغ کا ختم
باغ میں تجھ سا نہ گل مجھ سا نہ لالہ دیکھا (ص ۳۷)

اور اس قسم کے شعر ایک غزل تک محدود نہیں ہیں بلکہ دیوان کی دوسری غزلوں میں بھی مل جاتے ہیں مثلاً

وہ بھی دن تھے جب نہ ہوتے تھے کبھی اک پل جدا
اب رقیبوں سے وہ جا کر آشنا کیونکر ہوا (ص ۴۰)

اس کا دل آخر تلک میری طرف مائل نہیں
شاید اس عرصہ میں آہوں کا اثر جاتا رہا

مے نہیں، ساقی نہیں، شاید نہیں ہے آگے زید
کیا خزاں آئی گل و برگ و ثمر جاتا رہا (ص ۴۱)

جو رِ فلک کی کیا میں شکایت کروں فرید
بدنام ہر گلی میں مجھے بر ملا کیا (ص ۴۲)

گلزار و لالہ زار میں لگتا نہیں ہے دل
صیاد نے قفس سے مجھے جب رہا کیا (ص ۴۳)

غم خانہ میں وہ مجھ کو بٹھا کے چلا گیا
آتشکدہ میں جاں کو جلا کے چلا گیا

لطف و غضب کا خاتمہ دیکھو اے دوستو
دل میں جگر جاں میں سما کے چلا گیا

سب ہے مجھے قبول و لیکن فریدہ
پھر آ دے جو کہ دل کو پھنسا کے چلا گیا (ص ۴۷)

Marfat.com

ھیہات وہ کرنا نہیں مشتاق پر شفقت
افسوس کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا
لاشے کو مرے دیکھ کے کہنے لگا ہنس کر
کیا مکر کا ڈھنگ اس نے نکالا ہے اک اعلیٰ (ص ۴۹)
ہم تو صیاد کا رخ دیکھ قفس میں دھلے
نہ تھی دلنے کی طلب اور نہ تھا دام سے کام
بلبل و قمری بھی مشتاق بنے ہیں میرے
جب پڑا ہے مجھے اس سرو گل اندام سے کام (ص ۵۷)
جور اتنا نہ کیجئے ہم پر
اے بتو بندۂ خدا ہیں ہم
خواب میں بھی نہیں ہے وصل نصیب
بے نصیبوں کے پیشوا ہیں ہم (ص ۵۸)
تیرے سے طرز دیکھے نہ الٹی ادا کہیں
آفت کہیں غضب کہیں برق و بلا کہیں
آوارہ جستجو میں سراغ نگاہ میں
عنقا کہیں ہما کہیں باد صبا کہیں
اللہ رے فرط حسن کہ اس کی نگاہ ناز
جادو کہیں ہے سحر کہیں معجزا کہیں
ہیں مست اک نگاہ سے اس کے فرید وش
زاہد کہیں، فقیہہ کہیں، پارسا کہیں (ص ۶۱)
قیس و فرہاد نصیحت کے لئے آتے ہیں
عجب آشفتہ میں وحشت کے بیاباں کی ہوں (ص ۷۳)
آرام مری جان کو شام و سحر نہیں
جس دن سے میرے پاس وہ آرام بر نہیں

Marfat.com

سودا نہیں ہے جس میں ترا ہے وہ سر کہاں
اور دل کہاں ہے جسمیں ترا شور و شر نہیں
مت عرض کر انہیں تو فرید اپنی بے کسی
شکوہ عبث ہے ان کی توجہ ادھر نہیں (صہ ۷۵)

لاتا ہے جنگ کے لیے سامان نئے نئے
کرتا ہے قتل گبر و مسلمان نئے نئے
گہ سوز گہ گداز، گہے درد و گاہ غم
آتے ہیں دل کے خانہ میں مہمان نئے نئے
سلطان عشق سے مجھے انعام میں ملا
صحرا نئے نئے ہیں بیابان نئے نئے
اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمیں پہ حسن
جتنے ہوئے ہیں عاشق جاناں نئے نئے (صہ ۱۰۵)

اپنی عقل سے اٹھا نہ بار اپنے ہاتھ سے
کرنا اس شواہد سر کو خوار اپنے ہاتھ سے
ہائے کیا رسم ستم ہے ہائے کیا طرز جفا
اپنا کر کے پھر دیا آزاد اپنے ہاتھ سے (صہ ۱۲۳)

خواجہ صاحب کی اردو شاعری کا مجموعی تاثر فنی لحاظ سے نہیں موضوع کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے یعنی فنی محاسن سے زیادہ آپ نے موضوع کی طرف دھیان دیا ہے تاہم ایک شاعر کی حیثیت سے وہ شاعری کی فنی خوبیوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے، اس لئے کہیں کہیں ان فنی محاسن کا احساس بھی ہوتا ہے، مثلاً اکثر اشعار میں رعایت لفظی کا خیال رکھا ہے۔

فرقت میں یار کے درد مندان کی یاد میں
اشکوں سے چشم عالم گوہر بنا دیا (صہ ۳۲)
سن کر مرے اشعار کہ ہیں مادۂ دخت
کیوں سر میں رہے سودا ترا سودا نہیں آتا (صہ ۳۴)

Marfat.com

طور کے نور کی اور وادی ایمن کی قسم

تیری مہندی میں بھی نسخ ید بیضا سمجھا (صـ ۳۹)

رشک لب دلدار سے شیرینی ہوئی تلخی

اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (صـ ۴۶)

تکرار الفاظ سے حسن پیدا کرنے کی کوشش بھی دکھائی دیتی ہے۔

ہر لحظہ ترے حسن کے سامان پہ قربان

اے جان، مری جان ہے تری جاں پہ قربان (صـ ۱۷)

تشبیہ و استعارہ کا استعمال شعری تجربات کے لئے ناگزیر عنصر کی حیثیت رکھتا ہے زمانہ قدیم میں تشبیہ کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ زمانہ مابعد میں استعارہ کو اہمیت حاصل ہوئی اور آج استعارے کی ترقی یافتہ صورت یعنی علامت کا استعمال عام ہے۔ خواجہ صاحب کے یہاں زیادہ تر تشبیہات کا استعمال ملتا ہے۔

اپنے گھر ہوں اب مجھے اس کا وطن یاد آگیا

گویا بلبل کو خزاں میں گل و چمن یاد آگیا (صـ ۳۱)

اس زلف مضطرب کی تاثیر دیکھیو

اپنی مثال مجھ کو بھی مضطر بنا دیا (صـ ۳۲)

تجھ پہ ہے رنگ کا اتمام مجھے داغ کا ختم

باغ میں تجھ سا نہ گل مجھ سا نہ لالہ دیکھا (صـ ۳۷)

طور کے نور کی اور وادیٔ ایمن کی قسم

تیری مہندی میں بھی نسخ ید بیضا سمجھا (صـ ۳۹)

ردیف کا حسن ملاحظہ فرمایئے۔

لاتا ہے جنگ کے لیئے سامان نئے نئے

کرتا ہے قتل گبر و مسلمان نئے نئے

گہ سوز گہ گداز، گہے درد و گاہ غم

آتے ہیں دل کے خانہ میں مہمان نئے نئے

Marfat.com

سلطان عشق سے مجھے انعام ہیں ملا
صحرا نئے نئے ہیں بیاباں نئے نئے
اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمین پہ حسن
جتنے ہوئے ہیں عاشق جاناں نئے نئے (ص ۱۰۵)

بعض جگہ تلمیحات کا استعمال بھی ملتا ہے۔

خشا کے ڈھنگ ناری نے کیا آتش پرست اپنا
ید بیضا کو شمع طور کو خورشید تاباں کو (ص ۸۱)
اور مخلوق ہے کیا بلکہ سلیماں ہے مطیع
میں نے شاہد کہ کبھی یار کا چھلا دیکھا (ص ۳۷)
(حضرت سلیمان کی انگشتری کی طرف اشارہ ہے۔)
اشک لب دلدار سے شیرینی ہوئی تلخ
اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (ص ۴۶)
کھودلیے اس کوہ کو میں نے تو خودی کے
شاباش مجھے بھی ہے فرہاد کو شاباش (ص ۵۴)
ہے کوہ طور اور وادی ایمن کے نور میں
موسیٰ میں مار میں ید بیضا میں ہے عیاں

غرض خواجہ فرید کی اردو شاعری کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس میں موضوعات کی کمی نہیں۔ عشق و محبت اور اس کے متعلقات، تصوف اور اس کے مسائل، مجاز اور حقیقت کا امتزاج اور زندگی کے متنوع تجربات ان کے موضوعات کا معیار قائم کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب اور تغزل بہت معیاری نہیں ہے اور اس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں کہ ایک تو اردو خواجہ صاحب کی مادری زبان نہ تھی پھر بقول تابش الوری

"ان کے دور میں لکھنؤ اور دہلی کے دبستان شعری کے نئے اجالے بہاولپور کے دور افتادہ صحرائے ادب تک اپنی پوری تابندگی کے ساتھ نہیں پہنچ سکے تھے"

حوالہ: "مقدمہ" دیوان خواجہ غلام فرید، ص ۲۴

Marfat.com

اس لیے اگر ان کی اردو شاعری کا معیار بہت بلند نہیں ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تابش الوری نے درست لکھا ہے کہ

"اگر ہم تہذیبی وعلمی مراکز سے دوری، بہاولپور کی ادبی سنگلاخی اور علاقائی سطح پر اردو ادب کے ارتقائی عمل کی سست رفتاری کے حقائق کو سامنے رکھ کر فرید کی شاعری کا تجزیہ کریں تو ہمیں اس میں بھی ان کی انفرادیت وعظمت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔"[۱]

مختصر یہ کہ خواجہ فرید کی اردو شاعری کا معیار زیادہ بلند نہ ہونے کے باوجود ..... سرزمین ملتان اور اس کے گردو نواح کے علاقوں میں اردو زبان وادب کی ترویج اور تدریجی ارتقاء میں اس کے تاریخی کردار سے انکار ممکن نہیں۔

ان نہایت اہم صوفیائے کرام کے علاوہ، جن کا تفصیلی ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، مولوی محمد موسیٰ پاک صدیقی، سلطان احمد قتال، عبدالحکیم، شاہ علی مردان وغیرہ بھی سرزمین ملتان کے قابلِ ذکر صوفیاء میں سے ہیں۔ مولوی محمد موسیٰ پاک صدیقی کا شمار حافظ محمد جمال کے خلفاء میں ہوتا ہے علامہ طالوت کے مطابق "آپ کی بیعت حضرت خواجہ غریب نواز حافظ محمد جمال اللہ ملتانی سے ہوئی"[۲] آپ ایسے قابلِ، متبحر عالم تھے کہ جب آپ نے حضرت حافظ جمال سے بیعت کی تو وہ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا

"میں مبارکباد کا مستحق ہوں کہ میرا متوکل ایک برگزیدہ وکامل انسان ہوا ہے۔ بقول دیگر فرمایا "میرے چنگل میں ایک شاہین آگیا ہے۔"[۳]

حافظ جمال کے یہ شاہین حافظ محمد حیات کے بیٹے اور شیخ فخر الدین عراقی کی اولاد میں سے تھے جو کہ خراسان سے ملتان آئے تھے اور بہاء الدین زکریا کی دامادی کا شرف حاصل کیا تھا۔ موسیٰ پاک صدیقی ۱۱۹۲ھ[۴] میں پیدا ہوئے۔ آپ علم وفضل میں بے مثال تھے۔ اس دور کی بیشتر علمی کتابیں

---

[۱]۔ "مقدمہ" دیوان خواجہ غلام فرید، ص ۲۴

[۲]۔ بحوالہ مضمون "حضرت عراقی کی اولاد" مطبوعہ تنویر، ماہنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۸

[۳]۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، ص ۱۱۶

[۴]۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، ص ۱۶۰

Marfat.com

آپ کو یاد تھیں۔ علامہ طالوت کے مطابق

"مولانا محمد موسیٰ پاک حافظ کلام اللہ اور علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ نام و مقام کی مناسبت سے کلیم اللہ لقب پایا"[1]

حضرت موسیٰ پاک نے حصول علم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ نے ملتان میں ایک مسجد تعمیر کرائی جہاں سو کے قریب طلبار و علمار ہر وقت موجود رہتے تھے جنہیں یہاں کے لنگر سے ایک وقت کا کھانا بھی ملتا تھا۔ خواجہ موسیٰ پاک پہلے نماز فجر کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک خود ذکر الٰہی میں مصروف رہتے اور اس کے بعد طلبار کو درس دیتے۔ جن میں مختلف کتب تصوف اور تفسیر شامل ہوتیں۔ درس دیتے ہوئے خود آپ پر بھی کیف و وجدان کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کے بعد رات تک آپ کے معمول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرحت ملتانی لکھتے ہیں کہ

"آپ دوپہر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر کے بعد ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ تلاوت قرآن کریم، دلائل شریف ختم خواجگان اور وظائف ماثورہ آپ کے معمولات میں شامل تھے۔ مغرب کی نماز سے عشار کی نماز تک آپ نوافل کے ذریعے قرآن الٰہی میں معروف رہتے۔

عشار کی نماز آدھی رات کے بعد ادا فرماتے اور گھر تشریف لے جاتے۔ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے تہجد کے وقت دوبارہ مسجد میں آجاتے اور نماز تہجد ادا فرما کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے"[2]

دوسرے صوفیار کی طرح خواجہ موسیٰ پاک بھی اپنے تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرنے میں فخر محسوس کرتے اور اس سلسلے میں ہزاروں شاگرد رکھتے ہوئے بھی آپ کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ آپ کی درس گاہ میں عام لوگوں سے لے کر امرار اور یہاں تک حاکم ملتان نواب مظفر خان شہید تک سبق پڑھنے آتے، عمر کمال خان کے مطابق

"لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی، آپ کے درس میں

---

[1] بحوالہ مضمون حضرت عراقی کی اولاد، مطبوعہ رسالہ تنویر۔ ملتان، سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۸۰

[2] بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، ص ۱۶۲

Marfat.com

نواب ,شہزادے ، امیر اور غریب طلبا رسب شامل ہوئے تھے اور برابر فیض یاب ہوتے تھے اور آپ کسی سے کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ علوم ظاہری کے علاوہ آپ علوم باطنی سے بھی مالامال تھے۔[1]''

اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

"حضرت موسیٰ پاک صاحب کا علمی مشغلہ اتنا تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ستر اسی طلبا ء موجود رہتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔[2]''

نواب مظفر خان شہید عقیدت کے طور پر آپ کو تحائف بھجواتا لیکن آپ خود انہیں کبھی استعمال نہ کرتے بلکہ آگے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ لوگوں کے مسائل سنتے اور شریعت محمدی کی روشنی میں ان کا حل فرماتے کبھی خلاف شرع بات پر آپ نے غور نہیں فرمایا

خواجہ موسیٰ پاک صدیقی کو تصنیف و تالیف کے کاموں سے بھی بہت دلچسپی تھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جنہیں ملتان پر سکھوں کے عہد میں جلا دیا گیا ،اب آپ کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے ۔

موسیٰ پاک صدیقی نے پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر میں ۱۱ رجب المرجب ۱۲۶۱ھ[3] میں وفات پائی۔ اور ملتان میں حسین آگاہی کے اندر محلہ کمانگراں میں آپ کا مزار ہے ۔قطعہ تاریخ وفات اس طرح ہے۔

چوں شیخ نامور عصر مولوی موسیٰ	کہ عمدہ العلما بود صاحب معنیٰ
بروز یازدھم پنجشنبہ ز رجب	زشوق شاہد معنیٰ برفت از دنیا
بطور قرب خدا یافت جا کلیم صفت	ندیم شاہ رسل شدہ بہ جنت الماویٰ
سروش غیب بہ مسکین برائے تاریخش	بگفت مولوی آمد بطور قرب خدا

حوالہ ۱۔ بحوالہ نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد'' از عمر کمال خاں ،صہ ۲۸۴

حوالہ ۲۔ بحوالہ مرقع ملتان'' از سید اولاد علی گیلانی ،صہ ۵۹۳

حوالہ ۳۔ آپ کے سن وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔

Marfat.com

سلطان احمد قتال بھی اہم بزرگ گزرے ہیں، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اوچ اہل علم و عرفان کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں دنیائے اسلام کی اہم شخصیات نے جنم لیا، خدمات انجام دیں اور پھر یہیں دفن ہوئے۔ اوچ میں یہ سلسلہ سید جلال الدین سرخ بخاری سے چلتا ہے جو ۶۴۲ھ میں بخارا سے ملتان آئے۔ اور پھر اوچ میں مستقل رہائش اختیار کر لی ان کے بعد ان کی اولاد نے علم و ہدایت کا یہ فیضان جاری رکھا اور یہاں سے نامور صوفیاء نے جنم لیا۔ جن کی خدمات کا اعتراف آج تک زمانہ گزرنے کے باوجود کیا جاتا ہے۔ انہی صوفیاء میں دسویں صدی ہجری کے وسط میں ایک اور عظیم ہستی کا اضافہ ہوتا ہے اور یہ شخصیت سلطان احمد قتال کی ہے۔ آپ سید جلال حسنی اوچوی کی اولاد میں سے ہیں آپ نے اوچ میں ۹۴۹ھ[1] میں سید علم الدین کے گھر میں جنم لیا۔ حکم چند لکھتے ہیں

"پیر سلطان احمد معروف پیر قتال مورث اعلیٰ اس خاندان کا قوم سید حسنی اولاد سید جلال اوچ والے سے ہے"[2]

پیر سلطان احمد مادرزاد ولی تھے۔ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو کچھ منہ سے نکلتا فوراً پورا ہو جاتا تھا[3]

آپ جوان ہوئے تو آپ کا زیادہ تر وقت فقراء کی صحبت میں بسر ہونے لگا[4]۔ جہاں آپ ریاضت و مجاہدہ کرتے۔ اکیس سال کی عمر میں ۹۷۰ھ میں آپ نے کہروڑ میں پیر علی سرور سے بیعت کی[5]۔ اور آپ کا زیادہ تر وقت ان کی صحبت میں گزرنے لگا۔ پیر علی سرور نے آپ کی کرامت کے باعث آپ کو قتال کا لقب عطا کیا روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ

ح ۱:۔ آپ کے سن پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

ح ۲:۔ "تواریخ ملتان" از لالہ حکم چند، ۱۸۸۰ء، ص ۹۲

ح ۳:۔ اس بارے میں کئی روایات مشہور ہیں ملاحظہ فرمائیے (۱) ارض ملتان از اکرام الحق، ص ۶۸ (۲) تواریخ ملتان از حکم چند، ص ۹۲ (۳) مرقع ملتان، از اولاد علی گیلانی، ص ۲۲۳-۲۲۴ (۴) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص ۱۰۱ (۵) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، ص ۱۹۹-۲۰۰

ح ۴:۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا ذکر نہیں ملتا۔

ح ۵:۔ (۱) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص ۱۰۰ (۲) تواریخ ملتان از حکم چند، ص ۹۲

Marfat.com

"ایک دفعہ آپ کے پیر سو رہے تھے کہ چڑیوں نے جمع ہو کر غل مچانا شروع کر دیا آپ نے یہ سمجھ کر کہ چڑیوں کی چوں چوں آپ کے مرشد کے آرام میں مخل ہے حکم دیا کہ چڑیا مر جاؤ۔ بجرد اس ارشاد کے سب چڑیاں مر گئیں۔ جب حضرت پیر صاحب بیدار ہوتے تو آپ نے یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ تم قتال ہو۔ اس دن سے آپ کا لقب قتال مشہور ہوا۔[۱]"

آپ اپنے مرشد کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور واپسی پر بغداد، کربلائے معلی اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان آئے، حکم چند کے مطابق

"ہمراہ مخدوم علی سرور حج کیا اور بعد زیارت بغداد شریف و کربلا و تدریس بخارا شریف کے بمقام ملتان مزار شاہ رکن عالم میں چلہ کشی کری۔[۲]"

پھر آپ اپنے مرشد کے حکم سے نیلی بار کے جنگل تشریف لے گئے اور وہاں کی دو اقوام کھوریہ اور سلدیرہ آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوئیں۔ ۹۹۰ھ میں آپ نے ملتان کے نزدیک جلال پور میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وفات تک وہیں رہے۔ آپ نے ۱۰۴۱ھ میں بانوے (۹۲) سال کی عمر میں وفات پائی[۳] وہیں جلال پور پیر والہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ پہلے آپ کا مزار کچا تھا پھر آپ کی اولاد نے آپ کا پختہ مزار بنوایا۔

آپ نے چچا کے گھر شادی کی جو سیت پور رہتے تھے۔ آپ کے دو بیٹے عالم پیر اور شاہ اسماعیل تھے۔

سلطان عبد الحکیم کا تعلق تحصیل کبیر والہ کے صوفیا میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد شیخ غلام علی دریائے راوی کے کنارے تلمبہ کے نزدیک بستی لودی میں رہتے تھے اور لوگوں کے کپڑے دھونے اور رنگنے کا کام کرتے تھے۔ عبد الحکیم کو شروع ہی سے عبادت و ریاضت سے لگاؤ تھا اس لئے آپ اپنے والد کے کام میں مدد کرنے کی بجائے سارا وقت عبادت و ریاضت سے گزار دیتے

ص۱۔ بحوالہ "مرقع ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص ۲۲۳

ص۲۔ بحوالہ "تاریخ ملتان"، ص ۹۲

ص۳۔ آپ کے سن ولادت کی طرح سن وفات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

Marfat.com

تھے۔ آپ سے بھی کئی کرامات منسوب ہیں۔ کچھ عرصہ آپ بستی لودی میں رہے پھر موضع ملکا میں آگئے۔ پھر چک راجہ میں منتقل ہوئے وہاں مسجد اور مکان تعمیر کئے۔ اور وہاں اپنے نام سے بستی آباد کی جو آج بھی تحصیل کبیر والہ میں واقع ہے۔ اکرام الحق نے آپ کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا جو انہیں کہیں سے دستیاب ہوا ہے یہ آپ کے مرید صالح نے لکھا ہوا ہے فارسی زبان کی مثنوی ہے جس میں تقریباً پندرہ سو اشعار ہیں اور آپ کے حالات زندگی درج ہیں۔ آپ کی والدہ مائی سپوراں ہیں جنہوں نے آپ کی تربیت کی۔ ان کے مطابق

"سلطان عبدالحکیم کو شروع سے ہی قرآن پڑھنے کا شوق تھا، کھیل کود کی طرف رغبت کم تھی جوان ہوئے تو شریعت کے پابند تھے، یہ بھی رنگ ریزی کا کام کرتے تھے۔ ایک روز ایک شخص گزرے جو صاحب کشف معلوم ہوتے تھے، انہوں نے اپنا نام جمال اللہ بتایا اور سلطان ایوب از اولاد مخدوم عبدالرشید سے رجوع کرنے کو کہا[۱]"

آپ کا سن وصال ۱۱۴۵ھ بیان کیا جاتا ہے، آپ کے ملفوظات کو مولوی ثناء اللہ نے "ملفوظات حضرت سلطان عبدالحکیم[۲]" کے عنوان سے پنجابی میں منظوم کیا ہے۔

اسی طرح بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ایک اہم نام شاہ علی مردان کا بھی آتا ہے آپ کا تعلق صوفیاء کے سلسلہ اویسیہ سے تھا جو کہ حضرت اویس قرنی سے منسوب ہے دراصل آپ کے مرشد خواجہ محمد مراد اویسی کا شمار محکم الدین سیرانی[۳] کے خلفاء میں ہوتا ہے جن کا تعلق بیعت سلسلہ اویسیہ ہی سے تھا۔

ح۱۔ بحوالہ "ارض ملتان"، ص ۲۴۴

ح۲۔ ملاحظہ فرمایئے "ملفوظات سلطان عبدالحکیم" از مولوی ثناء اللہ مطبوعہ مظہر العلوم السلطانی عبدالحکیم سن اشاعت درج نہیں ہے۔

ح۳۔ فرحت ملتانی "اولیائے ملتان"، ص ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ شاہ علی مردان نے محکم الدین سیرانی سے بیعت حاصل کی تھی جو درست نہیں ہے اس لئے کہ محکم الدین سیرانی کی وفات ۹ ربیع الآخر ۱۱۸۸ھ میں ہوئی جبکہ آپ کا سن ولادت ۱۱۹۶ھ ہے۔ دراصل آپ کے مرشد خواجہ محمد مراد اویسی نے محکم الدین سیرانی سے بیعت کی تھی۔

Marfat.com

مخدوم شاہ علی مردان ۱۰۹۶ھ[1] میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا حافظ علی مدد تھا جن کے جدامجد (دادا) فقیر عبدالقادر عراقی عرب سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور یہیں رہائش اختیار کر لی تھی۔ مولانا حافظ علی مدد اندرون بوہڑ گیٹ میں بازار کتب فروشاں میں رہتے تھے اور درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ حافظ علی مدد نے اپنے بیٹے شاہ علی مردان کو خود تعلیم دی۔ ابتدا قرآن مجید سے کی اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم دی۔ علم حاصل کرنے کے بعد شاہ علی مردان نے اپنے والد کی طرح درس و تدریس کا سلسلہ اپنایا اور بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ آپ سے درس لیتے رہے ہیں۔ ان میں گیلانی، قریشی، پٹھان اور گردیزی خاندان کے لوگ شامل ہیں۔

شاہ علی مردان درس و تدریس کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لئے بہاولپور بھی تشریف لے گئے اور وہاں جامع مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ کیا۔ پھر آپ دوبارہ ملتان تشریف لائے اور یہاں پھر سے درس دینا شروع کر دیا۔ آپ کے زمانے میں نواب مظفر خان شہید حاکم ملتان تھا جو خود بھی آپ کا قدردان تھا لیکن آپ امراء کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے آپ نے اس کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ رکھا اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں کہ

> "آپ مظفر خانی عہد کے ایک بے نظیر عالم تھے۔ طالبان علم و ادب اکناف عالم سے کشاں کشاں یہاں پہنچتے اور آپ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لیتے۔ ریاضت و مجاہدات میں بھی آپ بے مثال تھے۔ آپ یتیموں اور بیواؤں کی امداد کیا کرتے تھے"[2]

اکرام الحق لکھتے ہیں کہ

> "علمیت میں مشہور، فقہ، حدیث و تفسیر کے مدرس تھے، ریاضت کے طور پر پانی بھرتے اور بے نیاز رہتے۔ امراء سے اجتناب اور غرباء سے محبت کرتے تھے"[3]

ص۱۔ بحوالہ "ارض ملتان" از اکرام الحق، ص ۱۵۱ جبکہ فرحت ملتانی "اولیائے ملتان" ص ۱۴۳ میں آپ کا سن ولادت ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں اور سن وفات ۱۲۸۴ھ لکھتے ہوئے عمر ۸۶ سال لکھتے ہیں، یہاں فرحت ملتانی خود تضاد کا شکار ہیں اس لئے کہ ان سنین کے مطابق تو عمر ۹۶ سال بنتی ہے، جو غلط ہے۔

ص۲۔ "اولیائے ملتان" ص ۲۲۹، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۶۴ء

ص۳۔ "ارض ملتان" ص ۱۵۲

Marfat.com

شاہ علی مردان نے ۲۵ رجب المرجب ۱۲۸۲ھ[1] میں وفات پائی آپ کا مزار چوک شہیداں اور حرم گیٹ کے درمیان والی سڑک پر ہے۔

اولاد علی گیلانی نے اور اکرام الحق نے آپ سے ایک کتاب "لطافت سیریہ" منسوب کی ہے جو کہ غلط ہے "لطافت سیریہ"، محمد سیجون داجلی کی تصنیف ہے۔ شاہ علی مردان نے اس کی تلخیص کی ہے۔[2]

یہاں تک جن صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بدولت ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ ہم اگلے باب میں لیں گے۔

ح ۱۔ آپ کے سن وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ح ۲۔ "حدیقۃ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری، ص ۲۰۸، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

Marfat.com

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر و سن اشاعت
۱۔	ارشد ملتانی	پریت مہار	بزم ثقافت ملتان
۲۔	اکرام الحق شیخ	ارض ملتان	شعبۂ نشر و اشاعت الاکرام ملتان
۳۔	اللہ بخش خان بلوچ مولوی	خاتم سلیمانی	اسٹیم پریس لاہور، ۱۳۲۵ھ
۴۔	امام الدین، فقیر	نافع السالکین (فارسی)	مطبع مرتضوی دہلی، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء
۵۔	امام بخش خواجہ مترجم صالح محمد	گلشن ابرار اردو ترجمہ حدیقۃ الاسرار	صدیقیہ پریس، ملتان
۶۔	ایچ۔ ایف۔ فاربس	فیصلہ مقدمہ دیوانی، مقدمہ نمبر ۱۰۹، ۱۹۱۱ء (خواجہ حامد و محمود)	یونین پرنٹنگ ورکس لدھیانہ ۱۹۱۲ء
۷۔	ایس حمید اللہ شاہ	پیر فرید	تاج بک ڈپو لاہور، بار اوّل
۸۔	بدایونی عبدالقادر	منتخب التواریخ (جلد سوم)	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۹۔	پرہاروی، عبدالعزیز مترجم: قاضی محمد برخوردار	گلزار جمالیہ، اردو ترجمہ الزار جمالیہ	ادا العلائے آگرہ ۱۳۲۵ھ
۱۰۔	پرہاروی، عبدالعزیز مترجم محمد اعظم سعیدی	الوز جمالیہ	سرائیکی اردو رائیٹرز گلڈ آف پاکستان کراچی
۱۱۔	جسکانی رفیق خاور	روح فرید	بزم ثقافت ملتان بار اوّل ۱۹۷۷ء
۱۲۔	حفیظ الرحمٰن مولوی	ذکر کرام	مطبوعہ دہلی رجب المرجب ۱۳۵۲ھ
۱۳۔	حکم چند	تواریخ ملتان	اس کتاب کا ٹائیٹل صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع کا پتہ نہیں چلتا
۱۴۔	ثناء اللہ مولوی	ملفوظات حضرت سلطان	مظہر العلوم الہلالی عبدالحکیم

Marfat.com

عبدالحکیم

۱۵۔	رکن الدین	اشارات فریدی (فارسی) (پہلی جلد تا چوتھی جلد)	مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ
۱۶۔	رکن الدین	مقابیس المجالس مترجم کیپٹن واحد بخش سیال	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۹ء
۱۷۔	سالک عبدالمجید	مسلم ثقافت ہندوستان میں	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم
۱۸۔	سرور لاہوری غلام	حدیقۃ الاولیاء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
۱۹۔	سلیمان نجم الدین	مناقب المحبوبین	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۹ء
۲۰۔	سلیمانی، نجم الدین	ایضاً	مطبع محمدی لاہور
۲۱۔	سیالوی شمس الحق	مراۃ العاشقین (فارسی)	مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء
۲۲۔	سیالوی شمس الحق	مراۃ العاشقین (اردو ترجمہ) مترجم غلام نظام الدین	اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور
۲۳۔	شفیع عقیل	پنجابی کے پانچ قدیم شاعر	انجمن ترقی اردو کراچی، بار اول ۷۰ء
۲۴۔	شہاب، مسعود حسن	خطہ پاک اوچ	اردو اکیڈمی بہاولپور طبع اول ۱۹۶۷ء
۲۵۔	شہاب، مسعود حسن	اولیائے بہاولپور	اردو اکیڈمی، بہاولپور بار دوم
۲۶۔	شہاب، مسعود حسن	خواجہ غلام فرید حیات و شاعری	جدید پریس لاہور
۲۷۔	شہزاد، محمد اختر	مناقب فریدی	مطبع احمد دہلی
۲۸۔	صالح محمد، مولوی	سیرت سلیمان	مطبوعہ لاہور ۱۹۳۵ھ
۲۹۔	صالح محمد۔ مولوی	حیات سلیمان تونسوی	چشتیہ کتاب گھر لاہور ۱۹۵۲ء (حصہ اول)
۳۰۔	صدیق طاہر (مرتب)	دیوان فرید (اردو)	اردو اکیڈمی۔ بہاولپور
۳۱۔	طاہر تونسوی ڈاکٹر	ملتان میں اردو شاعری	سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۵ء
۳۲۔	عبدالجبار (مرتب)	انتخاب مناقب سلیمانیہ	حمیدیہ سٹیم پریس لاہور ۱۳۲۵ھ

Marfat.com

۳۳۔ عبدالحق جہر، ڈاکٹر — مزید لسانی تحقیقاں — سرائیکی ادبی بورڈ ملتان بار اوّل ۱۹۸۵ء

۳۴۔ عبدالحق جہر، ڈاکٹر — نور جمال — سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۹۷۴ء

۳۵ عبیداللہ ملتانی — سِرِّ دلبراں (فارسی) — فیض عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ

۳۶۔ ایضاً، مترجم واحد بخش سیال — سرِ دلبراں (اُردو ترجمہ) — صوفی فاؤنڈیشن، بہاولپور طبع اوّل ۱۴۰۰ھ

۳۷۔ عبدالحیٔ ندوی سید — نزھۃ الخواطر جلد ششم — دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

۳۸۔ عزیز الرحمٰن، مولوی (مرتب) "دیوان فرید" (مقدمہ) مقدمہ از علامہ نسیم طالوت

۳۹۔ عمر کمال خان — نواب مظفر خان تمہید اور فاروقی کتب خانہ ملتان اس کا عہد

۴۰۔ غلام محمد خان — مناقب سلیمانی (فارسی) — در مطبع احمدی دہلی ۱۲۸۸ھ

۴۱۔ غلام فرید، خواجہ مترجم شیخ احمد سعید چشتی — مناقب محبوبیہ — انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن اوّل بار ۱۹۸۳ء

۴۲ غلام فرید، خواجہ — فوائد فریدیہ (فارسی) — مطبع محمدی مجتبائی لاہور ۱۳۱۲ھ

۴۳۔ ایضاً — دیوان فرید (اردو) ۱۸۸۲ء — در مطبع قادری لاہور

۴۴۔ ایضاً — ایضاً — ۱۸۸۳ء اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

۴۵۔ ایضاً — ایضاً — ۱۸۸۴ء مطبع گلزار اگیس گلزار محمد

۴۶۔ ایضاً — ایضاً — مکتبہ اویسیہ، بہاولپور

۴۷۔ غلام فخر الدین خواجہ — دیوان احدی — مکتبہ الجمال، جہانیاں منڈی خانیوال

۴۸۔ فرحت ملتانی — اولیائے ملتان — مکتبہ تنویر ادب، ملتان بار سوم ۱۹۸۴ھ

۴۹۔ فریدی نور احمد — "دیوان فریدی" (حصہ اوّل و دوم) — قصر الادب ملتان

۵۰۔ فقیر اللہ — تحفۂ فقیر (مسمّٰی بہ ہدیۂ فقیر) — مطبع محمد، لاہور

Marfat.com

۵۱۔ فیض اللہ خان قصوری مقدمہ تونسہ شریف ایضاً

۵۲۔ قاضی جاوید پنجاب کے صوفی دانشور شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اوّل ۱۹۷۹ء

۵۳۔ ایضاً برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء بک ٹریڈرز، لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۷ء

۵۴۔ قریشی عبدالغفور پنجابی ادب دی کہانی لاہور ۱۹۵۶ء

۵۵۔ کیفی جامپوری سرائیکی شاعری سیدؔ الیکٹرک پریس ملتان ۱۹۶۹ء

۵۶۔ کنہیا لعل تاریخ پنجاب سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۵۷۔ گل محمد احمد پوری خواجہ تکملہ سیر الاولیاء (فارسی) نولکشور کانپور

۵۸۔ گل محمد احمد پوری خواجہ تکملہ سیر الاولیاء مکتبہ الہام، بہاولپور
مترجم مسعود حسن شہاب

۵۹۔ گیلانی، اولاد علی اولیائے ملتان سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۳ء

۶۰۔ ایضاً مرقع ملتان سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔

۶۱۔ گیلانی شمس الدین ارمغان اوچہ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور ۱۹۶۶ء

۶۲۔ گیلانی موسیٰ پاک شہید تیسیر الشاغلین مطبع فیروز پور ۱۳۰۹ھ

۶۳۔ لینگر، ایل ولیم انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم لاہور ۱۹۶۱ء
مترجم (غلام رسول مہر)

۶۴۔ محدث دہلوی، عبدالحق اخبار الاخیار فی اسرار الابرار در مطبع مجتبائے دہلی ۱۳۳۲ھ

۶۵۔ مفتی علی الدین خلف مفتی
خیر الدین قصر عارفان (فارسی) جلد دوم پنجابی اکیڈمی لاہور

۶۶۔ محمد اکرام، شیخ رود کوثر ادارہ ثقافت اسلامیہ، ساتویں بار ۱۹۷۹ء

۶۷۔ محمد الیاس قیصر خیر البلاد قصر الادب خیر پور ٹامیوالی (بہاولپور)

Marfat.com

۶۸۔	محمد الدین	ذکر حبیب	مطبوعہ لاہور ۱۳۲۲ھ
۶۹۔	محمد الزفیروز	گوہر شب چراغ	کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، بار اوّل ۱۹۱۹ء
۷۰۔	محمد بشیر احمد	نقر فرید	نقوش پریس لاہور
۷۱۔	محمد حسین للہی ڈاکٹر	خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفار	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
۷۲۔	ایضاً	تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی اردو ترجمہ نافع السالکین	شعاع ادب لاہور بار اوّل
۷۳۔	محمد سلیم جمالی، محمد شہزادہ	ظہور جمال	جمال لائبریری، ملتان
۷۴۔	محمد شفیع، مولوی	مقالات دینی وعلمی (حصہ اوّل)	مزدور پرنٹنگ پریس لاہور
۷۵۔	محمد عبدالحکیم شرف قادری	تذکرہ اکابر اہلسنت	مکتبہ قادر لاہور
۷۶۔	ناظم بشیر حسین	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
۷۷۔	نظامی، خلیق احمد	تاریخ مشائخ چشت	دار المولفین اسلام آباد
۷۸۔		تحفۃ الابرار (جلد ثانی)	مطبع رضوی دہلی

اخبار

۷۹۔	عبدالحق مہر، ڈاکٹر	ملتان کے اسلامی دور حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں	امروز ملتان نمبر جون ۱۹۷۸ء
۸۰۔	محمد اقبال عاصی	حضرت منشی غلام حسن شہید رحمتہ اللہ علیہ	امروز ۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء
۸۱۔	نور احمد فریدی	حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید	امروز (خاص ایڈیشن) ۳ جون ۱۹۸۳ء

Marfat.com

رسالہ

۸۲۔ نسیم طالوت علامہ حضرت عراقی کی اولاد" تنویر، ملتان سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء

غیر مطبوعہ

۸۳۔ عبدالحق، ڈاکٹر پیامِ فرید

۸۴۔ یاسین قریشی خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری

قلمی نسخے (چوتھا باب)

۸۵۔ امام الدین، مولانا (مرتب) نافع السالکین (فارسی) ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی

۸۶۔ احمد یار، حافظ (مؤلف) منتخب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی)

۸۷۔ یار محمد بن تاج چشتی انوارِ سلیمانیہ (مرتب)

۸۸۔ امام بخش خواجہ گلشن ابرار (فارسی)

۸۹۔ درزی تونسوی، میاں مناقب سلیمانی (فارسی یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیے پر لکھی گئی ہے)

۹۰۔ رکن الدین، مولوی اشارات فریدی (حصہ پنجم) فارسی، ملفوظات خواجہ غلام فرید

۹۱۔ زاہد شاہ مٹھن مخدوم اسرار الکمالیہ (فارسی)، ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی (اسید)

۹۲۔ سعید اللہ رضوی (سید) بحر السرار (فارسی) خلیفہ محمد امین (کاتب)

۹۳۔ عبدالغفور انصاری، مولوی المتخلص عبداللہ در تعریف خواجہ خدا بخش (سرائیکی منظوم)

۹۴۔ غلام حسن شہید، منشی انوارِ جمالیہ (فارسی)، سوانح عمری حافظ محمد جمال ملتانی

۹۵۔ ایضاً دیوان حسن (فارسی)

۹۶۔ ایضاً نور الہدایت (مثنوی فارسی)

Marfat.com

۹۷۔ ایضاً — رسالہ نور الہدیٰ (فارسی)

۹۸۔ ایضاً — کلمات الانصاف (عربی)

۹۹۔ تا ۱۰۰ — ایضاً — دیوان متفرقات (اردو، سرائیکی، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف

۱۰۰۔ غلام فخر الدین (تونسوی) مولانا حکیم محمد عمر چشتی (مرتب) — خلاصۃ الفوائد مشتمل بر حالات خواجہ نور محمد مہاروی — ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ

۱۰۱۔ یار محمد خلیفہ غلام حسن شہید — تذکرہ حضرت محبوب ذوالمنن — ۱۳۱۰ھ

۱۰۲۔ فقیر محمد عارف — کوہ غم، در بیان سفر بیت اللہ شریف و مدینہ (سرائیکی) ۱۳۰۱ھ

۱۰۳۔ نظام الملک — مناقب فخریہ مشتمل بر حالات خواجہ فخر الدین دہلی ۱۲۹۳ھ

۱۰۴۔ یار محمد بن تاج محمد (مرتب) احمد الدین (کاتب) — المنتخب ملفوظ فارسی کتاب ۱۴ محرم ۱۳۱۶ھ

۱۰۵۔ یار محمد بن تاج محمد (کاتب) — انوار سلیمانیہ (فارسی) (یہ دونوں "منتخب ملفوظ شریف" کے قلمی نسخے ہیں صرف کاتب مختلف ہیں)

BIBLIOGRAPHY

1. C.Shackle " Nure-Jamal" Baz-me-Saqafat, Multan.

2. C.Shackle "The Teaching of Khwaja Farid " Baz-me-Saqafat, Multan.

3. Translated by Aslam Ansari/Gilani Kamaran "Kafees" Baz-me-Saqafat, Multan ..... First Edition 1969.

4. Nazir Ali Shah " Farid " Urdu Academy, Bahawalpur.

Marfat.com

باب چہارم

ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصّہ

(مجموعی جائزہ)

(الف) ملتان کے فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات

(ب) ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیائے کے اثرات

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیائے کے اثرات کا مجموعی جائزہ

Marfat.com

ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصّہ ،

(الف)

ملتان کے فنونِ لطیفہ و مفیدہ پر صوفیار کے اثرات کا جائزہ

سرزمین ملتان کو قرن ہا قرن سے انسانی تہذیب و معاشرت کے حامل قدیم ترین شہروں اور خطوں پر جو فضیلت حاصل رہی ہے۔ اس کا سبب محض اس کی قدامت یا بابل ، نینوا اور موہنجوڈارو کی ہم عصری یا ہمسری نہیں بلکہ اس کا یہ شرف ان صوفیار اور اولیائے کرام کی بدولت قائم ہوا جنہوں نے اس سرزمین کو اپنا مستقل مستقر بنایا اور یہاں رشد و ہدایت ، علم و عرفان ، تعلیم و تعلّم اور فلسفہ و تصوف کے بیج بوئے بلکہ تہذیب و ثقافت اور ادب و شعر میں مثبت اور تعمیری رویّوں کو بھی عام کیا۔ ارضِ ملتان کے کاخ و کو ، قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) اور قدیم اسلوبِ تعمیر کی حامل عمارتوں ، خانقاہوں اور مسجدوں کے نیچے صدیوں اور قرنوں کی تہذیبی چنگاریاں دبی ہوئی ہیں۔ جملہ فنونِ لطیفہ و مفیدہ کی نشو ونما ارضِ ملتان میں ازمۂ قدیم سے تہذیب و ثقافت کے ارتقار کا حصّہ رہی ہے۔ فنِ تعمیر ، شاعری ، موسیقی اور مصوری ، سنگ تراشی ، کاشی گری ، خطاطی ، جلد سازی ، طب و حکمت ، قالین بافی ، ظروف سازی ، نقاشی اور دیگر فنون کے لحاظ سے ملتان دنیا کے کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں رہا۔ ارتقار کا عمل کسی اتفاقی یا الحاقی حادثے کا مرہونِ منت نہیں ہوتا بلکہ اس میں صدیوں کے انسانی تجربات شامل ہوتے ہیں ، انسانی سوچ ، انسانی محنت اور انسانی مساعی کا ثمرہ جہاں روایات کو جنم دیتا ہے وہاں امکانات کو بھی منکشف کرتا ہے۔ ابتدائی انسانوں نے جو ورثہ آئندہ نسل کو منتقل کیا آنے والوں نے اس سے استفادے کے

Marfat.com

بعد اس میں اضافہ کیا، نئے آفاق تلاش کئے اور پھر اس روایت میں نئی روایت کو تخلیق کر کے عظیم مستقبل کی طرح ڈالی۔

فنونِ لطیفہ ہوں یا مفیدہ ..... ان کی ابتدا انفرادی سطح پر ہوتی کسی ایک انسان نے ایک چیز ایجاد کی لیکن اس کی اختراع نے انسانی زندگی کو نئے امکانات سے روشناس کرایا اور پھر اجتماعی سطح کی محنت و ریاضت نے اسے ایک ایسے ورثے میں تبدیل کر دیا جس نے اجتماعی زندگی کی برکتوں میں اضافہ کیا۔ ملتان میں تہذیب و ثقافت اور ادب و فن کی ترویج کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام و اولیائے عظام کے سر جاتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام نے شائستہ اور شستہ اعمال کی جو بنیاد ڈالی وہ ان کے ادراکِ جمال اور تشکیلِ جمال کے سلسلے کی کاوشوں کا ثمرہ تھا۔ ان فنون کے پیچھے صوفیاء کے عقائد، تصورات اور اظہارات کی توانائی بھی موجود تھی اور ان کے تہذیبی مزاج اور داخلی واردات کی قوت بھی۔

فنونِ لطیفہ ہوں یا مفیدہ ..... ان میں افراد اور اقوام کے تہذیبی رویوں، مذہبی تصورات، ذہنی و قلبی واردات اور نسلی خصائص کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ ملتان میں فنونِ لطیفہ و مفیدہ کے ارتقاء پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کو تہذیبی اور ثقافتی ورثہ بنانے میں ان بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے جن کے لمحاتِ عرفان سے لوگوں کے قلب و نظر مستنیر ہوئے اور پھر انہوں نے بھی عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے اظہار کے نئے نئے وسیلے اختیار کئے۔ کبھی شعر و ادب کو وسیلہ بنایا کبھی عمارتوں کی تعمیر میں عقیدت کا اظہار کیا کبھی نقاشی اور کاشی گری کے ذریعے ان کی تزئین اور آرائش کی کبھی صوفیاء کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کی خاطر خطاطی کے جوہر دکھائے، پھر ان مقدس صفحات کو منقش و مصور کیا۔ کبھی سماع کی وجد آور محفلیں سجائیں کبھی ان صوفیاء کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے مدرسے اور مکتب قائم کئے ..... اور یوں ہمارے بیشتر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ورثے کا محرک صوفیائے کرام کا وجودِ مسعود ہی بنا۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے سب سے پہلے ہم فنِ تعمیر کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ فنِ تعمیر

کسی بھی قوم کا فنِ تعمیر اس کی معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی ضرورتوں کا آئینہ دار ہوتا ہے مذہب نے فنِ تعمیر کو بہت متاثر کیا ہے۔ مذہب نے عبادت کا تصور دیا جس سے عبادت خانے وجود میں آئے جو اس مذہب کے عقائد کے مطابق تعمیر کئے گئے۔ فنِ تعمیر پر اسلام کی

Marfat.com

گہری چھاپ ہے۔ مساجد اور خانقاہیں مسلم فن تعمیر کے عظیم مظاہر ہیں۔ مسلم فن تعمیر کے بارے میں ڈاکٹر سید اسد علی لکھتے ہیں۔

"روحانی اعتبار سے اسلامی تہذیب وتمدن کی نشو ونما ایسے علاقوں میں ہوئی تھی جہاں بڑے اور گھنے جنگل نام کو بھی نہ تھے وہاں وسیع وعریض ریگستانی اور نصف بنجر زمین کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز بڑی صاف اور واضح دکھائی پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم فن تعمیر میں صفائی ستھرائی، ہمہ گیریت، اخلاق کی عمدگی اور ساخت کی عظمت صاف دکھائی پڑتی ہے۔ اسلامی ممالک میں بہت مضبوط عمارتی لکڑی بھی زیادہ حاصل نہیں ہو پاتی تھی اور کئی علاقوں میں تو بڑے بڑے پتھر بھی حاصل نہیں ہو پاتے تھے ان تمام خامیوں کے باوجود اسلام کی اجتماعی عبادت، مساوات جیسی صفات کی وجہ سے معمار کافی وسیع رقبوں کو تعمیرات کے لئے منتخب کرتے تھے جن میں بڑے بڑے صحن، محراب دالان، گول گنبد وغیرہ بنانے پڑتے ہیں۔

عرب کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہاں کی تمام ثقافتی چیزوں کو قرآن کی روشنی میں اسلامی رنگ میں رنگ لیا گیا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت جہاں جہاں ہوئی، وہاں وہاں رسوم کو اسلامی آدرشوں کے مطابق ڈھال کر مسلم ثقافت کو ترقی دی گئی مسلم فن تعمیر نے کہیں تو غرناطہ کے قصر الزہرا اور قصر احمر، کہیں بغداد کے قصر امین اور قصر زبیدہ کے طرز تعمیر کو اسلامی آدرشوں پر ڈھال کر اختیار کیا، کہیں ایرانی ہشت پہلو طرز تعمیر کو اپنایا، کہیں سارسنگ، سرمانی اثرات کو قبول کیا۔ اس طرح اسیریا بابلونیا مصر، یونان، روم، بازنطین، بغداد، ایران وغیرہ جہاں جہاں بھی اسلامی قوت روحانیت کی اشاعت ہوئی، مسلمانوں نے اسلام کی روشنی میں ڈھال کر وہاں کی ثقافت اور فنون کو اختیار کر لیا۔"[۱]

محولہ بالا اقتباس میں مسلم فن تعمیر کی چند مجموعی اور امتیازی خصوصیات کا تذکرہ ہے جن میں صفائی،

---

[۱] "ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" مصنفہ ڈاکٹر سید اسد علی مترجمہ ڈاکٹر ماجدہ اسد، ص ۲۳۹ تا ۲۴۰، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، پہلا ایڈیشن، ۱۹۷۹ء

Marfat.com

ہمہ گیریت، ساخت کی عظمت، وسعت، صحن کی فراخی، دالان، گول گنبد وغیرہ نمایاں ہیں۔ اس اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم فن تعمیر نے دیگر تہذیبوں کے فن تعمیر سے بھی اثر قبول کیا ہے۔

جب مسلمان برصغیر ہند و پاک میں آئے تو اپنا فن تعمیر بھی ساتھ لائے۔ انہوں نے مقامی فن تعمیر سے بھی استفادہ کیا لیکن اسلامی خصوصیات کو برقرار رکھا۔ دونوں طرز ہائے تعمیر میں واضح فرق موجود ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں۔

"اسلامی اور ہندوانی فن تعمیر میں نہ صرف صوری اعتبار سے فرق ہے بلکہ معنوی اعتبار سے بھی اختلاف ہے اور دونوں میں تعمیر کے علیحدہ علیحدہ طریقے بھی برتے گئے ہیں۔۔۔۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مختلف مذہبی و معاشرتی رسوم، نیز ان حالات کے مطالعہ سے جن کے ماتحت وہ زندگی بسر کرتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کے طرز تعمیر کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کا طریق عبادت بالکل سادہ تھا وہ خدا کو بتوں کے مجازی پیکر میں دیکھنے کے قائل نہ تھے۔ پادریوں اور پنڈتوں کی طرح ان کے کوئی پیشہ ور مذہبی پیشوا نہ تھے۔ اور نہ وہ پُراسرار فضا تھی جو ایسے مذہبی لوگوں کے گرد پیدا ہو جاتی ہے مسلمان مُردوں کو دفن کرنے کے معتقد تھے ان میں قبروں پر پائدار مقبرے بطور یادگار تعمیر کرنے کا رواج قائم ہو چکا تھا۔۔۔۔ طریقہ تعمیر میں ایک اور فرق یہ تھا کہ ہندو عمارات کو جوڑنے والے مسالے مثلاً چونے کا استعمال نہیں کرتے تھے اس کے برخلاف مسلمانوں کی عمارتوں میں چونا بکثرت استعمال ہوتا۔۔۔۔ مسلمانوں کی مسجد کھلی اور وسیع اور نماز باجماعت کے لئے بڑے بڑے دالانوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے برعکس ہندوؤں کے مندر میں صرف دیوتا کی مورت کے لئے ایک چھوٹا کمرہ ہوتا تھا جس تک پہنچنے کے لئے ایک طویل تنگ و تاریک گزرگاہ ہوتی تھی۔۔۔۔ ہندو اپنی عمارتوں کو سانچوں میں ڈھلی ہوئی مورتوں وغیرہ سے آراستہ کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کی عمارتیں رنگین خطوط، ابھرواں نقاشی اور خطاطی سے آرائش زیادہ طبیعاتی اور پرکار ہوتی تھیں لیکن مسلمان اپنی آرائشوں میں بہت اعتدال سے کام لیتے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں نے بعض نئی نئی چیزیں بھی داخل کیں مثلاً مینار اور مینارے

Marfat.com

گنبد کاکروی شلث، ڈاٹ دار محرابیں، آویزے، مقرنس اور نصف گنبد والے دوہرے پھاٹک وغیرہ بعض اوقات وہ اپنی عمارتوں پر نقاشی اور طلاکاری بھی کرتے تھے اور کبھی بوقلموں رنگوں سے پیدا کرنے اور تعمیری خصوصیات کو نمایاں کرنے کیلئے مختلف رنگوں کے پتھر بھی کام میں لاتے تھے۔ بعد میں انہوں نے پچی کاری کا استعمال کیا جس نے ترقی کر کے نگینہ کاری کی شکل اختیار کی۔ مسلمان کاشی کار اینٹیں بنانے اور منبت کاری کی صنعتیں بھی اپنے ساتھ لائے تھے لیکن انہوں نے خاکہ کی شان و شوکت، ہیئت کی دلآویزی اور خط فلکی پر زور دیا۔ جو ان تمام لوازمات سے زیادہ موثر ثابت ہوا۔ انہوں نے خطاطی کے پیچ و خم کھلتے مرغولوں کی مسحور کن خوبصورتی سے فن تعمیر کو چار چاند لگا دیے۔

متذکرہ اقتباسات میں ہندو اور اسلامی طرز تعمیر میں واضح فرق بیان کیا گیا ہے۔ یہ فرق اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ دونوں قوموں کی طرز معاشرت اور عقائد ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ البتہ مسلمانوں نے جہاں مقامی طرز تعمیر سے فائدہ اٹھایا وہاں برصغیر کے فن تعمیر پر گہرا اثر بھی چھوڑا فن تعمیر کی بیشتر مروجہ اصطلاحات کا عربی اور فارسی سے تعلق ہے جو یہاں کی زبانوں میں کھپ گئی ہیں۔ مثلاً راج، قلعی، مستری، بارہ دری، دالان، غسل خانہ، بالاخانہ، دیوان خانہ، قلعہ، مقبرہ، محل وغیرہ مسجد اور خانقاہ مسلم فن تعمیر کے دو بڑے مظاہر ہیں۔ ملتان کی سرزمین میں ان دونوں میں فن تعمیر کے نادر نمونے موجود ہیں۔ ملتان میں فن تعمیر میں جدت اور اختراع کا آغاز بھی صوفیاء کی آمد کے بعد ہوا۔ لوگوں نے ازراہِ عقیدت مقبروں اور مزاروں کی تعمیر میں خون جگر کی نمود پیدا کی۔ خانقاہوں اور مساجد و مدارس کی تعمیر کے سلسلے میں کاشی گری کا فن چکا دلکش اور دلفریب نقش و نگار سے مزین کاشی سلیں مغل دور میں خصوصاً مقبول ہوئیں۔ کاشی گروں کے خاندان ملتان میں اب بھی موجود ہیں۔ اور انہیں یہ فن ورثے میں ملا ہے اب ہم ذیل میں فن تعمیر کے کچھ نمونوں کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

مساجد

مسجد مسلم فن تعمیر کی آئینہ دار ہے۔ یہ گنبد، محراب، دالان اور میناروں پر مشتمل ہوتی ہے

ص ا ۔ بحوالہ سرسید پاکستانی ادب چوتھی جلد، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی، فروری ۱۹۸۲ء ص ۲۹۰ تا ۲۹۲، مضمون بعنوان "برصغیر کے مسلمانوں کا فن تعمیر" از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔

Marfat.com

ہے آیات کی خطاطی، نقاشی، کاشی گری سے مزین کیا جاتا ہے۔ قدیم مساجد میں چھوٹی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ جنہیں مسالے سے جوڑا گیا ہے۔ پتھر کی سلیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ مسجد کا طرز تعمیر پرشکوہ اور مقدس ہوتا ہے۔

(۱) ملتان میں سب سے پہلے محمد بن قاسم نے دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایک قلعہ کہنہ پر جسے جلم بن شیبان نے جو اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کروا ڈالا۔ بعد میں محمود غزنوی نے جلم بن شیبان کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کروا کے محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔[۱] آخر کار سکھوں نے اسے منہدم کرا دیا۔ دوسری مسجد اندرون ملتان شہر بنوائی جو آج بھی چوڑی سرائے میں خستہ حالت میں موجود ہے۔

(۲) مسجد ولی محمد خان۔۔۔ یہ مسجد شہر کے وسط میں یعنی چوک بازار میں واقع ہے اسے ۱۷۵۸ء میں ملتان کے والی علی محمد خان نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے اور اس کے پیچھے چاروں طرف دکانیں ہیں جن کا معقول کرایہ وصول ہوتا ہے۔ اس کی دیواروں پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں اور قرآنی آیات اور اسمائے تعالیٰ لکھے گئے ہیں۔ چھت لکڑی کی ہے جس پر نقاشی کا کام کیا گیا ہے۔ منبر و محراب سنگ مرمر کے ہیں۔ صحن کے وسط میں بڑا سا تالاب ہے جو وضو کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا "دالان" عمارت اندر سے ۷ار فٹ چوڑا اور چوالیس فٹ لمبا ہے۔[۲] یہ عمارت بقول سید اولاد علی گیلانی "اس علاقہ کی صنعت کاشی گری کا بہترین نمونہ ہے۔[۳]" مسجد کے دروازے پر یہ اشعار درج ہیں۔

بفضل ایزد و لطف نبی آخر زماں — بہ یمن حضرت جیلانی و غوث مہر دو جہاں
بہ جائے شحنۂ بازار بہر جرم و فساد — کہ بد چبوترہ دار جرم و ظلم عیاں
بنائے مسجد و حمام چاہ حوض عجیب — بساخت بر سر بازار ناظم ملتان
برائے بنائش زغیب ہاتف گفت — نمود مسجد عالی علی محمد خان

مندرجہ ذیل اشعار بھی مسجد میں درج ہیں۔

---

[۱]۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ سندھ" از اعجاز الحق قدوسی، صہ

[۲]۔ بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، صہ ۱۷۱، مطبوعہ از شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام" ملتان

[۳]۔ بحوالہ "مرقع ملتان"، صہ ۲۳۰

Marfat.com

زہے عمارت عالی مسجد ملتان — کہ کردہ بود بنائش علی محمد خاں

کشید بر سر بازار بادۂ ضد اقبال[۱] — لوا مر دین نبی ہم چو آفتاب عیاں

بماند در کف سنگھاں بہ سال سی و چہار — اسیر و بند کہ می کرد ماہ و سال فغاں

ظہور نور جبیسی رہاند از بند یشس — کہ گشتہ است ظہورش زلزلز کون و مکاں

پس از شکستن سنگھاں تیار شد از نو — بہ زینہ ہا و ستون ہا ر نقشہ والاں

چو کرد نور محمد کشادہ از بندش — تافت ہمچو ستارہ ز ظلمت سنگھاں

ان اشعار میں مسجد کی تاریخ تعمیر بھی درج ہے سکھوں کی شکست کے بعد اسے دوبارہ آراستہ کیا گیا تھا۔

(۳) ساوی/سبز مسجد۔۔۔ روغنی اینٹوں سے تعمیر کردہ یہ عمارت کوٹلہ تولے خان (تغلق خان) میں واقع ہے عمارت خاصی بلند ہے اندر دیواروں پر یہ اشعار لکھے گئے ہیں۔

جگر خواری از مے گساری بہ است — کہ غم دیدہ را آہ و زاری بہ است

بیا مطربا از طرب بگذریم — ز چنگ طرب تار باید گسیخت

ز چنگ اجل چوں شاید گریخت — ز چنگ طرب نا رہا بر قدیم

شنیدی چوں احوال گیتی تمام — بجز حق منہ دل بکس والسلام

(۴) مسجد پھل ہٹالوانی۔۔۔۔ مسجد ولی محمد خان سے شمال حسین آگاہی کی طرف ذرا آگے بڑھیں تو بائیں جانب ایک اونچی مسجد ہے جو مسجد پھل ہٹالوانی کہلاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر کے لیے فرخ سیر تاجدار ہندوستان (۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) نے اسی ہزار روپیہ دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایک ملتانی فقیر کی دعا سے (فرخ سیر کو) اولاد نصیب ہوئی۔ اس خوشی میں اس نے اسی ہزار روپے بطور انعام فقیر کو دیئے۔ فقیر نے اس روپے سے یہ مسجد بنوادی۔ اس کی سیڑھیوں پر اور آس پاس گل فروش دکانوں کی رعایت سے یہ نام پڑ گیا[۱]۔

(۵) عید گاہ ملتان سے خانیوال کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے عید گاہ واقع ہے یہ مسجد خاصی وسیع و عریض ہے اسے ۱۷۳۵ء میں ملتان اور لاہور کے صوبیدار نواب عبدالصمد خان نے تعمیر کرایا[۲]۔ شیخ اکرام الحق کے مطابق "یہ وہی عبدالصمد ہے جس کی لڑکی اپنے زہد و ورع کی وجہ

ص۱۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص۱۷۲

ص۲۔ بحوالہ "مرقع ملتان" ص۱۳۱۔

Marfat.com

سے علامہ اقبال کا ممدوح بنی[۱]

"مسجد کا محراب دار مسقف دالان دو سو چالیس فٹ لمبا ہے اور چون فٹ چوڑا ہے درمیان میں خوبصورت گنبد ہے کلاہ پوش ہے کونوں پر بلند مینار ہیں۔ باہر صحن میں اینٹوں کا فرش ہے"[۲]

اس مسجد کو بھی سکھوں نے تاراج کیا لیکن بعد میں اس کو دوبارہ مرمت کیا گیا اور اس کی شان و شوکت دوبارہ بحال ہو گئی، عیدین کے موقع پر یہاں بڑا ہجوم ہوتا ہے۔

(۶) مسجد غوثیہ ...... یہ مسجد اندرون شہر حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار کے ساتھ واقع ہے اس کی لمبائی ساٹھ فٹ اور چوڑائی تیس فٹ ہے۔ فرش مرمر کا ہے اور مصلّیٰ سنگ موسیٰ کا بنا ہوا ہے اس کے تین گنبد ہیں اس کی تعمیر کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہے۔

(۷) مسجد شاکر خان ...... نواب شاکر خان ۱۷۵۳ء میں ملتان کے صوبیدار تھے۔ انہوں نے ابدالی روڈ پر اپنی اقامت گاہ شیش محل کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ مسجد صاف ستھری اور دیدہ زیب ہے۔[۳]

(۸) مسجد خدکہ ...... قدیر آباد میں خدکوں کے محلے میں واقع ہے۔ اس میں کاشی گری کا کام نہایت نفاست سے کیا گیا ہے۔

ان مساجد کی تزئین نقاشی قرآنی آیات کی خطاطی اور اشعار سے کی گئی ہے۔ اکثر مساجد میں فارسی کے اشعار درج ہیں جن میں مسجد کی تاریخ اور اس کے بنوانے والے کے نام منظوم ہوتے ہیں یہ مساجد ملتان کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

خانقاہیں

ملتان کی خانقاہیں اپنے انوکھے اور منفرد طرز تعمیر کی بدولت پورے برصغیر میں مشہور ہیں۔ ان خانقاہوں کی تعمیر زیادہ تر صوفیاء کے وجود مسعود کی مرہون منت رہی ہے۔ ہر خانقاہ کسی نہ کسی صوفی اور ولی کے ساتھ منسوب ہے۔ اسلامی تصوف میں ان خانقاہوں کو ہمیشہ

ص۱۔ص۲۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص ۱۷۳

ص۳۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص ۱۷۵

Marfat.com

بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ یہ نہ صرف روحانی فیوض کا مرکز رہیں بلکہ درس و تدریس اور عملی تربیت کے بہترین ادارے بھی تھیں۔ ملتان کی بعض خانقاہیں مسلم فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان خانقاہوں میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

خانقاہ دیوان چاولی مشائخ

آپ کے روضے کی تفصیل آپ کے ذکر میں آچکی ہے

حضرت دیوان چاولی مشائخ برصغیر پاک و ہند کے پہلے صوفی ہیں اور اس اعتبار سے ان کا روضہ بھی قدیم ترین ہے۔ مقبرے کو موجودہ شکل میں محمود غزنوی نے تعمیر کرایا اور جہانگیر نے اس کی مرمت کرائی اس مزار کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہاں بڑے بڑے صوفیا نے چلہ کشی کی اور روحانی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پروفیسر محمد امین لکھتے ہیں کہ

"آپ کے مزار پر بڑے بڑے صوفیا نے چلہ کشی کی اور فیض پایا جن میں بابا فرید گنج شکر، جلال الدین سلمان، بہاؤالدین زکریا ملتانی، عثمان مروندی، لال شہباز قلندر جیسے صوفیا کے اسما شامل ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ہندوؤں نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جن میں باباگرو نانک بھی شامل ہیں"[1]

موجودہ عمارت دیوان مولراج کے زمانے میں نئے سرے سے تعمیر ہوئی روضے کی تعمیر کے بارے میں لالہ حکم چند لکھتے ہیں۔

"یہ خانقاہ اندر موضع چاولی مشائخ پرگنہ میلسی متصل موضع ساہو کے حد شرقی پر واقع ہے یہ خانقاہ و مسجد پختہ اور دروازہ و چار دیواری ہر ایک عمارت پختہ ہے ایک مسجد کہنہ شکستہ جانب شمال روضہ سے ہے جو تعمیر کردہ محمود غزنوی بیان کرتے ہیں۔ دوسری مسجد جانب شرق روضہ کے تعمیر کردہ جہانگیر بادشاہ کی ہے اور اندر روضہ کے ایک تربت دیوان صاحب دوسری مزار ننگن برس ہمشیرہ دیوان صاحب کی ہے اور روضہ سے باہر اندر احاطہ ایک اعصا دیوان صاحب کا پڑا ہوا ہے اور احاطہ روضہ سے باہر مکانات ذیل ہیں"[2]

ص ۱: بحوالہ مضمون "مسلم فلسفے میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو جولائی ۱۹۸۳ء، ص ۳۳

ص ۲: بحوالہ "تواریخ ملتان" از لالہ حکم چند، ص ۱۰۸

Marfat.com

خانقاہ کا یہ قدیم ترین نمونہ بڑی شکستہ حالت میں ہے پھر بھی مساجد اور روضہ کا فن تعمیر دیدہ زیب ہے اور اس دور کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

خانقاہ شاہ یوسف گردیز

حضرت شاہ یوسف گردیز کا مزار فن تعمیر کا ایک انوکھا اور عمدہ شاہکار ہے۔ یہ قدیم ترین مزاروں میں سے ایک ہے اسے ۱۱۵۰ میں شاہ یوسف گردیز کی وفات کے بعد تعمیر کیا گیا۔ یہ اندرون بوہڑ گیٹ محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے اس کا ایک نمونہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ فنی لحاظ سے یہ مقبرہ سادہ اور چوکور ہے۔ اس کی لمبائی ۴۲ فٹ اور چوڑائی ۳۲ فٹ ہے اس میں جو اینٹیں استعمال ہوئی ہیں ان کی لمبائی آٹھ انچ اور موٹائی دو انچ ہے۔ دروازے کے اوپر چھت کے سہارے کے لئے اینٹوں کا قوس نما محراب ہے جو اسلامی طرز کا مظہر ہے۔ چھت میں آئینے جڑے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر نیلے رنگ کی روغنی اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ شیخ اکرام الحق نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

"سقف میں چھوٹے چھوٹے آئینے اور دیواروں کے اندر اور باہر نیلے رنگ کی روغنی اینٹوں کو بیل بوٹوں کی طرح جڑا گیا ہے۔ جس میں منظر دیدنی ہو گیا ہے۔ مربع جسامت کے لکڑی کے لمبے ٹکڑے کونوں میں مضبوطی پر تشدید کے لئے نصب ہیں۔ چوبی سے نقش کاری کا اولین نمونہ شاہ دروازہ پر کتبہ تاریخ ہے جو اب لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے[1]۔"

پرسی براؤن کے مطابق شاہ یوسف گردیز کا مزار اپنی طرز تعمیر کے اعتبار سے ملتان کے دوسرے معابد اور مزارات سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس کی صرف ایک منزل بنائی گئی ہے[2]۔ ریاض احمد ملک اس مزار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس قسم کی عمارتیں صرف ایران میں نظر آتی ہیں جبکہ طرز تعمیر میں ان کا اثر صرف نادر

---

[1]۔ بحوالہ "ارض ملتان"، ص ۱۳۴

[2]:

Marfat.com

صرف بیرونی آرائش میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جہاں مختلف رنگوں کے امتزاج اور اینٹوں کی بناوٹ سے زیبائش و تزئین کا کام لیا گیا ہے . . . اگرچہ زیادہ تر اینٹوں پر رنگوں سے آرائش کی گئی ہے لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جن پر نمونے ڈھلائی سے تیار کیے گئے ہیں۔ یہ گہرائی کا تاثر پیدا کرتے ہیں۔ گوناں گوں رنگوں کی یہ آرائش فن کی ابتدائی حالت نمایاں کرتی ہے جس سے مجموعی طور پر ایک لطیف احساس زیبائش اور ایرانی طرز تعمیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔"[1]

روضہ غوث بہاء الحق

یہ روضہ قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) پر بھگت پرہلاد کے مندر سے متصل ہے۔ شروع سے لے کر آج تک مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔ اس مزار میں حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے ساتھ ان کے فرزند اور خلیفہ شیخ صدر الدین عارف بھی مدفون ہیں یہ مقبرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی زندگی میں خود تعمیر کرایا تھا اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ مزار ۱۸۴۸ء کے محاصرے میں تباہ ہو گیا تھا اور مسلمانوں نے اسے دوبارہ بنوایا[2] اس کی تفصیل ہم شیخ اکرام کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

"مقبرہ ساڑھے نو فٹ کے آثار پر چوکور اساس پر تعمیر ہوا ہے مقبرہ اندر ۵۳ فٹ مربع ہے اس طرز کا دوسرا مزار ہند و پاکستان میں فقط ایک اور ہے جو سونی پت میں ہے . . . شہتیر نما چوبی ٹکڑے مختلف کونوں میں مضبوطی پیدا کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں دروازوں اور ان کے اوپر دریچوں پر اس قسم کے چوبی ٹکڑے تہ بہ تہ مختلف اونچائیوں میں نصب کیے گئے ہیں جن سے سطح سطور کا دلآویز نقشہ پیدا ہو گیا ہے مقبرے کے اندرونی کمرے کے صدر دروازہ کی لکڑی پر آیۃ الکرسی خط نسخ میں نمایاں طور پر لکھوائی گئی ہے۔ چوب کاری میں کاریگروں نے صرف اسلامی یا ایرانی روایات

ص۱۔ بحوالہ "ملتان کا مخصوص فن تعمیر اور اس کے چند شاہکار" از ریاض احمد ملک، مطبوعہ امروز ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء اس مضمون کا زیادہ تر مواد پرسی براؤن کی کتاب " " سے بغیر حوالے کے اخذ کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے

ص۲۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" مرتبہ ارشد حسین ارشد ص ۹ مطبوعہ بزم ترقی ادب ملتان، بار اول ستمبر ۱۹۶۸ء

Marfat.com

کو ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اپنی فنی صلاحیت اور تخیل سے بھی کام لیا ہے مثلاً دروازہ کی چوکھٹ کے بازوؤں پر جہاں لکڑی میں اس کا نمونہ ابھارا گیا ہے جس کے مجموعی اثر سے خیمہ کے بنیادی اسلامی تصور کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ تربت کے گرد چوبی منقش کٹہرہ بعد میں لگایا گیا[1]۔

یہ مقبرہ ملتان کے مخصوص فن تعمیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے جو تناسب اور ہم آہنگی کا شاہکار ہے اسکا منقش محرابی دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ چالیس فٹ اونچی بنیادی منزل میں کسی قسم کی آرائش نہیں کی گئی[2]۔ لیکن ریاض احمد ملک کے الفاظ میں

"اگرچہ عمارت کا طرز تعمیر سادہ ہے لیکن پہلی نظر میں اس کی مقصدیت سے بھرپور اثر آفرینی اور عظمت اپنی پوری سادگی اور وقار کے ساتھ نظر آجاتی ہے"[3]۔

موسیٰ پاک شہید

موسیٰ پاک شہید کا مزار اندرون پاک دروازہ واقع ہے۔ پاک دروازے کی طرف بازار مزافہ کے طرف جائیں تو بائیں ہاتھ پر ایک بلند دروازہ آتا ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

سگ درگاہ میراں شو چو خواہی قرب یانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگ دربار جیلانی

دروازے کے اندر داخل ہوں تو سارا راستہ چھت سے ڈھکا ہوا ہے پھر ایک بڑا احاطہ آتا ہے جس کے بائیں جانب مزارات اور سامنے سبز رنگ کا روضہ واقع ہے خانقاہ کے اندر کے دروازہ پر پیتل منڈھی ہوئی ہے اور لکڑی پر چاندی کے ٹکڑے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ قبہ کے نیچے ۲۲ فٹ مربع عمارت ہے۔ جس کے اندر ۸ فٹ مربع مرمریں چبوترہ ہے[4]۔ اس میں تین قبریں ہیں

ص ۱۔ بحوالہ "ارض ملتان"، از شیخ اکرام الحق، صہ ۱۳۵ تا ۱۳۶

ص ۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظ فرمایئے "

ص ۳۔ بحوالہ "ملتان کا مخصوص فن تعمیر اور اس کے چند شاہکار" صہ ۲، مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ۲۸ جون ۷۸ء

ص ۴۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظ فرمائیں "ارض ملتان"، صہ ۱۴۱

Marfat.com

درمیانی قبر حضرت موسیٰ پاک شہید کی ہے۔ قبروں میں پتھر کی جالی کے جھروکے ہیں رات کو جب بجلی کے قمقمے روشن ہوتے ہیں تو بڑا حسن پیدا ہوتا ہے۔

روضہ شیخ رکن الدین عالم

اگر کوئی شخص ملتان شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے کس منظر کا نظارہ کرنا چاہے تو ملتان کے مضافات میں میلوں دور سے ایک حسین وجمیل اور پُرشکوہ گنبد دکھائی دیتا ہے یہ گنبد حضرت شیخ رکن الدین عالم کے مقبرے کا ہے جو قلعہ کہنہ پر واقع ہے حضرت رکن الدین عالم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور وفات کے بعد اپنے دادا کے مزار میں دفن کئے گئے۔ ان کا موجودہ مزار سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر ملتان میں قیام پذیر رہتا تھا۔ ۱۳۲۵ء میں وہ دہلی گیا اور وفات پائی تو اسے دہلی میں دفن کر دیا گیا تھا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے جو حضرت رکن الدین سے گہری عقیدت رکھتا تھا، یہ مقبرہ ان کے لئے وقف کر دیا[1]۔ چنانچہ شیخ رکن الدین کو بعد میں اسی مقبرے میں منتقل کر دیا گیا یہ عمارت اپنے مخصوص طرز تعمیر میں تین ثقافتوں کے امتزاج کی حامل ہے، یعنی یہ عربی، ایرانی اور ہندوستانی فن تعمیر کا مرکب ہے[2] ریاض احمد ملک کے مطابق

> "طرزِ تعمیر میں یہ عمارت تین مختلف ثقافتوں کا اثر ظاہر کرتی ہے۔ یعنی عربی، ایرانی اور ہندوستانی۔ ان میں سے ہر ثقافت کے بہترین شواہد ہمیں اس عمارت کے فن تعمیر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں ماہرین تعمیر کا ایک خصوصی نقطہ نظر کارفرما تھا جو یقیناً یہ تھا کہ ایک ایسے عظیم فن پارۂ تعمیر کی تخلیق کی جائے جو اس علاقے کے فن تعمیر کی روشن مثال ہو اور جس سے اس کی تخلیق کی مقصدیت، اہمیت اور علاقے کے لوگوں کے ثقافتی ماحول، ان کی سوچ کے انداز اور بزرگوں کے لئے عزت و

ص۱ ؎ تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) ارض ملتان، ص ۱۳۷-۱۳۸ (۲) ملتان قدیم وجدید، ص ۹۰-۹۱ (۳) امروز ملتان نمبر، ص ۴ (۵) " " "

ص۲ ؎ بحوالہ " " اس کتاب میں ص ۲۲ پر پرسی براؤن نے اسے ایرانی، عربی و) روایت سے وابستہ کیا ہے۔

Marfat.com

محبت کا احساس صدیوں تک قائم رہے گا۔[1]

یہ مقبرہ ہشت پہلو عمارت ہے جو ایرانی طرز تعمیر کا نمونہ ہے لیکن اس کی ترچھی دیواریں ملتانی .. معماروں کی اختراع ہے اس مقبرے کی ہشت پہلو بنیادیں نوے بانوے فٹ گھیر تک پھیلی ہوئی ہیں مزار کی کل بلندی ایک سو پندرہ فٹ ہے جس کی تقسیم اس طرح ہے

(۱) پہلی منزل = ۵۰ فٹ (۲) دوسری منزل = ۲۵ فٹ (۳) تیسری منزل = (گنبد اپنے کلس سمیت) = ۴۰ فٹ،... گنبد کا اندرونی گھیراؤ ۵۰ فٹ ہے[2]۔ دیواروں کی اونچائی ۴۱ فٹ موٹائی ۱۳ فٹ ہے۔ دیواروں میں جگہ جگہ منقش اور منبت لکڑی کے آرائشی شہتیر نصب ہیں۔

مقبرے کے آٹھوں کونوں پر ڈھلوان، مینار اور اوپر کی منزل پر کسی قدر دبا ہوا گنبد اس عمارت کے انوکھے طرز تعمیر کا مظہر ہیں۔ عمارت میں جگہ جگہ روغنی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں جن کا رنگ زیادہ تر نیلگوں اور سفید ہے۔ شیخ اکرام الحق کے الفاظ ہیں

> "چھت پر کامل قوس کا گنبد اس چابکدستی اور مصاحت دانی سے مثمن کی گردن سے نصب کیا گیا ہے کہ وجدانی محراب کا یہ کرشمہ صدیوں گزرنے پر قائم ہے... سارے برصغیر ہند و پاکستان میں فقط یہی ایک مقبرہ ہے جس میں لکڑیوں کے شہتیر کام میں لائے گئے ہیں خواہ دیواریں ہوں، خواہ گنبد، تمام تر دو اینچ موٹی پختہ اینٹیں لگائی گئی ہیں جو مقامی طور پر تیار کی گئیں اور ان کے ضبط میں تشدید پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات پر منقش چوبی ٹکڑے لگے ہیں۔ جو ابن بطوطہ سے بھی خراج تحسین وصول کر چکے ہیں[3]،"

اس عمارت میں اہرام مصر کی طرح شکوہ پر اسراریت، انفرادیت، تناسب، جمال اور جلال موجود ہے۔ میرے خیال میں اگر دنیا کی چند عظیم عمارتوں کی فہرست مرتب کی جائے تو اس میں شاہ رکن عالم کے مقبرے کو ایک اہم مقام حاصل ہو گا[4]۔ ڈاکٹر احمد نبی خان اس عمارت کے بارے میں

ص۱:- بحوالہ امروز ملتان نمبر، ص۴، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء / ص۲:- "ارض ملتان" ص ۱۴۱

ص۳:- بحوالہ "ارض ملتان"، ص ۱۳۹

ص۴:- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) ارض ملتان، ص ۱۳۷ تا ۱۴۰ (۲) امروز ملتان نمبر، ص ۴ (۳) ملتان قدیم و جدید، ص ۹۰-۹۱ (۴) آئینہ ملتان (۵)

Marfat.com

اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"رکن عالم کے مزار ذیشان کا اسلوب اس قدر دیرپا اور ہمہ گیر ثابت ہوا کہ ماہ و سال کی تبدیلیاں اس کی مقبولیت کو کسی طرح بھی متاثر نہ کر سکیں۔ حتیٰ کہ مغل دور کا طرز تعمیر بھی خاصے عرصے تک اپنی پوری باریکیوں اور رعنائیوں کے باوجود اس طرز پر حاوی نہ آسکا اور مدتوں تک اس سرزمین پر ایسے مزارات بنتے تھے جو رکن عالم کے مزار سے متاثر ہی نہیں اس کی سراسر نقل معلوم ہوتے ہیں۔"[1]

لیہ سے سات میل شمال میں پیر محمد راجن شاہ کا مقبرہ بالکل شاہ رکن عالم کے مقبرے کی طرز کا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک ہی معمار نے دونوں مقابر تیار کئے ہیں۔

شاہ شمس سبزواری کا مزار

بیرون دولت گیٹ باغ عام خاص کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ سبز مونگیا رنگ کی یہ عمارت اپنی دلآویزی اور دلکشی میں فرد ہے۔ ابتدائی طور پر یہ مقبرہ ۷۳۰ھ (۱۳۲۹ء) میں تعمیر ہوا۔ بارھویں صدی ہجری میں یہ عمارت خستہ ہو گئی۔ تو شمس سبزواری کے ایک مرید سیٹھ مہر علی نے ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ یہ ایک مربع عمارت ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی ۳۵، ۳۵ فٹ ہے۔ یہ عمارت شیخ اکرام الحق کے مطابق مثمن در مثمن شکل میں شاہ رکن عالم کے روضے کے تتبع میں تعمیر کی گئی ہے باہر کی طرف ۸ فٹ کی رنگین غلام گردش ہے مقبرے کے اندر گنبد چوبی کٹہرے کے نیچے شاہ شمس کا مدفن ہے[2]۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ فن تعمیر کے ان اسلامی نمونوں میں ہمیں چھوٹی اینٹ کا استعمال نظر آتا ہے۔ ملتان اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں اینٹوں کا استعمال اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس میدانی علاقے میں پتھر نایاب تھے چنانچہ پرسی براؤن نے ملتان کی عمارتوں کے بارے میں غلط نہیں کہا کہ

تزئین اور سجاوٹ کے لئے نقاشی، خطاطی اور کاشی گری سے کام لیا گیا ہے اور اینٹوں کو ملانے

ص ۱: پاکستانی ادب (چوتھی جلد) ترتیب و انتخاب رشید امجد و فاروق علی، ص ۳۲۹ .. ۳۳۰، فیڈرل گورنمنٹ

ص ۲: بحوالہ "ارض ملتان"، ص ۱۴۰

۳۵۔

Marfat.com

سے جوڑا گیا ہے۔ ماہرین کا یہ خیال ہے کہ مسلے کا یہ استعمال مسلمان ہندوستان میں لے کر آئے۔ برصغیر پاک وہند کے لوگ اس سے ناواقف تھے جیسا کہ سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ مساجد اور خانقاہوں کی تزئین کے لئے خطاطی اور نقاشی کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ خطاطی میں قرآنی آیات اور اشعار استعمال کئے گئے ہیں۔ زیادہ تر اشعار فارسی کے ہیں۔ آیات اور اشعار مسجد اور خانقاہ کی مناسبت سے منتخب کئے جاتے تھے۔ بعض جگہ لکڑی، اینٹوں اور پتھر میں الفاظ کھود دے گئے ہیں۔ اور بعض جگہ انہیں خوبصورت رنگوں میں لکھا گیا ہے، ان کی ایک تعلیمی اہمیت بھی بنتی ہے۔

خطاطی کے بعد دوسرا طریقہ نقاشی کا ہے۔ محرابوں اور دریچوں کو بیل بوٹیوں سے سجایا جاتا تھا۔ تصویر کشی نہیں کی جاتی تھی کیونکہ یہ مذہبی طور پر ممنوع تھی صرف نقش ونگار سے کام لیا جاتا تھا یہ فن بھی ملتان کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں فیروزی اور نیلے رنگ کی اینٹیں زیادہ استعمال کی جاتی رہیں۔ پھر بتدریج دیگر خوبصورت رنگ ان میں شامل کئے جانے لگے اور انہیں دلکش نقش ونگار سے بھی سجایا جانے لگا۔ ایسی منقش اور رنگین کاشی سلیس مغل دور کے اواخر میں یعنی ۱۵۵۰ء سے ۱۷۵۰ء تک منظر عام پر آنے لگیں۔

فن تعمیر میں کاشی گری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے یہ خاص طرح کا شوخ نیلا رنگ ہے جسے خاص نسخوں کے استعمال سے پیدا کیا جاتا تھا[۱]۔ مساجد اور خانقاہوں میں کاشی سلیس عام استعمال ہوئی ہیں۔ یہ تو ان عمارتوں کی تزئین کے طریقے تھے ماہرین نے انہی خصوصیات کی بنا پر اس طرز تعمیر کو ملتان کا اسلوب تعمیر کہا ہے۔ ڈاکٹر احمد نبی اپنے مضمون "پاکستانی فن تعمیر کا ارتقا" میں لکھتے ہیں۔

"اسی معاشرے نے فن تعمیر کو ایک نیا اسلوب بھی دیا جسے ملتان کا اسلوب تعمیر کہنا زیادہ مناسب ہو گا یہ اسلوب خالصتاً وسطی ایشیائی فن تعمیر سے مستعار اور متاثر تھا اور اس کی ساری جزئیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ گو اس کے ابتدائی سرتے ہمیں بلوچستان کے شہر بیلا یا آج کے بہاولپور، رحیم یار خان اور آدم واہان میں ملتے ہیں لیکن اسی سلسلے مہتم بالشان[۲] ابتدا خود حضرت بہاء الحق کے مزار سے ہوتی ہے اور انتہا انہیں کے بزرگ پوتے حضرت رکن عالم کے مزار ذیشان سے پاکستان کے اسلامی

---

[۱]۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "مرقع ملتان" از سید اولاد علی گیلانی ص ۱۸۰ تا ۱۸۸

Marfat.com

فن تعمیر کے اسلامی اسلوب میں بہاؤ الحق کے مزار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو وسطی ایشیا کے اسلوب تعمیر میں ساسانیوں کے مقبرے کو حاصل ہے اور مزار رکن عالم کی حیثیت یہاں وہی ہے جو گور امیر اور تاج محل کو یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے مزارات کی تعمیر کی روایت برصغیر میں اس عہد سے پہلے کہیں اور کبھی نہیں تھی یہ مزارات ان بزرگ صوفیائے کرام نے اپنی زندگی میں اپنی آخری آرامگاہ کے طور پر تعمیر کرلئے تھے اور پختہ اینٹ سے بنے تھے۔ ان کی تقسیم عام طور سے تین طبقوں میں ہے۔ ڈھلواں دیواروں، اہتمام یا شان گنبد، لکڑی کے شہتیروں سے بنے ہوئے دیواروں کے قالب اور بیرونی اور اندرونی سطح پر مختلف سائز کی سادی یا روغنی رنگدار اینٹوں کی تزئین اس طرز تعمیر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ تزئین وسجاوٹ بعض اوقات اقلیدسی شکلوں میں ہے۔ یا گل بوٹے ہیں یا پھر قرآنی آیات جو لکڑی پر کندہ بھی ہیں۔ مزار رکن عالم اس طرز کا شاہکار ہے جہاں اس قسم کی تزئین کے نمونے اپنے انتہائے کمال پر ملتے ہیں۔"[1]

م ی قیصرانی اپنے مضمون "فن تعمیر" میں ملتانی فن تعمیر کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ملتانی اسلوب تعمیر نے آنے والے ادوار میں پورے برصغیر کے فن تعمیر کو بہت زیادہ متاثر کیا.... تغلقوں کے عہد میں دہلی میں تعمیر ہونے والی عمارتیں مثلاً غیاث الدین تغلق کا مقبرہ، بارہ گنبد یا اس کے پاس کی مسجد اس ملتانی فن تعمیر کا تجربہ تھیں..... اس ملتانی فن تعمیر کا اثر اب تک مزارات کی تعمیر میں کارفرما ہے۔ اب بھی اس علاقے میں مزارات یہاں تک کہ بہاولپور، بہاولنگر اور چولستان میں مساجد بھی اسی طرز پر تعمیر کی جاتی ہیں۔"[2]

(۲) کوزہ گری

کوزہ گری اور ظروف سازی بھی ایک مفید فن ہے۔ یہ بھی اسلامی فن کے

ص۱۔ پاکستانی ادب (چوتھی جلد) ترتیب وانتخاب رشید امجد وفاروق علی

ص۲۔ بحوالہ مضمون "فن تعمیر" از م ی قیصرانی، مطبوعہ امروز ہفت روزہ اشاعت، ۱۶ ستمبر ۱۹۷۹ء، صہ ۴

Marfat.com

حسن وجمال کا مظہر ہے اور تمام اسلامی ممالک میں موجود ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مٹی کے ظروف بھی صوفیانہ مسلک کی دین ہیں۔ صوفیاء کی سادگی اور درویشانہ اسلوب زیست نے مٹی کے برتنوں کو مقبول بنایا۔ آبخورے، ڈولیاں (مٹی کی گڑویاں)، آٹا گوندھنے کے تھال، فیرنی کی چھوٹی پلیٹیں گلاب جانڈیاں، مٹکے، صراحیاں، وضو کے لئے استادے (لوٹے)، مٹی کے کھلونے ..... یہ سب مٹی سے بنائے جاتے تھے۔ یہ سب ظروف ملتانی گھروں میں بکثرت استعمال میں لائے جاتے تھے اور زمانہ جدید میں بھی ان کا رواج کم نہیں ہوا۔ ملتان میں اب بھی چمکیلے روغنی ظروف گلی، الواح اور اینٹیں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ موہنجوڈارو اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوزہ گری کا فن یہاں بھی موجود تھا۔ ملتان ان دونوں قدیم شہروں کے درمیان میں واقع ہے اور ان کا ہم عصر رہا ہے اس لئے یقیناً یہاں کے لوگ بھی فن کوزہ گری سے واقف تھے لیکن ملتان کے فن کوزہ گری پر ایران کے گہرے اثرات ہیں۔ ایران میں کوزہ گری بہت مقبول رہا ہے۔ سادہ مٹی سے کوزہ گری کی جاتی تھی پھر انہیں پکا لیا جاتا تھا۔ ان پر نقاشی اور خطاطی بھی کی جاتی تھی اور انہیں رنگدار بھی بنایا جاتا تھا[1]۔ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایران اور ملتان کے گہرے مراسم رہے ہیں اس لئے یہ قیاس درست ہے کہ ملتانیوں نے ایرانی فن کوزہ گری سے اثر قبول کیا ہوگا۔ فن کوزہ گری کے نمونوں اور ان کی نقاشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ملتان ایرانی فن کوزہ گری سے متاثر تھے۔ ملتان کے گلدان کاشی گری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ گلدانوں کے علاوہ صراحی کے فن نے ایک مختلف شکل اختیار کی۔ یہ صراحی مختلف شکلوں میں سادہ پختہ مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ مٹی کے اوپر ہی آرائش کی جاتی ہے جس پر بعد میں رنگ بھر دیئے جاتے ہیں۔ صراحی کا یہ انداز میں ملتان اور اس کے گردو پیش کے علاوہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ملتان کے فن کوزہ گری میں گلدان اور صراحی کو قابل ذکر نمونے قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس طرح ملتان کے ہر دور میں اونٹ کے چمڑے سے تیار شدہ منقش اشیاء یہاں کے مخصوص فن کا مظہر رہی ہیں۔ زمانہ قدیم میں خوبصورت کمانیں بنائی جاتی تھیں کیونکہ تیر اندازی کا فن ملتان میں بڑا مقبول رہا۔ صوفیاء کے مدرسوں میں طالب علموں کو تیر اندازی سکھائی جاتی تھی اس کا

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد نمبر ۱۵ (عبدالقیوم)، طبع اول ۱۹۸۰ء دانش گاہ پنجاب لاہور، ص ۸۵۴ تا ۹۰۲

Marfat.com

تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ خود حافظ جمال ملتانی ماہر تیر انداز تھے۔ گویا یہ اسلحہ سازی کے سلسلے کا اہم کاروبار تھا۔ کمانوں پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق تیر کمان پر لوگ نقاشی کا کام کرتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ کمان کو ایسی حکمت عملی سے طاقت ور بناتے تھے کہ اچھا جوان بھی اس پر چلہ نہیں چڑھا سکتا تھا۔ تلوار کی میان پر بھی یہ لوگ سونے کے ورق چڑھا کر نقاشی کا کام کرتے تھے۔ غرض ملتان میں یہ کام تقریباً سات سو برس سے رائج تھا[1]۔ ملتان میں ایک محلہ کمنگروں کا آج بھی موجود ہے۔ اونٹ کے چمڑے سے ٹیبل لیمپ گلدان، مرتبان اور آرائش کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔

ملتان کے قدیم پیشے کاشی گری، کمنگر، سوتری وٹ، زین ساز، چوڑی گر، دبکڑ (مٹی اور کاغذ ملا کر اشیاء بنانے والے) پوسگر، رنگریز یا رنگ ساز، پاولی (نوربان)، ٹلاری، پٹولی، ریشم باف، ٹھاٹھ، چوب تراش وغیرہ فنون مفیدہ کے موجد اور مروج رہے ہیں اور آج بھی ہیں ان کے فن پر کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح مذہبی روایات اور صوفیانہ مسالک کے اثرات مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔

(۳) قالین بافی و پارچہ بافی مساجد اور خانقاہوں کی سجاوٹ اور تزئین کے سلسلے میں قالین بافی، دریاں، چادریں، لنگیاں دریائی اور سوسی وغیرہ کا مفید کام شروع ہوا۔ زمانۂ قدیم میں قالین بافی کا فن بطور خاص عروج پر تھا۔ شیخ اکرام الحق ارض ملتان میں لکھتے ہیں

> "ایرانی اثرات کے ساتھ یہ صنعت بھی ملتان آئی۔ سوت اور اون کو ملا کر قالین تیار کیے جاتے مگر ایرانی اونی قالینوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے ان کو چنداں فروغ حاصل نہ ہوا البتہ تقسیم ملک کے بعد اونی قالین بننے لگے جو زرمبادلہ کے حصول کے لئے انگلستان کو خاصی مقدار میں برآمد کیے جاتے ہیں اور اچھی قیمت پاتے ہیں[2]،،

محولہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم سے قبل ملتانیوں کو قالین بافی میں اتنی مہارت نہیں

---

[1] بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" از علامہ عتیق فکری، ص ۶۲

[2] بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص ۲۸۸

Marfat.com

تھی کہ ان کے قالین ایرانی[1] قالینوں کا مقابلہ کر سکتے مگر تاریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ شاہ جہان نے حرم پاک کے لئے جو قالین بھیجا وہ ملتان سے بنوایا گیا تھا[2]۔ یہ واقعہ ملتان کے کاریگروں کی مہارت کی دلیل ہے۔ علامہ عتیق فکری نے اپنے ایک مضمون میں چوہدری عبدالحق چشتی مرحوم کا ذکر کیا ہے جو فن قالین بافی کے ماہر تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں جب لندن میں قالین بافی کے شاہکار نمائش میں پیش کئے گئے تو چوہدری عبدالحق صاحب نے بھی ایک قالین اور دو نمونے تیار کر کے وائسرائے ہند کی معرفت لندن بھجوائے۔ ... شومیٔ قسمت کہ وائسرائے کی بیگم قالین دیکھ کر مچل گئیں اور انہوں نے قالین تو اپنے ہاں رکھ لیا مگر وہ نمونے لندن میں بھجوا دیئے۔ لندن میں مصنوعات پر تقسیم انعامات کا موقعہ آیا تو قالین کے ان دو نمونوں پر سیکنڈ پرائز ملا۔ ساتھ ہی انہوں نے لکھ بھیجا کہ اگر مکمل قالین ہوتا تو فرسٹ پرائز دیا جاتا۔[3]

سید اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں۔

"ملتان کے قالین ولایت کی بڑی بڑی نمائشوں میں معقول انعام اور تحفہ جات حاصل کر چکے ہیں۔"[4]

قالین بافی کے ساتھ جس صنعت کو فروغ ہوا وہ پارچہ بافی کی صنعت تھی جس میں ملتان کی دریاں چادریں اور لنگیاں مشہور رہی ہیں۔ ملتان میں یہ کام صدیوں سے ہو رہا ہے اور علامہ عتیق فکری کے مطابق

"عربوں کی آمد سے پہلے بھی یہاں پر ریشمی کپڑا بننے والے لوگ موجود تھے۔ .... ملتان کی دریاں، تعصیلہ اور لنگیاں، ریشمی دوشالے صدیوں سے مشہور رہیں ہندوستان کی صنعت کے تذکرے میں ملتان کو کبھی بھی مؤرخوں نے فراموش نہیں کیا جب کبھی کپڑے کی صنعت کا ذکر آیا ہے۔ ریشمی کپڑے کے لئے ملتان کا نام خصوصی طور پر لیا گیا ہے۔ اس وقت بھی سر پر باندھنے والی لنگی جو خالص ریشم سے بنی

---

[1] ایرانی قالین بافی پر تفصیل ملاحظہ فرمائیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵، ۹۲۶ تا ۹۲۹۔

[2] بحوالہ ملتان قدیم وجدید، صہ ۶۵۔

[3] بحوالہ ملتان قدیم وجدید، صہ ۲۶۔

[4] بحوالہ مرقع ملتان، صہ ۱۸۹

Marfat.com

پاک و ہند میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے ساتھ عربی رسم الخط کا اجراء ہوا لیکن بعد میں یہاں نسخ کی نسبت نستعلیق کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی کیونکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق جب ہمایوں ۹۴۷ھ میں ایران گیا تو واپسی پر اپنے ہمراہ کئی مصور جلد ساز اور خطاط لے کر آیا، جن سے مقامی فن کار فیض یاب ہوئے اور خط نستعلیق ہندوستان میں بھی رائج ہو گیا۔ یہاں کے ماہرین میں سے میر نظام اور کاتب الملک وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد سید عماد حسنی کے تلامذہ میں سے عبدالرشید دیلمی جیسے خوش خط کاتب یہاں آئے جنہوں نے خطاطی میں برصغیر پاکستان و ہند میں بھی ایران و وسط ایشیا کا سا اسلامی ماحول پیدا کر دیا۔ اس طرز میں لکھنے والے بہت سے نامور کاتب ہر عہد میں ملتے ہیں اور یہ روایت حسن اتفاق سے پاکستان و ہند میں آج بھی موجود ہے۔[۱]

مسلمانوں نے فنِ تعمیر، فن کوزہ گری و برتن سازی اور قالین، الواح اور کتبات میں بھی خطاطی کو استعمال کیا۔ بعض جگہ اسلامی علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ فن خطاطی کی تربیت بھی دی جاتی تھی صوفیا نے خاص طور پر اس فن میں دلچسپی لی اسے بطور پیشے کے اختیار کیا اور تصوف کی کتابیں تحریر کیں صوفیا ملفوظات قلم بند کیے گئے۔ صوفیانہ مجالس میں ایک نہ ایک مرید خطاط پیدا ہوتا تھا۔ جو مرشد کے ملفوظات رقم کرتا رہتا تھا۔ یوں صوفیاء نے اس فن میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ملتان کے صوفیاء نے فن کتابت کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے دور میں خط نستعلیق کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حضرت نے جو مدرسہ قائم کیا اس میں دینی علوم کے علاوہ خطاطی اور جلد سازی کے فنون بھی سکھائے جاتے تھے ان دنوں شمس الدین بلخی جیسا خطاط بھی ملتان میں موجود تھا۔ جس سے بہت سے لوگوں نے فن خطاطی سیکھا۔ علامہ عتیق فکری "نقش ملتان" میں لکھتے ہیں۔

> "۔۔۔۔ مدرسہ میں مختلف فنون بھی سکھائے جاتے تھے ان میں خاص کر خطاطی اور اعلیٰ قسم کی جلد سازی کا کام بھی تھا۔ جیسا کہ ہم نے قباچہ کے علمی دور میں ذکر کیا ہے کہ محمد بلخی جیسا خطاط اس زمانہ میں ملتان میں موجود تھا اور اس کے کئی اہل ملتان میں سے شاگرد تھے۔ عرفی اپنے تذکرے میں شمس الدین بلخی کی خطاطی کے بارے میں لکھا ہے

---

[۱] بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵، ص ۹۸۸

Marfat.com

جاتی ہے کابل اور پشاور وغیرہ میں بھیجی جاتی ہیں اور یہ سوائے ملتان کے اور کہیں تیار نہیں ہوتیں۔"[1]

ملتان کی دریوں، کھیسوں اور چادروں کو اب بھی ملک بھر میں اور ملک سے باہر بھی شہرت حاصل ہے۔ ان صنعتوں نے کھڈیوں کو عام رواج دیا۔ اس فن میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ دورِ جدید میں گل ٹیکس، آرٹیکس، علی ٹیکس اور دوسرے کارخانوں کی بنی ہوئی مصنوعات یورپ کی منڈیوں اور نمائشوں میں بے حد مقبول ہوئیں۔

آج گھریلو دستکاری اور فنونِ مفیدہ سے متعلق صنعت وسیع پیمانے LARGE SCALE کی انڈسٹری میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں وجود میں آ چکی ہیں... لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج چمنیوں سے نکلنے والا دھواں، متحرک اور پیچیدہ مشینوں کی آواز اور لہلہاتے کھیت ملتان کی ترقی یافتہ معاشرے کی گواہی بن چکی ہیں۔ مگر یہ فیض اللہ والوں کا ہے جن کے مقابر ملتان اور اہل ملتان کے سر پر مہربان چادر کی طرح سایہ فگن ہیں۔

(۴) فنِ خطاطی

مسلمانوں نے ہمیشہ فنِ خطاطی کو بڑی اہمیت دی۔ اس کا ایک سبب قرآن کی کتابت کے ذریعے سعادت کا حصول اور کتاب اللہ کا تحفظ تھا اور دوسری وجہ رسم الخط کے جمالیاتی خصائص تھے۔ عربی زبان خط کے اعتبار سے بہت سی جمالیاتی خوبیوں کی حامل رہی ہے پھر زمانہ قدیم میں پریس کی عدم موجودگی کی وجہ سے زیادہ تر انحصار کتابت پر تھا چنانچہ اس لئے بھی فنِ خطاطی کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اسے شعوری طور پر رواج دیا گیا۔ (قرآن مجید کے علاوہ دیگر علمی اور ادبی کتابیں بھی کتابت کی جاتی تھیں۔ چنانچہ فنِ خطاطی کے اصول مرتب کئے گئے اور کئی خط ایجاد ہوئے۔ کتنے علماء اور صوفیاء کے علاوہ مسلمان حکمرانوں نے بھی خطاطی میں دلچسپی لی اور بعض مسلمان حکمران تو خطاطی میں بڑا شغف رکھتے تھے) بابر، ہمایوں اور اکبر نے فنِ خطاطی اور خطاطوں کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ بابر اور بہادر شاہ ظفر تو خود بھی خطاطی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔[2]

ص ۱۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" صـ ۶۶

ص ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵، صـ ۹۵۶ تا ۱۰۰۲، دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۷۵ء

Marfat.com

درخط بدرجۂ کہ ابن البواب انگشت بر حرف او تواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ از مشاہدہ دلبران خط او بر نتواند داشت [1]

"......اس فن کی سرپرستی سے یہ بھی مطلب تھا کہ طالب علموں میں معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی استعداد پیدا کی جائے تاکہ معاشرے پر بوجھ نہ بنیں [1]"

علامہ عتیق فکری نے ایک اور جگہ عوفی ہی کے حوالے سے شمس الدین بلخی کا ذکر یوں کیا ہے۔

"شمس الدین بلخی عالم و شاعر ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کا خطاط تھا۔ اور اپنے دور کے مشہور و معروف خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے فن خطاطی میں بڑھا ہوا ہے [2]"

اسی طرح بعد کے زمانے میں بھی اس فن میں بڑی دلچسپی لی جاتی رہی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق "ملتان" میں لکھتے ہیں۔

"منشی غلام حسن شہید، منشی نورالدین انصاری تے عاشق محمد بوہت وڈے خطاط سن اینہاں توں وکھ عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمٰن، صالح محمد جمالی، حبیب اللہ انصاری سلیم چشتی، طفیل محمد تے شیر محمد مرحوم دا ناں ہمیشہ صف اوّل دے کاتباں وچ لکھیا لیسی [3]"

ترجمہ:۔ (منشی غلام حسین شہید، منشی نورالدین انصاری اور عاشق محمد بہت بڑے خطاط تھے۔ ان کے علاوہ عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمٰن، صالح محمد جمالی، حبیب اللہ انصاری، سلیم چشتی، طفیل محمد اور شیر محمد مرحوم کے نام ہمیشہ صف اوّل کے کاتبوں میں لکھے جائیں گے۔)

منشی غلام حسن شہید کے ملفوظات مرتبہ محمد یار میں مرقوم ہے کہ نواب بہاولپور کے منقش قرآن حکیم کا ایک ورق کسی طرح ضائع ہو گیا۔ ملک بھر کے خطاطوں نے کوشش کی کہ ایسا ورق تیار کیا جائے جو باقی اوراق کی خطاطی اور آرائش سے الگ دکھائی نہ دے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر منشی صاحب نے کمال مہارت کا مظاہرہ کیا کہ جدید ورق کو کوئی پہچان بھی نہ سکا کہ اصل ہے یا نقل۔

قرآن مجید کے علاوہ تصوف کی بیشتر کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ بعض کتابوں کو صوفیاء اپنے

ص ۱۔ بحوالہ "نقش ملتان" ص ۴۵۲

ص ۲۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" ص ۴۴

ص ۳۔ بحوالہ "ملتان" (سرائیکی) ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۳۴۷، مطبوعہ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور، اگست ۱۹۸۰ء

Marfat.com

ہاتھوں سے نقل کر کے دوسرے صوفیار کو بھیجتے تھے۔ ابن عربی کی "فصوص الحکم"، ان کتابوں میں سرفہرست ہے۔ ملتان میں جب اس کا قلمی نسخہ پہنچا تو صوفیار نے اس کی نقول ہندوستان کے دیگر شہروں میں پہنچائیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیار کو فن خطاطی سے کتنی دلچسپی تھی۔ خطاطی کا یہی فن بعد میں مصوری کا سرچشمہ بھی ثابت ہوا۔ مصوری کی ابتدار خانقاہوں کی تصویریں بنانے سے ہوئی اور بعد میں فطرت کی تصویر کشی اور مناظر کی خوبصورت تصویریں بنائی جانے لگیں۔ گویا خطاطی اور مصوری شانہ بشانہ پنپتی رہیں اور اس فن میں کاغذ کو خاصا دخل رہا۔ ہندوستان میں مسلمانوں ہی نے کاغذ کے استعمال کو رواج دیا۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

"مغل دبستان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصور اور خطاط دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ مغلوں کی تیار کرائی ہوئی کتابوں میں نظم و نثر خوشنویس لکھتا تھا اور تصاویر مصور بناتا تھا یعنی فن تصویر کے ساتھ ساتھ فن خوشنویسی ارتقار کی منزلیں طے کرتا ہوا ایسی بلندیوں پر پہنچ گیا کہ شاید دنیا کی کسی زبان کا رسم الخط آج تک ان بلندیوں کو نہیں چھو سکا جن پر عربی اور فارسی خطاطی کو ہمارے باکمال خوشنویسوں نے پہنچا رکھا ہے۔ یہ دونوں فن صرف کاغذ کی وجہ سے ترقی پذیر ہوئے۔ اور ہندوستان میں کاغذ درآمد کرنے والے صرف مسلمان تھے۔ ہندوؤں کی قدامت پرستی کا تو یہ حال تھا کہ جس زمانے میں ایشیا کے اکثر ممالک کاغذ استعمال کر رہے تھے۔ ہندو اپنا وہی بھوج پتر لئے بیٹھے تھے۔ پندرھویں صدی تک بھی ہندوستان میں کاغذ کا رواج کالعدم تھا۔ صرف مغربی ساحل کے گجراتی تاجر سمندر پار کے تاجروں کے ساتھ کاروبار کرنے کی وجہ سے کاغذ استعمال کر رہے تھے"[۱۵]

اسی ضمن میں علامہ عتیق فکری کا بیان ملاحظہ فرمایئے

"طالب علموں کے لئے کاغذ کا بھی انتظام تھا۔ کاغذ بنانے کا کارخانہ بھی تھا جس میں اچھا کاغذ تیار ہوتا تھا . . . . غرض اسی طرح ملتان میں کاغذ بنانے کا محلہ قائم ہوا۔

۱۵۔ بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص ۳۸۸ تا ۳۸۹، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم۔

Marfat.com

اور آج تک کاغذ کٹوں کا محلہ موجود ہے اور برطانیہ کے دور تک یہ لوگ دیسی چکیلا کاغذ بناتے تھے۔ یوں ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ملتان میں اس فن کا عروج رہا۔[1]

فن خطاطی کے ساتھ مسلمانوں نے جلد سازی کی طرف بھی توجہ دی کیونکہ کتاب کو جلد میں ہی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جلد سازی میں چمڑا، گتہ، کاغذ اور کپڑا استعمال کیا جاتا تھا۔ (جلد پر مختلف طریقوں سے نقش و نگار بھی بنائے جاتے تھے۔ قرآن مجید کی جلد سازی خوبصورت طریقے سے کی جاتی تھی اور بعض اوقات اس پر سونے کے پانی سے خطاطی بھی کی جاتی تھی) ملتان میں خطاطی کا فن آج بھی زندہ ہے علامہ عتیق فکری نے میاں غلام حسین کا ذکر کیا ہے جو اپنے دور کے بہت بڑے خطاط اور صرفی عالم تھے اور اندرون حسین آگاہی محلہ کنگراں میں رہتے تھے۔ حضرت مولانا مہر علی شاہ صاحب سے انہیں عقیدت تھی اور وہ بھی ان سے خاص انس رکھتے تھے۔ دونوں کا وصال بھی ایک سن میں ہوا ان کے آباؤ اجداد حضرت غوث بہاؤالدین زکریا سے پہلے براستہ ایران ملتان آئے تھے نقاشی خطاطی اور کتابوں کی جلد سازی کا کام ملتان میں انہیں کی وجہ سے اپنے عروج کو پہنچا تھا۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

"بغداد اور کابل میں ان کے (میاں غلام حسین) کے ہاتھ کے لکھے خطاطی کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ حج سے واپسی پر والی بغداد نے کئی دن انہیں اپنا مہمان ٹھہرایا تھا اور ان سے عربی قطعے لکھوائے تھے۔"[2]

دور جدید میں ملتان میں خطاطی کے شغف کے بارے میں سجاد حیدر ملک اپنے مضمون "فن خطاطی" میں لکھتے ہیں۔

"ملتان فن خطاطی کا مرکز بن گیا ہے جس کی روح رواں وہاں کے نوجوان خطاط ابن کلیم ہیں.... ان کے والد محمد حسن خان کلیم رقم اور دادا حافظ محمد عبداللہ بھی عمدہ خطاط تھے۔ ابن کلیم نے اپنے چھاپے خانے میں دبستان فروغ خطاطی کے زیر اہتمام خطاطی پر کتابیں شائع کی ہیں انہیں خط نسخ، ثلث اور محقق کے امتزاج سے ایک نیا خط بنام

---

[1] بحوالہ "نقش ملتان"، صفحہ ۴۵۵ تا ۴۵۶

[2] بحوالہ "ملتان قدیم و جدید"، صفحہ ۶

Marfat.com

خطِ رعنا ایجاد کرنے کا دعویٰ بھی ہے . . . . ملتان کے ایک سکول ٹیچر غلام فرید بھٹی نے طغرا نویسی میں خاص مقام پیدا کیا ہے وہ عرصے سے طغرا نویسی کو اپنائے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد نمائشیں منعقد کر چکے ہیں۔ محدود وسائل کے باوجود فن سے ان کی لگن قابل داد ہے[۱]۔"

اسی طرح ملتان کے معروف مصور اور شاعر زوار حسین[۲] بھی خطاطی کے فن میں ماہر ہیں۔ ملتان آرٹ کونسل کے ذوالفقار بھٹی بھی خطاطی میں مہارت رکھتے ہیں۔

۵۔ طبّ کا فن

سرزمین ملتان کے دور قدیم میں ہیبت، نجوم، طب اور موسیقی کے فنون بے حد مقبول تھے اور تعلیم کا حصہ تھے۔ ہندو پنڈت اپنے گھروں میں ان علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ابوریحان البیرونی جو چوتھی صدی ہجری میں تقریباً چار سال تک ملتان میں قیام پذیر رہا اپنی معروف تصنیف "کتاب الھند" میں اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ ملتان میں ان علوم کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام تھا۔ جب مسلمان ملتان میں آباد ہوئے تو وہ اپنے ساتھ جن علوم و فنون کا ذخیرہ لاتے ان میں طب کا فن بھی شامل تھا۔ مسلمان علما، بالخصوص صوفیا، کو طب کے فن سے بڑی رغبت تھی کیونکہ یہ ایک قابل قدر ذریعہ معاش بھی تھا۔ اکثر صوفیا نے فن طب ہی کو ذریعہ معاش بنایا۔ حکیم رازی، بوعلی سینا اور ابوالقاسم زہراوی نے فنون طب میں بڑی تحقیق کی اور کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی کتابیں صدیوں تک یورپ میں داخل نصاب رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی مسلمان حکمرانوں نے شفا خانے تعمیر کرائے۔ اکبر کے دور میں حکیم علی گیلانی نے بوعلی سینا کی کتاب قانون کی شرح لکھی۔ حکیم محمد اکبر ارزانی کی کتاب "طب اکبر" ہندوستان میں برسوں تک شامل نصاب رہی۔ طب کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کی بنا پر عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ

" . . . . . ان تمام کارناموں کے بعد مسلمانوں کی طب کو محض "طب یونانی" قرار دینا بہت بڑی بے انصافی ہے بلکہ اس کو اسلامی طب کہنا ہر اعتبار سے صحیح ہوگا[۳]۔"

ح ۱ ۔ پاکستانی ادب، سرسیدین نمبر ص ۱۳۰، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی، فروری ۱۹۸۲ء

ح ۲ ۔ زوار حسین کا مصور مجموعہ کلام "شاخ ویرانہ دل" مکتبہ شجر ملتان سے پہلی بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔
(حاشیہ نمبر ۳ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ملتان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد طب کے فن میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ اکثر صوفیا رسنے اس فن کو بطور پیشے کے اپنایا اور روحانی و اخلاقی علاج کے ساتھ جسمانی اور مادی عوارض کا علاج بھی کرتے رہے ہے۔ خواجہ معین الدین اجمیری، حافظ محمد اسماعیل، منشی غلام حسن شہید، خواجہ غلام فرید اور کئی ایک صوفیا رطب میں مہارت رکھتے تھے۔

ملتان کے حکیم سلیمان انصاری کا نام بہت مشہور رہے، جنہیں طب میں بڑا کمال حاصل تھا، شیخ اکرام الحق کے مطابق آپ کو "ارسطوئے دوراں کہا جاتا تھا۔"[۲۰۱]

حکیم شیخ محمد سلیمان انصاری اٹھارویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور طباعت و حکمت میں معروف ہوئے۔ ان کا مطب اندرون پاک دروازہ محلہ حافظ داؤد میں واقع تھا۔ تشخیص مرض میں خاص طور پر ماہر تھے۔ اس طرح حکیم شاہ بخش بھی دیسی طب میں خاص مہارت رکھتے تھے ان کا مطب محلہ قدیر آباد میں تھا۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک بار ملتان کے ایک نواب نے حکیم اجمل خان کو اپنے علاج کے لئے بلوایا تو انہوں نے کہلوا بھیجا کہ جب ملتان میں حکیم شاہ بخش موجود ہیں تو پھر میری کیا ضرورت ہے[۲۰۲] ایلوپیتھی کے علاج سے پہلے ملتان میں طب کا فن ہی مروج تھا اور ملتان کے کئی ایک اطبا رجن میں حکیم شیر محمد اعوان، حکیم محمد اسماعیل، حکیم بلند خان حکیم رحیم بخش الوزی، حکیم قمر دین، حکیم خلیل، حکیم فیروز الدین، حکیم واحد بخش وغیرہ شامل ہیں۔ ملک بھر میں شہرت رکھتے تھے، ملتان میں اطباء کے کئی خاندان موروثی طور پر آج بھی یہی فن اپنائے ہوئے ہیں۔

۶۔ عرس میلے وغیرہ سرزمین ملتان میں عرس، میلے، کھیل تماشے بھی مقابر اور مزارات کی سالانہ تقریبات کے حوالے سے تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں اس قسم کے بیشتر میلے کسی نہ کسی خانقاہ یا بزرگ کے ساتھ وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ زمانہ قبل از اسلام

۲۰۰۔ بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص ۲۸۶، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم

۲۰۱۔ بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص ۲۴۵

۲۰۲۔ یہ روایت جناب ارشد ملتانی نے بیان کی۔

Marfat.com

بھی اس قسم کے میلے ہوتے تھے۔ لوگ دور دراز سے بتوں کی یاترا کے لئے آتے تھے، اس کا تفصیلی ذکر پہلے باب میں ملتان کی قدامت کے حوالے سے آچکا ہے۔ بعض میلے غسل میلے (BATHING FAIRS) کہلاتے تھے۔ ان میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا تھا کہ مخصوص تالابوں یا کنوئیں کے پانی سے نہانے کی بدولت بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں یا جسم پوتر (پاک) ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملتان کے رام چوترا[1]، رام تیرتھ[2] اور سورج کنڈ[3] کے میلے مشہور ہیں[4]۔

مسلمان صوفیاء کے مقبروں میں مخدوم عبدالرشید حقانی کی خانقاہ کا کنواں مشہور رہا ہے جو صرف میلے کے موقع پر چلایا جاتا ہے۔ پیران غائب کے میلے میں بچوں کے بال کٹوائے جاتے ہیں۔ پاکپتن شریف میں بابا فرید کے دربار کے بہشتی دروازے سے گزرنا عقیدت مندوں کے لئے باعث رحمت اور سعادت ہے چنانچہ یہ دروازہ عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔

عرس اور میلے تبلیغ کا ایک ذریعہ بھی رہے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے لوگوں کو متوجہ کرنا زیادہ آسان اور سہل تھا۔ ان میلوں ٹھیلوں میں صحیح معنوں میں مقامی ثقافت کے مظاہرے دیکھنے میں

---

(۱) یہ مندر دریائے راوی کے کنارے سرائے سدھو کے قریب واقع ہے۔ موجودہ مندر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔ بیساکھی کے موقع پر یہاں میلہ لگتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رام چندرجی کالت بن باس تیرتھ یاترا کے بعد یہاں آئے تھے اور اشنان کیا تھا۔ اس لئے یہ جگہ مقدس ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "مرقع ملتان" صـ ۲۳۴)

(۲) رام تیرتھ:۔ یہ مندر ملتان سے مشرق کی جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اس میں ایک تالاب اور دھرم شالہ ہے، روایت کے مطابق یہاں بھی رام چندرجی بن باس کی حالت میں آئے تھے۔ مشہور ہے کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا اسے تیرتھ اشنان کا پھل ملے گا۔ (مرقع ملتان، صـ ۲۳۴)

(۳) ملتان کا ایک تالاب ہے۔ روایت کے مطابق یہاں سورج دیوتا کا نزول ہوا اور اس نے یہ بر دیا کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا وہ پھل پائے گا (مرقع ملتان، صـ ۲۳۵)

Marfat.com

آتے ہیں۔۔۔۔ ایسی ثقافت جس میں اس مٹی کی خوشبو بسی ہوتی ہے۔ ان میلوں میں کٹھ پتلیوں کے تماشے، تھیٹر اور ان میں دکھائی جانے والے لوک تماشے جو لوک کہانیوں پر مبنی ہوتے ہیں لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ ان تفریحی مشاغل کے علاوہ طاقت کے مظاہرے بھی ہوتے تھے یعنی گھڑ سواری کے مقابلے، نیزہ بازی، کبڈی اور کشتی کے کرتب بھی دکھلائے جاتے تھے۔ سید اولاد علی گیلانی کے مطابق

"میلوں اور تماشوں کے موقع پر جواں لوگ بڑ کوڈی، جھمر، تلیانی، نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ کے مقابلے بڑے شوق سے کرتے ہیں اور ایسے موقع پر اس قسم کے کھیل خاص طور پر رونق اور تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں۔" (مرقع ملتان صہ ۱۹۴)

پہلوانی کا فن بطور خاص ملتان میں مقبول رہا ہے۔ یہاں کے پہلوان برصغیر کی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں کے درباروں میں بڑی عزت پاتے تھے۔ کئی پہلوان خاندان آج بھی ملتان شہر میں آباد ہیں۔ ملتان میں شاہ شمس کا میلہ، شاہ رکن عالم کا عرس اور غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے سالانہ جلسے ہر سال باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ جن میں تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔

۷۔ فن موسیقی اور سماع

یوں تو اسلام کے بعض فقہی مذاہب کے مطابق موسیقی کو ناجائز اور ناپسندیدہ عمل ٹھہرایا گیا اور یہی وجہ ہے کہ بعض فقہا کے کہنے پر سلاطین وقت نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوستان میں سلطان التمش (۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) نے بھی اس دباؤ کے تحت موسیقی کو ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن ان فقہا کے برعکس صوفیا اور درویشوں کے بعض سلسلوں نے روحانی ترفع اور وجد و حال کی خاطر موسیقی، رقص اور سماع کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ ضروری تصور کیا۔ تاہم رقص و سماع کی محافل کے لیے خاص شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے اس کی حلت و حرمت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[۱]۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری نے جو ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی مبانی تھے، موسیقی اور سماع کو پھیلانے میں بڑا حصہ لیا ان کے سارے پیروکار سماع اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔

ص۱۔ ملاحظہ فرمایئے بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب، صہ ۵۹۳ تا ۶۱۶

Marfat.com

التمش کے بعد سلطان فیروز شاہ اول رکن الدین (۶۳۹ء) نے اس فن کی سرپرستی کی، غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ/۱۲۶۵ء)، خلجی سلاطین اور خاندان سادات نے بھی موسیقی کے بارے میں سرپرستانہ رویہ اختیار کیا۔ امیر خسرو جیسا ماہر موسیقی اور نابغۂ روزگار انہیں درباروں سے وابستہ رہا۔ افغان سلاطین بھی موسیقی کی محفلوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بابر نے تو موسیقی کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی ساری اولاد (مغل بادشاہ) ماسوائے اورنگ زیب عالمگیر کے موسیقی کی قدردان اور سرپرست رہی۔ البتہ اورنگ زیب کے دور میں موسیقی متروک ہوگئی۔ لیکن اس کے امراء وغیرہ موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے چنانچہ اورنگ زیب کے ایک درباری امیر شاہ قبا بن عبدالجلیل الحارثی نے موسیقی کے فن پر ستره مخطوطات نقل کرائے جو اب تک محفوظ ہیں، ان میں الکندی، الفارابی، ابن سینا ابن منجم، ابن زیلہ، عبدالقادر، ابن فیبی اور دوسرے ماہرین فن کے وقیع رسالے شامل ہیں، اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول، جہاندار شاہ اور شاہ عالم ثانی نے موسیقی کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے دور میں عملی اور نظری طور پر ایرانی موسیقی کے اثرات غالب رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں فن موسیقی میں مسلمانوں کے حصے کے بارے میں ڈاکٹر اسد علی لکھتے ہیں

" مسلمان جب ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ ترقی یافتہ نظام موسیقی بھی لائے ادھر عرب حکمران بھی فن موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے اور رعایا نے بھی ان کی اتباع کی ابن سینا، فارابی اور الکندی جیسے عظیم المرتبت علماء اس کی حمایت کرتے تھے اور انہوں نے موسیقی کے بارے میں عظیم ترین کتابیں لکھیں۔ دھیرے دھیرے دمشق، بغداد اور غرناطہ فن موسیقی کے خصوصی مراکز بن گئے اور عرب موسیقی نے یورپ کو بہت کچھ دیا۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے وقت تک عرب، ایران اور وسط ایشیائی باشندے موسیقی کو وراثتاً اپنے ساتھ لا چکے تھے۔ اس تفصیل کو دینے کی پانچ خاص وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ ایک طرف ہندوستان ایک ترقی پذیر نظام موسیقی رکھتا تھا دوسرے عربوں اور بعد کے صوفیا نے ایران اور

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" جلد ۱۵، ص ۶۱۶ تا ۶۲۶

Marfat.com

اور عرب وغیرہ سے تقویت حاصل کرکے اپنی ریاضت میں موسیقی کو بہت اہمیت دی تیسرے ہندوستان کے متعدد مسلم حکمران فن موسیقی کے عظیم سرپرست رہے ہیں چوتھے امیر خسرو میاں تان سین اور شرقی خاندان کے متعدد ایسے عظیم فن کار ہندوستان میں آئے ہیں جنہوں نے مختلف راگ راگنیوں کو جنم دیا اور باجے گے آلات کو ایجاد کیا اور اصلاح کی۔ مسلم صوفی شعراء بھی موسیقی سے خوب اچھی طرح واقف تھے"[۱]

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو موسیقی سے ہمیشہ لگاؤ رہا مسلمان عربی اور ایرانی موسیقی سے واقف تھے حقیقت یہ ہے کہ موجودہ فن موسیقی عربی، ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کا حسین امتزاج ہے۔ اگرچہ عبدالمالک آروی کے مطابق

"اسلامی موسیقی اور ہندوستانی موسیقی میں بنیادی اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات کا نتیجہ ہے قومی فرق وامتیاز، ملکی آب وہوا اور مقامی خصوصیات کا چنانچہ فارسی (اسلامی) موسیقی میں بارہ پردے یا مقامات ہیں۔ ہندوستانی موسیقی میں سات باایں ہمہ اسلامی ھند کے قبل اہل عرب ہندوستانی موسیقی سے واقف تھے"[۲]

دف، دمامہ، نقارہ اور نفیری خالصتاً عربی ساز ہیں۔ چنگ، رباب، نشان، رباب، شہنائی ناودھن ایرانی ساز ہیں (VOCAL ORGANS) پھونک سے بجنے والے آلات موسیقی نڑ، ونجلی، مرلی بنسری شہنائی (شرناہ) گھوگھو وغیرہ خالص سندھی اور ملتانی ہیں۔ بہرحال ہمارے یہاں ایرانی، عربی اور ہندوستانی ساز اور باجے موجود ہیں۔ راگ راگنیوں کا فن بھی ہے۔ جس پر ہندی ثقافت کے اثرات نمایاں ہیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ صوفیا رنے بالخصوص موسیقی سے دلچسپی لی ہے۔ سماع اور قوالی تو ان کی محفلوں کا جزو لاینفک بن گئے تھے۔ ملتان صوفیا رکا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے صوفیا رنے بھی موسیقی میں گہری دلچسپی لی۔ سماع اور قوالی یہاں کی خانقاہی زندگی کا حصہ رہے ہیں چنانچہ ملتان میں موسیقی کے ارتقار کے بارے میں شیخ اکرام الحق لکھتے ہیں۔

---

[۱]۔ بحوالہ ھندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" از ڈاکٹر سید اسد علی مترجم ڈاکٹر ماجدہ اسد ص ۲۲۸،۲۲۷، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۴ء، ترقی اردو بورڈ نیو دہلی

[۲]۔ بحوالہ "مضامین مالک" ص ۲۴۲ سلسلہ مطبوعات ادارہ طاق نسیان آرہ بار اول ۱۹۴۲ء

Marfat.com

آریاؤں کا شغف موسیقی اور اس کے متعلقات سے رقص نہ صرف معاشرت بلکہ اعتقادی رسوم میں دخیل تھا اور مندروں میں بھی پوجا کے دوران عورتیں جنہیں اپسرائیں کہا جاتا تھا۔ پیتل کے تھالوں میں پھول اور پوجا کی چیزیں لے کر رقص کرتی تھیں۔ اور بھجن گائے جاتے تھے۔ سنگیت کے دو دیلے تھے قلعہ سکہ جو دریائے راوی کے مشرق میں ملتان کا ذیلی حصار تھا وہاں متعدد مندر تھے اور رقص اور سنگیت کی تعلیم کے لئے بہت بڑا دیالہ تھا صنم کدہ آدیتہ میں...... بت کے سامنے نامور رقاصائیں اور موسیقار عام طور پر اور اماوس کی راتوں کو خصوصاً اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ معرکہ آرائی میں بھی دھرپد گانے اور بجانے کا رواج تھا جس طرح جنگ میں بینڈ باجے اب کام میں لائے جاتے ہیں۔ عربوں کے عہد کے ماسوا ملتان کے اسلامی دور میں بھی موسیقی میں زیادہ ترقی ہوئی کمی نہیں آئی۔"[۱۰۱]

علامہ عتیق فکری ملتان کی موسیقی کی ترقی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ

"ہمیں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ امیر خسرو جیسا ماہر فن موسیقی جسے متفقہ طور پر نائک تسلیم کیا گیا ہے ملتان میں ایک عرصہ تک قیام کرے اور ملتان میں فن موسیقی میں ترقی نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ صوفیاء کی مجلس میں سماع لازم ہو۔ امیر خسرو کے فن کا اثر ضرور ملتان پر رہا ہوگا کیونکہ امیر خسرو ہندوستانی موسیقی میں ایک نئے رنگ اور روپ سروپ کا اضافہ کرنے والے ہیں۔ جنہوں نے ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کے امتزاج سے ایک نئے انداز اور اسکول کا اضافہ کیا اور اس زمانے میں یہ فنی ترقی پسندی تھی یقیناً پانچ سال کی مدت میں ملتان کی موسیقی میں بھی اس انداز کا اثر پورے طور پر ہوا ہوگا۔"[۱۰۲]

یوں تو ملتان میں موسیقی اور سے کاری کا فن زمانہ قدیم سے لے کر زمانہ جدید تک مسلسل مقبول اور پسندیدہ رہا لیکن صوفیاء کی بدولت موسیقی میں سماع اور قوالی کو خصوصی ترقی ہوئی۔ خانقاہوں اور مزارات پر اکثر قوالی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور آج بھی اس کا رواج کم نہیں ہوا۔ عرس کے ایام میں قوالیاں معمولات

۱۰۱۔ بحوالہ ارض ملتان، صہ ۳۳۵ تا ۳۳۶

۱۰۲۔ بحوالہ "ملتان قدیم وجدید" صہ ۴۸

Marfat.com

کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں ہم نے صوفیاء کے ذکر میں فرداً فرداً ان کے مشاغل سماع کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ سماع کے جائز اور ناجائز ہونے میں علماء کے مختلف گروہوں میں اختلاف رہا ہے لیکن صوفیاء کی اکثریت نے اسے جائز تسلیم کیا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ البتہ سماع کے آداب ضرور مقرر کیے گئے جن میں سے چند آداب یہ ہیں۔

(۱) گردن جھکا کر بیٹھیں

(۲) ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں

(۳) ہر ایک اپنے آپ کو پوری طرح سماع میں محو رکھے

(۴) دوران سماع باتیں نہ کریں

(۵) اِدھر اُدھر دیکھنے سے باز رہیں

(۶) ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور تکلف کے ساتھ کسی حرکت کا مظاہرہ نہ کریں

(۷) اسی طرح بیٹھیں جس طرح نماز میں تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں۔

(۸) دل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ میں مشغول رکھیں اور منتظر رہیں کہ دیکھئے اس سماع کی برکت سے ان کے لئے پردۂ غائب سے کیا انکشاف ہوتا ہے۔

(۹) اپنے آپ کو قابو میں رکھیں تاکہ اختیاری طور پر اٹھ نہ کھڑے ہوں اور نہ حرکت کرنے لگیں ہاں اگر مغلوب الحال ہو کر ان میں سے کوئی اٹھ کھڑا ہو تو اس کی امداد و موافقت کریں۔ اگر اس کی پگڑی گرنے لگے تو سب کے سب ہاتھ پھیلا دیں[۱]۔

چنانچہ سماع کے دوران عام طور پر ان آداب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا تصوف کی کتابیں سماع اور قوالی کے تذکرے سے بھری پڑی ہیں۔

محمد اکرم خانؒ معدن الموسیقی میں لکھتے ہیں کہ ہر قسم کی قوالی امیر خسرو کی ایجاد ہے انہوں نے موسیقی کے لحاظ سے قوالی کی ان اقسام کا ذکر کیا۔

ح ا:- بحوالہ پاکستانی موسیقی میں قوالی کی روایت از اشفاق سلیم مرزا، صہ ۱۷۲ تا ۱۷۳، سرسید ین پاکستانی ادب جلد چوتھی مرتبہ فاروق علی و رشید امجد انفیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی

Marfat.com

باگیری = گونڈ اور ملا کو ملا کر

سوہنی قوالی = برج کی سنگت سے

بہار قوالی = کانڑا کی سنگت سے

بسنت قوالی = سوہنی اور پنچم بہار کی سنگت سے

تالوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے سترہ تالیں ایجاد کی جن میں سے سوم تال قوالی کی تھی یہ تال سات لفظ کا ٹھیکہ رکھتا ہے[۱۰۱]۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ قوالی کی ایجاد حضرت امیر خسرو کی مرہون منت ہے یہ درست ہے کہ ایک باکمال موسیقار اور ماہر فن کی حیثیت سے انہوں نے سماع اور موسیقی میں جدتیں پیدا کیں لیکن حضرت امیر خسرو سے پہلے خواجہ معین الدین، قطب الدین بختیار کاکی بہاؤالدین زکریا، عبدالرشید حقانی اور بابا فرید گنج شکر کی محافل سماع کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے اور ان کے قوالوں کے نام بھی لکھے جا چکے ہیں جو اپنے زمانے میں شہرت رکھتے تھے اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سماع کا رواج امیر خسرو کی بدولت پڑا۔ مختصر یہ کہ موسیقی اور سماع جیسے اہم اور مقبول تہذیبی و ثقافتی مظاہر بھی دراصل صوفیا ہی کے مرہون منت رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

۱۰۱۔ "ایضاً"، ص ۱۷۴

(ب)

ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات

(۱) مدرسے اور خانقاہیں

تہذیبی اور ثقافتی سطح کے ان مظاہر کے ساتھ ساتھ صوفیاء کی بدولت ملتان میں نہایت وسیع اور قابلِ قدر تعلیمی، تدریسی اور علمی روایات کی بنیاد بھی پڑی۔ جس کی بدولت ملتان اور اہلِ ملتان ہی نہیں برصغیر پاک و ہند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر باہر کی دنیا والے بھی مستفیض و مستفید ہوتے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان مدرسوں اور خانقاہوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی بدولت ملتان میں ایک نہایت مضبوط اور مستحکم نظامِ تعلیم مروج ہوا۔

ملتان کو بجا طور پر "مدینۃ الاولیاء" کہا گیا ہے اولیاء کی اس سرزمین کو ان خانقاہوں کی بدولت شرف حاصل ہوا جو محض عبادات اور صلوٰۃ و درود کا مرکز یا روحانی ترفع کا ذریعہ نہ تھیں، بلکہ علوم و فنون، فلسفہ و فکر اور تہذیب و ثقافت کی ترویج کا ذریعہ بھی تھیں۔ ملتان میں ان خانقاہوں کے ساتھ ایسے مدارس بھی قائم کئے گئے تھے جن میں اسلامی علوم و فنون کی تدریس کی جاتی تھی۔ بعض مدرسے خانقاہوں سے ملحق ہوتے تھے۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

"شاہانِ ملتان میں سے حسین لنگا نے جو خود بھی ذی علم بادشاہ تھا بہت سے مدرسے قائم کئے اور بڑے بڑے علماء کو گراں قدر مشاہدے دے کر تدریس و تعلیم پر مامور کیا۔ حدیقۃ الاقالیم میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان نے کسی کو گجرات بھیجا کہ وہاں کی عظیم الشان عمارتوں کو دیکھ کر رپورٹ کرے جب اس شخص نے آکر

Marfat.com

بتایا کہ آپ اپنی دولت و ثروت کے باوجود گجرات جیسی عمارتیں نہیں بنا سکتے تو سلطان غمگین ہوا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ گجرات عمارتوں کی وجہ سے بڑا ہوگا لیکن ملتان علم و فضل میں اس پر برتری رکھتا ہے۔"[1]

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان میں عمارتوں کی جگہ مدرسے قائم کئے گئے۔ ملتان میں تعلیم و تدریس کا بہتر نظام تھا اور علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مولوی ابوالحسنات ندوی نے بھی حسین شاہ لنگاہ کے دور کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"حسین شاہ لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مربی گزرا ہے مصنفین و ارباب فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا۔۔۔۔ شاہ لنگاہ نے متعدد مدرسے قائم کئے جن میں ممتاز مشہور اساتذہ وقت مشغول درس و تعلیم رہے تھے۔"[2]

ان مدرسوں میں مدرسہ بہائیہ سرفہرست ہے جس کا تفصیلی تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ اس مدرسے کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں متداولہ علوم و فنون کی تدریس کے علاوہ روحانی تربیت کا اہتمام بھی تھا اور مبلغین کی جماعتیں دیگر شہروں اور ملکوں میں بھی بھیجی جاتی تھیں۔ علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

"حضرت غوث بہاؤالدین زکریا نے ملتان میں دینی مدرسے کی بنیاد رکھی یہ فقط مدرسہ ہی نہیں تھا بلکہ بہت بڑی اخلاقی اور روحانی درسگاہ تھی۔۔۔۔ مدرسہ میں مختلف فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔ ان میں خاص کر خطاطی اور اعلیٰ قسم کی جلد سازی کا کام بھی تھا۔۔۔ قرآنی تعلیم کا تو آپ کے ہاں خاص اہتمام تھا اور ساتوں قراتوں میں قرآن مجید کے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی خاص طور سے قرآنی تعلیم کا شعبہ علیحدہ قائم تھا۔"[3]

ص ۱۔ بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص ۲۰۷، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم۔۔۔۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" ص ۱۷، ۲۰ (۲) "تاریخ فرشتہ" جلد دوم۔۔۔۔ ذکر حسین لنگاہ۔

ص ۲۔ بحوالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درگاہیں" ص ۱۷، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

(حاشیہ ۳ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس مدرسے کی درسی کتابوں کا نصاب بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"علم نحو میں مصباح، کافیہ، لب الالباب، فقہ میں ہدایہ، اصول فقہ میں منار اور اس کی شرح اور اصول بزدوی، بعد میں تفسیر مدارک اور بیضاوی شروع کشاف بھی مطالعہ میں رہتی تھی لیکن پھر اسے خارج کر دیا اور آپ نے صاحب کشاف کے معتزلی ہونے پر اس کا پڑھنا منع فرمایا تھا اور حدیث شریف میں مشارق الانوار بھی پڑھائی جاتی تھی۔ احیاء العلوم امام غزالی کے مطالعہ کے لئے رائج تھی اس کتاب میں فقہ کو تصوف کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور اپنے مرشد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بابا فرید گنج شکر بھی اس کتاب کا بڑی خوبی سے درس دیتے تھے۔ بہت سی کتابیں آپ ساتھ بھی لاتے تھے ہدایہ سے اہل سندھ و ملتان اور ہندوستان آپ کی بدولت متعارف ہوا تھا"[۲۰۱]

اس نصاب کو ایک منظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درس نظامیہ[۲۰۲] سے ملتا جلتا تھا اس مدرسے کی نمایاں خصوصیت تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی روحانی تربیت بھی تھی۔ یہ مدرسہ حضرات شاہ رکن الدین عالم کے زمانے تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ کام کرتا رہا۔ محمد صدیق قادری لکھتے ہیں۔

"حضرت شاہ رکن عالم کے زمانے میں حضرت مخدوم حمید الدین حاکم ایسے عظیم دانشور اس درسگاہ میں مدرس تھے۔ حضرت شاہ رکن عالم نے بھی تبلیغی جماعتوں کے اس سلسلے کو جاری رکھا جس کی بنیاد حضرت غوث العالمین نے رکھی تھی۔ تبلیغی وفود کا سلسلہ آپ کی وجہ سے بام عروج تک پہنچا آپ نے دینی تعلیم کے علاوہ اس میں مسلم فنون یعنی خطاطی، شاعری، تعمیرات اور تاریخ نویسی وغیرہ کے شعبے بھی قائم فرمائے

۲۰۳۔ بحوالہ "نقش ملتان"، از عتیق فکری، ص ۴۵۴ تا ۴۵۶، مطبوعہ فکری اکیڈمی ملتان، طبع اول جنوری ۱۹۸۲ء

۲۰۱۔ بحوالہ "نقش ملتان"، از عتیق فکری، ص ۴۵۵

۲۰۲۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "ہندوستان کی قدیم درسگاہیں"، از مولوی ابوالحسنات ندوی، ص ۹۰ تا ۱۰۲، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

Marfat.com

اور عربی فارسی، سندھی، سرائیکی اور پشتو زبان نے بھی ترقی کی اور اساتذہ نے اپنی نگارشات کے لئے ان زبانوں کو ذریعہ اظہار بنایا۔[۱۵]"

مدرسہ بہائیہ میں ایک تبلیغی مرکز بھی قائم کیا گیا تھا جس میں تبلیغی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں ۔ یہ تبلیغی جماعتیں اندرون اور بیرون ملک بھیجی جاتی تھیں مبلغین تجارت پیشہ ہوتے تھے اور اس علاقے اور ملک کی زبان جانتے تھے، مولانا نور احمد فریدی لکھتے ہیں ۔

"حضرت شیخ الاسلام پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے ملتان میں مضبوط مرکز قائم کیا تھا ۔ مدرسہ بہائیہ علماء قاری اور حفاظ پیدا کرتا تھا اور تبلیغی مرکز حضرات علما کو مبلغ بناتا تھا ۔ حضرت شیخ الاسلام نے لسانی بنیادوں پر تبلیغی شعبے قائم کر رکھے تھے ۔ سنسکرت، بنگالی، سندھی، فارسی، عربی، جاوی، برمی مرہٹی الغرض مشہور زبانوں کے الگ الگ شعبے تھے ۔ جو عالم رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کرتا اسے اسی شعبے میں داخل کیا جاتا تھا جہاں اسے پہنچنا مقصود ہوتا تھا ۔ مثلاً جو عالم انڈونیشیا میں جاتے اور وہاں تبلیغ کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتا اسے اس شعبہ میں داخلہ ملتا ۔ جہاں انڈونیشین علماء اپنے علاقے کی زبان سکھانے اور اپنے ملک کے طور طریقے سمجھانے پر مقرر تھے۔[۱۶]"

یہ مبلغین طریقت کے رموز سے بھی واقف ہوتے تھے اس لئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ طریقت کے اسرار بھی سکھاتے تھے ۔ انڈونیشیا میں سہروردیہ سلسلے کا تعارف ملتان کے حوالے سے ہوا، شیخ الاسلام اندرون ملک تبلیغ کے لئے اپنے مریدین کو بھیجتے تھے جو تبلیغ کا کام احسن طریقے سے انجام دیتے تھے ۔ مدرسہ بہائیہ نے جہاں علوم و فنون کی تدریس کا کام انجام دیا وہاں اسلام کی اشاعت کا فریضہ بھی ادا کیا ۔ علوم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت، طریقت اور معرفت کے رموز بھی سکھاتے جاتے رہے ۔ اس مدرسے سے فیض پانے والوں میں سے دو علما بہت بہت مشہور ہوئے ۔ عراقی ہمدانی اور سید حسین ہراتی علم و ادب کی دنیا میں ان دونوں حضرات

۱۵۔ مضمون بعنوان "عظیم روحانی پیشوا، حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی" از محمد صدیق خان قادری مطبوعہ روزنامہ امروز ۲۸ جنوری ۱۹۸۵ء۔

۱۶۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" از نور احمد فریدی، ص ۱۴۱ تا ۱۴۲، مطبوعہ قصر الادب جگو والہ، ملتان بار اول ۔

Marfat.com

کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

مدرسہ بہائیہ کے علاوہ اس دور میں اس کے عناصر میں سے کاشانی کے مدرسے (دارالعلوم)[1] اور مدرسہ فیروزیہ[2] نے بڑی شہرت پائی۔ کاشانی کا مدرسہ ملتان میں اور مدرسہ فیروزیہ اوچ میں واقع تھا۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق مدرسہ فیروزیہ تو سومرہ عہد حکومت میں (جو چوتھی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری کے تقریباً ڈھائی سو برس تک پھیلا ہوا تھا) بھی موجود تھا اور قباچہ عہد حکومت میں اسے بے حد ترقی حاصل ہوئی۔ مشہور مورخ علامہ منہاج سراج اس مدرسے کے تدریسی شعبے کے صدر نشین تھے۔ ان کے علاوہ علی بن حامد بن ابو بکر کوفی، نورالدین محمد بن عوفی الحنفی البخاری اور شیخ محمود فاروقی جیسے اہلِ علم اور اصحاب زہد کی موجودگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔[3]

اسی طرح مولوی ابوالحسنات مدرسہ فیروزیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"اچہ میں اس نام کا ایک مدرسہ تھا یہ معلوم نہیں کہ اس کا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا اتنا معلوم ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے بعد میں یعنی چھٹی صدی میں یہ مدرسہ موجود تھا۔[4]"

اسلامی علوم و فنون کی تدریس و ترویج میں ان مدارس کی خدمات بھی قابلِ تحسین ہیں "نقش ملتان" میں عتیق فکری لکھتے ہیں۔

"اس طرح درسگاہ بہائیہ تقریباً ساٹھ برس تک آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد

---

[1] اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں کہ "مولانا قطب الدین کاشانی اپنے دور کے جید عالم تھے۔ یہ جب تشریف لائے تو مولانا کے لئے ناصر الدین قباچہ نے ملتان میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔"

(بحوالہ "تاریخ سندھ"، جلد اوّل از اعجاز الحق قدوسی، ص ۳۴۶، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار دوم ۱۹۷۴ء)

[2] "طبقات ناصری کا مصنف قاضی منہاج الدین سراج غزنی کی تباہی کے بعد ۶۲۴ھ میں اچ پہنچ کر قباچہ کے دربار کی زینت بنا اور اچ کا مشہور مدرسہ فیروزی اس کے سپرد کیا گیا۔"

(بحوالہ "تاریخ سندھ"، از اعجاز الحق قدوسی، ص ۳۴۷)

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "خطۂ پاک اچ"، ص ۱۶۹-۱۶۶

[4] بحوالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں"، ص ۷

Marfat.com

یہ سلسلہ حضرت شاہ رکن الدین قطب عالم کے زمانہ ۷۳۵ھ تک جاری رہا۔ اسوقت مولانا کاشانی کا مدرسہ بھی جاری تھا اور اوچ شریف میں مدرسہ فیروزیہ بھی طالب علموں کے لئے علم وفضل کا مرکز تھا۔ جس کو ناصر الدین قباچہ نے بنوایا تھا[۱]۔"

مولانا کاشانی کے مدرسے کے بارے میں ایک اور روایت ہے

"..... کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی[۲] ماوراء النہر سے ملتان میں تشریف لاتے شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان نے محلسرا یا مدرسہ ان کے واسطے تعمیر کیا اور مولانا کہ علامہ زمان تھے نماز فجر اس مدرسے میں ادا کرکے درس میں مشغول ہوتے تھے اور شیخ بہاء الدین زکریا کہ ان کا ابتدائے حال تھا ہر روز صبح کی نماز کے وقت وہاں حاضر ہوتے تھے اور فجر کی نماز مولانا کے پیچھے پڑھتے تھے[۳]۔"

یہ تو ہے اس دور کے چند بڑے مدرسوں کا احوال جن میں سے اکثر کی تفصیل صوفیائے کرام کے احوال میں بیان کی جا چکی ہے۔ بابا فرید گنج شکر نے ایک جماعت خانہ قائم کیا جہاں وہ خود تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس طرح اوچ میں سید جلال الدین شیخ بخاری نے "خانقاہ بخاریہ" اور "خانقاہ جلالیہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ خانقاہیں دراصل علوم وفنون کی درسگاہیں تھیں۔ خانقاہ جلالیہ کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے زمانے میں خاصی شہرت حاصل ہوئی اور مسعود حسن شہاب کے بیان کے مطابق

ص۱؎۔ بحوالہ "نقش ملتان" صفحہ ۴۵۶ تا ۴۵۷

ص۲؎۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا قطب الدین کاشانی کا مزار علمدار حسین کالج ملتان کی دیوار کے واقع ہے جہاں ایک جگہ کھدائی کے دوران میں ایک حوض اور مسجد کے آثار ملے ہیں۔ علامہ کاشانی کو دار العلوم کے صحن میں دفن کیا گیا تھا اور دار العلوم قلعہ کہنہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے مضمون بعنوان "عام خاص باغ اور علامہ کاشانی کا مزار" مطبوعہ روزنامہ امروز" ملتان نمبر، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء، ص۴) علامہ طالوت کا بھی یہی خیال ہے کہ "مولانا کاشانی کا دار العلوم پرانے قلعہ پر ہے۔" (ملاحظہ فرمایئے مضمون حضرت عراقی کی اولاد" مطبوعہ رسالہ تنویر ملتان، سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء، ص۷۷)

ص۳؎۔ بحوالہ "تذکرہ مشائخ کرام" از محمد قاسم فرشتہ، ص۱۴۷، احسن برادرز لاہور، جون ۱۹۶۵ء

Marfat.com

"ہنداور بیرونِ ہند سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوتے کہ اس کی مثال دہلی کے سوا اور کہیں نہیں ملتی"[1]

حضرت سلیمان تونسوی نے تونسہ شریف میں ایک مرکزی درسگاہ کے علاوہ بے شمار چھوٹے بڑے مدرسے قائم کر رکھے تھے۔ یہ اقامتی ادارے تھے جہاں تعلیم کے علاوہ تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ غلام فرید کے آباؤ اجداد کا قائم کردہ مدرسہ بعد کے زمانے تک درس و تدریس کا حق ادا کرتا رہا عام طور پر ان مدرسوں میں تدریس کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک تو یہ کہ علماء فرداً فرداً اپنے گھر پر تعلیم دیتے تھے۔ طلباء ان کے گھر میں جمع ہو جاتے تھے۔ اور وہ انہیں وہیں تربیت کرتے۔ دوسرے یہ کہ مسجد یا خانقاہ کے ساتھ باقاعدہ مدرسے منسلک ہوتے تھے۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ابھی کیا گیا ہے اکرام الحق مطابق

"پندرھویں صدی عیسوی میں حسین لنگاہ نے اس شہر (ملتان) میں متعدد کالج قائم کیے اور ایک یونیورسٹی بنائی جہاں ماہرین علم متعین تھے"[2]

یہ معلوم نہیں کہ شیخ اکرام الحق نے اس سے کونسی یونیورسٹی مراد لی ہے وہ اسی باب میں آگے چل کر ایک دانشگاہ کا ذکر کرتے ہیں، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

"ملتان میں نہ صرف مختلف انفرادی درسگاہیں (جن میں مولانا قطب الدین کاشانی کا مدرسہ مشہور تھا) کافی تعداد میں تھیں بلکہ ایک دانشگاہ (یونیورسٹی) بھی قائم تھی جو پرانے قلعہ پر انگریزی تسلط کے یادگار مینار کے عقب میں واقع تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں حاجی ابوالفتح اس کے معلم اعلیٰ تھے"[3]

ان مدارس میں جملہ علوم متداولہ کی تعلیم دی جاتی تھی جن میں علوم دین کے علاوہ فلسفہ و منطق، ہیئت، حساب، الجبرا، جیومیٹری، تاریخ اور طب کی تدریس بھی شامل تھی جبکہ موجودہ دور کے دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں صرف اسلامی علوم کی تدریس پر زور دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر

ص ۱۔ بحوالہ "خطہ پاک اچ" از مسعود حسن شہاب ص ۱۶۷

ص ۲۔ بحوالہ "ارض ملتان"، از اکرام الحق، ص ۳۳۱، شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام"

ص ۳۔ ...... ایضاً ... ص ۳۳۲

Marfat.com

شمیم ترمذی لکھتے ہیں ۔

"اکثر مدارس میں نصابی تنظیم درس نظامیہ کے نمونے پر کی گئی ہے ۔ حفظ قرآن، قرآن ناظرہ، صرف و نحو، اردو، فارسی، عربی، حدیث، فقہ منطق، فلسفہ وغیرہ اکثر مدارس میں اور چند مدارس میں عام تعلیم سے متعلق مضامین کی تدریس بھی ہوتی ہے لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔"[۱]

موجودہ بڑی بڑی درسگاہوں میں سے چند نام یہ ہیں ۔ خیر المدارس، قاسم العلوم، انوار العلوم، مظہر العلوم، باب العلوم، جامعہ عربیہ، محمدیہ، مدرسہ اویسیہ، دار التجوید نعمانیہ، دار العلوم عیدگاہ رحمانیہ، بدر العلوم، ریاض العلوم، مخزن العلوم، اور مدرسہ تعلیم الابرار ۔ ۔ گویا پروفیسر شمیم ترمذی کے الفاظ میں

"شہر مردان خدا ملتان کے تقریباً سو سے زائد مدارس اور مساجد کی موجودگی اور کارکردگی اہل ملتان کے دینی شغف اور اسلام دوستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔"[۲]

موجودہ دور میں حکومت نے ان مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کر لیا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مدارس میں دینی علوم کے علاوہ دنیاوی اور سائنسی علوم کی تدریس کا انتظام بھی ہونا چاہیئے تاکہ یہاں کے تعلیم یافتہ طلبا معاشرے کے لئے مفید افراد ثابت ہو سکیں کیونکہ اگر قدیم دور میں جملہ علوم کی تدریس کی جا سکتی تھی تو اب کیوں نہیں کی جا سکتی ۔

(۲) ملتان میں فلسفے کی روایت

اس تدریسی اور تربیتی نظام کی بدولت، جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، ملتان میں علوم عقلیہ و نقلیہ کو خاص ترقی حاصل ہوئی اور تصوف اور مذہبی فلسفے کے ساتھ ساتھ عقلی علوم بھی پروان چڑھنے لگے ۔ یوں تو سرزمین ملتان میں فلسفے کی روایت زمانہ قدیم سے موجود تھی ۔ ہندوؤں کی کتاب رگ وید کا بیشتر حصہ ملتان کے اردگرد کے علاقوں میں تصنیف ہوا ۔ اس کی تفصیل دوسرے باب میں آ چکی ہے ۔ اسی طرح ہندی فلسفہ ویدانت میں گیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق ملتان کے مندروں اور عام گھروں میں

حوالہ ۱، ۲ ۔ بحوالہ "ملتان کی دینی درسگاہیں" از پروفیسر شمیم ترمذی، ص مطبوعہ امروز، ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

Marfat.com

گیتا کا پاٹ ہوتا تھا اور جو اپدیش ارجن کو کرشن نے مہابھارت کی جنگ کے موقع پر دیا تھا۔ وہ پورا فلسفہ حیات اور اخلاقیات پر مبنی ہے[۱]۔ لیکن اسلامی علوم کا آغاز یہاں ابن قاسم کے ہاتھوں ملتان کی فتح کے بعد اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے سندھ اور ملتان میں آباد ہونا شروع کیا۔ بنو منبہ کے دور میں ملتان نے تہذیبی اور علمی سطح پر بڑی ترقی کی جب جلم بن شیبان کے ہاتھوں ۳۷۳ھ (۹۷۷ء) میں بنو منبہ (بنو سامہ) کے اقتدار کا خاتمہ ہوا تو یہاں اسماعیلی عقائد کی توجیہہ فلسفے کے اصولوں پر ہونے لگی۔ علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ ان اصولوں کو

"ارسطو اور نو فلاطینیوں کے نظریات سے تطبیق دیکر قابل فہم بنایا گیا تھا ..... اور یوں نئے فلسفے نے ملتان میں اپنے قدم جما لئے[۲]"

ملتان میں اس دور کی فلسفیانہ سرگرمیوں کے بارے میں شبیر احمد غوری اپنے ایک مضمون" اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج" صہ ۲۵۳، مطبوعہ رسالہ معارف، اپریل ۱۹۶۳ء میں لکھتے ہیں

"جہاں تک علوم فلسفہ کا تعلق ہے یہ باور کرنے کی وجوہ ہیں کہ سندھ اور بالخصوص ملتان میں خفیہ طور پر ان علوم کی بڑی تیزی سے اشاعت ہو رہی تھی، چوتھی صدی کی ابتداء سے اسماعیلی دعار عالم اسلام میں انقلاب کے لئے زمین ہموار کرتے پھر رہے تھے۔"

ملتان میں فلسفے کی روایت کے تسلسل میں جو بہت سے عوامل ہیں ان میں ایک مشہور فلسفی اور شاعر ناصر خسرو کی ملتان میں آمد بھی ہے۔ حکیم ناصر خسرو کی پیدائش ۳۹۴ھ/۱۰۰۳ء اور وفات ۴۸۱ھ بتائی جاتی ہے[۳]۔ سفرنامہ خسرو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور گیا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفرنامے کی عبارت حسب ذیل ہے

ح ۱، ۲:۔ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" از علامہ عتیق فکری، صہ ۲ (یہ غیر مطبوعہ مضمون فل سکیپ کے چھ صفحوں پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور میری تحویل میں ہے۔)

ح ۳:۔ بحوالہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مترجم مولوی محمد عبدالرزاق کانپوری، صہ ۱۰۹، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) ۱۹۴۱ء

Marfat.com

"ومن بدیں البسوط تو طلۃ دیدم از صوف گوسفند کردہ کہ مثل آں نہ بہ لہاور (لاہور)
دیدم ونہ بہ ملتان وشکل پنداشتی حریر است۔"

وہ بلاد سندھ میں بھی رہا۔ اس کے دیوان میں متعدد ہندی اور خالص سنسکرت الفاظ بھی موجود ہیں جو سیاحت ہند پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً

"پس بطریق تو خدائے جہاں بے شب درماش، وجود لو بیاسست برہمن درہندیہ
چنڈال ناکس فضل داست
بندہ چوں چنڈال دون از بہر دیں شد برہمن" [۱]

معقولات وفلسفہ پر ناصر خسرو کو دوسرا ابو علی سینا کہا جاتا ہے، وہ ملتان میں مصر کے فاطمی حکومت کا داعی بن کر آیا تھا اور ظاہر ہے ملتان میں فلسفے کی روایت کے سلسلے میں اس کا نام آنا چاہیئے۔ پھر محمود غزنوی کے عہد میں البیرونی نے برسوں ملتان میں قیام کیا اور "کتاب الہند" لکھی۔ البیرونی ایک طرف تو سنسکرت سیکھ کر ہندی فلسفے سے متعارف ہوئے اور دوسری طرف یونانی فلسفے سے ملتان کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا۔ شبیر احمد غوری کے مطابق

"اس نے یہاں آکر ہندو فلسفہ وہیئت ہی نہیں سیکھا بلکہ ہندوؤں کو بھی مسلم ریاضی وہیئت سکھائی۔" [۲]

محمود غزنوی کے بعد حضرت شاہ گردیز ملتان تشریف لائے اور درس وتبلیغ کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج کی کوششیں کیں۔ ادھر ابو علی سینا کا فلسفہ چھٹی صدی ہجری میں ملتان میں پہنچ چکا تھا۔ امام فخر الدین رازی جیسا مفسرِ قرآن اور فلسفی بھی سرزمین ملتان میں اپنی تقریروں کے ذریعے اسلامی فلسفے کی وضاحت کر چکا تھا۔ ملتان کے جید علما فضلا اور اثیر خراساں جاکر امام رازی سے فیض یاب ہوئے تھے اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار میں انہیں ندیم خاص کا مقام حاصل ہوا تھا۔ [۳]

۶۰۵ھ میں غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی علمی درسگاہ نے مختلف علوم وفنون کی اشاعت

ص۱۔ سفر نامہ حکیم ناصر خسرو مترجم مولوی محمد عبد الرزاق کانپوری، ص ۳۰۔۳۱

ص۲۔ مضمون "اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج" (قسط دوم)، ص ۱۰۱، مطبوعہ معارف، فروری ۶۳ء، جلد ۹۱

ص۳۔ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" از علامہ عتیق فکری، ص ۳

Marfat.com

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے یہ وہ دور ہے جب ناصر الدین قباچہ کا دربار علماء اور فن کاروں کی سرپرستی میں پیش پیش تھا اور ملتان علوم و فنون کا مرکز بن چکا فضل ملتانی جو بخارا میں عوفی کے ہم مکتب اور ہم درس رہے اور وہیں دونوں نے امام فخر الدین رازی کی جامع الصغیر حفظ کی، قباچہ کے دربار کے ساتھ وابستہ رہے ۔ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے ۔ اور قباچہ ان کی شاعری کا قدردان تھا ۔

ساتویں صدی کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک کے عرصے میں ملتان کے بے شمار علماء برصغیر میں پھیل گئے ۔ مولانا بہاؤ الدین ملتانی نے دہلی میں سکونت اختیار کر کے تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ مولانا حجتہ الدین نے بھی علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں دلی میں درسگاہ قائم کی ۔ قطب الدین کاشانی کے فرزند علی گڑھ میں عہدہ قضا پر بھی فائز رہے اور تدریس بھی کرتے رہے ملتان کے ایک اور صوفی عالم شیخ صدر الدین ظفر آبادی ملتانی، حضرت رکن الدین عالم سے خرقہ خلافت حاصل کر کے ظفر آباد میں مقیم ہوتے اور علم و فضل سے لوگوں کو فیض یاب کیا ۔ شیخ عثمان داؤد ملتانی کو فقہ اور تصوف کے علوم پر کامل دسترس حاصل تھی انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حکم سے گجرات میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے دکن کے شہر بیدر میں علم پھیلایا [۱]

اس ابتدائی دور کے بعد وہ دور آیا جب ملتان کے علمی و تہذیبی اثرات ہمہ گیر طور پر پورے برصغیر میں پھیلنا شروع ہوتے ۔ ملتان میں صوفیاء کے اثرات کی بدولت نہ صرف روحانی فیوض اور اثرات عام ہوئے بلکہ سوچ اور فکر کے دھارے بھی بدلے اور ایک لحاظ سے اسلامی فلسفے کا احیاء بھی ہوا ۔ ملتان میں تصوف کے ساتھ ساتھ فلسفے کی بھی ایک بھرپور روایت ملتی ہے ۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف کے علاوہ فلسفہ، کلام، اخلاق اور منطق کے میدان میں بڑے

ح ۱ ۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (۱) برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات از عتیق فکری، مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء (۲) "مسلم فلسفے میں ملتان کی اہمیت" از پروفیسر محمد امین

SOUVENIOR OF US PAKISTAN PHILOSOPHICAL COEGRESS

23RD ANNUAL SESSION MAY 28-30, 1983 مطبوعہ زکریا یونیورسٹی، ملتان

(۳) "بزم صوفیہ"، ص ۳۷ ۔

Marfat.com

بڑے جید علماء پیدا ہوتے فرداً فرداً تمام صوفیاء کے احوال میں ان کی تہذیبی، علمی و ادبی کاوشوں اور خدمات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

ان کے علاوہ بھی چند اہم لوگ ایسے ہیں جن کی بدولت فلسفے کی روایت عام ہوئی۔ ان علماء میں مولانا ثناء الدین ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی ۷۹۲ء) سے تعلیم پائی تھی۔ وہ علامہ تفتازانی کے علم و فضل کی شہرت سن کر ان سے کسب فیض کے لئے ایران گئے۔ حصول علم کے بعد واپس آئے تو معقولات کی تعلیم پر خصوصی توجہ صرف کی اور مولانا سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی کو تعلیم دی۔ مولانا سماء الدین ملتانی دہلوی (متوفی ۹۰۱ھ) ملتان کے قدیم باشندے تھے۔ آپ کا تعلق کنبوہ خاندان سے تھا۔ جس کے ایک بزرگ حاجی جمال کنبوہ نے سب سے پہلے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مولانا سماء الدین ملتانی اور ان کے بھائی مولانا اسحاق دونوں علم و فضل اور فلسفے میں شغف رکھتے تھے۔ مولانا سماء الدین حضرت راجو قتال کے مرید تھے۔ لنگاہوں کے زمانے میں دہلی منتقل ہوئے اور دہلوی کہلائے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری اس دور کے بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ "سیر العارفین" کے مصنف مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے آپ کو "حقائق کے مخزن" دقائق کے معنی، ذات اقدس کے جلوے کے سمندر، آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہان تمکین کے آسمان بھی کہہ کر پکارا ہے[1]۔

مولانا عبداللہ ملتانی جو عبداللہ تلمبوی بھی کہلاتے ہیں تلمبہ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم ملتان میں پائی بعد میں فلسفہ و منطق کی تعلیم کی تکمیل کی خاطر عراق تشریف لے گئے اور علامہ عبداللہ نیردی سے حصول علم کیا۔ ملتان واپس آکر فلسفہ و منطق کا درس دینے لگے پروفیسر محمد امین کے مطابق

"آپ کے دور میں منطق کی کتاب شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں مگر آپ نے بہت سی نئی کتابیں بھی شامل نصاب کیں۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں ید طولیٰ حاصل تھا اور انہی مضامین کی تدریس میں آپ نے عمر گزار دی"[2]

ط۱۔ بحوالہ "سیر العارفین"، از فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب قادری، ص ۲۵۱، مرکزی اردو بورڈ لاہور بار اوّل اپریل ۱۹۷۶ء (حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

آپ بھی سماء الدین ملتانی کی طرح دہلی میں منتقل ہو گئے ! اس وقت دہلی میں سکندر لودھی کی حکومت تھی ۔ اس نے آپ کو ملک العلماء کا اعزاز عطا کیا اور گذر اوقات کے لئے جاگیر بھی مقرر کی [۱] اور ان کے سپرد ایک بہت بڑا مدرسہ کر دیا جہاں وہ فقہ اور معقولات کی تعلیم دیتے تھے ۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق بدیع المسی انہوں نے لکھی تھی [۲] ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"مولانا کے ویسے تو سینکڑوں شاگرد تھے لیکن چالیس باکمال عالم بنے جن میں مفتی جمال الدین اور ان کے بھائی عبدالغفور میں نصیر الدین دہلوی ، میاں شیخ گوالیاری اور میراں جمال الدین بدایوں کا بڑا درجہ ہے [۳]

مولانا عبداللہ کے دوست اور ساتھی مولانا عزیز اللہ (متوفی ۹۲۲ ھ) بھی اپنے وقت کے جیدّ علماء میں شمار ہوتے تھے ۔ وہ بھی تلمبہ میں پیدا ہوئے لیکن معقولات کی تعلیم ملتان میں حاصل کی ۔ آپ کو علوم متداولہ یعنی اصول ، کلام ، منطق اور حکمت میں بڑا عبور حاصل تھا سب سے پہلے دہلی میں مولانا عبداللہ کے مدرسے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ بعد میں بدایوں سے ہوتے ہوئے سنبھل چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی ۔ سکندر لودھی نے آپ کی قدر دانی کی ۔ مولانا عزیز اللہ کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

" مولانا کا حافظہ بلا کا تیز تھا اور مشکل مسائل حل کرنے میں ید طولی رکھتے تھے بغیر مطالعہ کئے کتاب پڑھاتے تھے اکثر لوگ مشکل اور پیچیدہ سوالات بطور امتحان پیش کرتے اور مولانا چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے [۴]"

شبیر احمد غوری مولانا ابو محفوظ الکریم المعصومی کے ایک مضمون "صدر الدین الشیرازی حیاتہ و

ص ۲ ۔ بحوالہ "مسلم فلسفے میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد امین ، مطبوعہ ماہ نو ، جولائی ۱۹۸۳ ء ، ص ۳۵

ص ۱ ۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" ، (جلد اوّل) از نور احمد فریدی ، ص ۲۹۵ ، مطبوعہ قصر الادب ، ملتان ، بار اوّل

ص ۲ ۔ بحوالہ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" ص ۶

ص ۳ ۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" ، (جلد اوّل) ، از نور احمد فریدی ، ص ۲۹۶

ص ۴ ۔ بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" مطبوعہ امروز ملتان نمبر ، ص ۵

Marfat.com

مآثرہ" مطبوعہ انڈو ایرانیکا کے حوالے سے عبداللہ ملتانی اور عزیز اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں

"..... کہ یہ دونوں بادشاہ (سکندر لودھی) کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور انہیں انعامات و تحائف سے نوازا۔ ان دونوں کی علمی کوششیں بار آور ہوتیں اور شمالی ہند میں فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت میں وہ نہایت نمایاں اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔"[1]

مولانا عزیز اللہ کے استاد مولانا فتح اللہ بھی کوئی کم اہم شخصیت نہیں ہیں انہوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) کے شاگرد مولانا موسی الجبری سے دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی ان کے علاوہ ثنار الدین ملتانی سے بھی اکتساب علم کیا[2] وہ ملتان کے بہت بڑے فلسفی، معلم، خطاط اور دانشور تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی[3] ان شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی علمی اور زندہ آور شخصیت حافظ عبدالعزیز پرہاردی کی ہے۔ آپ تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کے قصبہ پیر بار میں حافظ احمد بن، حافظ محمود کے گھر ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوتے۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بارہ سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر لئے۔ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی سے فیض حاصل کیا۔ علم الکلام اور فلسفے پر عبور حاصل تھا۔ مصر کے علماء بالخصوص ابوزہرہ جیسا فقیہ اور محدث اپنی کتابوں میں خصوصیت سے عبدالعزیز پرہاردی کے حوالے دیتا ہے[4] فلسفہ، تصوف، تفسیر حدیث، فقہ، طب، حکمت ریاضی اور علم جفر کا یہ ماہر سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا۔

ص۱۔ بحوالہ "اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج" (چوتھی قسط، معارف ۱، جلد ۹۱، جنوری ۱۹۶۳، صہ ۲۵

ص۲۔ بحوالہ "اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج" (دوسری قسط) مطبوعہ معارف، فروری ۶۳ء صہ ۱۵

ص۳۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے علامہ عتیق فکری کا مضمون "برصغیر پہ ملتان کے علمی اثرات" امروز ملتان نمبر، صہ ۵

ص۴۔ بحوالہ "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر"، از علامہ عتیق فکری، صہ ۶

Marfat.com

آپ نے بہت کم عمر پائی صرف ۳۴، ۳۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔
غرض سرزمین ملتان علوم فلسفہ کی ترویج کے سلسلے میں پیش پیش رہا۔ شبیر احمد غوری لکھتے ہیں

"۔۔۔۔ یہ علاقہ نویں صدی تک معقولات کی تعلیم کا گڑھ بنا رہا۔ یہیں (ملتان) سے مولانا عبداللہ تمبی اور عزیز اللہ ملتانی نے دہلی پہنچ کر معقولات کی گرم بازاری کو مزید رونق دی۔[۱۰]"

ان علماء کی کاوشوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے صوفیاء اور علماء کو حدیث تفسیر، فقہ کے علاوہ منطق اور فلسفے سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ علمی اور عملی تصوف کی ترویج کے علاوہ فلسفے اور منطق کی تدریس اور اشاعت کے لئے بھی ان علماء نے اہم کردار ادا کیا البتہ ملتان میں جس فکر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ صوفیانہ فکر تھی کیونکہ ملتان صوفیاء کے ایک بہت بڑے سلسلے کا مرکز رہا یہ سلسلہ سہروردیہ تھا جو ملتان سے شروع ہو کر پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ اس سلسلے کے صوفیاء اپنے مخصوص اصول و اشتغال رکھتے تھے جو انہیں دوسرے صوفیانہ سلسلوں سے ممیز کرتے ہیں۔ قاضی جاوید اپنی کتاب "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں۔

"برصغیر میں سہروردی کے سلسلے کا فروغ زیادہ تر ملتان کے مرکز کے حوالے سے ہوا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا برصغیر ہی کے باشندے تھے اور تعلیم کے حصول کی خاطر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے تھے۔ دارا شکوہ نے انہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کا کامل ترین خلیفہ قرار دیا ہے۔ بغداد سے واپسی کے بعد ان کی زندگی ملتان ہی میں بسر ہوئی تھی ۔۔۔ سہروردی مکتبۂ فکر تیرھویں و چودھویں صدیوں کے مسلم برصغیر میں راسخ الاعتقادی کی نمائندگی کرتی ہے تاہم اس بات کو ایک عام اصول کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس مکتبۂ فکر سے منسوب بہت سے دانشوروں نے برصغیر میں مسلم معاشی

۱۰۔ "اسلامی ھند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج" مطبوعہ معارف، اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۲۰۷

Marfat.com

بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔"[۱]

سلسلہ سہروردیہ سلاطین وقت کے ساتھ روابط رکھتا تھا۔ سیاست میں باقاعدہ حصہ لیتا تھا اور جاگیریں اور نذرانے بھی قبول کرتا تھا۔ سہروردی سلسلے میں اہم ترین کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف ہے۔ اس کی صوفیانہ فکر اور آداب و اشغال کا سارا خزانہ اسی کتاب میں بند ہے۔ سہروردیہ نے ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود کو رد نہیں کیا بلکہ اختیار کیا۔ ملتان میں یہ فلسفہ فخر الدین عراقی کی وساطت سے متعارف ہوا۔ عراقی کی خط و کتابت حضرت بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین حضرت صدر الدین عارف سے تھی۔ عراقی نے انہیں شیخ اکبر بن عربی کے خیالات سے روشناس کرایا کہا جاتا ہے کہ کتاب "لمعات" انہوں نے "فصوص الحکم" سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ "سیر العارفین" کے مطابق

"کتاب لمعات اس طرح تصنیف ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) کی وفات کے بعد جب انہوں نے ملتان سے بیت اللہ کا ارادہ کیا اور وہاں سے روم پہنچے اور شہر قونیہ میں آئے تو وہاں شیخ محی الدین ابن عربی کے خلیفہ شیخ صدر الدین قونوی تھے کچھ عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور کتاب لمعات قونیہ میں تصنیف فرمائی اور وہاں سے انہوں نے ایک خط شیخ الاسلام صدر الدین عارف کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات و نکات تھے اور اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے صوفی کی صحبت ملی ہے کہ جس کے یہ کلمات ہیں۔"[۲]

چنانچہ ظاہر ہے کہ عراقی فصوص الحکم سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ایک نسخہ شیخ صدر الدین عارف کو بھجوایا جس کی بہت سے نقول آگے گجرات اور کاٹھیاواڑ تک بھی گئیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ملتان اور برصغیر کے صوفیاء ابن عربی کے خیالات

ص۱۔ بحوالہ "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" از قاضی جاوید، ص ۵۴-۵۵، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان طبع اول ۱۹۷۷ء

ص۲۔ بحوالہ "سیر العارفین"، ص ۱۵۲

Marfat.com

سے متعارف ہوتے اور پھر یہ نظریہ مسلم برصغیر میں بہت مقبول ہوا۔ وحدت الوجودی فکر سے محبت اور انسان دوستی کا وہ رویّہ پروان چڑھایا جو ملتان کی صوفیانہ شاعری سے بھی منعکس ہوتا ہے۔ بابا فرید گنج شکر اور خواجہ غلام فرید کی شاعری اسی انسانی دوستی کے رویّے کی بہترین مثال ہے۔

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات (مجموعی جائزہ)

ملتان کے فنونِ مفیدہ اور فنونِ لطیفہ پر صوفیائے کرام کے اثرات کا جائزہ لینے اور ملتان کی علمی روایات کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم بحیثیت مجموعی ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی پر صوفیائے کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہند کی عمومی حالت

اب تک کی ساری تفصیل کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں عربوں کی آمد قبل از اسلام بھی ثابت ہے اسلام کے ظہور کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی سے مسلمان کسی نہ کسی راستے سے ہند میں داخل ہوتے رہے اسی ہجری کے آخیر میں مسلمان محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ میں آتے اور آگے بڑھتے ہوئے ملتان پر قابض ہوئے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوستان میں ہندوازم کا عروج تھا۔ ہندوؤں میں طبقاتی نظام اور ذات پات کی تقسیم عام تھی۔ اُونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کی ناروا اقدار ہندوؤں کے مذہب اور معاشرت کا ناگزیر حصہ تھیں۔ برہمن۔ کھتری، شودر اور اچھوت کی تقسیم[۱] کے تحت ایک دوسرے سے رشتہ داری

---

[۱] ۔ ابن خردازبہ نے نویں صدی عیسوی میں ہندوؤں کے سات طبقے بتائے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

تعلقات، روابط اور بول چال تک ممنوع تھی۔ مذہب پر اونچے طبقے کو بالادستی حاصل تھی۔ برہمن نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ مذہبی زبان صرف اسی طبقے کے لیے مخصوص تھی اور دوسروں کے لیے اس کے بولنے سننے تک پر پابندی تھی۔ مساوات اور اخوت کا نام نہیں تھا بتوں کی پوجا کا عام رواج تھا۔ لوگوں نے اپنے اپنے عقائد اور نظریات کے مطابق کئی خداؤں کے تصورات قائم کر رکھے تھے۔ انسانوں کی تفریق کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تقسیم اور درجہ بندی بھی اس عہد کا دستور تھا۔ مختلف طبقوں کے لوگوں کے الگ الگ مندر تھے پوجا کے الگ الگ طریقے تھے ایک طبقے کے لوگوں کا دوسرے طبقے کی چیزوں کو چھو لینے سے بھرشٹ ہونے کا تصور موجود تھا عورت کو معاشرے میں نہایت ادنیٰ مقام حاصل تھا، خاوند کی وفات کے بعد بیوی کو ستی ہونا پڑتا تھا یا ساری زندگی بیوگی میں گزارنا پڑتی تھی۔۔۔ خودکشی کی اجازت تھی۔ موت و وفات کے موقع پر عجیب وغریب رسموں کا رواج تھا۔ ضعیف الاعتقادی، اوہام پرستی، چھوت چھات بھوت پریت، ٹونے ٹوٹکوں کا عام رواج تھا، سود خوری، قماربازی اور شراب نوشی عام تھی۔[1]

(۲) مسلمانوں کی آمد

مسلمانوں کی آمد سے کفر والحاد کی اس سرزمین میں تہذیب و ثقافت، مذہب و معاشرت اور زبان و بیان کے انداز میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ اسلام کی روشن خیالی، رواداری، مساوات پر مبنی نظام اور توحید پرستی نے یہاں کی اصنام پرست اقوام پر بڑے مثبت اثرات مرتب کئے۔ یہاں تک کہ ان غیر مسلم اقوام میں روشن خیالی کی تحریکیں شروع ہوئیں اس سلسلے میں بھگتی[2] اور برھمو سماج[3] تحریک وغیرہ کے نام لئے جا

ہیں یعنی (۱) چھتری (۲) برہمن (۳) کھتری (۴) شودر (۵) ویش (۶) چنڈال اور (۷) ڈوم۔۔۔ اسی طرح اس کے مطابق یہاں کے مذہبی فرقوں کی تعداد بیالیس تھی۔ (ملاحظہ فرمایئے المسالک الممالک از خرداذبہ ترجمہ (مولانا مسعود علی ندوی بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" صہ ۲۵ - ۲۶)۔

صہ ۱۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، صہ ۱ تا ۴۳۔

صہ ۲۔ قاضی جاوید کے مطابق (باقی حاشیہ صہ ۲ اور صہ ۳ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کے ساتھ آنے اور پھیلنے والے نئے تہذیبی اثرات نے اس برعظیم میں بت پرستی اور ذات پات کے خلاف ایک ایسا شعور پیدا کیا کہ عوام بھی یہ سمجھنے لگے کہ نروان اور نجات کا راستہ صرف برہمنوں کے قبضے میں نہیں بلکہ جو بھی چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے اس لئے ایسی تحریکیں بہت مقبول ہوئی

"برصغیر کے مسلم فکر کے ارتقاء میں بھگتی تحریک کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے بنیادی طور پر یہ تحریک ہندوستان کی دو عظیم تہذیبوں کے مابین ترکیب پیدا کرنے کی شعوری کوشش کے طور پر وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنی قسم کی اوّلین تحریک نہیں تھی۔ اس سے قبل ایسی کئی خود رو تحریکیں برصغیر کی معروضی صورت حال سے جنم لے چکی تھیں اور ان کے نتیجے کے طور پر نچلے طبقات کی سطح پر ہندو مسلم ترکیبی ثقافت جنم لے رہی تھی۔ اس عمل کا آغاز ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس عمل کے ابتدائی دور میں سندھ کے نومسلموں نے عرب عہد حکومت میں اپنے سابقہ مذہبی دیوتاؤں کو اسلامی نام عطا کر دیئے تھے۔ بعد ازاں یہ سلسلہ دیگر علاقوں میں بھی پھیل گیا"

("برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" صہ ۶۹، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۷ء)

صہ ۳۰۔ اس تحریک کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں

"برہمو سماج کی اس تحریک نے مذہبی تعطل، قدامت پسندی اور تنگ نظری کے اس طلسم کو توڑنے میں مدد دی جس نے ہندوستان کی تمدنی ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی تھیں ۔۔۔۔۔ ان کی انتھک کوششوں سے ستی کی رسم ختم ہوئی۔ ۔۔۔۔۔ اور ہندو سماج میں عورتوں کی زبوں حالی کے خلاف آواز اور حرکت پیدا ہوئی ۔۔۔۔ سماج کی ان سرگرمیوں سے تعلیم یافتہ طبقے میں بیداری کا ایک صالح احساس پیدا ہوا اور یہی احساس ہندوستان کے نشاۃ الثانیہ کا سنگ میل ہے"

(بحوالہ "پریم چند ۔۔۔۔ تنقیدی مطالعہ" صہ ۷۶، مطبوعہ سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، طبع چہارم ۱۹۷۷ء)

Marfat.com

پیدا کیا۔ ذات پات اور طبقاتی تقسیم کے خلاف جہاد کر کے تمدنی زندگی کو ایک نیا رُخ عطا کیا اور اردو زبان کو ذریعہ اظہار بنا کر زبان کو قومی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا۔ قطب الدین بختیار کاکی نے موسیقی اور سماع کو جائز قرار دے کر اور خود اس میں شغف کا اظہار کر کے فنونِ لطیفہ کی ترویج کا سامان کیا۔ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے ملتان میں ایک عظیم درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔ لوگوں کی ذہنی فکری اور جسمانی تربیت کا عملی انتظام کیا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے وسیع انسانی بنیادوں پر تہذیب و ثقافت کی تعمیر کی۔ انسانی دوستی کے آدرش کے ساتھ علم و ادب اور فنون لطیفہ کی ترویج ان کی زندگی کا مطمح نظر رہا۔ اُردو، سرائیکی اور پنجابی شاعری کے ارتقا اور اُردو زبان کی ابتدائی نشوونما کے سلسلے میں ان کو تاریخی تقدّم حاصل ہے۔ حضرت شاہ شمس سبزواری فارسی، کشمیری، ہندی اور سرائیکی زبان کے شاعر تھے۔ شیخ صدر الدین عارف بھی شعر و شاعری میں شغف رکھتے تھے۔ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے چنانچہ عراقی جیسے شاعر نے ان کی شاعری کی تعریف کی۔ سیّد جلال الدین سرخ بخاری نے اُچ میں خانقاہ "بخاریہ" کی بنیاد رکھی۔ اس خانقاہ میں علمی اور روحانی طور پر استفادہ کرنے والوں کی تعداد بے شمار تھی۔ خانقاہ جلالیہ بھی انہیں کی یادگار ہے۔ شاہ رکن عالم نے اپنے دادا بہاؤ الدین زکریا کی طرح سیاست اور مذہب کا امتزاج قائم رکھا۔ سماع میں بھی دلچسپی لی۔ شیخ حسام الدین ملتانی نے درویشی و قلندری کا درس عملی طور پر دیا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ درس و تدریس بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اُچ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا۔ فنون لطیفہ، ادب و شعر اور زبان و بیان کے لحاظ سے امیر خسرو کی خدمات تو اظہر من شمس ہیں۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی کتاب "تیسیر الشاغلین"، علم و معارف کا خزانہ ہے۔ پُر لطف اور ادبی اسلوب میں لکھی ہوئی فارسی کی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کی باتوں سے پُر ہے یہ سب باتیں ایک نیک اور باکردار زندگی کے لیے بہترین ضابطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جا بجا ایسے اقوال درج ہیں جن سے انسانی اعمال کی تہذیب ہوتی ہے۔

حافظ محمد جمال ملتانی نے نہ صرف اپنی علمی، اخلاقی، روحانی اور تدریسی سرگرمیوں سے خلق خدا کو فیض یاب کیا بلکہ انہیں باطل کے خلاف عملی جہاد کے لئے بھی تیار کیا اور خود بھی میدان جنگ میں اُترے۔ علم و عمل اور دین و دنیا کا بہترین امتزاج ان کی زندگی کا آدرش رہا۔ انکی

Marfat.com

"سی حرفی"، مقصدی اور اخلاقی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اگرچہ اس نظم کی زبان سرائیکی ہے لیکن اس کا ڈکشن یہ ثابت کرتا ہے کہ اس دور میں بھی سرائیکی اُردو کے روابط بڑے مستحکم تھے دونوں زبانیں ایک دوسرے سے نامانوس نہ تھیں۔

خواجہ خدابخش کی مرنجان مرنج، بامروت، تہذیبی اور ادبی سطح پر بڑی قدآور تھی۔ آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ اور ادبی حسن کی حامل ہوتی تھی، اشاروں اور کنایوں میں بات کرکے عوام و خواص کے دل موہ لیتے تھے۔ توفیقیہ، توحیدیہ، ذوقیہ کے حوالے سے ان کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ وحدت الوجود کی تشریح و تعبیر انہوں نے اس انداز پر کی ہے کہ اس نظریے کی اشاعت سے محبت اور یگانگی کے جذبات لوگوں میں پیدا ہوتے۔ موقع محل کے مطابق فارسی، اُردو اور سرائیکی اشعار، اقوال ضرب الامثال کے استعمال سے انہوں نے زبانوں کو مخلوط کیا اور ظاہر ہے یہ بہت بڑی ادبی و علمی خدمت ہے۔

حضرت سلیمان تونسوی نے تہذیبی سطح پر تونسہ کی پوری آبادی کو متاثر کیا۔ لنکے مشاغل پیشہ ورانہ مہارت، رہن سہن، اخلاق و آداب، سوچ کے انداز اور طعام و کلام سب پر ان کے اثرات مرتب ہوتے۔ علمی اور فکری سطح پر بھی انہوں نے ایک خاص نقطہ نظر کو پھیلایا اور وہ تھا انسان دوستی، فیاضی، مذہبی ترفع اور فنون لطیفہ و مفیدہ کی ترقی اور ترویج۔

غلام حسن شہید ملتان کے صوفی شعراء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اُردو میں شاعری کی۔ اگرچہ ان کا کوئی مطبوعہ دیوان اُردو موجود نہیں ہے تاہم اُن کے سجادہ نشینوں کے پاس قلمی دیوان متبرکات موجود ہے جس میں اردو غزلیں، مرثیے، نعت وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت غلام حسن شہید نے اُردو، ھندی، سرائیکی اور پنجابی زبان کو مخلوط کرنے کا تجربہ بڑی کامیابی کے ساتھ کیا اور اس طرح اُردو زبان کو مقامی رنگ میں ڈھلنے اور اس میں دیگر علاقائی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کو شامل کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ ان کا یہ کارنامہ یقیناً اُردو زبان و ادب کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔

خواجہ غلام فرید دوسرے بہت سے عظیم صوفیاء کی نسبت ادب و شعر کے میدان میں زیادہ معروف اور مشہور رہے۔ وہ بلاشبہ ایک صوفی صافی تھے لیکن ان کی شہرت و عظمت کا زیادہ تر دارومدار ان کے عارفانہ کلام پر ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنی سرائیکی اور اُردو شاعری میں معرفت کے مضامین بھی باندھے اور اپنے کلچر اور تہذیبی تناظر کو بھی پیش کیا۔ ادب

Marfat.com

و شعر کے لحاظ سے وہ سرزمین ملتان کی آبرو ہیں۔ وہ ملتان کے خوشحال خان، شاہ حسین، شاہ عبداللطیف، اور سچل سرمست ہیں۔ ان کی کافیاں لوگ ورثے کا انمول خزانہ ہیں۔ موسیقی کی دنیا میں خواجہ فرید کی کافیاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعویٰ ہے کہ

" دیوان (دیوان فرید) کی ہر کافی گائی جا چکی ہے اور اصول موسیقی کے تحت ہی کہی گئی ہے"[۱]

ان صوفیاء کی بدولت ملتان کے شعر و ادب میں تصوّف کی ایک ایسی مستقل، دیرپا اور مستحکم روایت قائم ہوئی کہ جس کے اثرات آج تک محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ادبی لحاظ سے زیادہ تر ان صوفیاء کی توجہ شاعری جیسے فن لطیف کی طرف رہی۔ نثر میں سوائے ملفوظات کے یا تصوّف کے فلسفیانہ مسائل پر تصنیفات کے کوئی ادبی رنگ کی چیز دکھائی نہیں دیتی لیکن شعر کی ایک مضبوط روایت البتہ ضرور ملتی ہے۔ دراصل شاعری جذبات کی زبان ہے اس لئے صوفیانہ کیفیات اور عاشقانہ واردات کے اظہار کے لئے شعری زبان ہی بہترین وسیلہ تھی اور یہی اسلوب صوفیاء نے اختیار کیا۔ یوں بھی تصوّف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "برائے شعر گفتن خوب است"، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تصوّف ہماری فکری اور شعری روایت کا حصہ رہا ہے۔ حضرت رابعہ بصری، ابن عربی، اور آ ثیری وغیرہ نے عربی میں صوفیانہ شاعری کی۔ فارسی میں ابوسعید ابوالخیر، فریدالدین عطار، سنائی ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا روم، محمود شبستری سعدی، عراقی، بیدل اور حافظ جیسے شعراء نے تصوّف کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اُردو میں میر، درد، غالب، ذوق اور اقبال نے صوفیانہ مضامین ادا کئے اور علاقائی زبانوں میں تو صوفیانہ شاعری کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ پشتو میں رحمان بابا، خوشحال خان خٹک سندھی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست، پنجابی میں شاہ حسین، بلھے شاہ، وارث شاہ اور سلطان باہو اور سرائیکی میں، بابا فرید، حافظ جمال، سچل سرمست، علی منقی، خواجہ فرید، غلام حسن شہید، علی حیدر وغیرہ کے نام صوفیانہ شاعری میں اہم ہیں۔

بابا فرید گنج شکر، امیر خسرو، حسن سجزی، خواجہ فرید اور غلام حسن شہید وغیرہ کے شعری تجربات

---

[۱]۔ پیام فرید از ڈاکٹر مہر عبدالحق صہ ۴ (غیر مطبوعہ)

Marfat.com

اور مرطے کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ چند اہم شعراء کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے یہاں صوفیانہ مضامین ملتے ہیں اور صوفیانہ روایت سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

۱۔ شیخ علی متقی

ان شعراء میں سب سے قدیم شیخ علی متقی ہیں۔ ۸۸۵ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ یہ شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن کے مرید تھے۔ انہیں سے سلسلہ چشتیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ملتان میں شیخ حسام الدین متقی ملتانی کی صحبت سے فیض اٹھایا اور دو سال کے عرصے میں تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم ان سے پڑھی[۱]۔ خلیق احمد نظامی کے بقول آپ کے علم و فضل کا سکہ عرب و عجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا[۲]۔ سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق شیخ علی متقی شاعر بھی تھے انہوں نے ان کا یہ شعر درج کیا ہے۔

سن سہیلی پریم کی باتا

یوں مل رہی جیون دودھ بتانا[۳]

یہ شعر "اخبار الاخیار" میں یوں درج ہے اور وحدت اور دوئی کے مسئلے کے سلسلے میں ہے۔

سن سہیلی پرم کے باتا

یوں مل رہی جیون دودھ بتاتا[۴]

انہوں نے جمادی الاول ۹۷۵ھ میں وفات پائی[۵]۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق چونکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اس لئے وہیں انتقال فرمایا[۶]۔

ص۱۔ بحوالہ "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" از عبدالحق محدث دھلوی، ص۲۵۷، مطبوعہ در مطبع مجتبائی دھلی، ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء)

ص۲۔ "مشائخ چشت"، ص۲۱۲

ص۳۔ "نقوش سلیمانی"، از سلیمان ندوی، ص۵۵

ص۴۔ "اخبار الاخیار"، ص۱۲۵

ص۵۔ ایضاً ص۱۲۶

ص۶۔ "خطۂ پاک اوچ"، ص۳۰۰

Marfat.com

(۲) علی حیدر ملتانی

۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء میں ملتان کے ایک مضافاتی قصبے چونترہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ محمد امین تھا۔ خواجہ فخر الدین دہلوی سے بیعت تھے۔ ان کا کلام "ابیات علی حیدر" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ علی حیدر ملتانی نے بھی دیگر صوفی شعراء کی طرح عشق مجازی کے حوالے سے عشق حقیقی کی بات کی ہے اور مجاز کے پردے میں حقیقت کے اسرار بیان کئے ہیں۔ مغلوں کے دور زوال میں آپ نے معرفت کے گیت گائے۔ آپ کا سرائیکی کلام سی حرفیوں پر مشتمل ہے، جن کا موضوع فلسفہ و تصوّف ہے ان کے علاوہ ان کے سرمایۂ شعر میں ہیر، بارہ ماہ اور اردو آمیز اشعار بھی شامل ہیں۔ "کلیات علی حیدر" کے نام سے ڈاکٹر فقیر محمّد فقیر نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ان کا سن وفات ۱۱۹۱ھ ہے نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے

الف اوہ جلوہ بیرنگ کسی دلیں ایہ رنگ طرح معشوق نہیں
ایہ کا کل حرف نہیں نے سب کلام خدا مخلوق نہیں
اوہ برق فلک تے لشکر چمکے آتش وچ بندوق نہیں
پر ایہ بھی برق انداز اکھیں دے توڑے ایہ مبرق نہیں
ع عنایت رب دی ہووے تے ایویں فضل کریندا جا
تخت ہزارے توں رانجھن لد کے ہیر سیال ملیندا جا
عشق اساڈے دے چھیڑن کارن مجھیں دکھال چھڑیندا جا
واہ واکم اللہ دے حیدر آپے جوڑ جوڑ ھندا جا
ہوش نہ چھڈی عشق تیرے لتے اس وچ بہت دیگر یاں نی
جہاں عشق دی چولڑی رنگ لئی انہاں چیاں چادراں چریاں نی ملے

ملے۔ ان کتب سے استفادہ کیا گیا ہے (۱) پنجابی شاعراں دا تذکرہ از مولا بخش کشتہ، ص ۹۱-۹۲ مطبوعہ خرم میاں مولا بخش اینڈ سنز، سی ٹمپل روڈ لاہور، طبع اوّل جنوری ۱۹۶۰ء (۲) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص ۳۶، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور بار اوّل ۱۹۸۴ء (۳) "سرائیکی شاعری" از کیفی جام پوری، ص ۲۴۴ تا ۲۴۵

Marfat.com

(۳) صابر ملتانی

ان کا نام محمد حیر الدین تھا۔ ۱۸۲۵ء میں ملتان ہی میں پیدا ہوئے۔ طویل عمر پائی۔ زندگی کے آخری دنوں میں بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مزار کے مجاور بن گئے۔ طباعت کا کام بھی کرتے رہے اور سرائیکی مرثیوں پر مشتمل کتابیں شائع کیں۔ مولانا کو شاعری کا شوق شروع سے تھا۔ آپ کا کلام پیام یار نغمہ بہار لکھنؤ، گلزار خلد قنوج، گلدستہ ناز بمبئی وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں حضرت داغ دھلوی سے بذریعہ خط و کتابت سلسلہ تلمذ حاصل کیا۔[۱] ان کا مجموعہ کلام یادگار صابر کے نام سے ان کے فرزند محمد منیر الدین منیر نے نوبہار پریس ملتان سے نومبر ۱۹۲۵ء میں شائع کرایا جو مجھے علامہ عتیق فکری کی لائبریری سے ملا ہے "یادگار صابر"۔۔۔ صابر ملتان کے قصائد، قطعات تاریخیہ، ملتانی کافیوں، ملتانی اور اردو مرثیوں اور اردو فارسی غزلیات پر مشتمل ہے۔ اردو غزل میں ان کا رنگ پختہ، استادانہ اور کلاسیکل شعرا کا سا ہے۔ داغ کے اثرات واضح اور نمایاں ہیں۔ مجازی اور حقیقی دونوں قسم کے اشعار موجود ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

جس طرح تیرے حسن کا شہرہ جہاں میں ہے
چرچا ہمارے عشق کا اب چار سو ہوا

ساقی ہو، مے ہو، ابر ہو، فصل بہار بھی
سب ہیچ ہیں بغل گیں نہ گر ماہرو ہوا

("یادگار صابر" صـ ۱۰۲)

تیرا سودا ہی نہیں جس میں وہ سر کس کا ہے
درد تیرا کہ نہیں جس میں جگر کس کا ہے

ناگہاں آتے جو گھر میرے تو گھبرا کے کہا
کھینچ کر لایا ادھر مجھ کو اثر کس کا ہے

(صـ ۱۰۸)

حوالہ۔ (۱) بحوالہ یادگار صابر مرتبہ محمد منیر الدین منیر، مطبوعہ نوبہار پریس ملتان، اشاعت اوّل، نومبر ۱۹۲۵ء (۲) دیوان عبید اللہ ملتانی (قلمی)، صـ ا

Marfat.com

نظر فلک پہ کر۔ دیا زمین پر دیکھو
خدا کی ذات کا جلوہ ہے بس جدھر دیکھو

کہا جو میں نے کہ مرتا ہوں اب جدائی میں
وہ بولے مرنے سے ملتے ہیں ہم تو مر دیکھو

(صـ ۱۰۸)

ہم وصف تیری کر سکیں کیا جب کہ یا نبی
وصاف تیرا خالق لیل و نہار ہو

غفار بخشتا ہے گنہ اس کے جو کوئی
اُمیدوار رحمت پروردگار ہو

(صـ ۱۱۰)

ہے انتظار مجھ کو کب جائیں سوئے یثرب
بے چین کر رہی ہے اب آرزوئے یثرب

زاہد تجھے مبارک شرب شراب جنت
دل اپنا ہو رہا ہے مست سبوئے یثرب

ذات حق کی ہے ہویدا جا بجا
بر زمین ہے جلوہ گر ہم بر سما

ہے ظہور نور دلبر ہر جگہ
کعبہ و بت خانہ میں جلوہ کیا

(صـ ۱۳۵)

۱۴۔ مولوی لطف علی ملتان کے مضافاتی قصبے بہادر پُور میں پیدا ہوئے۔ مولوی نذر محمد سے تعلیم حاصل کی[۱]۔ اور علی حیدر ملتانی سے بھی فیض حاصل کیا[۲]۔ امیر بہاول پُور کے دربار سے

۱۔ د۔ "سرائیکی شاعری"، صـ ۲۴۹۔ ۲۔ د۔ "پنجابی شاعراں دا تذکرہ"، صـ ۱۳۹

Marfat.com

بھی وابستہ رہے۔ انہوں نے مثنوی سیفل نامہ لکھی۔ ان کے دو ہڑے بھی مشہور ہیں۔ ان کی شاعری کا موضوع عشق و محبت ہے۔ صوفی شعرا کی طرح مجاز کے پردے میں حقیقت کے اسرار کھولے ہیں۔

نین سیاہ سر بجن تھے حسن ذوقوں مست مدام ڈوہیں
دارا تے سلطان سکندر در دے خاص غلام ڈوہیں
خجل تھئے اس تجلّی ڈٹھیں گل نرگس تے بادام ڈوہیں
یارب لطف علی کوں میل شتابی حسن حسین امام ڈوہیں

(۵) طالب ملتانی

خدا بخش طالب ملتانی ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۴ء میں ملتان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم و تربیت ملتان ہی میں حاصل کی۔ شعر و شاعری میں اصلاح شوق نیوی عظیم آبادی سے بذریعہ ڈاک حاصل کی جس پر ان کو ناز بھی تھا۔

میری نازک خیالی کی نہ ہو کیوں دھوم عالم میں
میں ہوں شاگرد طالب حضرت شوق سخنداں کا

ان کے کلام کا مجموعہ کلیات طالب ملتانی کے نام سے ۱۸۸۹ء میں قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ موجود ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہمیں کچھ خوف قیامت کا نہیں اے طالب
شافع عرصۂ محشر ہے پیمبر اپنا
لٹاتا ہوں میں گنج شائگاں توحید یزداں کا
مرا سینہ ہے گنجینہ در تصدیق ایقان کا

مجنوں کی طرح عمر نہ برباد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے
عشق میں کاوش جگر نہ گئی
یہ خلش اپنی عمر بھر نہ گئی

Marfat.com

۶۱۔ مولوی عبیداللہ ملتانی

ملتان میں چشتیہ سلسلے کے صوفیا میں سے ایک اہم نام مولوی عبیداللہ ملتانی کا ہے۔ آپ مولوی خدابخش ملتانی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی زہد و تقویٰ، سادگی اور پرہیزگاری کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ تدریس علم کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً سو بتائی جاتی ہے۔ ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ ان کتابوں میں تحفہ زنان، عیوب النفس، سرمد فی المعرفت، رفیقیہ بشرح توفیقیہ، البولایا والنذر، رسالہ ملائیہ، رسالہ نحو، وصیت نامہ، چراغ عبیدیہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ علم میراث میں ایک رسالہ علم میراث کے نام سے لکھا جو کہ درس نظامی میں متداول رکھتا ہے[۱]۔ آپ کی ایک تصنیف "سر دلبراں" بہت مشہور ہے جو خواجہ خدابخش کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ آپ ذوق لطیف کے حامل تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان سے لطائف کہنے کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا میں لطف کا طالب ہوں نہ کہ لطائف کا[۲]۔ آپ کی وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کا ایک قلمی دیوان مجھے جناب اسد نظامی سے دستیاب ہوا ہے۔ اس میں ردیف وار فارسی غزلوں کے علاوہ متفرقات میں رباعیات، مثنویات اور ترجیع بندھی شامل ہیں۔ اُردو، فارسی مخلوط غزل کو ہندی غزل کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

اٹھا ہے شوق ملنے کا میرا دلدار کب آوے
حجاب و شہر جل جاوے عیاں وہ یار کب آوے

کمان و تیر کی حاجت نہیں رکھتا نگار حسن
نگاہوں سے کرے بسمل وہی جبار کب آوے

۱۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، ص ۱۵۲

۲۔ اصل عبارت یوں ہے "شخصی زاہد بخدمت مولوی عبیداللہ ملتانی رفت و گفتہ طریقہ لطائف ارشاد فرمائید مولوی صاحب گفت من طالب لطیف ام نہ طالب لطائف" امراۃ العاشقین ملفوظات شیخ شمس الحق سیالوی، ص ۲۲۳ مطبوعہ مطبع مصطفائی، لاہور ۱۸۸۵ء/۱۳۰۲ھ

Marfat.com

اسی کے کام سب کہنے قصتے ہیں انکے من موہے
ارادے ان کے سب ہونے وہی سِرّ ارکب آوے

صنم بیدل صنم بیجاں صنم درخُونِ دل غلطاں
صنم دردرد بے درماں شفا بیمار کب آوے

عبیدم من کہ سرگشتہ ہے گہ دم بکوئے او
بہر دم منتظر اس کا شدہ اسرار کب آوے[1]

۷) تاج الدین ملتانی

میاں اللہ ڈتہ تاج الدین ملتانی ۱۸۴۴ء میں ملتان میں پیدا ہوئے لیکن ان کی عمر کا زیادہ حصہ امرتسر میں گزرا۔ پنجابی کے معروف شاعر سید فضل شاہ لاہوری کے شاگرد تھے۔ سرائیکی اور پنجابی میں شاعری کرتے تھے لیکن ان کی شاعری اُردو کے بہت قریب ہے۔ ۱۹۱۱ء میں وفات پائی ہے[2] نمونہ کلام یہ ہے۔

شمع جس دم نمودار ہو گئی تے پروانے نوں کسے دی آئی آ گئی
کِتے ہو کھیا چن دی چاننی ول کیتی چاہ نے جھٹ جدائی آ گئی
جس معشوق دی عاشق تلاش رکھے آہدی قضا جانوں بے بلائی آ گئی
توبہ تاج نے کیے و۔ دیکھیں بن قصور کیوں جگ دی برائی آ گئی

۸) فقیر محمد عارف

فقیر محمد عارف کے والد کا نام قاضی عثمان تھا۔ وہ بہاولپور ڈویژن کی تحصیل حاصل پُور کی ایک چھوٹی سی بستی بونگا محمد رمضان کے رہنے والے تھے جو لال نہارا کے قریب واقع ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات معلوم نہیں ہے۔ اور نہ تفصیلی حالات معلوم ہونے ہیں کیونکہ ان کا تذکرہ کسی کتاب میں نہیں ملتا تاہم ان کے خود نوشتہ منظوم سفر نامے (سرائیکی اور اُردو) جناب حبیب فائق کی لائبریری میں قلمی نسخوں کی صورت

---

[1] دیوان عبید اللہ ملتانی (قلمی) صہ ۲۴ (کل صفحات ۳۲)
[2] "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" صہ ۲۶۶

Marfat.com

میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فقیر محمد عارف حضرت سلیمان تونسوی کے مرید تھے۔ انہوں نے ۲۰ ماہ شوال ۱۲۹۸ھ میں سفر کا آغاز کیا تھا۔ اور ۱۲ ماہ ذالحجہ ۱۳۰۱ھ میں واپس آئے اور دو سفر نامے لکھے۔ یہ دونوں سفرنامے میری نظر سے گزرے ہیں پہلے سفرنامے کا عنوان "کوہ غم" ہے جس کا آغاز حمد، نعت، مناجات اور شیخ تن پاک کی تعریف سے ہوتا ہے اور سفر کا حال لکھا ہے۔ اس قلمی کتاب کے ۳۰ اوراق اور ۴۶ صفحات ہیں۔ دوسرا نسخہ اُردو زبان میں ہے اس کا نام گلزار عرب در بیان مکہ معظمہ و مدینہ ہے۔ اس کا آغاز بھی حمد سے کیا گیا ہے۔ پھر سفر کا حال منظوم ہے۔ اس کے ۳۲ اوراق اور ۶۴ صفحات ہیں۔ اشعار کی تعداد ۲۹۸ ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

سوئے مکہ ہوئے راہی بصد شوق ۔۔۔ عیاں دل میں ہوا آخر یہ ہو شوق
لکھوں بیت اللہ کا احوال سارا ۔۔۔ سفرنامہ اندر کر آشکارا
بمبئی سے تا مدینہ تک لکھوں حال ۔۔۔ جگر کے خون سے اپنے نیک افعال
بہ گلزار عرب کر اس کو موسوم ۔۔۔ کروں جملہ سفر کا حال مرقوم[1]

کلپنا تھا اس جہاز کا نام ۔۔۔ ہوا مکے روانہ بعد از شام
بحر اندر چلا آخر بندر چھوڑ ۔۔۔ نہایت زور سے کرتا ہوا شور
ہمیشہ اوج سے چڑھ موج آوے ۔۔۔ بحر کو دیکھ کر دل تھر تھر آوے
ہوا دریا مخالف تھا سراسر ۔۔۔ گزارے روز چھئی اس میں صبر کر
آخر جب ساتواں روز آیا ۔۔۔ جبل اس دن عدن کا نظر پایا[2]

آئی رستے اندر رحمت الٰہی ۔۔۔ بدل برسا بہت کن من پانی
گیا سب بھیگ جامہ بدن کا ۔۔۔ رہا ہرگز نہ کسی کو ہوش تن کا

---

[1] "گلزار عرب" اردو منظوم سفرنامہ از فقیر محمد عارف، (قلمی نسخہ)، ص ۲

[2] ۔۔۔۔ ایضاً ۔۔۔۔، ص ۳

Marfat.com

ہوا چاروں طرف سے سرد آئی   زبارش خلق جملہ تھرتھرائی[1]

۹۱۔ شاہ بخش عاصی ملتانی

مولانا محمد شاہ بخش ملتانی المتخلص عاصی، مولوی محمد موسیٰ پاک کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کا شجرہ نسب عراقی تک جا ملتا ہے[2]۔ آپ ۱۹۰۰ء میں اندرون حسین آگاہی محلہ کنگراں میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے دادا خواجہ نظام بخش اور اپنے والد خواجہ محمد حسین بخش سے حاصل کی۔ حصول علم کے بعد آپ نے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے لئے سخت ریاضت کی۔ اور چلہ کشی بھی کی۔ آپ بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت عبدالقادر جیلانی کی درگاہ میں معتکف رہے۔ والد کی زندگی میں ہی والد سے سجادہ نشینی کا منصب پایا۔ اپنے والد کے ساتھ مل کر درس و تدریس بھی کرتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں وفات پائی[3]۔ ان کی قلمی بیاض ہمیں دستیاب ہوئی ہے جس میں زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ اس میں مناجات، نعتیں اور غزلیات شامل ہیں۔ ایک فارسی نظم اپنے بزرگ حضرت موسیٰ پاک کی شان میں کہی ہے۔ ایک نظم اپنے ایک بزرگ شاہ حسین بخش کی تعریف میں ہے۔ کچھ سرائیکی کلام ہے اور چند غزلیات اُردو زبان میں ہیں، اُردو کا نمونہ کلام یہ ہے۔

خدا نگہبان ہو ہمارا یہ جان میری ہو جب لبوں پہ
رُخ نبی ہو میرا سہارا یہ جان میری ہو جب لبوں پہ
ہو موت آساں نہ ہو پریشاں میں جاؤں شاداں خدا نگہبان
دعا ہو ذکر جہر تمہارا یہ جان میری ہو جب لبوں پہ
سبھی پہ تلخیٔ نزع ہو آساں صلوٰۃ جاری ہو ذکر باری
یہی دعا دو مجھے خدارا یہ جان میری ہو جب لبوں پہ

---

[1] ایضاً ص ۳۱

[2] مضمون بعنوان حضرت عراقی کی اولاد" از علامہ طالوت، مطبوعہ رسالہ تنویر ملتان (سالنامہ) اگست ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۵۷

[3] شاہ بخش کے حالات ان کے پوتے جناب پروفیسر عبدالباقی سے حاصل ہوئے۔

Marfat.com

گزر رہی، گئے یونہی فراق والم عاشق زار جل جل کے مرجائے گا
دے شراب وصال اور لطف وکرم عاشق زار جل جل کے مرجائے گا
ہند ہے بند و زندان بیت الحزن کاش ہو جائے میرا مدینہ وطن
رات دن کی ہیں بیتابیاں سوز وغم عاشق زار جل جل کے مرجائے گا
میرا مومدان خار خلجان ہے گر نگاہ کرم ہو گلستان رہے۔
دل کباب اور رہتے ہم سار زخم عاشق زار جل جل کے مرجائے گا
آہ و زاری میری بے قراری میری اشک باری میری انتظاری میری
آپ کو ہی ہے معلوم شاہ امم عاشق زار جل جل کے مرجائے گا[۱]

اس کے بعد بھی متصوفانہ مضامین اس سرزمین کے شعرا کے کلام کا حصہ رہے۔ اور دور جدید تک یہ روایت شاعری کا حصہ بنی ہوئی ہے۔

روحانی اور اخلاقی شاعری کے سلسلے میں مرثیے کی صنف کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ ملتان میں مرثیے کی ایک عظیم الشان روایت زمانہ قدیم سے نظر آتی ہے یہاں تک کہ ملتان کو پنجاب کا لکھنؤ سمجھا جاتا تھا۔ برصغیر میں سب سے پہلا مرثیہ سرائیکی زبان میں کہا گیا ہے[۲]۔ ساتویں صدی ہجری میں سرائیکی میں مرثیے لکھنے والوں میں بابا فرید گنج شکر بھی شامل ہیں۔ تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ایران اور عراق کے جو لوگ نقل مکانی کر کے ملتان اور آس پاس کے علاقوں میں پہنچے وہ اکثر شیعہ تھے۔ ان کی بدولت ملتان میں عزاداری اور مرثیہ خوانی کا رواج عام ہوا۔ معین الحق فرید کوٹی کی تحقیق کے مطابق

"ملتان کا علاقہ جو کہ اس خطے میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے محمود غزنوی کی فتوحات (۱۰۰۱ء تا ۱۰۳۰ء) سے پہلے سے ہی محبان اہل بیت کا مرکز رہا ہے۔ کربلا کے سانحہ (۶۱ھ / ۶۸۰ء) کے بعد علویوں کی ایک بڑی تعداد پناہ کی

---

[۱]۔ قلمی بیاض شاہ بخش، (عبدالباقی صاحب سے حاصل ہوئی)

[۲]۔ "سرائیکی شاعری میں مقام حسین" از ڈاکٹر طاہر تونسوی، مطبوعہ ماہ نو، چودہ سو جشن ولادت حضرت امام حسین نمبر، جون ۱۹۸۴ء، ص ۸۳

Marfat.com

غرض سے دور دراز علاقوں کی طرف ہجرت کر گئی۔۔۔۔۔۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب چوتھی صدی ہجری کے اوائل (اندازاً ۳۲۰ھ/ ۹۴۲ء) میں ابو الحسن مسعودی (وفات ۳۴۶ھ/ ۹۰۷ء) ملتان پہنچا تو یہاں قریش خاندان کے ایک فرد کی حکومت قائم تھی کہ جو سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے تھا۔۔۔۔ جب ۱۰۰۵ء میں محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کیا تو اس وقت بھی یہاں ایک مسلمان سردار ابو الفتح داؤد کی حکومت قائم تھی۔ اسی طرح ملتان [illegible] ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی قرار دی جا سکتی ہے۔ ص۱

ملتان کے میاں مسکین اور ان کے دو بھائی میاں حزیں اور میاں غمگین اٹھارویں صدی کے شروع میں نقل مکانی کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ یہ تینوں بھائی مرثیہ نگار تھے اور اس وقت مرثیے کہتے تھے۔ جب شمال ہند میں مرثیے کی کوئی مضبوط یا قابل قدر روایت موجود نہیں تھی۔ چونکہ صوفیا کا مسلک صلح کل تھا اس لیے شیعہ سنی میں تفریق نہیں تھی اور دونوں مسلک والے مرثیہ کہتے تھے۔ گیارہویں صدی ہجری میں بہت سے جنگ نامے تصنیف کیے گئے جن کا موضوع واقعہ کربلا تھا، مثلاً جنگ نامہ حسین، جنگ نامہ کربلا جنگ نامہ علی اکبر وغیرہ۔ سید علی حیدر ملتانی، مولوی عبدالحکیم اوچی اور لطف علی نے سی حرفی اور دوہڑوں کی شکل میں واقعہ کربلا کو منظوم کیا۔ ص۲ تیرھویں صدی ہجری میں مولوی فیروز، غلام حسن شہید، سکندر خان غلام، فیض مشہدی اور صابر ملتانی نے مرثیے کی صنف پر طبع آزمائی کی۔ امام حسن شہید کے دو اردو مرثیوں کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ صابر ملتانی کے دیوان میں بہت سے فارسی، سرائیکی اور اردو مرثیے موجود ہیں۔ ص۳ بعد کے شعرا میں مولوی غلام حیدر، فدا، عاشق گل محمد مضطر، آصف، خادم، مولوی صدیق، جلال خان، صادق، مولوی فیروز، کمال خان

ص۱۔ "ذکر حسین پنجابی میں"، مطبوعہ ماہ نو، چودہ سو سالہ جشن ولادت حسین، جون ۱۹۸۴ء، صہ ۷۸

ص۲۔ "سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال" از خلش پیر اصحابی، ص۔ ۶، مطبوعہ خلش منزل پیر اصحاب بھکر، مارچ ۱۹۸۰ء۔ ص۳۔ ملاحظہ فرمائیے "یادگار صابر"، ص ۱۵۸ تا ۲۰۸

Marfat.com

شوقی، تسکین، نذر حسین، نثار، شائق، بہار ملتانی، فوق اور غلام حسین منیر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔[1]

۱۷، صوفیانہ مسلک اور ملتانی مزاج

" کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی تمام تخلیقی سرگرمیوں کا مجموعہ اس کی ثقافت ہوتی ہے "[2]
چونکہ ملتان کی ابتدائی تخلیقی سرگرمیوں کا محور صوفیائے کرام رہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان صوفیائے کرام کی تبلیغی اور تخلیقی سرگرمیوں نے ملتان میں ایک ایسی ثقافت کو جنم دیا جس کو صوفیانہ ثقافت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ صوفیانہ ثقافت صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھی۔ جس نے ملتان کے تمام تر تہذیبی و ثقافتی مظاہر اور لوگوں کے مزاج پر دیرپا اور مستقل

ص ۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "سرائیکی شاعری"، از کیفی جامپوری
مرثیوں کے کچھ مجموعے حسب ذیل ہیں (جناب علامہ عتیق فکری کی لائبریری سے دستیاب ہوئے۔)
(۱) احوال الذاکرین (حصہ اول) مولوی محمد صدیق، مطبع مجتبائی لاہور بار اوّل حافظ شمس الدین و منور الدین تاجران کتب ملتان، بوہڑ دروازہ
(۲) مطلوب الذاکرین (حصہ دوم) .... ایضاً ....
(۳) ناصر الذاکرین .... ایضاً ....
(۴) شمع المجالس مجموعہ مرثیہ محمد جلال خان، مولوی خیر الدین صابر و محمد فخر الدین تاجران کتب ملتان ۱۳۲۱ھ
(۵) مرثیہ کمال خان... مطبع الٰہی آگرہ .... ایضاً .... ۔ ۱۸ ۱۳ھ
(۶) مجموعہ مرثیہ از شائق، گلشی اور فدا .... ایضاً ....
(۷) تحفۃ الذاکرین مصنفہ تسکین، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور۔
(۸) بہار ذوق، مہتاب نورانی، دربار نورانی از عاشق ملتانی، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور۔
(۹) اسرار محشر از نذر حسین، مطبوعہ کتب خانہ قریشیہ صادقیہ ملتان
(۱۰) روضۃ الابرار از صادق حسین نثار، مطبوعہ نو بہار الیکٹرک پریس۔
(۱۱) واقعات غم از شائق فدا، شرف ملتانی و گلشی، مطبوعہ نو بہار سٹیم پریس ملتان
ص ۲۔ بحوالہ "ثقافتی تشخص" از شیخ آنتا دیوپ، ص ۵، مطبوعہ یونیسکو نومبر ۱۹۸۲ء، جلد ششم

اثرات مرتب کیے۔ ملتان کی تہذیبی ثقافتی اور علمی و ادبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات کا تفصیلی جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا جا چکا ہے۔ اخلاقی سطح پر ان اثرات کا نتیجہ ملتانیوں کے مخصوص مزاج کی صورت میں نکلا۔ صوفیاء کے فیض اثر سے اہل ملتان ہمیشہ سادگی، شرافت مروّت، انکساری اور خلوص کے مختلف جذبوں سے سرشار اور ہمکنار رہے۔ وہ ہر دور میں تصوف اور مذہبی علوم کے دلدادہ اور ادب و فن کی طرف مائل رہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں کہ

"...... منصورہ کے بعد ملتان دوسرا مرکز تھا جہاں اسلامی علم و فنون اور مسلم تہذیب و ثقافت کی بہاریں صدیوں تک قائم رہیں اور یہاں کے رجال نے بڑے بڑے کام کیے...... یہ حضرات قرآن و حدیث اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدوین میں آگے آگے رہے۔"[1]

ملتانیوں کا عام لباس نہایت سادہ یعنی تہبند اور چادر تھا ان کی عادات و خصائل نہایت پسندیدہ تھیں۔ وہ مسافروں اور پردیسیوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے؟ عربوں کی آمد، میل جول اور بود و باش کے بعد ملتانیوں کے مزاج میں مہمان نوازی اور فیاضی کے جذبات اور زیادہ گہرے ہوتے اور پھر صوفیاء کی تعلیم نے ان کو مزید چمکایا۔ چنانچہ بشاری مقدسی لکھتا ہے

ترجمہ " (ملتان کے لوگ) مسافروں سے محبت رکھتے ہیں، جو اکثر و بیشتر اہل عرب ہوتے ہیں۔"[2]
آگے چل کر لکھتا ہے۔

"لوگ خوش حال، صاحب مروّت اور عالی ظرف ہیں۔"[3]

ان میں رواداری، اور برداشت کا مادّہ بھی یقیناً صوفیاء کی انسان دوستی، بے ریائی اور

ص ۱ : "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" از قاضی اطہر مبارک پوری، صہ ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی، جولائی ۱۹۶۷ء

صہ ۲ صہ ۳ : "احسن التقاسیم" اردو ترجمہ از مولانا مسعود علی ندوی، بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں"، صہ ۳۸۹، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۶۰ء

Marfat.com

وسیع المشربی کے خصائص کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں ملتان کے شیعہ سنی مل جل کر محرم منا تے تھے۔

اور اب بھی مناتے ہیں۔ سید اولاد علی گیلانی ملتانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

"یہ بات باعث شکر ہے کہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے دونوں فرقوں (شیعہ سنی) میں کسی قسم کی مخالفت یا منافرت نہیں ہے۔ محرم کے مرقع پر تعزیہ داری میں سنی مسلمان بھی کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔"[1]

ملتان کے زمیندار تو بالخصوص اپنی سادگی، مہمان نوازی اور کشادہ دلی کی وجہ سے بہت مشہور ہیں حقیقت یہ ہے کہ دیہاتیوں اور زمینداروں پر صوفیائے کرام کی تعلیم، تبلیغ کے اثرات زیادہ ہمہ گیر ثابت ہوتے۔ اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

"ملتانی زمیندار بہت سی خوبیوں کا مالک ہے ..... مرنجان مرنج، سادہ طبیعت انتہائی مہمان نواز، گفتگو میں صاف اور مذہبی معاملات میں کشادہ دل بلا تعصب غرضیکہ ہر لحاظ سے ملتانی زمیندار بنی نوع انسان کی مقبول خاصیتوں کا بہترین نمونہ ہے۔"[2]

(۸) موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال

تصوف پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ اس نے خانقاہی زندگی کو رواج دیا۔ اور بے عملی کو عام کیا۔ اس نے بدعتیں پیدا کیں۔ کسی نے تصوف کو ویدانت اور اپنشد سے ماخوذ قرار دیا اور کسی نے مسیحیت نو افلاطونیت کو سرچشمہ بتایا۔ کسی نے اسے ایران پر عربوں کے تسلط کا رد عمل قرار دیا تو کسی نے غیر ملکی اور مشرکانہ نظریات کا حامل بتایا۔ ہمیں تصوف کے مآخذ و منابع سے سروکار نہیں۔ وہ کوئی بھی ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس مکتب فکر نے لوگوں کے دلوں سے بغض، عناد، کینہ دور کیا۔ باہمی اخوت، ہمدردی اور پیار محبت کی فضا کو قائم کیا۔ دنیا کے

---

(۱) "مرقع ملتان"، ص ۱۹۳

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "لمعات خواجہ"، ص ۴۹ تا ۵۴

Marfat.com

لالچ کے خلاف جنگ کر کے باہمی رقابتوں سے مکدر فضاؤں کو پاک کیا۔ محنت اور دیانتداری کا درس دیا اور مِل جُل کر رہنے کی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔ جن لوگوں نے تصوّف کے خلاف علمی مبحث کی حد تک بات کی ہے ان میں غیر مسلم مفکرین اور مورّخین میں پروفیسر نکلس، دان، کریمر، نولڈیکی جرمن مفکر گولڈنسہیر اور پروفیسر براؤن کے علاوہ قاضی عبدالحمید، خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر محمد حبیب ڈاکٹر غنی قاسم زادہ جیسے مسلمان علماء بھی شامل ہیں۔ تاہم تصوّف کی عملی افادیت اور اس کے مثبت اثرات مرتب کرنے کی قوت سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

ہمیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ اسلام میں تصوّف کی ابتدا دراصل ان عوامل اور محرکات کی بدولت ہوئی جو اموی اور عباسی دور کی سیاسی کشمکش انتقامی جذبے، انسانی خون کی ارزانی، خلق قرآن کے عقیدے، دین دار اور سچے علماء و مشائخ کی تباہ حالی، زر و مال کے حصول کے لئے ناجائز استحصالی حربوں، صبر و قناعت کے فقدان، ہوس اقتدار، ظلم و ستم اور مذہبی موشگافیوں جیسے مسائل نے پیدا کئے۔ انتشار، بدنظمی، بے چینی اور آشوب کے اس دور میں مسلک تصوّف کی مقبولیت ایک قدرتی امر تھی کیونکہ اس مسلک میں انسان دوستی، فلاح، امن، محبت اور احترام کے جذبات عام کئے جاتے ہیں۔ "لمعات خواجہ" میں ہے کہ

> "ایسے پر آشوب دور میں ان نیک بندوں نے دینی و دنیاوی فلاح اس میں سمجھی کہ اس مسلک کے نظریات کو اور وسعت دیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے عامتہ الناس کو اس سیاسی تصادم سے بچا کر ایسے گوشہ میں لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کے بجائے تہذیب نفس موجود تھی، جہاں تفک دم کے عوض حیات انسانی کا احترام تھا، یہاں شاطرانہ چالوں کے بدلے فضائل اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ زر و مال کے حصول کیلئے نت نئے حربوں کے استعمال کے بجائے توکل صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا۔ یہ مسلک تصوّف کے نام سے موسوم ہوا اس طرح یہ محفوظ و مامون گوشے خانقاہ یا صومعہ کے نام سے مشہور ہوئے اور دینداری خدا ترسی، صبر و رضا، توکل و قناعت کا جو عہد لیا جاتا وہ بیعت کہلاتا یہ بیعت

ص ۱۰۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "لمعات خواجہ"، ص ۴۹ تا ۵۴

Marfat.com

کوئی نئی چیز نہ تھی خلافت راشدہ کے بعد، خلافت اموی اور عباسی میں جو خلیفہ تخت نشین ہوتا وہ عمائدین سلطنت سے اپنی اطاعت، جان نثاری اور وفاداری کا عہد لیتے اس کو بھی بیعت کیا جاتا۔ بس فرق دونوں میں یہ تھا کہ ایک بیعت ہوتی دنیا کے لئے اور ایک بیعت ہوتی دین کے لئے"[1]۔
صوفیائے کرام کے استغنا، قناعت اور درویشی مسلک کے خلاف علمائے ظاہر[2] ہمیشہ صف آرا رہے ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے دنیوی اقتدار کا حصول اسی مسلک کی موجودگی میں ناممکن دکھائی دیا۔ اس لئے انہوں نے تصوّف پر نہ صرف کڑی تنقید کی بلکہ اس پر الزامات بھی عائد کرنے شروع کئے تاکہ لوگوں کو اس سے دور کر کے مذہب کے معاملے پر اپنا دست نگر بنایا جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بڑے بڑے اماموں اور بزرگان دین کو (جن میں امام ابوحنیفہ اور امام حنبل کی مثالیں نمایاں ہیں۔) خدا پرستی اور حق گوئی پر سزائیں دی جا رہی تھیں تو درباروں سے وابستہ علمائے سو ان کے خلاف فتوے دے رہے تھے۔ لیکن ان نامساعد حالات اور مخالفانہ

۱۔ "لمعات خواجہ"، ص ۶۰-۶۱

۲۔ خواجہ فرید نے علمائے ظواہر کے بارے میں کیا خوب کہا ہے

ملا مارن سخت ستادن   گجھڑے راز دا بھیت نہ پادن

بے وس تھو دے ھن معذور

ملوانڑے دے وعظ نہ بھانڑے   بے شک ساڈا دین ایمان تے

ابن العربی دس دستور

عاشق مست مدام ملامی   کہ سبحانی بڻ بسطامی

آکھ انا الحق تھی منصور

ترجمہ:۔ ملاں (علمائے ظاہر بین) مارتے اور ستاتے ہیں یہ پوشیدہ اسرار و رموز کی تہہ میں نہیں پہنچ سکتے کیونکہ بیچارے بے بس اور معذور ہیں۔ ہمیں ان ملاؤں کے وعظ نہیں بھاتے۔ ہمارا تو دین ایمان بلا شبہ ابن العربی کا نظریہ (یعنی نظریہ وحدت الوجود) مست عاشقوں کو ہمیشہ ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو بھی "سبحانی" (ایک مرتبہ بایزید بسطامی کے منہ سے نکلا سبحانی اعظم شانی یعنی سبحان اللہ میرا مرتبہ کتنا بلند ہے) کہہ اور بایزید بسطامی بن جا یا انا الحق کہہ کر منصور بن جا۔

Marfat.com

پراپیگنڈے کے باوجود یہ مسلک اپنی امن پسندی، انسان دوستی اور محبت کے آدرش کی بدولت زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ نہ صرف عملی سطح پر بلکہ علمی اور تصنیفی سطح پر بھی تصوّف نے تبلیغ اسلام کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ برصغیر پاک و ہند میں حضرت داتا گنج بخش حضرت معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت بابا فرید گنج شکر، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شاہ ولی اللہ، حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت رکن الدین عالم، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ فرید اور دیگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے علم اور عمل کے ذریعے مسلک تصوف کو پھیلایا اور لوگوں میں تزکیۂ باطن، راست گوئی پاکبازی، نیکی، شرافت اور صبر و قناعت کے جذبات عام کئے۔ دنیاوی جاہ و جلال، سیاسی قلابازیوں، مکروفریب حصول زر اور حب دنیا جیسے منفی رویوں کو ان صوفیاء نے کم سے کم کرنے کی پوری سعی کی۔ صوفیائے کرام کی زندگی کا نصب العین ترک ذات، ظاہر داری اور نفس پرستی کا استرداد، احیائے دین، رضائے الٰہی، تصفیۂ نفس، تزکیۂ باطن اور محبت جوئی رہا۔ ہم نے سابقہ صفحات میں ملتان کے صوفیاء کے احوال میں تفصیل کے ساتھ ایسے واقعات اور شواہد جمع کئے ہیں جن سے ہمارے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دورِ جدید میں دنیاداری، نفس پرستی، بے عملی، حب زر، حب جاہ اور ظواہر پرستی کے رجحانات نے مسلک تصوّف کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لئے کہ ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے بے عمل اور جاہ پرست سجادہ نشینوں نے اپنے بزرگوں کے نیک اعمال اور عظیم ورثے کو دنیاوی ترقیوں اور اقتدار تک پہنچنے کے لئے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے نام کو کمائی کا ذریعہ بنایا۔ مذہب میں عجیب و غریب بدعتوں، کفر و شرک اور توہم پرستوں کو رواج دیا تاکہ ان کے تعویز گنڈوں کا دھندہ چلتا رہے۔

ان گدی نشینوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو اُن مذہبی اور علمی مراکز کے اصل وارث تو نہ تھے۔ لیکن اپنے حیلوں حوالوں اور سیاسی اقتدار کی بدولت ان گدیوں پر قابض ہو گئے اور وراثت مدعی بن کر اپنے گرد مریدوں اور زر و جواہر کے ڈھیر لگانے لگے۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے اپنی صدی کے علماء کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ

Marfat.com

"اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی، علمائے سوکہ طالب دنیا باشند وخو گرفتہ بہ تقلید سلف ومعرض از نصوص کتاب وسنّت"[1]

اور شیوخ کے متعلق یہ فرمایا کہ

"اگر خواہی کہ نمونۂ از ین فریق (نصاریٰ) ملاحظہ کنی امروز اولاد مشائخ واولیا ررا تماشا کن کہ در حق آبا خود چہ ظنون دارندہ تا کجا کشیدہ بردہ اند"[2]

لیکن یہ بات اس دور کے علماء اور مشائخ پر بھی صادق آتی ہے۔ ان حقائق کو علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں بیان کیا ہے اور بہت سے موجودہ علماء اور مؤرخین بھی جانتے ہیں لیکن

ع افسوس صد ہزار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

"لمعات خواجہ" میں بالکل درست لکھا ہے کہ "عصر حاضر کی خانقاہوں میں ان کو وہ گرمی گفتار و کردار نظر نہیں آتی جو ہمارے اسلاف کا شیوہ تھی۔ پہلے پیر صومعہ کی ایک نگاہ گرم ہی متاع صبر و قرار چھین لیتی تھی۔ دلوں میں وہ سوز و گداز گھر کرتا تھا اور وہ اضطراب پیدا ہوتا تھا کہ سر پر غرور اپنے آپ کو مرشد کامل کے قدموں میں ڈال دیتا تھا اب سب کچھ اس کے برعکس تھا۔ بقول علامہ اقبال

ع میرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

ان حقائق نے اس طبقہ کو دینی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ ان خانقاہوں سے بھی متنفر کر دیا اور وہ دوہری نفرت کی دلدل میں پھنسے تھے نہ علوم دینیہ میں ان کے لئے کشش تھی اور نہ مرکز علم وعرفان ان کے لئے جاذبیت رکھتا تھا، اس نفرت اور بے زاری کی یہ خلیج رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہوتی چلی گئی کہ ان کے ہاتھوں ہی سے اہل مغرب نے ان کے علوم پر چھری پھروادی، تنقیص و معایب کے انہوں نے دروازے کھول دیئے اور اس سیلاب میں نیخ

---

[1] "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ص ۱۰، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۷ء
[2] "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" از شاہ ولی اللہ دہلوی، ص ۱۱

Marfat.com

دوانہ اس طرح بڑھتے چلے گئے کہ ان کو یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، کیا کہنا ہے اور کیا کہنا درست ہے۔ چنانچہ تصوف پر ان کے تخریبی تنقیدات کے یہی اسباب ہیں[۱]۔ لیکن اس ساری صورتِ حال کا الزام تصوف یا صوفیائے کرام کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء اور صوفیانہ تعلیم کا مقصد مثبت رویوں کی ترویج تھا نہ کہ اقتدار یا دولت کا حصول۔ صوفیوں کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے راہبانہ زندگی اختیار کی۔ اور صوفیوں کی عملی تعلیمات کے برعکس وہ ترک دنیا کر کے پہاڑوں کی کھوہ میں جا بسے۔ جوگیوں والا لباس پہنا اور جنتر منتر کے ذریعے روٹی کمانا شروع کی۔ یہاں تک کہ عبادات اور شریعت کی پابندی بھی ترک کر دی۔ اگرچہ ان کی یہ روش صوفیانہ روح کے منافی تھی تاہم اس میں ایک لحاظ سے صوفیانہ رنگ موجود بھی تھا۔ یعنی گیروا لباس، روکھی سوکھی پر گزارا، لوگوں کی حاجت روائی کے لئے چارہ جوئی، مردم آزاری سے گریز، مست الست حال مست...... ایسی خوبیاں ہیں جو صوفیاء اور جوگیوں میں مشترک رہی ہیں۔ البتہ صوفیاء جوگیوں کی طرح لوگوں سے گریزاں اور تارک الدنیا نہ رہے۔ بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی خدمت، تعلیم و تدریس اور تبلیغ کا حق ادا کرتے رہے جبکہ جوگی دنیا چھوڑ بیٹھے۔ ملتان میں جوگیوں کا محلہ اب بھی ہے۔

(۹) دورِ حاضر اور تصوف کے احیاء کی ضرورت

آج دنیا مادی ترقی کے لحاظ سے اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ انسان ستاروں اور سیاروں کی خبریں لا رہا ہے۔ خلا میں سفر کر رہا ہے۔ اعضاء کی پیوندکاری عام ہے۔ یہاں تک کہ دل و دماغ تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب بچے تیار کئے جا رہے ہیں۔ مصنوعی بارشوں کے ذریعے سال میں کئی کئی فصلیں حاصل کی جا رہی ہیں۔ روبوٹ کی ایجاد نے انسانی دماغ کی جگہ لے لی ہے۔ لیکن انسان اس تمام تر مادی ترقی کے باوصف اندر سے ٹوٹ چکا ہے وہ غیر مطمئن ہے، بے سکون ہے۔ مہلک ہتھیاروں کی ایجاد نے اور حاکم اقوام کے ہاتھوں محکوم اقوام کے استحصال نے انہیں ذہنی طور پر بے سکون اور مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے۔ مروت، شرافت اور بلند کرداری کے اوصاف قصۂ پارینہ بن چکے ہیں فریب کاری، مکاری، ہوشیاری اور چالاکی کو آج کی دنیا میں کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا ہے فکری

۱۔ "لمعات خواجہ" ص ۸۲

Marfat.com

انتشار، ذہنی پریشانی، عدم تحفظ کا احساس ہر دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ انسان اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اچھی اقدار بلکہ خود زندگی اور اس کی مقصدیت پر سے ایمان اٹھتا جا رہا ہے۔ خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے اور اس کا سبب مادیت کا بڑھتا ہوا رجحان اور اخلاق اور انسانیت کا زوال ہے۔ ایسے دور میں صوفیاء کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ آج انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل ضروری ہے کیونکہ انفرادی زندگی کے ثمر ہوں یا اجتماعی زندگی کے شخصیت یا شخصیتوں کی تعمیر اور تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ اس لئے انسانوں کی تربیت خواہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر ضروری ہی نہیں ناگزیر بھی ہے کیونکہ اس تربیت ہی کی بدولت مشت خاک آدمی سے انسان بنتا ہے اور کائنات کا محور بننے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ خالقِ کائنات نے اسی "مرکز کائنات" کی تخلیق کے بعد اس کی تربیت کا اہتمام بھی کیا۔ تاکہ یہ "اسفل" انسان فضیلت کے اس بلند مرتبے پر فائز جہاں اسے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" اور "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کے صحیح منصب کا حق دار تصور کیا جائے۔ شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو ڈاکٹر ذاکر حسین کے بیان کے مطابق

"..... جس اہتمام، جس انہماک، جس خلوص اور جس شیفتگی سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے انجام دینے میں لوگوں کی مدد اور رہنمائی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے کارکنوں سے، ان کے مجاہدوں ان کی خدمتوں، ان کی تعلیمی تربیتی کوششوں سے واقفیت، آج بھی تعمیر شخصیت کے دشوار کام میں موثر معاونت کر سکتی ہے۔ دور انحطاط میں ہم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی شخصیتوں کو بھی اپنی ہی پست سطح پر لے آتی ہے۔

چنانچہ ان مردان خدا کے یاد کرنے والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے من گھڑت افسانے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں۔ اور افکار و کردار کے اس انمول خزانہ کی طرف نظر کر کے بھی نہیں دیکھتے جن سے انہوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے۔ ناقدرے ہیروں میں کنکر کی خوبیاں نکالتے ہیں مگر زمانے کا رخ بدل رہا ہے نظریں پھر حقیقت کی متلاشی نظر آتی ہیں۔"[۵۱]

(حاشیہ ہذا اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ان اوراق میں کوشش کی گئی ہے کہ ان اکابر صوفیاء کے حالات اور کارنامے اس طرح سے پیش کیے جائیں کہ جس سے بقول ڈاکٹر ذاکر حسین

"ان کی زندگی اور ان کے کام کی صحیح روح آشکارا ہو جاتے اور ہم ان بزرگوں کے ارادوں کی قوت، افکار کی صحت، جماعتی حس کی ذکاوت اور طبیعت ھیجان پذیری کی وسعت، گیرائی اور پائداری یعنی سیرت کی تربیت کے ان لوازم کی جھلک دیکھ لیں۔ ایک نقشہ دھندلا سا ہی نہیں، ان کے ثبات قدم کا ان کی خود اعتمادی، ان کے ضبط نفس ان کی بے لوث خدمت، ان کی اخلاقی جرأت یعنی شخصیت کی تعمیر کے گھمبیر کام کا نقشہ سامنے آجائے گا"۔ [۱]

"یہ کام ہمیشہ ہی ضروری تھا، آج اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ صوفیہ کے حالات زندگی کو کشف و کرامات کے گھیرے سے نکال کر صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج ہے"۔ [۲]

نفس انسانی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے "والھمہا فجورہا وتقواھا" یعنی ذات انسانی کے اندر یہ صلاحیت بھی رکھ دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے آپ کو مستحکم، توانا اور مضبوط بنالے اور اگر چاہے تو اسے توڑ پھوڑ کر ضائع کردے۔ صوفیائے کرام اسی اندرونی شکست و ریخت کو روکنے کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور ذات انسانی کو نیک اعمال پر گامزن رکھ کر مضبوط اور مستحکم بناتے ہیں۔

۱۰۱ حرفِ آخر

میں نے اس مقالے میں انہیں مقاصد کو سامنے رکھا ہے جن کی طرف ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے اشارہ کیا ہے تاکہ صوفیاء کے سلسلے میں میری تحقیق کے مثبت نتائج مرتب ہو سکیں کیونکہ آج جبکہ انسانی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر جاری ہے۔ ان اکابر صوفیاء کی تعلیمات کو نمایاں کرنے اور ان کو نئی نسل کے سامنے لانے کی سخت

- پیش لفظ "مشائخ چشت"، از خلیق نظامی ص ۱۷

۱۔ پیش لفظ "مشائخ چشت"، ص ۱۷

۲۔ پیش لفظ "مشائخ چشت"، از خلیق احمد نظامی، ص ۱۷، اسلام آباد ۱۹۵۳ء

Marfat.com

ضرورت ہے تاکہ ایک بار پھر اس انتشار، عدم تحفظ، بے چینی، اضطراب اور خود غرضی کے دور میں ضبطِ نفس، ایمان و ایقان، شرافت و نجابت، انسانیت و مروّت، اخلاص و اخلاق، کے جذبات کو عام کیا جا سکے۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ آج کے اس دور میں دوسری اقوام اور دوسرے ممالک، مادّی ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ میرے خیال میں اس حقیقت کے اعتراف میں بھی بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے کہ اخلاقی لحاظ سے بھی یہ قومیں ہم سے بہت آگے ہیں ہم جو خدا اور رسولؐ کے پیروکار ہیں نہ صرف مادّی ترقی کے لحاظ سے بلکہ اخلاقی اور روحانی اقدار کے لحاظ سے بھی نہایت پسماندہ اور انحطاط پذیر ہیں۔

ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ من حیث القوم بلکہ اس سے بڑھ کر من حیث الملت ہم میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیئے کہ ہمارے بزرگوں نے مشرق و مغرب کی تربیت کی۔ نہ صرف اخلاقی روحانی لحاظ سے انسانیت، کی رہنمائی اور رہبری کا حق ادا کیا بلکہ مادّی اور دنیاوی ترقی میں بھی پیچھے نہ رہے۔ فنونِ لطیفہ ہوں یا مفیدہ، سائنس ہو یا فلسفہ مسائل تصوّف ہوں یا مسائل حیات.... ہر میدان میں ہمارے اکابرین اور صوفیائے کرام کی خدمات بے مثال اور بے نظیر ہوں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہمارے صوفیائے عظام اور اکابرین فلسفہ و فکر نے دنیا کی ظلمتوں اور جہالتوں میں نورِ عرفان، رشد و ہدایت اور مادّی و دنیاوی ترقیوں کی قندیلیں روشن کیں۔ اگر اُس دور میں ایسا ہو سکتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس دور میں ایسا نہ ہو سکے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں ان صوفیا جیسا جذبہ، استقامت، صبر، استقلال، ہمّت، جرأت، دردمندی ضبطِ نفس اور خدا خوفی کے جذبے بیدار ہو جائیں۔ اس نیک مقصد حصول کے لیے میں نے یہ مساعی کی ہے اگر میری اس مساعی سے اس احساس کی ایک ننھی سی قندیل روشن ہو جائے تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

Marfat.com

کتابیات

۱۔	آدی، عبدالمالک	مضامین مالک	سلسلہ مطبوعات ادارہ طاق بستان آرہ بار اوّل ۱۹۲۲ء
۲۔	ارشد حسین ارشد (مرتب)	ملتان قدیم وجدید	بزم ترقی ادب ملتان بار اوّل ستمبر ۱۹۶۸ء
۳۔	اسد علی، سید	ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات	ترقی اردو بورڈ دہلی، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء
۴۔	اکرام الحق، شیخ	ارض ملتان	شعبہ نشر و اشاعت الاکرام ملتان
۵۔	جمالی، فضل اللہ مترجم محمد ایوب قادری	سیر العارفین	مرکزی اردو بورڈ لاہور، باراول اپریل ۱۹۷۶ء
۶۔	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اوّل)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل
۷۔	حکم چند، لالہ	تواریخ ملتان	اس کا ٹائیٹل کا صفحہ غائب ہے
۸۔	خلش پیر اصحابی	سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال	خلش منزل بھکر مارچ ۱۹۸۰ء
۹۔	دردائی معین الدین	صوفیائے بہار اور اردو	آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۲ء
۱۰۔	زدار حسین	شاخ ویرانۂ دل	مکتبہ شجر ملتان طبع اوّل ۱۹۸۵ء
۱۱۔	سالک، عبدالمجید	مسلم ثقافت ہندوستان میں	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم
۱۲۔	سیالوی، شمس الحق	مراۃ العاشقین	مطبع مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء
۱۳۔	شہاب، مسعود حسن	خطہ پاک اوچ	اردو اکیڈمی بہاولپور طبع اوّل ۱۹۶۷ء

Marfat.com

۱۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی — الفوز الکبیر فی اصول التفسیر — مطبوعہ دہلی ۱۹۲۷ء

۱۵۔ شیرانی، مظہر محمود (مرتب) — مقالات حافظ محمود شیرانی — مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل جنوری ۱۹۶۶ء

۱۶۔ صباح الدین عبدالرحمان (سید) — بزم مملوکیہ — معارف اعظم گڑھ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء

۱۷۔ طاہر تونسوی ڈاکٹر — ملتان میں اُردو شاعری — سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۵ء

۱۸۔ عبدالحق، مہر، ڈاکٹر — پیام فرید — غیر مطبوعہ

۱۹۔ عتیق فکری — ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر — ایضاً

۲۰۔ عاشق ملتانی — بحر ذوق — مطبوعہ کتاب خانہ حیدری، لاہور

۲۱۔ عبدالحق مولوی (ڈاکٹر) — "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" — انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۷۷ء

۲۲۔ عبدالحق مہر (ڈاکٹر) — ملتان (سرائیکی) — پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، اگست ۱۹۸۰ء

۲۳۔ عتیق فکری، علامہ — نقش ملتان (جلد اوّل) — فکری اکیڈمی ملتان طبع اوّل جنوری ۱۹۸۲ء

۲۴۔ فرحت ملتانی — اولیائے ملتان

۲۵۔ فرشتہ، ابوالقاسم — تاریخ فرشتہ (جلد دوم) — شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۲۶۔ ایضاً — تذکرہ مشائخ کرام — احسن برادرز لاہور، جون ۱۹۶۵ء

۲۷۔ فریدی، نور احمد — تاریخ ملتان — قصر الادب، جگو والہ، ملتان

۲۸۔ قاضی اطہر، مبارکپوری — ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں — مکتبہ عارفین کراچی جولائی ۱۹۶۷ء

۲۹۔ قاضی جاوید — برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء — ادارہ ثقافت پاکستان طبع اوّل ۱۹۷۷ء

Marfat.com

۳۰۔ قمر رئیس، ڈاکٹر — پریم چند، تنقیدی مطالعہ — سرسید بک ڈپو علی گڑھ طبع چہارم ۱۹۷۷ء

۳۱۔ کشتہ، مولا بخش — پنجابی شاعراں دا تذکرہ — مولا بخش اینڈ سنز لاہور، طبع اوّل جنوری ۱۹۶۰ء

۳۲۔ کیفی جام پوری — سرائیکی شاعری

۳۳۔ قدوسی، اعجاز الحق — تاریخ سندھ (حصہ اوّل) — مرکزی اردو بورڈ، لاہور

۳۴۔ گلشن، شائق اور فدا — مجموعہ مرثیہ — مولوی خیر الدین صابر و محمد فخر الدین تاجران کتب ملتان ۱۳۲۱ھ

۳۵۔ گیلانی، اولاد علی (سید) — مرقع ملتان — سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ نے ملتان سے ۱۹۳۸ء میں شائع کی۔

۳۶۔ محدث دہلوی، عبد الحق — اخبار الاخیار فی اسرار الابرار — مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

۳۷۔ مدنی، ظہیر الدین — اردو غزل ولی تک — سلسلہ مطبوعات بزم اشاعت بمبئی بار اوّل

۳۸۔ محمد عبد الرزاق، مولوی (مترجم) — سفر نامہ حکیم ناصر خسرو — انجمن ترقی اردو ہند (دہلی ۱۹۴۱ء)

۳۹۔ محمد صدیق ملتانی — احوال الذاکرین — مطبع مجتبائی لاہور بار اوّل
مطلوب الذاکرین (حصہ دوم) — ایضاً
ناصر الذاکرین — ایضاً

۴۰۔ محمد جلال خان — شمع المجالس — مولوی خیر الدین صابر و محمد فخر الدین تاجران کتب ملتان ۱۳۲۱ھ

۴۱۔ معین الدین احمد چشتی — لمحات خواجہ — معین الادب کراچی ۱۹۷۸ء

۴۲۔ ندوی، سلیمان (سید) — نقوش سلیمانی — اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، بار دوم ۱۹۶۷ء

Marfat.com

۴۳۔ ندوی، مسعود علی، مولانا | ہندوستان عربوں کی نظر میں | دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء
۴۴۔ نظامی، خلیق | مشائخ چشت | دارالموئفین، اسلام آباد
۴۵۔ ہجویری، داتا گنج بخش | بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب | فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور انیسویں بار ۱۹۷۶ء

رسائل

۴۶۔ آفتاب ویپ، شیخ | ثقافتی تشخص | "پیامی" ''یونیسکو، نومبر ۱۹۸۲ء جلد ششم۔
۴۷۔ اشفاق سلیم (مرزا) | پاکستانی موسیقی میں قوالی کی روایت | سر سیدین پاکستانی ادب (جلد ۴) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۴۸۔ سجاد حیدر (ملک) | فن تعمیر | سر سیدین پاکستانی ادب (جلد ۴) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۴۹۔ طاہر تونسوی | سرائیکی شاعری میں مقام حسین | ماہ نو چودہ سو سالہ جشن ولادت حضرت امام حسین، امام حسین نمبر جون ۱۹۸۴ء
۵۰۔ عین الحق فرید کوٹی | ذکر حسین پنجابی میں | ایضاً
۵۱۔ غوری، شبیر احمد | اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج (دوسری قسط) | "معارف" اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۳ء جلد ۹۱
۵۲۔ قریشی، اشتیاق حسین ڈاکٹر | برصغیر کے مسلمانوں کا فن تعمیر | سر سیدین پاکستانی ادب (جلد ۴) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء

Marfat.com

۵۳۔ محمد امین، پروفیسر — مسلم فلسفے میں ملتان کی خدمات — "ماہ نو"، جولائی ۱۹۸۳ء

۵۴۔ ندوی، ابوالحسنات مولوی — ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں — "معارف"، اعظم گڑھ ۱۳۰۰ھ/۱۹۲۶ء

۵۵۔ نسیم طالوت، علامہ — حضرت عراقی کی اولاد — رسالہ تنویر، ملتان سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء

اخبارات

۵۶۔ ترمذی شمیم حیدر — ملتان کی دینی درسگاہیں — امروز ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء

۵۷۔ ریاض احمد (ملک) — "ملتان کی مخصوص فن تعمیر اور اس کے چند شاہکار" — ایضاً

۵۸۔ عتیق فکری، علامہ — برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات — ایضاً

۵۹۔ قادری، محمد صدیق خان — "عظیم روحانی پیشوا" حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی — ایضاً

۶۰۔ قیصرانی ۔ م ۔ ی — فن تعمیر — امروز (ہفت روزہ اشاعت) ۱۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

۶۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ (ف۔ القیوم) — دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول ۱۹۸۰ء

Marfat.com

قلمی نسخوں کی فہرست

۱۔ امام الدین، مولانا (مرتب) نافع السالکین (فارسی) ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی

۲۔ امام بخش (خواجہ) گلشن ابرار (فارسی)

۳۔ احمد یار حافظ (مؤلف) منتخب ملفوظ شریف حضرت یہ تینوں ایک ہی کتاب کے الگ
یار محمد بن تاج چشتی (مرتب) خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی) الگ نسخے ہیں۔ ان کے کاتب الگ

۴۔ ایضاً المنتخب ملفوظ (فارسی) الگ ہیں۔

احمد الدین کتابت ۱۴ محرم ۱۳۱۶ھ

۵۔ یار محمد بن تاج (مرتب) انوار سلیمانیہ (فارسی)

میاں غلام محمد ولد حافظ
محمد بختیار (کاتب)

۶۔ درزی تونسوی، میاں مناقب سلیمانی (فارسی) یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیے پہ لکھی گئی ہے۔

۷۔ رکن الدین، مولوی اشارات فریدی (حصہ پنجم) فارسی، ملفوظات خواجہ غلام فرید۔

۸۔ زاہد شاہ ٹھٹھی، مخدوم اسرار الکمالیہ (فارسی) ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی (سیٹد)

۹۔ زکریا۔ بہاء الدین (ملتانی) دیوان فارسی

۱۰۔ سعد اللہ رضوی، سید بحر السرائر (فارسی)
خلیفہ محمد امین (کاتب)

۱۱۔ شرف الدین قریشی، شیخ منبع البرکات (تذکرہ حقانیہ، فارسی)

۱۲۔ ضیاء الدین بن حافظ خلاصۃ العارفین (فارسی) ملفوظات حضرت بہاء الدین زکریا
مولوی عبداللہ قادری ملتانی ۲۷ شعبان ۱۲۹۰ھ

۱۳۔ عبدالغفور انصاری، مولوی در تعریف خواجہ خدا بخش (سرائیکی منظوم)
المتخلص عبداللہ

Marfat.com

۱۴۔	غلام حسن شہید، منشی	انوار جمالیہ (فارسی) سوانح عمری حافظ، محمد جمال ملتانی
۱۵۔	ایضاً	دیوان حسن (فارسی)
۱۶۔	ایضاً	نور الہدایت (مثنوی فارسی)
۱۷۔	ایضاً	رسالہ نور الہدیٰ (فارسی)
۱۸۔	ایضاً	دیوان متفرقات (اردو، سرائیکی، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف)
۱۹	غلام فخر الدین تونسوی مولانا	خلاصۃ الفوائد مشتمل بحالات خواجہ نور محمد مہاروی ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ
	حکیم محمد عمر چشتی (مرتب)	
۲۰۔	فرید مسعود اجودھنی	گنج الاسرار (ملفوظات بابا فرید گنج شکر) ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ
۲۱۔	فقیر محمد عارف	کوہِ غم، در بیان سفر بیت اللہ و مدینہ (سرائیکی) ۱۳۰۱ھ
۲۲۔	قادری، دارا شکوہ	سفینۃ الاولیاء (فارسی) ۳۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ کاتب یار محمد مرید غلام حسن شہید
۲۳۔	گل محمد، چشتی، مولوی	گلزارِ فریدی (فارسی) ملفوظات بابا فرید گنج شکر
۲۴۔	محمد افضل قریشی	خلاصۃ الاحباب (فارسی) ۱۱۶۶ھ
۲۵۔	منور حسین۔ حیدر گورگانی	عقائد و مذاہب
۲۶۔	نظام الملک	مناقب فخریہ مشتمل بر حالات شاہ فخر الدین دہلوی ۱۲۹۳ھ

ذخیرہ

Marfat.com

Marfat.com

بیکن بکس، ملتان

Marfat.com